حیاتِ طیب رح

اضافہ شدہ ایڈیشن

بیسویں صدی میں قرونِ اولیٰ کے علمی کمالات دینی افکار اور مثالی سیرت و اخلاق کی حامل
ایک ممتاز دینی شخصیت ایشیا کی مثالی دینی دانش گاہ دار العلوم دیوبند کے طویل المیعاد اور مثالی
مہتمم، فکرِ ولی اللہی کے نقیب، حکمتِ قاسمیہ کے شارح، مسلکِ دیوبند کے ترجمان

حکیم الاسلام حضرت مولانا

محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

کی حیاتِ مبارکہ و خدماتِ جلیلہ کا مفصّل جائزہ

حسبِ ایماء

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی قدس سرہ

سابق مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

نگرانی

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ

مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

ترتیب

غلام نبی قاسمی

سابق استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم و ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

باہتمام

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

فلنحيينه حيوة طيبة

حیاتِ طیب رح

اضافہ شدہ ایڈیشن

بیسویں صدی میں قرونِ اولیٰ کے علمی کمالات دینی افکار اور مثالی سیرت و اخلاق کی حامل
ایک ممتاز دینی شخصیت ایشیا کی مثالی دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے طویل المیعاد اور مثالی
مہتمم، فکر ولی اللّٰہی کے نقیب، حکمتِ قاسمیہ کے شارح، مسلکِ دیوبند کے ترجمان

حکیم الاسلام حضرت مولانا

محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

کی حیاتِ مبارکہ و خدماتِ جلیلہ کا مفصل جائزہ

حسبِ ایماء

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی قدس سرہ

سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

باہتمام

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم وقف دیوبند

نگرانی

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ترتیب

غلام نبی قاسمی

سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم و ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی
دارالعلوم وقف دیوبند

1

حیاتِ طیب
جلد اوّل

ترتیب : غلام نبی قاسمی / محمد شکیب قاسمی

طبع اولیٰ : ۱۴۳۵ھ - ۲۰۱۴ء

طبع دوم : ۱۴۴۳ھ - ۲۰۲۲ء (اضافہ شدہ ایڈیشن)

باهتمام : حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند

Composed by : Umar Ilahi

ISBN : 978-93-84775-22-3

Hujjat al-Islam Academy
Aljamia Al-Islamia Darululoom Waqf Deoband
Eidgah Road, P.O. 247554, Deoband
Distt. Saharanpur U.P. INDIA
Tel : +91-1336-222352, Mob: +91-9897076726
Email : hujjatulislamacademy2013@gmail.com
hujjatulislamacademy@dud.edu.in
Website : http://www.dud.edu.in
Printed at: Al Huda Printer, Delhi

بسم الله الرحمن الرحيم

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ*

حیات تیری نئے جہاں میں وقار بخشِ علومِ نو ہے
تری جبیں پر جبینِ قاسم کی دل نواز و حسین ضو ہے

تری صدا کو بصیرتوں کی فضا کا الہام کردیا ہے
حکیم الامت نے اک نظر میں حکیم الاسلام کردیا ہے

خدا کے فضل و کرم سے دیں کا مقامِ محمود مل گیا ہے
تو ہے وہ غنچہ جو زندگی کی خزاں سے ٹکرا کے کھل گیا ہے

ترے تفکر میں قرنِ اوّل کی عظمتوں کا نشاں ملے گا
تری خطابت میں عبرتوں کا تصور جاوداں ملے گا

مری نظر میں نئے زمانے کا فخر مصر و حجاز تو ہے
کیا جسے منکشف مشیت نے وہ حقیقت کا راز تو ہے

رشید کے باغِ آرزو کا نگاہ افروز پھول تو ہے
ملا دوامِ بہار جس کو گلِ ریاضِ رسول تو ہے

جہاں گیا تو وہیں اکابر کا رنگِ اعزاز دیں بڑھایا
رہے گا تا عمر تیرے سر پر خدا کی رحمت کا خاص سایا

حوادث دہر تیری شہرت نہ زندگی بھر مٹا سکیں گے
ترے قدم کی بلندیوں کو عروج والے نہ پا سکیں گے

............❖............

* از: علامہ انور صابریؒ

فہرست مضامین حیاتِ طیبؒ

بابِ اوّل

ولادت، طفولیت، تعلیم و تربیت

تعلیمی ریکارڈ

مسندِ اہتمام اور دار العلوم دیوبند کی ترقیات

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس اور صدارت

مقدراتِ الٰہیہ

وفات

منظوم و منثور تعزیتی پیغامات

اولاد و احفاد

تاسیسِ دارالعلوم وقف دیوبند

اخلاق، عادات، صفات

باب دوم

درس و تدریس

خطابت

تصنیف و تالیف

مجالس

ملفوظات

معارف

مکتوبات

شاعری

منظوم صد سالہ

چند واقعات اور ان سے مفید نتائج کا استنباط

احسان و سلوک

سپاس نامے

سپاس نامے و استقبالیہ خطبات (از: حضرت حکیم الاسلامؒ)

سپاس نامہ برائے: پروفیسر ہمایوں کبیر

حیاتِ طیب ...... ایک مختصر خاکہ

باب اوّل

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پیدائش، نشو ونما، تعلیم وتربیت، اساتذہ ومشائخ،
بیعت وسلوک، دارالعلوم کی خدمات وترقیات،
اجلاس صدسالہ، مسلم پرسنل لاء بورڈ، مقدراتِ الٰہیہ،
قیام دارالعلوم وقف دیوبند، وفات
اولاد واحفاد، تعزیتی پیغامات

تقدیم

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ
مہتمم دارالعلوم وقف دیو بند

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے ہدایت آفریں علوم بیکراں کو جہاں عادۃً ''علمی طبقات'' میں تقسیم فرما کر ظاہر فرماتے ہیں، وہیں کبھی کبھی خرقِ عادت کے طور پر کسی تکوینی مصلحت کی تکمیل اس طرح بھی فرمائی جاتی ہے کہ کسی ایک شخصیت کے قلب و دماغ کو کمال ایمان، اعمال اور مکارم اخلاق و اخلاص کے ساتھ شرعی علوم کا خزانہ بنا کر اس کی تنہا ایک ذات سے بے حساب علمی شخصیات اور لاتعداد علمی طبقات کے برابر کام لے لیا جاتا ہے اور اس کی روحانیت ومعرفت اور اصلاح وہدایت کے دائرہ افادیت کو لوگوں کی افرادی تعداد اور زمین کی جغرافیائی حد بندیوں کا پابند نہ رکھ کر اس کی خدمات کو آفاقی اثر آفرینی عطاء کر دی جاتی ہے جس سے اس کا فیضان تمام انسانی برادری تک عام ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ جامع علوم ومعرفت قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ العزیز سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کو لاتعداد علمی طبقات کے برابر لافانی و لاثانی دینی خدمات کے شرف سے مشرف فرمایا۔ حضرت والاؒ نے اپنے زبان وقلم سے کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیمات اسلام کے عالم گیر و آفاقی حقائق کی وہ صحیح اور مؤثر ترین ترجمانی فرمائی ہے کہ جس نے ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے ایک سو سے زائد ممالک کے کروڑوں سے متجاوز افراد کو دین کا صحیح فہم اور اس پر استقامت عطاء کی ہے اور مسلک حق دارالعلوم دیوبند کو فکر ولی اللٰہی وقاسمی پر اس جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے کہ جو بقول علامہ اقبالؒ ''ہر صحیح العقل مسلمان کا مسلک'' قرار پا گیا۔ حضرت والا اپنے وقیع و وسیع علم ومعرفت اور مؤثر ترین اصلاح وہدایت کے لحاظ سے گذشتہ صدی کی وہ تاریخ ساز وعہد آفریں شخصیت ثابت ہوئے کہ جن کی عالمی دینی رہنمائی، بیکراں علم ومعرفت، روحانی انقلاب آفریں اصلاح وہدایت، مثالی دیانت وامانت، بین الاقوامی فکر قاسمی پر دارالعلوم کا نظم واہتمام، مردم ساز تعلیم وتدریس، عالمی مرجعیت ومرکزیت، مدلل ترین تحریر و کتابت، مؤثر ترین تقریر وخطابت، ملت اسلامیہ کی دینی نشأۃ ثانیہ اور دارالعلوم دیوبند کو عالمی دینی دانش گاہ بنا دینے والی بے مثال

خدمات اور کارناموں کے حوالے سے انیسویں صدی کی ایک مثالی شخصیت تھے۔

عنداللہ مقبول فکر قاسمی پر دارالعلوم دیوبند کی عمر کے ابتدائی انسٹھ سال میں پانچ مہتممین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعہ اس ''مدرسہ عربی'' کو ملک گیر ''دارالعلوم'' کے مقام رفیع تک پہنچایا اور اس کی عمر کے مابعد کے انسٹھ سال میں تن تنہا قطب ارشاد حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی جامع الصفات عظیم المرتبت عالمی شخصیت نے بلاشرکت غیرے اس ''دارالعلوم'' کو ''عالمی مرکز علوم اسلامیہ'' بنایا۔

حکیم الاسلامؒ کے حالات زندگی کے مختلف گوشوں پر حضرتؒ کی وفات سے لے کر اب تک اہل علم بہ تسلسل لکھتے آرہے ہیں تاہم ایسی عظیم المرتبت دینی شخصیت کی باضابطہ سوانح حیات کی ضرورت طبقاتِ علماء میں بہ شدت محسوس کی جارہی تھی جس میں ایک خاص ترتیب اور علمی دیانت کے ساتھ حضرت کے سیرت واخلاق اور کمالاتِ علمیہ کو سامنے لاکر قابل استفادہ بنایا جائے۔

باعث مسرت ہے کہ یہ دیرینہ خواب حضرت حکیم الاسلامؒ کی ایک مفصل سوانح ''حیاتِ طیب'' زیرنگرانی عزیزم مولانا محمد سفیان قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، باہتمام حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند منصہ شہود پر آرہی ہے۔ ''حیاتِ طیب'' کی ترتیب عزیز گرامی جناب مولانا غلام نبی قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند وعزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی، استاذ وناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کی فاضلانہ ومخلصانہ مساعی کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہے۔

جناب مولانا غلام نبی قاسمی ایک باوقار، بااستعداد اور علمی وتحقیقی کاموں کے تعلق سے طلباء وعلماء میں یکساں طور پر مشہور ومقبول ہیں اور عزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی ممتاز علمی صلاحیتوں کے ساتھ علوم عصریہ سے مرصع اور عصری اسلوب میں علمی تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند انہیں کی خاص دلچسپیوں اور علمی سرگرمیوں کے نتیجہ میں وجود میں آئی اور بحمداللہ روزافزوں ترقی کی منزلیں طے کررہی ہے۔

''حیاتِ طیب'' کی مثالی ترتیب، معیاری اشاعت وجاذب نظر سرورق، کتابت وطباعت جہاں حجۃ الاسلامؒ کے علمی وتحقیقی کاموں کے لئے نیک فال کی حیثیت رکھتی ہے وہاں عزیز موصوف کی محنت، ذوق وشوق اور اکیڈمی کو اپنے بلندتر معیار ومقاصد سے ہم آہنگ کرنے کی سعی پیہم کی بھی ایک زندہ شہادت ہے۔

دعاء ہے کہ رب کریم ''حیاتِ طیب'' کو شرف قبولیت سے نوازے اور حکیم الاسلامؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ مفصل سوانح علمی حلقوں میں مقبول عام ہو اور استفادہ کا ذریعہ بنے۔

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

رائے گرامی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ

ناظم دارالعلوم ندوۃالعلماء، لکھنؤ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے عہد کی بڑی مایۂ ناز علمی و دینی شخصیت تھی، علم دین اور حکمت و دانش کے بلند پایہ حامل تھے۔ انہوں نے اپنے عظیم مورث اور علوم دینیہ میں مقام بلند رکھنے والے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی گہرائی اور وسعت کی وراثت پائی تھی، اس کو ان کی تقریروں، تحریروں اور درس میں محسوس کیا جاتا رہا ہے۔

انہوں نے اپنے اس بلند علمی مقام کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درس گاہ کو جو اُن کے اسلاف کی کوششوں کا مرکز رہی تھی، اپنے آغاز جوانی میں سنبھالا اور اس کی خدمت میں اپنی پوری عمر لگادی۔ ان کی کوششوں کا مظہر صرف دارالعلوم دیوبند کی ترقی اور مضبوطی میں ہی نمایاں اور محدود نہیں تھا، بلکہ اس کے نمائندۂ خاص ہونے کے تعلق سے ہندوسانی مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ بھی اثر پذیری کے ساتھ انجام دیا، مسلمانوں میں جو دینی انحراف یا عقائد کی خرابی پائی جاتی تھی، اس کے ازالہ میں بھی خصوصی حصہ لیا۔ خاص طور پر بمبئی وغیرہ کے علاقہ میں بہت سے لوگوں کی اصلاح میں ان کا نمایاں حصہ رہا۔

وہ ایک دل نواز اسلوب کے حامل خطیب تھے۔ ان کی کئی کئی گھنٹے کی تقریریں سامعین اس طرح سنتے تھے کہ ان کا نہ جی اکتاتا تھا اور نہ وہ تھکتے تھے۔ ان کی محبت بھی دل نواز تھی، جس سے ان کے ملنے والے اور ان کے سننے والے متاثر ہوتے تھے، وہ اپنی باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ، صاف ستھرے مظہر کے اور دل نواز طرز و انداز کے مالک تھے، طبیعت میں نرم مزاجی اور خوش اخلاقی تھی، اُن سے مل کر مسرت حاصل ہوتی تھی اور طبیعت ان کی طرف مائل ہوتی تھی۔

گفتگو اور اندازِ کلام دل کو متاثر کرنے والا اور ذہنوں کو مطمئن کرنے والا ہوتا تھا۔ اپنی بات کو علمی و تاریخی حوالوں اور مثالوں سے واضح کرتے تھے۔ بعض اہم ترین موقعوں پر علماء کی طرف اُن کی نمائندگی بڑی مؤثر ثابت ہوئی، خصوصاً جب مولانا ابوالکلام آزاد نے علماء کا ایک مشاورتی اجتماع لکھنؤ میں بلایا تھا اور

یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان آزاد ہونے پر مدارس دینیہ کے مستقبل کے بارے میں سوالات اٹھ رہے تھے اور علماء کی طرف سے صحیح نمائندگی کی بڑی ضرورت تھی، اس اجتماع میں علماء نے مولانا محمد طیب صاحبؒ ہی کو ترجمان بنایا اور انہوں نے بڑے علمی انداز سے اپنی بات کو بہت اچھے اسلوب میں پیش کیا جس سے مدارس اسلامیہ اور علماء کے کردار سے متعلق صحیح رخ سامنے آیا اور ملک کے ذمہ داروں کے ذہنوں نے اس کو قبول کیا۔ اس طریقہ سے دراصل دیوبند جو علوم دینیہ کا ایک موقر ترین ادارہ رہا ہے اور ہے اس کی صحیح نمائندگی کا مولاناؒ نے حق ادا کیا اور اس کے مہتمم کے منصب پر فائز ہونے سے جو ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی تھی اس کو پورا کیا۔

دارالعلوم دیوبند کی نمائندگی مولانا محمد طیب صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی میں اس طرح انجام دی کہ بہت سے ذہنوں میں اُن کا نام دارالعلوم دیوبند کے نام کے ساتھ وابستہ رہا اور اس طریقہ سے ان کی کوششوں کا فائدہ ایک طرف دارالعلوم دیوبند کو خصوصی طور پر پہونچا اور دوسری طرف ان کی باتوں کا وزن لوگوں کی اصلاح اور دینی رہنمائی کے کام میں مؤثر رہا اور دارالعلوم دیوبند میں موقر استاد بھی تھے اور درس گاہ کے منتظم وسربراہ بھی تھے۔

ایسی عظیم دینی ہستی کے حالاتِ زندگی، علمی کمالات اور روشن کارناموں پر مشتمل ایک مفصل ومعیاری سوانح ''حیات طیب'' زیر اہتمام حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کی معیاری ترتیب کے ساتھ اشاعت علمی حلقوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ ''حیات طیب'' حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کے علمی کاموں کی ایک خوش آئند پہل اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ناظم ونوجوان فاضل مولانا محمد شکیب قاسمی کی محنت اور علمی لگن کی زندہ شہادت ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو علمی حلقوں میں مقبولیت عطا فرمائے اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کو اپنے علمی اور تحقیقی کاموں میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندی
ناظم: دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

............❖............

رائے عالی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

نائب رئیس الجامعہ، دارالعلوم، کراچی

حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذاتِ گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت دَور کی دل کش یادگار تھی جس نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اوران جیسے دوسرے حضرات کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا تھا۔ جس ہستی کی تعلیم وتربیت میں علم وعمل کے ان مجسم پیکروں نے حصہ لیا ہو۔ اس کے اوصاف و کمالات کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ہم جیسوں کے لیے مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے پیکر میں معصومیت، حسنِ اخلاق اور علم وعمل کے جو نمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں ان کے نقوش دل ودماغ سے محو نہیں ہوسکتے۔

احقر کے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان قدس سرہ اور حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ اور زندگی کے ہر مرحلے میں ایک دوسرے کے رفیق رہے۔ دونوں نے دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھا۔ ساتھ فارغ ہوئے۔ ساتھ ہی پڑھانا شروع کیا۔ دونوں ایک ہی وقت میں حضرت شیخ الہندؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور پھر حضرت کی وفات کے بعد ایک ہی ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوکر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور تقریباً ساتھ ہی ساتھ دونوں کو حضرت تھانویؒ کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔

۱۳۴۵ھ میں سب سے پہلا حج بھی دونوں نے ساتھ کیا، غرض ظاہری تعلیم اور باطنی تربیت سے لے کر سیر وتفریح تک ہر چیز میں دونوں کی رفاقت مثالی تھی۔ پھر جب قیامِ پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور آزادیِ ہند کے طریقِ کار سے متعلق علماء دیوبند کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو حضرت والد صاحبؒ کی طرح حضرت حکیم الاسلامؒ کا نقطۂ نظر بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے کی طرف مائل تھا۔ لیکن حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے آپ کو عملی سیاست سے بالکلیہ یک سو کر کے ہمہ تن دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ اس لیے یہ نقطۂ نظر اسٹیج پر نہ آسکا۔ حضرت والد صاحبؒ قیامِ

پاکستان کے بعد یہاں تشریف لے آئے اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے لیے دارالعلوم دیوبند کی گراں بار ذمہ داری کے پیشِ نظر دیوبند چھوڑنے کا سوال ہی نہ تھا، لیکن یہ بات میں نے حضرت حکیم الاسلامؒ سے بارہا سنی کہ جس روز حضرت مفتی صاحب دیوبند سے پاکستان کے لیے روانہ ہوئے اس روز میں دن بھر روتا رہا۔

آپ نے حضرت والد صاحب کی وفات پر جو تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا اس میں بھی لکھا تھا کہ:

''تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے پاکستانی قومیت اختیار فرمائی اور یہاں سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے گئے تو میں مرنے والے کے لیے بھی اتنا کبھی نہیں رویا تھا جتنا آپ کے فراق پر رویا۔ یہ حالت دیکھ کر سب گھر والے بھی پریشان ہو گئے تھے کہ آخر کیا حادثہ پیش آ گیا جو اتنا گریہ طاری ہے۔ یہ تعلق کی بناء پر تھا کہ ابتدائے عہد سے ہم رفیق رہے تھے''۔

اس کے بعد وہ ہمہ وقتی رفاقت چھوٹ گئی۔ لیکن قلب وروح کا رشتہ کسی مرحلہ پر نہ ٹوٹا۔ قیام پاکستان کے بعد بارہا حضرت حکیم الاسلامؒ کراچی تشریف لائے اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کراچی تشریف لانے کے بعد آپ دارالعلوم تشریف نہ لائیں۔ چناں چہ ہر بار خدام دارالعلوم کراچی کو اپنی شفقتوں سے بہرہ ور فرماتے۔ طلباء اور اساتذہ سے خطاب بھی ہوتا اور پھر حضرت والد صاحبؒ اور ان کے درمیان جو باغ و بہار مجلس ہوتی اس میں علمی تبادلۂ خیال کے علاوہ ماضی کے تذکرے، زمانہ طالب علمی کی یادیں، اساتذہ کے واقعات اور نہ جانے کتنے موضوعات پر گفتگو ہوتی اور ہم خدام کو افادات کا نہ جانے کتنا خزانہ ہاتھ آ جاتا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حضرتؒ کی حیات وخدمات پر دارالعلوم وقف دیوبند کے ایک فعال علمی اور تحقیقی شعبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی سے ایک مفصل سوانح ''حیاتِ طیب'' شائع ہو رہی ہے، جس میں آپؒ کی شخصیت اور خدمات کو سلیقہ سے مرتب کیا گیا ہے، جس کے لئے مولانا غلام نبی قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ناظم، نوجوان فاضل عزیز گرامی مولانا محمد شکیب قاسمی سلمہٗ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند قابل مبارکباد ہیں۔

اللہ تعالیٰ ''حیاتِ طیب'' کو علمی حلقوں میں قبولیت سے نوازے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد تقی عثمانی

نائب رئیس الجامعہ، دارالعلوم کراچی

............❖............

تقریظ

حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ

صدرالمدرسین و ناظم تعلیمات، دارالعلوم وقف دیوبند

والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات اور خدمات جلیلہ کا کوئی گوشہ مخفی نہیں، علمی حلقوں میں تو حضرتؒ کی شخصیت معروف ومشہور ہے، عامۃ المسلمین میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ پھر ہندوستان ہی میں نہیں بیرونی ممالک میں اسی طرح آپ کی شہرت ہے، علوم وکمالات کا ایک خزانہ عامرہ حکیم الاسلامؒ کی تصنیفات اور خطبات میں موجود ہے۔ ضرورت تھی کہ منتشر مواد کو تاریخی لحاظ سے ایک خاص ترتیب اور علمی ڈھنگ سے یکجا کر کے باضابطہ سوانح حیات کی شکل دی جائے، جس میں آپ کی شخصیت کے متعلق ایک ایک بات نکھر کر آجائے اور عام وخواص سب ہی کے لئے استفادہ کا ذریعہ بن جائے۔ حسن اتفاق سے سالِ رواں فاضل نوجوان مولانا محمد شکیب قاسمی سلمہٗ استاذ و ناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کی تحریک پر دارالعلوم وقف دیوبند کے ذمہ داران نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام پر ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' قائم کر کے علمی وتحقیقی کاموں کی بنیاد ڈالی، جس میں اکیڈمی کے مقاصد میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ و دیگر اکابر کے علوم وافکار پر تحقیق اور عصری اسلوب میں تعلیمات کی اشاعت ہے۔

عزیز القدر مولانا محمد شکیب قاسمی حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ناظم ہیں، انہیں اپنے آباء واجداد کے علوم سے ماشاء اللہ مناسبت بھی ہے، ہونہار اور نوجوان فاضل ہیں، علوم عصریہ سے بھی آراستہ ہیں، علمی وتحقیقی کاموں کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ ادھر مولانا غلام نبی کشمیری دارالعلوم وقف دیوبند کے بااستعداد مدرس اور خالص علمی ذوق رکھنے والے انسان ہیں۔ دونوں حضرات کی محنت اور لگن کے نتیجہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی یہ مفصل سوانح ''حیات طیب'' بہترین کتابت، عمدہ طباعت اور معیاری کاغذ کے ساتھ عزیزم مولانا محمد سفیان قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی نگرانی میں حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کے زیر اہتمام زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتبین کو جزاء خیر عطا فرمائے اور کتاب کو قبولیت عامہ نصیب کرے۔ آمین

محمد اسلم قاسمی

صدر المدرسین و ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند

تأثرگرامی

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو ہندوستان کے سب سے ممتاز اور عظیم الشان علمی اور دینی ادارے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی ذمہ داری ایام شباب ہی میں مجلس شوریٰ کی طرف سے عطا کردی گئی تھی، اس وقت ان کی عمر ۲۵-۲۶/سال کے درمیان تھی، اس لئے کہ آپ کا سنہ ولادت ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء ہے، اس وقت ہندوستان میں انگریزی سامراج کے قدمِ اقتدار پوری طرح جم چکے تھے، اس نے سب سے زیادہ دینی تعلیم کے پہلو کو نا کام بنانے میں اپنا زور صرف کیا اور علوم اسلامیہ کی اہمیت کو کم کرنے اور کتاب وسنت کے علوم کی ہیبت کو خود مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے عصری تعلیم کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرنے پر اکتفاء کیا بلکہ دیوبند کی مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے عصری تعلیم کا ایک بڑا مرکز جو پہلے انگریزوں کی نگرانی میں علی گڑھ میں قائم ہو چکا تھا، اس کو زیادہ سے زیادہ تقویت پہنچانے کے لئے ہر طرح کے مادی وسائل واسباب کو فراہم کرنے میں حصہ لیا تاکہ اس کے تعلیمی اور زمینی رقبہ کو وسیع کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ قوم مسلم کے دینی مزاج کو بدل کر ایسا مزاج پیدا کیا جائے جو دین اسلام سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے، صورت حال نہایت فکرانگیز تھی اور دینی نشر واشاعت کا کام متاثر ہو رہا تھا، اس خطرے کو علمائے دیوبند نے پوری طرح محسوس کیا اور دارالعلوم کو ایک عظیم اسلامی مرکز اور علوم اسلامیہ کے مضبوط قلعہ کی حیثیت سے تیار کرنے میں وہ پوری طرح مشغول ہو گئے اور انگریزی سامراج کے خلاف ایک ایسا محاذ کھولنے میں کامیاب ہوئے جہاں سے ملک کو اس سامراج کی غلامی سے آزاد کرانے اور امت مسلمہ کے علم وعقیدہ اور ایمان ویقین کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے علماء ومجاہدین کی ایک نسل تیار کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی۔

اب دارالعلوم دیوبند ایک طرف علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت، ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا ایک عظیم

مرکز تھا، تو دوسری طرف انگریزی سامراج کا مقابلہ کرنے اور اس راستہ میں ہر طرح کی قربانی دینے کا جذبہ ایک حقیقت منتظر بن گیا تھا، دارالعلوم کے مؤسس اول حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے گرد اس وقت کے تمام علمائے کرام جمع ہوگئے، علوم اسلامیہ کا یہ قلعہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، انگریزوں کی نفرت دلوں میں پیوست ہوتی گئی اور ان کے ہر حملے کا جواب دینے کے لئے علماء کرام کی فوج تیار ہی تھی کہ اچانک شاملی کے میدان میں علماء نے مقابلہ کیا اور انگریز پسپا ہو رہا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام پائے اور بیرون ملک سے بہت سے موقر حضرات دارالعلوم دیکھنے اور وہاں کے تعلیمی نظام کو قریب سے سمجھنے کی غرض سے آئے، انہیں کے دور اہتمام میں مصر کی نمایاں شخصیت جناب انور السادات دارالعلوم دیکھنے آئے اور انہوں نے آپ ہی کے دورِ مبارک میں بحیثیت مہتمم ان کو دورۂ مصر کی دعوت پیش کی، انہیں کے دورِ اہتمام میں ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد حضرت مہتمم صاحبؒ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دارالعلوم تشریف لے گئے اور افغانستان کے محمد ظاہر شاہ نے بھی دارالعلوم کی زیارت کی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تعارف کرانے اور اس کے پیغام کو دور دور تک پہنچانے میں مختلف ممالک کا سفر کیا، افریقہ کے مختلف ملکوں کا سفر کیا، برما تشریف لے گئے اور ۱۹۶۳ء میں جنوبی افریقہ اور جمہوریہ مصر کا سفر فرمایا اور مؤتمر اسلامی کی دعوت پر مہتمم صاحب نے یورپ کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور ہر جگہ دارالعلوم کے تعارفی اجتماعات منعقد کرائے۔

حکیم الاسلامؒ نے اپنی پوری زندگی دارالعلوم کے لئے وقف کر دی تھی اور دنیا کے گوشے گوشے میں دارالعلوم کا تعارف کرانے کے لئے ہر طرح کے سفر کی مشقتیں برداشت کیں اور جان و مال کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔

مجھے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت مسرت ہو رہی ہے کہ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد ایوب صاحب، سابق ناظم جامعہ مفتاح العلوم مئو اور سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل نے طالب علمی کا ایک طویل زمانہ دارالعلوم میں بحیثیت طالب علم کے گزارا، وہ محدّثِ کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے قریبی تلامذہ میں شمار ہوتے تھے اور کئی کتابوں میں حکیم الاسلامؒ کے رفیق درس بھی رہے، اس طرح حکیم الاسلامؒ کے خاندان سے ہمیشہ قریبی وابستگی رہی، چنانچہ ہمارے برادر معظم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی صاحب جنہوں نے دارالعلوم کے طبیہ کالج کے ایک اہم استاذ کی حیثیت سے تقریباً ستائیس

سال دارالعلوم میں گزارے، اس دوران ان کا قلبی اور مخلصانہ تعلق حکیم الاسلامؒ اور ان کے فرزندگانِ کرام سے بہت قریبی رہا اور حضرت محدّث کشمیری علامہ انور شاہؒ کے صاحبزادگان عظام سے بہت بے تکلفانہ تعلق قائم رہا، جو بحمداللہ آج بھی اس خاندان کے افراد سے ہمارا تعلق قائم ہے۔ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کا دارالعلوم میں قیام حکیم الاسلامؒ کے دور اہتمام میں رہا اور اختلافات وخلفشار کے زمانہ میں ان کو اس کی سزا بھی ملی اور ان کی قیام گاہ پر دھاوا بول کر نامعلوم لوگوں نے ان کی بہت سی کتابوں کے مسودات جو طباعت کے لئے بالکل تیار تھے، لوٹ لیا اور ان کو ہمیشہ کے لئے ان مسودات کی طباعت سے محروم کردیا۔

حکیم الاسلامؒ نے متعدد بیش قیمت تصنیفات اپنے ایک علمی ورثے کے طور پر امت کو عطا فرمائیں، ان میں اسلام کا اخلاقی نظام، حدیث کا قرآنی معیار، قوموں کی ترقی وزوال کے اسباب، اسلامی مساوات، دعوت اسلامی کے اصول، سائنس اور اسلام انتہائی قابل استفادہ کتابیں ہیں۔ سائنس اور اسلام ان مقالات کا مجموعہ ہے جن کو آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی میں طلباء اور اساتذہ کے سامنے پیش کیا۔

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ خانوادۂ قاسمی کے فاضل نوجوان مولانا محمد شکیب قاسمی ناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کی محنت اور جدوجہد کے نتیجہ میں حکیم الاسلامؒ کے مفصل حالاتِ زندگی اور علمی کارناموں پر مشتمل ''حیاتِ طیب'' منظرعام پر آرہی ہے، جس سے انشاءاللہ علمی حلقے مستفید ہوں گے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ''حیاتِ طیب'' کو قبولیتِ عامہ سے نوازے۔ آمین

سعید الرحمٰن اعظمی
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تقریب

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

رجال کار خدائی نظام ہدایت کا حصہ ہوتے ہیں، جو اپنی تعلیمات، سیرت و کردار، اخلاق و عمل، اپنی ظاہری و باطنی قوتوں اور ذہنی و فکری صلاحیتوں سے انسانی تہذیب و تمدن کو اس نظامِ ہدایت کے سانچہ میں ڈھالانے اور اس کی مرضی و منشاء کی ترویج و تطبیق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، یہ رجال کار اپنے آپ میں ایک عہد کی دینی تاریخ اور اپنی ذات میں ایک مستقل امت کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے ایک تاریخ بنتی ہے، ایک زمانے کے دینی تصورات اور فکری ارتقاء کی ایک اجلی تصویر اور تجدید دین کی ایک صاف ستھری تفسیر خود ان کی ذات ہوتی ہے۔ آنے والے ان کی کتابِ زندگی کے جب اوراق پلٹتے ہیں تو لفظ لفظ ان کے تقویٰ و طہارت کی شہادت فراہم کرتا ہے، سطر سطر ان کی دینی عظمت، ایمانی قوت اور سیرت و کردار کی پاکیزگی کی سند پیش کرتی ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ قصوں کے ضمن میں جگہ جگہ ان مقدس ہستیوں کی صلاح و تقویٰ سے معمور زندگیوں اور ان کے ایمان افروز تذکروں کو بار بار دوہرا کر یہ سبق دیا ہے کہ رجال دین کے حالاتِ زندگی انسانی سیرت و اخلاق کی درست نہج پر تعمیر کا ایک پر اثر اور طاقتور پیغام اپنے اندر رکھتے ہیں، ان کی زندگی کے قیمتی لمحات، کتنی ہی زندگیوں میں صالح انقلاب کا ذریعہ، ان کی سیرت و کردار کی روشنی مخلوقِ خدا کے لئے قندیل ربانی اور ان کی للّٰہیت اور حسن نیت کے سچے واقعات پژمردہ دلوں کے لئے حیات نو کا سامان بنتے ہیں۔

انہیں پاکیزہ مقاصد کو سامنے رکھ کر سلفِ صالحین کی سوانح عمریاں مرتب ہوئیں اور تراجم رجال کا ایک خزانہ عامرہ امت کے سامنے آیا، اسے حکمت الٰہیہ کی کارفرمائی کہئے کہ دین اسلام کی تعلیمات، عبادات، نظام اخلاق اور شرائع و احکام کے تحفظ کا ذریعہ جب رجال دین کو بنایا تو خود رجالِ دین کے نقوش زندگی اور ان کے ذکر خیر کی حفاظت کا بھی تکوینی طور پر اس طرح بندو بست فرما دیا کہ تراجم رجال اور شخصیات دین کی سوانح حیات کو منضبط و محفوظ کر دینے کا داعیہ امت مسلمہ میں پیدا فرمایا۔ اس تکوینی

نظام کے تحت امت مسلمہ کے پاس اپنے آخری پیغمبر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک ایک گوشہ اور آپؐ کے مقدس ارشادات کے الفاظ اور جملے ہی نہیں، ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشہ محفوظ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ امتیاز اور شرف صرف امت ہی کو حاصل ہے کہ اس کے پاس نہ صرف اللہ کی آخری کتاب اور آخری پیغمبرؐ کی سنت محفوظ ہے بلکہ اللہ کے آخری نبیؐ کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحہ کے اعمال، طور طریقے اور احوال تک محفوظ ہیں، حتیٰ کہ جن نفوس کو آپؐ کی پاکیزہ صحبت میں ایک لمحہ بھی گزارنے کی سعادت میسر آئی، ان کے حالاتِ زندگی بھی محفوظ بلکہ دین کا حصہ بن گئے۔ ابتدائی دینیات کے ایک معصوم اور سادہ لوح بچہ سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے بارے میں کوئی سوال کیجئے، یقین ہے کہ وہ بھی انشاءاللہ بے خبر نہ ہوگا، اس کے برخلاف کسی عیسائی یا یہودی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں ان کے ماننے والوں میں سے کسی بڑے سے بڑے عالم سے بھی سوال کریں گے تو سکتہ میں آجائیں گے، ان تک اولاً تو کچھ پہنچا ہی نہیں اور بدقسمتی سے پہنچا بھی تو وہ تحریف وتصرف کا ایسا ملغوبہ ہے کہ جس کو پڑھ کر کسی صحیح بات کا پتہ لگانا تو دور، یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟

جد امجد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم وافکار کے امین اور ترجمان تھے۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسی عظیم الشان ہستیوں سے انہوں نے کسب فیض کیا اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے شیخ کامل سے روحانی تربیت پائی۔ گھر کا ماحول خالص علمی اور دینی، تقریباً ساٹھ سال تک اپنے جد امجد کے قائم کردہ سرچشمہ فیض دارالعلوم دیوبند کے بے مثال مہتمم، اپنے دور میں ملت اسلامیہ ہند کے متفق علیہ دینی قائد، عظیم داعی دین، بلند پایہ خطیب، بہترین متکلم، شاندار مصنف اور مدرس، ایک دانشور، مفکر اور تقویٰ وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔ راقم السطور کو اپنے بچپن سے حضرت حکیم الاسلامؒ کے آخری وقت تک ان کے معمولات، معاملات، معاشرت، سیرت واخلاق اور عادات واطوار کو دیکھنے اور سمجھنے کی سعادت میسر آئی، بعض اسفار میں بھی حضرت کی معیت نصیب ہوئی، گھر میں بچوں کے ساتھ گھلے ملے رہتے اور شفقت کے ساتھ پیش آتے، تربیت کا انداز بھی حکیمانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا، ڈانٹ ڈپٹ اور سخت سست کا کوئی لفظ ان کے لغت میں تھا ہی نہیں، ان کے ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھر میں ایک روشنی، سکینت، طمانینت کی بارش ہو رہی ہے۔ اعزہ واقرباء کی خبر گیری، بیمار پرسی، خوشی وغم میں شرکت، ہمدردی، مہمان نوازی، فیاضی، اتباع سنت،

نفاست، لطافت، احتیاط، دیانت، شرافت یہ سب اوصاف حکیم الاسلامؒ کی شخصیت سے نمایاں ہوتے تھے۔

دار العلوم دیو بند جیسے عالمی ادارہ کے مہتمم تھے۔ صرف ہندوستان ہی نہیں ایک دنیا انہیں جانتی تھی، ان کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کرتی تھی، بڑے بڑے لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے، بایں ہمہ انکساری اور خاکساری کا پیکر معلوم ہوتے، قول وعمل اور برتاؤ میں کبر اور غرور کا شائبہ تک نہ تھا، ایک اجنبی بھی اپنائیت محسوس کرتا، بیگانہ بھی محبت کرتا، صبر و برداشت کے تو پہاڑ تھے۔ عمر کی آخری منزل میں جن آزمائشوں سے گزرے ان میں مومنانہ صفات کھل کر سامنے آئیں، اف تک نہیں کیا اور سب برداشت کر گئے۔ دار العلوم دیو بند کے اہتمام کی مصروفیات اور پیہم اسفار، دعوتی مشاغل اور جسمانی عوارض وضعف کے باجود مطالعہ وکتب بینی، تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت اور تلاوت اور ذکر وفکر کے ہی معمولات جاری رہے جوان کی زندگی کا جزء لاینفک تھے۔ عہد طفولیت سے لے کر تعلیم سے فراغت تک کے تقریباً بائیس برس اگر نکال لئے جائیں تب بھی نصف عمر ایسی گزرتی ہے جس کے شب و روز علم وعمل، خدمت دین میں گزرتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ایسا نہیں کہ جس میں آرام سے بیٹھے ہوں یا قلب و دماغ علمی مشاغل سے فارغ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر دیو بند میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بعد دین کے ہر موضوع پر سب زیادہ تصانیف آپ ہی کی ملتی ہیں۔

ہر مسئلہ کو حکمت قاسمیہ کے رنگ میں حل کرتے اور مخاطب کے ذہن میں نقش کر دیتے۔ تحریر وتقریر، مجلس وگفتگو ہر ایک میں یہی حکیمانہ اسلوب ان کا امتیاز تھا۔ بعض ادق علمی مسائل کو انہوں نے اپنے انداز میں امثال وواقعات اور نئے نئے مقدمات کے ذریعہ اس طرح حل کیا ہے کہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوتی۔

حکیم الاسلامؒ کی وفات کو تقریباً اکتیس برس ہو چکے ہیں ہماری دلی خواہش تھی اور کوشش بھی کہ آپؒ کی ایک مفصل سوانح حیات سامنے آنی چاہئے جس میں آپ کی حیاتِ مبارکہ اور علمی کارناموں کا ایک ایک گوشہ آجائے مگر ایسی عظیم شخصیت پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں تھا، اس عرصہ میں حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کے بعض گوشوں پر مفید تحریریں بھی سامنے آئیں، بالخصوص ۲۰۰۷ء میں جب آپ کی حیات ووفات پر ایک عالمی سیمینار کا اعلان کیا گیا، اس وقت مقالات ومضامین کی صورت میں مشاہیر اہل علم کی معیاری تحریریں ہمیں موصول ہوئیں، جنہیں سیمینار کے بعد شائع کرنے کا عزم تھا، مگر تاخیر ہوتی چلی گئی۔ بالآخر قدرت کو یہی منظور تھا کہ یہ تحریریں حکیم الاسلامؒ کی سوانح کا حصہ بنیں۔

رب کریم کا احسان ہے کہ آج ہمارے اس دیرینہ خواب کی تعبیر ''حیاتِ طیب'' کی صورت میں

سامنے آرہی ہے۔

''حیاتِ طیب'' کی ترتیب میں جناب مولانا غلام نبی قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند و عزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی سلمہٗ ناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبند نے جس محنت، صلاحیت اورسلیقہ کا ثبوت دیا ہے وہ حقیقت میں قابل ستائش ہے۔

جدید طرز تصنیف کے ساتھ ترتیب، کتابت، تصحیح، طباعت، سرورق اور کاغذ کا جو بہتر سے بہتر معیار ہوسکتا تھا اس کے لئے امکانی کوشش کا یہ نمونہ آپ کے سامنے ہے، اس کے لئے عزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی ناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبند بطور خاص مبارکباد کے مستحق ہیں۔ حجۃ الاسلام اکیڈمی کا قیام سالِ رواں میں عزیز موصوف ہی کی تحریک سے عمل میں آیا اور اس مختصر عرصہ میں اکیڈمی نے جو علمی و تحقیقی کام کیا ہے اس میں ایک عالمی سطح کا مجلّہ محکمہ ''وحدۃ الامۃ'' جس کا اجراء گزشتہ دنوں ساؤتھ افریقہ (جوہانسبرگ) میں منعقدہ سہ روزہ امام محمد قاسم نانوتوی سیمینار کے موقع پر عالمی سطح کے مشاہیر علماء و دانشوران دین کی موجودگی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیخ الحدیث جناب ڈاکٹر محمد عوامہ کے ہاتھوں عمل میں آیا ہے اور دوسرا عظیم الشان کارنامہ ''حیاتِ طیب'' کی ترتیب واشاعت ہے، جس کے لئے بشمول ناظم اکیڈمی عزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی، جملہ ارکان حجۃ الاسلام اکیڈمی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اوراس کی افادیت کو عام فرمائے۔

محمد سفیان قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

............❖............

تقریظ

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی صاحب مدظلہٗ

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم وقف دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی شخصیت علم وکمال کی ایک انجمن تھی، اسی شخصیت کے حالات زندگی کو ایک خاص سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ پیش کرنا واقعی بڑا اہم کام تھا اور شاید اسی لئے اس میں تاخیر بھی ہوئی۔

میرے والد مرحوم حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''کاش حضرت حکیم الاسلامؒ اپنی سوانح حیات اپنے قلم سے ہی مرتب فرمادیتے تو علم وتحقیق اور حکمت ومعرفت کی ایک نئی کائنات سامنے آجاتی۔''

یہ حقیقت بھی ہے کہ حکیم الاسلامؒ اپنی سوانح حیات خود لکھتے تو حکمت قاسمیہ کی عملی تفسیر دیکھنے میں آتی، یا پھر آپ کے فرزند جلیل خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کے گوہر بار قلم سے کچھ سامنے آتا تو دیدنی وشدنی ہوتا مگر اسے حرماں نصیبی ہی تصور کرتے ہیں کہ حکیم الاسلامؒ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام جس آزمائش اور ابتلاء میں گزرے اس نے پوری ملتِ اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ خانوادۂ قاسمی کی ان دو بزرگ ہستیوں پر کیا گزری ہوگی، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے میں خود کو اور خاندانی شرافتوں وروایتوں کو سنبھالے رکھنا ہی بہت بڑا کام تھا، پھر ان حضرات نے تو اس سے بڑھ کر دارالعلوم وقف دیوبند کی صورت میں ازسرِنو ایک عظیم الشان دینی دانش گاہ قائم کر کے مسلک دیوبند کی شاندار روایتوں کے تحفظ کا وہ سروسامان کیا جو اپنے آپ میں بیسویں صدی کا ایک عظیم الشان دینی کارنامہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

حکیم الاسلامؒ کو میرے جد امجد حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے تلمذ کی جو نسبت حاصل تھی اور جس درجہ کا خاندانی تعلق تھا، میرے والد مرحوم کی کوئی تحریر، گفتگو، مجلس اس کے تذکروں سے خالی نہ تھی۔ راقم السطور نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا ہے کہ جب والد مرحوم حضرت حکیم الاسلامؒ کا ذکر کرتے تو

آنکھیں بھرآتیں، آواز بھرّا جاتی، انہیں حضرت حکیم الاسلامؒ سے تعلق ہی نہیں بلکہ عشق تھا، اس ادب و احترام اور عقیدت و محبت سے ان کا ذکر فرماتے تھے کہ سننے والوں کے دلوں میں بھی حضرت حکیم الاسلامؒ کی محبت اور عقیدت نقش ہوجاتی تھی، جب انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت علامہ کشمیریؒ کی سوانح حیات ''نقش دوام'' لکھی تو حضرت حکیم الاسلامؒ سے اس پر مقدمہ لکھوایا، اس وقیع مقدمہ کے آخر میں میرے والد مرحوم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود حضرت حکیم الاسلامؒ کو بھی اپنے استاذ گرامی حضرت علامہ کشمیریؒ کی نسبت کا کتنا خیال تھا اور والد مرحوم سے کس درجہ کا تعلق۔

ہمارے لئے اور تمام ابنائے دارالعلوم کے لئے مقام مسرت ہے کہ ایسی عظیم شخصیت کی ایک مفصل اور معیاری سوانح ''حیاتِ طیب'' حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کے زیر اہتمام منصۂ شہود پر آرہی ہے۔

کتاب کی ترتیب، سرورق، کتابت، طباعت اور کاغذ ہندوستان میں چھپنے والی کتابوں سے درجہا معیاری اور مثالی ہے اور مندرجات سبحان اللہ و ماشاء اللہ، ہر عنوان پر سیر حاصل گفتگو، ہر موضوع کے مناسب چشم کشا معلومات کا ایک چمن صد رنگ سجایا گیا ہے۔

کتاب کی ترتیب میں جناب مولانا غلام نبی قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند و عزیزم مولانا محمد شکیب قاسمی سلمہٗ ناظم حجۃ الاسلام اکیڈمی و استاذ دارالعلوم وقف دیوبند نے حصہ لیا ہے اور معیاری اشاعت ناظم اکیڈمی سلمہٗ کے سلیقہ اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے، جس کے لئے عزیز موصوف کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بے شک یہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کے علمی کاموں کا نقش اوّل ہے جو اس کے بہتر مستقبل کی غماز اور اس کے پاکیزہ مقاصد کا ایک خوبصورت اشاریہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ''حیاتِ طیب'' کو قبولیت عطا فرمائے اور قارئین کو استفادہ کی توفیق بخشے۔

سید احمد خضر شاہ مسعودی
شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند

............❖............

حرف آغاز

تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ زار

حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند علم وکمال، حکمت و بصیرت، فہم وفراست، اخلاق وعمل، پاکیزگی وتقدس کی ایک خوبصورت تصویر، مسلک دیو بند کے ترجمان، حکمت قاسمیہ کے شارح اور سلفِ صالحین کے سیرت وکردار کا عکسِ جمیل تھے۔

از شرق تا غرب اسفار کا سلسلہ بھی اور دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داریاں بھی انجام، نہ اسفار سے انتظامی امور میں خلل نہ انتظامی امور دیگر مصروفیات سے متاثر۔ ہر موضوع پر معرکۃ الآراء تصانیف کا ایک خزانہ عامرہ، ہر عنوان پر مواعظ وخطابات کا ایک بیش بہا ذخیرہ۔ درسگاہ ہو یا خانقاہ، مجلس ہو یا جلسہ، تحریر ہو یا تقریر ہر جگہ دارالعلوم کا تعارف، مسلک کی ترجمانی، اکابر دیو بند کا تذکرہ، علم اور علماء کی باتیں، کتابوں کا ذکر، احیاء دین کی فکر، معمولی بات کو اتنے حسین پیرایہ میں ادا کرتے کہ غیر معمولی بن جاتی، معمولی لباس میں جچتے، شیروانی زیب تن فرماتے تو طیب سیرت، طیب مقال اور طیب احوال کی شعاعیں طول وعرض سے عکس ریز ہوتیں، چلتے تو داعیانہ کمال، عالمانہ جمال اور عارفانہ جلال، راہوں میں قوس وقزح کے رنگ بکھیرتے، مجلس میں علم وحکمت کے موتی بکھیرتے، مہمات مسائل کو سہل و عام فہم اسلوب اور دلنشیں انداز میں حل کرنے کا ملکہ، اللہ اکبر! موضوع کی پابندی، سیاق وسباق کا احاطہ، عقلی اور نقلی دلائل کا التزام سبحان اللہ!

حقائق کے ساتھ امثال، دقائق کے ساتھ لطائف اور مسائل کے ساتھ تحقیقات کی بارش، حکمت حکیم الاسلامؒ کے کلام کی نقیب، سہل بیانی دیوانِ حکمت کی جنس نایاب، بیان وخطابت کے شیشے میں شراب طہور، الفاظ کو خاتم کلام پر نگینہ بنا کر جڑ دینے کا ہنر، لب ولہجہ میں مٹھاس، صوتی حسن کا زیر وبم دلوں کو زیر وزبر کر دینے والا، تسلسل کے ساتھ ٹھہراؤ، جماؤ، استقامت، دماغ مضامین ڈھالنے کی خدائی مشین، جس طرح بولنا چاہتے پوری قدرت، لب کشا ہوتے تو موج رواں، خاموش ہوتے تو بحرِ بیکراں، جو کچھ کہتے خونِ جگر سے گزار کر کہتے، پورے اعتماد، یقین اور بصیرت کیساتھ بولتے، مشترک مضامین کو اپنی طرح

سوچتے، اپنے انداز سے کہتے، اپنی وضع سے برتتے، اقلیم سخن کے بادشاہ، طرز بیان کے تاجدار، خطابت کی روایتی اچھل کود سے دور، تصنع کاریوں سے ناآشنا، لہجہ کی مقناطیسیت، زبان کی شیرینیت اوراور گفتار کی حلاوت میں بڑے سے بڑا آپریشن اور بڑی سے بڑی صداقت کا اظہار، مثبت اور تعمیری انداز میں بات کیسے کہی جاتی ہے، حکیم الاسلامؒ اس فن کے امام، علم بحرِ بیکراں، قوت حافظہ مدہش، وسعت مطالعہ حیرت انگیز، بااختصاص اساتذہ شیوخ کا فیضان مستزاد اور علوم قاسمیہ کا اضافہ ''نور علی نور'' بولتے ہوئے تو جملہ الوان دل ودماغ پر عکس ریز۔ تقریر عالمانہ حکیمانہ محققانہ، بات جہاں سے شروع ہوتی وہیں پر لاکر ختم کی جاتی، طویل سے طویل تقریر میں استقامت، نہ پہلو بدلنا نہ موضوع سے انحراف، لب ولہجہ اور حلاوت ملاحت کا امتزاج، آواز دھیمی مگر دل کی گہرائیوں میں اترتی اور ذہن وفکر کے دریچوں کو دستک دیتی ہوئی۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سحر بیانی مشہور، اپنے دور میں ان کی خطابت کے چرچے اور خطیبانہ سحر طرازیوں کے غلغلے، اس کے باوصف لاہور کے ایک جلسہ میں حکیم الاسلامؒ کی تقریر سن کر اتنے متأثر کہ حکیم الاسلام کی شانِ خطابت میں فی البدیہہ ایک قصیدہ ہی کہہ ڈالا ؎

بخت اگر رسا شود، دست دہد سبوئے خوش
ازنگہ سمن برے، لالہ رخے نکوئے خوش (۱)

گویا بخاری ایسے شعلہ بیان وسحر طراز خطیب سے بڑھ کر آسمان خطابت پر ایک روشن ستارہ، اس وقت بھی آپ ہی کی شکل میں، عروس البلاد ممبئی کی وہ تاریخی تقریر جس نے رفیقوں سے ہی نہیں فریقوں سے بھی ''فاتح بمبئی'' کا خطاب دلایا، عجب نہیں کہ اس کی صدائے بازگشت قریب میں بہتے ہوئے سمندر کی لہروں اور بمبئی کی فضاء میں اب بھی گشت کررہی ہو۔

بزرگان امت کے واقعات سے خوبصورت نتائج کا استنباط ان کے مخزن خطابت کا گنج گرانمایہ، سادہ بیانی میں پری کا حسن پیدا کرنے کی قدرت، دقت نظری گویا معانی ومطالب کے بحر بیکراں میں سرچ لائٹ کا نمونہ، سطحی معنی سے آگے بڑھ کر جوہر مقصود تک رسائی کی صلاحیت، معنی آفرینی کے ساتھ نکتہ سنجی، مضامین کے تسلسل کے ساتھ دقائق کا بحر قلزم موجزن، ایک واقعہ کو کئی رخ سے جانچنے، ایک حقیقت کو کئی زاویوں سے پرکھنے، ایک شئی کو چار آنکھوں سے دیکھنے اور ایک کیفیت کو کئی ذہنوں سے محسوس کرنے کی حیرت انگیز قدرت نے ان کی شخصیت کو شہر کی فصیلوں تک محدود نہیں رہنے دیا، شہرۂ آفاق بنایا، کرۂ ارضی کے ان براعظموں تک پہنچایا، جن کو لوگ جغرافیہ کی کتابوں میں یا دنیا کے نقشوں میں صرف دیکھتے اور پڑھتے تھے۔

بقول سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ ''دارالعلوم کے باقی مہتمم ثوابت تھے، مولانا محمد طیب صاحب سیّارہ ہیں'' جب اکثر لوگ اپنے شہروں میں بھی قدم نہیں رکھ سکے تھے، انہوں نے اتنے اسفار کئے کہ بقول: شخصے اگر ان کو دنیا کی گولائی پر لپیٹا جائے تو کئی بار لپیٹا جا سکتا ہے، ان کی بے مثال خطابت اس کونے سے اس کونے میں بانگ درابن کر پہنچی، اذان سحر بن کر دلوں میں اتری اور ایمان ویقین کی روح پھونکتی چلی گئی اور چمنستان خطابت کی اس عندلیب خوشنوا کی ہر صدا نغمہ لطیف بن کر ہزاروں دلوں کی دھڑکن اور حرارت ایمانی کا سبب بنی۔

لاریب کہ حکیم الاسلامؒ نے نئے افکار، نئے عنوانات، نئے مضامین کے فلک بوس نظریوں تک رسائی کو ممکن بنایا، ان کے افکار تازہ ہوا کے جھونکوں کے مانند، تو ان کے نظریات چودھویں شب کی چاندنی میں ڈھلے اور دھلے ہوئے، خوش دماغ، خوش فکر، تحریر شگفتہ ودلکش، مضامین عالی، انداز مثالی، اسلوب منفرد اور نتائج اخذ کرنے کا طریقہ حیرت انگیز۔

خورد نوازی وخورد پروری ان کا شعار، مروت، نرم مزاجی خوش اخلاقی ان کا دثار، انتظامی صلاحیتیں زبردست، مگر حاکمانہ انداز اور اہل انتظام کی روایتی طمطراقیوں کا شائبہ تک نہیں، حسد، کینہ، انتقام، ایذارسانی، دل آزاری، طنز وتنقید، اکھاڑ پچھاڑ سے نا آشنا اور فنِ فساد سے قطعاً ناواقف ''المؤمن غِرٌّ کریم'' کے پیکر ''اهل الجنة اُهلٌ بُهلٌ'' کی تصویر، معصومیت اور سادگی کی تفسیر، رہن سہن، نشست و برخاست خورد ونوش، برتاؤ، گفتگو، معاملات اور طرز زندگی ''و ما انا من المتکلفین'' کی حسین تعبیر، معمولات کی پابندی، زبان پر ذکر، دل میں فکر، سیرت وسراپا میں اتباع سنت کی جھلکیاں، رفتار، گفتار، عبادات، عادات، معاملات، اخلاقیات سب میں نظر آتیں۔

اجلاسِ صد سالہ کے بعد حکیم الاسلامؒ جس درد وکرب اور آزمائش سے گزرے وہ اگرچہ کوئی اتفاقی سانحہ نہیں تھا۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

قدرت کو یوں ہی منظور تھا کہ حکیم الاسلامؒ کے سوانح حیات کے بابِ عزیمت کی تکمیل ایک ایسے سانحہ اور آزمائش سے ہو جو اربابِ عزیمت کی آپ بیتیوں میں عزیمت کے واقعات سے بڑھ کر یا ان کے ہم پلہ نہ سہی کم بھی نہ ہو، اب اس داستانِ دلخراش کو دہرانے سے حاصل ہی کیا جو اس وقت موجود تھے ان میں سے بیشتر نے یہ داستان سنی تو درمیاں سے سنی اور جنہوں نے نہیں سنی وہ درمیاں اور انتہا دونوں سے بے خبر۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی نہ ابتداء کی خبر نہ انتہاء معلوم

حکیم الاسلامؒ نے تقریباً ساٹھ سال تک اپنے جدامجد کے گلشنِ دین ودانش کی آبیاری کی، اس کی ترقی وتعمیر اور نیک نامی کے اسباب پیدا کئے، دارالعلوم کو اس مقام تک پہنچادیا کہ آنے والے اگر اس کے مسلک ومزاج اور روایات کا تحفظ ہی کرلیں تو غنیمت ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرہی کون سکتا ہے کہ حکیم الاسلامؒ کے جدامجد حضرت نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے ہی نہیں فکر دیوبند کے بھی بانی تھے اور حکیم الاسلامؒ کی پوری زندگی دارالعلوم دیوبند اور فکر دیوبند کی ترویج، تحفظ اور اکابر دیوبند کے تعارف وتذکروں میں گزری۔ دارالعلوم ان کی شخصیت کا جزوِ لازم اور ان کی شخصیت دارالعلوم کی مفاد ومصالح کے لئے وقف رہی۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کو ان کے دور میں فرقِ ضالہ کی جن یورشوں کا سامنا تھا اور عقیدہ وفکر کے جو معرکے انہیں درپیش تھے وہ اب کہاں؟

حکیم الاسلامؒ نے کانٹوں کے فرش پر چل کر آنے والوں کے لئے راہیں ہموار اور خوشگوار بنائیں، اب چلنے والے پُر خار راہوں پر نہیں، پھولوں کے سیج پر چلیں گے ؎

خارہے از اثرِ گرمیٔ رفتار سوخت　　　منت برقدم رہرواں است مرا

گویا اب صورت حال یوں ہوئی کہ

بہار میں تو زمیں سے بہار اگلتی ہے　　　جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

اور سازگاریٔ ماحول کا تقاضہ اور نصیحت آموزی کا مطالبہ یہ ہوا کہ

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز　　　جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان
اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا　　　جس کی ہوا میں تند نہیں وہ کیسا طوفان

اس روح فرسا واقعہ سے براہِ راست دوچار ہونے والی شخصیت کے حصہ میں عزیمت، صبر وضبط، شرافت وکرامت اور عفو ودرگزر کی ایک ایک سنت آئی اور ہر اذیت عنداللہ بلندیٔ درجات کا سبب بنی ہوگی۔ انشاء اللہ!

اس قصہ کے تعلق سے جو کچھ اور جب کبھی زبان وقلم پر آسکتا ہے تو وہ کسی تأثر اور تأسف کے طور پر نہیں، نوشتۂ تقدیر کی حکایت کے طور پر آسکتا ہے ؎

حافظ از بادِ خزاں درچمن مرنج　　　فکرِ معقول بہ فرما گلِ بے خار کجا است

مسلکی وحدت کی خاطر آخر میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم وقف نے جس وسعتِ ظرفی کا معاملہ فرمایا وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہی نہیں بلکہ برصغیر میں بیسویں صدی کی تاریخ کا ایک انقلاب آفریں واقعہ بھی ہے۔

کاش کہ ملّی خانہ جنگیوں کے اس ماحول میں اس واقعہ سے عبرت پکڑنے والی کچھ روحیں بیدار ہو جائیں کہ جہاں کچھ حقائق بظاہر دوری کا بھی جواز بن سکتے ہوں وہاں اگر فاصلے کم ہی نہیں، سرے سے مٹا ہی دیئے گئے ہوں تو کیا یہ واقعہ اپنے آپ میں ایسا درس آموز اور نصیحت آمیز نہیں ہوسکتا کہ جہاں کوئی جواز نہیں وہاں اختلافات کی فلک بوس عمارتیں کیوں کھڑی ہیں؟ **فھل من مدّکر**.

حکیم الاسلامؒ جیسی عظیم شخصیت کی حیات و خدمات کی ترتیب و تالیف کی خدمت کو ہم اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ یہ کاوش اپنے آپ میں معیاری کاوش کہلائے جانے کی مستحق ہے، البتہ اس سے ایک باب ضرور مفتوح ہوا ہے جو انشاء اللہ بہتر سے بہتر کام کرنے والوں کے لئے مہمیز ثابت ہوگا۔

''حیات طیب'' کی ترتیب میں مخدوم مکرم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی علمی سرپرستی و گراں قدر آراء اور حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی نگرانی اور معاونت کے لئے ممنون اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے رفقائے کار کے مخلصانہ علمی تعاون کے لئے بھی شکر گزار ہیں۔

فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء

غلام نبی قاسمی ——— محمد شکیب قاسمی

۱۱؍جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۱۴ء

............❖............

کچھ طبع جدید سے متعلق

قریب کے عہد رفتہ میں دارالعلوم دیوبند کی علمی آغوش اور بلند پایہ اکابر امت کی علمی وعملی جامع وراثت کے زیر اثر عظیم اور ہمہ جہت خصوصیات کی حامل جن شخصیات نے معرض وجود پر آکر اپنے نورانی افکار، اختصاصی علوم وفنون، تہذیبی روایات، اخلاق وکردار، علمی عظمت، انتظامی صلاحیت، دلکش ومقبول عام طرز خطابت، اور عملی نقوش حیات سے ملت اسلامیہ کے فکر ونظر پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں ان میں حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اپنے منفرد اختصاصات وخصوصیات کی اساس پر ایک ممتاز مقام رفعت کی حامل ایسی شخصیت کے مالک تھے جن کو ذات حق جل مجدہ نے اپنے خزانۂ رحمت وکرم سے علم وفضل، اخلاق سیرت کی متعدد خوبیوں اور محاسن کی لازوال نعمت ودولت سے ایک بہت وافر حصہ سے سرفراز فرمایا تھا، زبان وبیان کی بلاغت وسلاست، علم وقلم کی ندرت ورفعت، امت کی رشد وہدایت، اصلاح احوال وقلوب، علوم فنون کی ترتیب، تصنیف وتالیف اوران کی خداداد انتظامی صلاحیت جس کی شہادت وگواہی دارالعلوم دیوبند کا ساٹھ سالہ زرین وتابناک اور تاریخ ساز وہ دور اہتمام ہے جوکہ تاریخ کے صفحات پر دارالعلوم دیوبند کے دور رفعت وعظمت اور ملکی وسعتوں سے ماوراء عالمی سطح پر تعارف کے طور پر ہمیشہ کے لیے درج ہے، یہ وہ امتیازات وتفردات ہیں جن کی عنداللہ قبولیت کی معنوی گواہی عالم محسوسات میں حق تعالی کی جانب سے توفیق ارزانی سے بہرہ ور فرمایا جانا ہے، لیکن ذات حق جل مجدہ کے قوانین تکوین کی روشن تر حقیقت یہ ہی ہے کہ یہاں جو ذی روح بھی آیا ہے وہ جانے کے لیے ہی آیا ہے دنیا کا کوئی انسان خواہ عظمت ورفعت کا کتنا ہی بڑا مرتبہ کیوں نہ پالے، عروج وارتقاء کی کیسی ہی بلندیاں سر کرلے، ارض وسماء کے طول وعرض میں کتنی ہی حقیقتوں کا محرم اسرار کیوں نہ بن جائے مگر ایک دن بہرحال جگہ خالی کرنی ہوتی ہے البتہ اگلی نسلوں کو نشان منزل کا پتہ دینے کے لیے مشعل راہ کے طور پر جانے والے کے نقوش حیات صدیوں اور نسلوں تک راہنما خطوط محاسن کے تذکروں کی صورت میں سدا باقی رہتے ہیں، خوش بختیء وخوش نصیبی کا موقعہ ہے ان اخلاف کے لیے جن کو اپنے اسلاف واکابر کا حسن تذکرہ، نقوش وخطوط اوران کی زندگی کے

درخشاں پہلوؤں نیز ان کے علمی و عملی کمالات وتفردات، مساعی و خدمات اور امتیازات وخصوصیات کو اگلی نسلوں کے لیے مشعل راہ کے طور مدون ومحفوظ کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے کیونکہ جہاں ایک طرف اسلاف کے سعادت منداخلاف کے لئے یہ کام اخروی سعادت کا ایک مقبول وسیلہ ہے وہیں اگلوں کی سوانحات کی تدوین مقصدی اعتبار سے آنے والی نسلوں کے لیے راہنما خطوط کی نشاندہی کا ذریعہ بھی ہے جس سے کہ صالح روایات کے تسلسل کے تناظر میں تعمیر شخصیت کے لیےایک مضبوط و مستحکم اساس فراہم ہوتی ہے

دارالعلوم وقف دیو بند کے شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ابتدائی ایام سن ۲۰۱۴ء میں جبکہ مجوزہ امور کے طریقۂ کار زیر مشورہ تھے اس وقت حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت کو ترجیحات میں مقدم رکھے جانے پر جد محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے زیر مشورہ سب ہی متفق تھےاوران کی ہی مستجاب دعاؤں اور ایماء سے حیات طیب کی ترتیب وتدوین کا قرعۂ فال راقم السطور اور دارالعلوم وقف کے سابق استاذ حدیث مرحوم ومغفور جناب مولانا غلام نبی صاحب کشمیری کے نام نکلا، اور نور علی نور جد مکرم رحمہ اللہ کے مشفقانہ اورحوصلہ افزاء کلمات اس کتاب کی ترتیب وتکمیل کا معنوی وسیلہ بنے کام اگرچہ وقت طلب بھی تھا اور دقت طلب بھی تاہم مشکل مراحل میں جناب مولانا غلام نبی صاحب کے مشاورت ومعاونت نے راہ عمل کوایک نئی جہت سے روشناس کرایااورقدم بہ قدم موصوف مرحوم کی راہنمائی پیش آمدہ مراحل میں مشکل کشا ثابت ہوتی رہی جس سے فی الجملہ کام میں آسانی میسر آئی، زیرنظر حیات طیب کے طبع اولیٰ کے موقعہ پر تقسیم کار کی نوعیت یہ تھی کہ بعض ابواب راقم السطور کی ذمہ داری کے دائرہ عمل میں آئے تھے جبکہ بعض ابواب مولانا رحمہ اللہ کے فرائض کا حصہ تھے، جس کو بحمد اللہ بروقت تکمیل کے مرحلہ تک پہنچایا گیا، البتہ طبع اولیٰ کے موقع پر تقسیم کار کے تناظر میں ترتیب وتبویب اورطبع واشاعت کے جملہ مراحل کے لیے تحدید وقت کے تقاضوں کا لحاظ بھی بعض مصالح کے پیش نظر بیحد اہمیت کا حامل تھا، چنانچہ طبع اولیٰ کی اشاعت کے بعد کچھ تو التزاما بالاستیعاب مطالعہ کے نتیجہ میں اور کچھ اصحاب علم کی نشاندہی پر بعض مقامات پر پائی جانے والی کتابت کی اغلاط کے علاوہ بعض جگہ سہوا تاریخوں کے نقائص کو طبع ثانی میں اصلاحات کے نقطۂ نظر سے ازسرنو مراجعت کر کے درج کیا جاتا رہا۔

حیات طیب کے زیرنظر طبع ثانی میں جہاں ایک طرف تصحیحات پر توجہات کو مرتکز کیا گیا وہیں اس کے علاوہ مفید اضافات نے کتاب کی اہمیت کو مزید رونق بخشی ہے، طبع اول ہو کہ ثانی معارف کے تذکرے کی

کلیدی حیثیت مسلم ہے البتہ زیر مطالعہ طبع ثانی مفید اضافات سے مزین ہے کیونکہ معارف کے باب میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا ذوقی و مزاجی اختصاص بیان حکمت کو محیط ہے اور علمی دوائر و اجتماعیات اور اکابر شخصیات کی جانب سے حکیم الاسلام کا خطاب اسی صفت حمید کا مظہر کا ہے، لہٰذا اضافۂ معارف کے علی الرغم دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت و ہمہ نوع مصروفیات اور ادارتی حوالے سے کثرت اسفار کے درمیان تدریس کے لازمی تقاضوں پر ارتکاز کے تذکروں کے ساتھ اوصاف اکابر کی سنتِ شعر و شاعری کے متوارث ذوق کے تذاکر جیسے مفید اضافات کے حوالے سے یقین ہے کہ ان شاء اللہ مذکوہ مفید اضافات زیر نظر طبع ثانی کی مزینہ صفات شمار کی جائیں گی، طبع ثانی میں ازسرنو مآخذ تک رسائی، بہ نظر غائر اصلاحات و اضافات کے لیے قدیم کتب سے مراجعت جیسے وقت اور محنت طلب مراحل مقصدی طور پر جس قدر توجہات کے متقاضی تھے اس کے لیے بلا شک و شبہ میرے رب نے وقت میں بیحد قیمتی برکات کی عطائے خاص سے سرفراز فرمایا ہے، تاہم تمام ترجہو دومساعی اور ارتکاز کے باوجود غلطی کے امکان کو کسی بھی مرحلے پر ہرگز مسترد نہیں کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس حوالے سے اہل علم قارئین کی خدمت میں درخواست گزار ہوں اس پہلو سے خبر و آگہی اور نشاندہی راقم کے لیے موجب تشکر ہوگی۔

اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے حق تعالی کی طرف سے ملی اس توفیق رب کی عطاء کا حق بجز شکر کے اور کیا ہوسکتا ہے، لہٰذا راقم السطور بارگاہ رب کریم میں سربہ سجود شکر گزاری کے ساتھ کتاب کی قبولیت و نافعیت میں اضافے، صاحب سوانح کے لیے ترقی درجات، اپنے اور اپنے رفیق کار و معاون خصوصی جناب مولانا غلام نبی صاحب رحمہ اللہ کے لیے وسیلۂ نجات بنائے جانے کے لیے خود بھی دعاء گو ہے اور قارئین سے بھی درخواست گزار ہے، آمین یارب العالمین

وما علینا الا البلاغ المبین

محمد شکیب قاسمی
نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
وڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ
مطابق ۲۰؍اپریل ۲۰۲۲ء

ولادت، طفولیت، تعلیم وتربیت

ولادت

محرم الحرام ۱۳۱۵ھ/مطابق ۱۸۹۷ء بروز یکشنبہ سرزمین دیوبند میں یہ آفتاب علم وحکمت طلوع ہوا، تاریخی نام مظفرالدین رکھا گیا۔

اسمِ گرامی

ایک روایت کے مطابق آپ کے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ نے آپ کا تاریخی نام ''خورشید قاسم'' رکھا، مگر اصل نام ''محمد طیب'' تجویز ہوا اور اسی نام نے شہرت پائی، شہرت بھی ایسی کہ شہرتوں کو اس پر ناز، ناموریوں کو فخر، نیک نامیوں اور عظمتوں کو رشک، یہ نام طیبِ خالص کی طرح پھیلا اور اس کے بعد ایک عالم کو مشکبار کیا، مسمیٰ کی نفاستوں اور نظافتوں نے ''اسم طیب'' کی لطافتوں، پاکیزگیوں اور نزاکتوں کو الم نشرح کیا۔ خورشید بن کر علوم قاسم کو اپنی کرنوں سے مخلوقِ خدا میں تقسیم کیا، علم وحکمت کے جس میدان میں قدم رکھا فتح ونصرت نے بڑھ کر قدم چومے، کامیابیوں نے بلائیں لیں کہ آخر تاریخی نام مظفر دین بھی تو تھا، مستقبل کے ''حکیم الاسلام'' کی ان فیروزمندیوں اور سرفرازیوں کو دیکھ کر ہی تو قدرت نے یہ دونوں مبارک نام والد گرامی کے قلب صافی میں القا کئے تھے۔ سیرت وسراپا، قد وقامت، جسم وجاں، قلب وقالب، علم وعمل، ذہن وفکر، حرکت وسکون، سکوت وبیاں، لباس وپوشاک، وضع قطع، عادات واطوار، خصائص وخصائل پر پاکیزگی کا سایۂ نفاست کا اثر، نظافت کا غلبہ اور لطافت کا جلوہ، اولاد نبی ﷺ ''طیب وقاسم'' کے بعد تاریخ میں ان دو ناموں کو قدرت نے جو شہرت عطا فرمائی تھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ مستقبل کے ''حکیم الاسلام'' اور حال کے ملکوتی پیکر پر محمد طیب کا نام ایسا منطبق کہ دولفظی نام میں جہانِ معنی پوشیدہ، معنی بھی وہ جو معانی کی روح یا روح المعانی، جو حیات طیبہ کے جزوکل پر عکس ریز، ادائیگی میں خفیف تو وزن میں ثقیل، سامع کے لئے لذت نواز تو باصرہ کے لئے ''قرۃ العین'' یا ''کحل الحرمین'' یہ حکیم الاسلامؒ کے قلم اعجاز رقم یا خامۂ عنبر شمامہ سے

بصورت دستخط مثلِ ہلالِ عید یا ختامہٗ مسک کی خوبصورت تصویر۔

شجرۂ نسب

مولوی محمد ہاشم

شیخ عبدالسمیع

شیخ محمد مفتی

شیخ ابوالفتح

شیخ محمد عاقل — شیخ علاء الدین — حکیم عبداللہ

شیخ علی محمد — شیخ محمد بخش — حکیم غلام اشرف

خادم حسین — تفضّل حسین — شیخ غلام بخش

حبیب حسین — ابوالحسن امام محمد حسن — شیخ اسعد علی

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

حکیم ولی محمد — مولوی احمد علی — حافظ محمد حسن

حکیم امانت علی — مولانا مملوک علی — حافظ لطف علی

مولانا محمد یعقوب

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مولوی مظہر — مولوی احسن — مولوی منیر

آیۂ اخلاق کامل طیب و پاکیزہ رُو — زینتِ گلزارِ قاسمؒ جامعِ صد رنگ و بُو

فخرِ ملت، شمعِ حکمت، مقتدائے ما امام — لائق مدح و ستائش صاحبِ حسنِ نظام

بسم اللہ

تسمیہ خوانی کی رسم جن خصوصیتوں کے ساتھ آج ہم پا رہے ہیں بجنسہٖ اپنے انہی لوازم کے ساتھ یہ رسم اسی ملک میں آج سے پانچ چھ سو سال پیشتر بھی ادا ہو رہی تھی، فوائد الفؤاد میں امیر حسن علاء سنجری ناقل ہیں کہ:

شنبہ شانز دہم ماہ محرم ۷۱۶ھ سعادت دست بوسی حاصل شد، بندہ آں روز خرد کہ را از اعزہ پیش برد، عرض داشت کرد کہ ایں را بہ قرآن خواندن فرستادہ شود، اول بخدمت مخدوم آورشدہ است تا بہ برکت نظر مخدوم ونفس پاک خدائے تعالیٰ وزی کند۔ (۲)

۱۶/محرم الحرام ۷۱۶ھ روز شنبہ دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، بندہ اس دن ایک عزیز بچہ کو خدمت میں لے گیا، عرض کیا کہ اس کو قرآن پڑھانے کے لیے بھیجا گیا ہے، پہلے آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ مخدوم کی نظر کیمیا صفت کے صدقے میں اس کو قرآن ارزانی ہو۔

اور یہی رواج مسلمانوں میں بحمد اللہ اب تک جاری ہے کہ شہر یا قصبہ وگاؤں میں نسبتاً جو زیادہ صاحب دین وعلم ہو، بچوں کا مکتب ان ہی سے کراتے ہیں، امیر حسن اس کے بعد لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخ نے یہ سن کر ''دعاءِ خیر ارزانی داشت''

جب دعا ہو چکی:

بعد ازاں تختہ بدست مبارک گرفت ونوشت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی یاد تو ہر کام سے پیشتر مسلمانوں کا دستور ہی ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ آج بھی بچوں کے مکتب کا آغاز ہوتا ہے، سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی آغاز کے وہی الفاظ مروج تھے، حسن لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کے بعد حضرت والا نے رقم فرمایا:

''رب یسر ولا تعسر''

(اے اللہ علم کو آسان کر اسے دشوار نہ بنا)

''اب ت ث ج''

ہجا کے یہ حروف سلطان المشائخ نے اپنے دست مبارک سے لکھے، حرف آگے بڑھایا گیا اور حضرت والا نے:

آں گاہ ایں حروف راز بان مبارک خود تلقین کرد۔ اس وقت حضرت نے خود اپنی زبان مبارک سے بچہ کو یہ حروف کہلوائے۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مکتبی زندگی کا آغاز اکابر وقت کے ذریعہ ہونا کوئی بدعت یا امر محدث نہیں ہے، بلکہ تعلیم و تعلم کی دنیا کا ایک ایسا پاکیزہ معمول ہے کہ جس کی برکتوں کی شہادت قرنوں اور صدیوں نے دی ہے، اسی معمول کے مطابق حکیم الاسلام کی مکتبی زندگی کا آغاز ہوا۔

اسلامی علوم وفنون کی دنیا میں کسی سچے اور حقیقی طالب علم کی طلب و جستجو کی کوئی منزل آخری منزل نہیں ہوتی، ہر منزل اپنی جگہ پر ایک نئی منزل کی تمہید ہوتی ہے، تاہم درسِ نظامی کی تکمیل کی جو میعاد شروع سے چلی آرہی ہے اسکو ایک انتظامی معاملہ کہا جا سکتا ہے، اس کی رو سے نصاب تعلیمی کی تکمیل اسی میعاد میں ہوتی ہے تو آگے ذاتی مطالعہ سے بہت سے ان رخنوں کو پورا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ طالب علم میں اکتسابِ تلقی کے بعد انتخاب کیساتھ، مطالعہ اس کے استحضار اور بروقت اس کو کام میں لانے کے جوہر موجود ہوں۔

اسلاف کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر نے نہ صرف یہ کہ نصاب تعلیم کو کم سے کم وقت کے اندر پورا کیا ہے بلکہ کم عمری میں ہی تکمیل کر دی، حکیم الاسلامؒ بھی انہیں شخصیات میں ہیں، آپ کو ۱۳۲۲ھ میں تعلیم و تربیت کے لیے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں دے دیا گیا، وقت کے اساطین علم اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، شیخ طریقت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اور آپؒ کے والد محترم حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمیؒ جیسے اساطین علم نے بسم اللہ شروع کرائی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی۔

حبذا مکتبِ طیب کی مبارک تقریب — کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
ربِّ یسّر جو کہا اس نے تو بروئے ابا — فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

دو سال کی مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظِ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجۂ فارسی میں داخل کیے گئے اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد شعبہ عربی میں داخلہ لے لیا چونکہ بچپن ہی سے خدا تعالیٰ نے بے حد قوت حافظہ بطور خاص ودیعت فرمائی تھی، جس مقدس شخصیت کے ساتھ حضرتؒ کا نسبی انتساب تھا، ان ہی کی نسبتِ روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت ونگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت پا کر سندِ فضیلت حاصل

کی۔ حدیث میں آپؒ کو خصوصی تلمذ امام العصر محدّثِ عصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے حاصل رہا۔

اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث پڑھوا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب انصاریؒ اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمدؒ سے بھی سندِ حدیث حاصل کی، آپؒ کے دوسرے اساتذہ و مشائخ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا رسول خانؒ جیسے مشاہیر اساتذہ شامل ہیں۔ جنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا اور آپ پر ہمیشہ شفقت فرماتے رہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ اپنی تعلیم و تربیت اور اساتذہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئی تہذیب و تعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جدِ امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے۔ جو اپنے وقت میں علم و دین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادہ، توکل پسندی، کم سے کم اسبابِ معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہ حضرت نانوتویؒ کے فیضانِ صحبت اور رفاقت سے براہِ راست مستفید تھیں۔ دادی صاحبہ اپنی عبادت و ریاضت، سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز روزہ ذکر و اوراد کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں، میرے والد محترم مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلباء دارالعلوم کے لیے جو ملک و بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے۔ میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی۔ بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی، والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دُھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لیے

دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے۔ والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی مگر بعد میں آپ نے جذبۂ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لیے تھی اتنے متأسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلا کر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبائے دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا۔ جو طلبہ میں معروف تھا۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ تشریف فرما تھے۔ وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے۔ حضرت مولانا امروہی، مرحومہ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والوں میں خود بھی شریک تھے۔ یہ تھا اس دَور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام۔ میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور دین کے نادار طلبہ سے محبت وشفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ میرے آباؤ اجداد نے طلبۂ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادی کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں۔ کتنے ہی علماء وفضلاء ہیں جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں۔ حضرت قبلہ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی شادی بھی میرے والد صاحبؒ کے زیر انتظام ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد خود دیوبند کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی۔ غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا۔ دوسرے متعدد علماء وفضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت وآرام سے وقت گذارا۔ تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔

حفظِ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ، فارسی میں حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ (والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ اور علوم کتاب وسنت میں علامہ دہر، یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سید میاں اصغر حسینؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ میرے اساتذہ رہے۔ اسی طرح اپنے رفقاء درس میں بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں۔ لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گذرا، ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ اور مولانا میرک شاہ کشمیریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ

حضرات بھی اپنے علم وفضل میں بے نظیر ہیں۔

اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا۔اس کے بارے میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے:

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف کے استاذ اعلیٰ تھے مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے۔طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے۔ایک دفعہ طلباء کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دارالعلوم میں سبق پڑھانا موقوف کر دیا۔طلباء پر استاد کی خفگی کا بہت بڑا اثر ہوا۔مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی اور طلباء نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا عثمانیؒ کو منانے کے لیے ان کے سامنے مجھے پیش کیا جائے۔حالاں کہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا۔چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں جا کر عرض معروض اور طلباء کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرمائی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت وعنایت دیکھ کر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کے لیے اساتذہ کی طرف سے مجھے ہی منتخب کیا جاتا تھا۔(۴)

حفظ قرآن وتجوید

آپ کے والد محترم کا جذبہ یہ تھا کہ بچہ کو شروع سے ایسے حافظ کے پاس بٹھایا جائے، جو اچھا قاری بھی ہوتا کہ ابتداء ہی سے حروف کے مخارج صحیح طور پر ادا ہوں اور قرآن کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ پڑھا جا سکے، چنانچہ اس خدمت کے لیے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے غالباً حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے مولانا قاری عبدالوحید خاں صاحبؒ الٰہ آبادی (م ۱۳۲۶ھ) کو منتخب فرمایا اور ان کو بطور خاص ذاتی طور پر بلا کر اپنے گھر پر رکھا۔تاکہ وہ بچہ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ ادا کریں۔قاری صاحبؒ کا قیام وطعام اور مشاہرہ سب اپنے ذمہ لیا۔(۵)

حفظِ قرآن مجید

رودادِ دارالعلوم میں آپ کا نام درجہ حفظ میں شروع سے درج ہے اور ہر سال کی مقدار خواندگی بھی، ۱۳۲۶ھ کی روداد میں ''درجہ حفظ قرآن'' کے اندر آپ کا نام اس طرح درج ہے۔

''مولانا محمد طیب پسر مہتمم مدرسہ ہذا''

اور اس کے آگے صراحت ہے۔ ’’قرآن شریف تمام‘‘

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شعبان ۱۳۲۶ھ میں آپؒ نے قرآن پاک تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا تھا اور گیارہ بارہ سال کی عمر میں آپ حافظ قرآن ہو گئے تھے۔

تجوید

قاری صاحبؒ موصوف تشریف لے آئے تو حضرت شیخ الہند نے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے فرمایا کہ جب قاری صاحب آ ہی گئے ہیں۔ تو ایسا کیوں نہ کیا جائے، کہ جناب قاری عبدالوحید صاحبؒ دارالعلوم ہی میں مدرس رکھ لیے جائیں اور یہاں درجہ تجوید کھول دیا جائے تو ان کا افادہ عام ہو جائے گا۔ اس طرح دارالعلوم میں بھی ایک کمی ہے کہ یہاں شعبۂ تجوید نہیں ہے۔ وہ بھی پوری ہو جائے گی اور دوسرے طلباء بھی قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنے کی مشق کر لیں گے۔ چنانچہ حضرت ممدوح نے اسے بخوشی منظور فرمایا اور دارالعلوم میں شعبۂ تجوید قائم کر کے قاری صاحب موصوف دارالعلوم کے مجوّد قرار پائے اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے اپنے اسی بچہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو اس شعبۂ دارالعلوم دیوبند میں داخل فرما دیا۔ جو آپؒ کے والد ماجد حضرت نانوتویؒ کی دلی تمناؤں اور دعاءِ سحر گاہی کا ثمرہ ہے اور جس سے ساری دنیا مستفید رہی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ ’’دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تجوید قائم ہونے کا سبب میں ہوا اور میں ہی اس شعبہ کا سب سے پہلا شاگرد ہوں۔‘‘

اس طرح ابتداء سے لے کر انتہا تک آپ کی تمام تر تعلیم دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کی یہ کرامت ہے کہ ابتداء قیام سے لے کر اب تک تمام رسالوں کی رودادیں چھپی ہوئی اس کے محافظ خانہ میں موجود ہیں، جن میں اور چیزوں کے ساتھ تمام طلبہ کے درجہ وار نام اور ان کے سالانہ امتحانات کے نتائج بھی درج ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر سال طلبہ کو جو کتب انعام میں ملتی ہیں۔ ان کے نام بھی محفوظ ہیں۔

دارالعلوم میں درجہ تجوید کا اجراء

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنی مجلسوں میں بارہا فرمایا ’’جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا کہ میری تعلیم سے پہلے دارالعلوم میں تجوید کا درجہ نہیں تھا۔ اس کارخیر کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ہی کو بنایا، پھر اس شعبہ نے ترقی کی اور آج ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم ایک سال روزانہ ایک گھنٹہ تجوید میں صرف کرے اور قرآن پاک کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کی مشق کرے، بحمد اللہ اس شعبہ سے ہزاروں طلبہ نے استفادہ کیا اور

آج بھی یہ شعبہ موجود ہے اور متعدد اساتذہ اس خدمت کے لیے مقرر ہیں اور سینکڑوں طلبہ ہر سال اس شعبہ سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اور پھر وہ ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل کر تجوید کی خدمت انجام دیتے ہیں۔''

خوش الحانی

حکیم الاسلامؒ کے معاصرین کا بیان ہے کہ ابتداء عمر سے ہی آپؒ کی آواز بہت بہتر اور بلند تھی اور اول درجہ کے خوش آواز شمار ہوتے تھے، اس وقت کے اکابر اور اساتذہ بہت شوق کے ساتھ آپؒ سے قرآن پاک کا رکوع پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔ خود سرپرست مدرسہ فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) جب کبھی تشریف لاتے یا آپ گنگوہ جاتے تو حضرت آپ کو بلاتے اور قرآن پڑھوا کر سنتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی۔ سن کر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے اور حکیم الاسلامؒ کی وضاحت ہے کہ وہ اکثر حضرت کے سامنے اللہ نور السَّمٰوٰت والارض کا رکوع پڑھا کرتے تھے۔

فارسی میں داخلہ

۱۳۲۷ھ کی روداد میں آپ کا نام درجہ فارسی میں ملتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حفظ ختم کرنے کے معاً بعد آپ کا داخلہ درجہ فارسی میں ہوگیا مگر روداد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درجہ فارسی کے سالوں میں بھی تجوید کی کتابیں آپؒ قاری عبدالوحید صاحبؒ سے برابر پڑھتے رہے اور ان کتابوں کا امتحان بھی دیتے رہے۔ گویا آپؒ نے قرآت سبعہ اور عشرہ کی کتابیں بھی باضابطہ پڑھیں۔

۱۳۲۷ھ سے لے کر ۱۳۲۹ھ تک مسلسل تین سال آپ نے درجہ فارسی میں رہ کر فارسی کتابیں پڑھیں اور شعبان ۱۳۲۹ھ میں فارسی کا نصاب ختم کرلیا۔ روداد میں ان تمام کتابوں کے نام بھی درج ہیں۔ جو آپ نے ان تین سالوں میں پڑھی ہیں۔ فارسی کے ابتدائی درجہ سے لے کر درجہ انتہا تک فارسی کی وہ تمام کتابیں آگئی ہیں جو عام طور پر اس زمانہ میں پڑھائی جاتی تھیں اور اسی کے ساتھ ریاضی، حساب اور جیومیٹری وغیرہ بھی۔

فارسی کے اساتذہ

فارسی کی تمام کتابیں آپؒ نے مولانا محمد یٰسین صاحبؒ (م ۱۳۳۵ھ) سے پڑھی ہیں جو اس وقت دارالعلوم میں درجہ فارسی کے استاذ تھے اور فارسی زبان دانی میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ مولانا موصوفؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مفتی اعظم پاکستان کے والد بزرگوار تھے، آپ دارالعلوم میں ۱۳۰۸ھ

سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک فارسی کے استاذ رہے۔

ریاضی اور حساب وغیرہ آپ نے منشی منظور احمد صاحبؒ برادر خورد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ سے پڑھی یہ دارالعلوم میں درجہ فارسی میں حساب و ریاضی کے استاذ تھے اور ۱۳۱۰ھ سے لے کر ۱۳۵۰ھ تک بحیثیت استاذ دارالعلوم سے متعلق رہے۔

زبان فارسی کی استعداد

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفظ وقراءت میں آپ کو اپنے دور میں ممتاز حیثیت عطا کی تھی۔ اسی طرح فارسی زبان دانی میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، کیوں کہ ابتداء طالب علمی سے آپ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہنے لگے تھے۔

فارسی زبان دانی کا فائدہ

یہ فارسی آپؒ کو اس وقت بہت کام آئی۔ جب آپ نے ۱۳۵۸ھ میں افغانستان کا سفر کیا تھا اور دارالعلوم دیوبند کے ایک نمائندے کی حیثیت سے وہاں کے اہل علم اور ارباب حکومت کے مہمان ہوئے تھے۔ اس سفر کی روداد سے ظاہر ہے کہ آپؒ نے وہاں فارسی زبان ہی میں عام طور پر تقریریں فرمائیں اور لوگوں سے اسی زبان میں گفتگو بھی کی۔

افغانستان کے زمانہ قیام میں متعدد مواقع میں مختلف موضوع پر برجستہ اہل علم کے مجمع میں تقریریں کیں اور مختلف سوالات کے جوابات دیئے۔ جمعیۃ العلماء افغانستان کی طرف سے آپ کی خدمت میں جو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ وہ فارسی ہی میں تھا اور آپؒ نے اس کا جواب بھی شستہ فارسی ہی میں دیا تھا اور وہاں کے اہل علم آپ کے علم وفضل سے کافی متاثر ہوئے تھے۔

درجہ عربی میں داخلہ

یہ ایک ضمنی بحث فارسی دانی کے سلسلہ میں آ گئی تھی، اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔ عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ ۱۳۲۹ھ میں آپ نے درجہ فارسی سے فراغت حاصل کر لی اور ۱۳۳۰ھ سے درجہ عربی میں داخل ہوئے۔

عربی کے اساتذہ

اساتذہ کے سلسلہ میں خود حکیم الاسلامؒ کا بیان ہے کہ صغریٰ، کبریٰ مکمل اور مرقات کا ابتدائی حصہ حضرت

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے خود خواہش کر کے بطور خاص پڑھایا اور اس کے بعد منطق کی کتابوں میں بقیہ مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم اور اس کی شرح ملاحسن حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ (م ۱۳۸۷ھ) کے پاس ہوئی اور حمد اللہ، قاضی مبارک حضرت مولانا رسول خاںؒ کے یہاں، جو معقولات کے جید استاذ تھے اور مسائل کے سمجھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے، کافیہ حضرت شیخ الہندؒ نے خود شروع کرائی اور اس کا کچھ حصہ سبقاً سبقاً خود پڑھایا بھی اور اس کے بعد بقیہ کافیہ اور شرح جامی حضرت مولانا نبیہ حسنؒ استاذ دارالعلوم کے یہاں ہوئی، جن کو فن نحو سے بڑی گہری مناسبت تھی۔

آپؒ نے شرح وقایہ حضرت مولانا گل محمد خاںؒ کے پاس پڑھی اور اس کے بعد ہدایہ اوّلین شرح عقائد نسفی، عروض المفتاح اور میبذی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ کی خدمت میں اور ہدایہ آخرین حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے جو دارالعلوم کے حلقہ میں حضرت شیخ الادب سے یاد کیے جاتے تھے۔

مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف آپؒ نے اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے پڑھی، جنھوں نے اپنے صاحبزادہ ہی کی خاطر ضعف و نقاہت کے باوجود اپنے پاس رکھیں اور پوری کرائیں اور سنن ابوداؤد حضرت مولانا محمد میاں اصغر حسین دیوبندیؒ سے، نسائی حضرت علامہ بلیاویؒ کے یہاں ہوئی اور ابن ماجہ حضرت مولانا غلام رسول خاںؒ کے پاس اور بخاری شریف، ترمذی شریف محدث العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے پڑھائیں، جو اس وقت دارالعلوم کی مسند صدارت تدریس پر فائز تھے اور جن کے علم و فضل اور وسعتِ مطالعہ اور قوت حافظہ کا عرب و عجم میں شہرہ تھا۔ جلالین شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ) سے پڑھی۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حکیم الاسلامؒ کے اساتذہ کس پایہ کے ماہرین فن تھے اور اپنے دور کے کیسے ممتاز علماءِ دین اور مشاہیر اربابِ تدریس سے مستفید ہو کر جامع کمالات بن کر نکلے۔

فراغت

شعبان ۱۳۳۷ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی جس سے قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ کی روح کو بے حد مسرت ہوئی ہوگی کہ علم و فضل کا یہ سلسلہ خاندان قاسمی میں قائم رہا بلکہ آئندہ نسلوں میں اس کے منتقل ہونے کی صورت پیدا ہوگئی۔

............❖............

تعلیمی ریکارڈ ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۳۷ھ (۶)

(۱) ۱۳۲۲ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نے مشق لہجۂ مصری میں سالانہ امتحان دیا اور ۴۵ نمبر حاصل کئے اور سوانح قاسمی اور تصفیۃ العقائد دو کتابیں انعام میں ملیں۔

(۲) ۱۳۲۳ھ میں حکیم الاسلامؒ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور حسبِ ذیل نمبرات اور حسبِ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	حاصل کردہ نمبر	انعامی کتب
۱	قرآن پ ۶ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قرآن شریف
۲	بمشق لہجۂ عربی و مصری	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	تعلیم الدین
۳	زبانی قواعدِ تجوید	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	جزاء الاعمال جمال قاسمی لطائف قاسمی

(۳) ۱۳۲۴ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور حسبِ ذیل نمبرات اور حسبِ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن پ ۱۴ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۰	قرآن شریف
۲	عمل بالتجوید مع ترتیل پانچ رکوع مختلف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	شرح مائۃ عامل کلاں
۳	عمل بالتجوید مع الترتیل از سورۂ یٰسین تا سورۂ حجرات از سورۂ ملک تا سورۂ مرسلات	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	شرح مائۃ عامل کلاں

(۴) ۱۳۲۵ھ میں حکیم الاسلامؒ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا مندرجہ ذیل نمبرات اور درجِ ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن پ ۱۸ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قرآن شریف
۲	رکوع ۵ مختلف مع الترتیل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	بہشتی زیور حصہ ۱۰
۳	زبانی قواعدِ تجوید	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۷	دستور المبتدی

(۵) ۱۳۲۶ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا، مندرجہ ذیل نمبرات اور درج ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن تمام حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	قرآن شریف
۲	رکوع ۹ مختلف مع الترتیل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	تجوید القرآن صرف میر
۳	زبانی قواعد تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قال اقول ہدایۃ النحو میزان الصرف

(۶) ۱۳۲۷ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا مندرجہ ذیل نمبرات اور درج ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	رکوع ۵ مختلف مع سبعہ قرأۃ مع التدویر	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	بہشتی گوہر

۲	رکوع ۴ مختلف مسلسل التدویر	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	پنج گنج
۳	قواعدِ تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	محمود نامہ، فرہنگ انوار سہیلی
۴	مفید نامہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	مالا بدمنہ
۵	صفوۃ المصادر	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	بوستاں
۶	گفتگو نامہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	انشائے بہارِ عجم
۷	مفید الانشاء	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	قواعد فارسی
۸	حمد باری	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۹	کریما	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۱۰	تشریح الحروف	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۱۱	حکایاتِ لطیف	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۲	حساب تقسیم بسیط تک	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	

(۷) ۱۳۲۸ھ میں حکیم الاسلامؒ نے قرآن شریف، تجوید اور درجہ فارسی میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	از سورۂ نبا تا سورۂ شمس ترتیلًا	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	کافیہ
۲	رکوع ۴ مختلف تدویراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	ابواب الصرف جدید
۳	رکوع ۳ مختلف درسبعہ قراءۃ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	جمال قاسمی

۴	زبانی قواعد تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	
۵	پند سود مند	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	فصول اکبری
۶	مصدر فیوض	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	صرف میر
۷	رقعاتِ نظامیہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	ہدایۃ النحو
۸	گلستان سعدیؒ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۴۹	تحفۃ الحمیّہ
۹	حساب کسور عام	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۰	-----

(۸) ۱۳۲۹ھ میں حکیم الاسلامؒ نے تجوید اور فارسی کی درج ذیل کتب اور میزان ومنشعب میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	میزان الصرف	مولانا سید مرتضٰی حسن صاحبؒ	۵۰	صرف میر
۲	منشعب	مولانا سید مرتضٰی حسن صاحبؒ	۵۰	تحفۃ الحمیّہ
۳	از سورۂ نبا تا سورۂ ناس مسلسل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۴	ترتیلًا	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۵	تدویراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۶	حدراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۷	زبانی قواعد تجوید	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	
۸	مالابدمنہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۹	بوستان سعدیؒ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۰	رقعات عالمگیری	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۱	احسن القواعد	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۲	حساب کسور اعشاریہ وغیرہ	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۱	

(۹) ۱۳۳۰ھ میں حکیم الاسلامؒ نے درجہ عربی کی ابتدائی کتب اور فارسی کی اعلیٰ کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	صرف میر	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۵	
۲	علم الصیغہ	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۳	پنج گنج	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۴	رقعات امان اللہ حسینی	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۴۹	
۵	احسن القواعد	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	
۶	انوار سہیلی	مولانا محمد یٰسین صاحب	۴۸	
۷	تحریر اقلیدس مقالہ اوّل	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۱	
۸	حساب اربعہ سے شراکت تک	منشی منظور احمد صاحبؒ	۴۹	

(۱۰) ۱۳۳۱ھ میں حکیم الاسلامؒ نے درجہ عربی کی ابتدائی کتب اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	صغریٰ کبریٰ	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ	۵۲	شریفیّہ
۲	فصول اکبری	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۳	شرح مائۃ عامل	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۴	مفید الطالبین	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۵	نحو میر	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۶	ہدایۃ النحو	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۴۹	
۷	مرقات	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۵۰	

۸	از سورۂ مطففین تا سورۂ ناس	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۸	ہزالفصاحت ضریری
۹	رکوع ۴ مختلف دراجرائے سبعہ	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۵	مصباح الحل الکافی
۱۰	زبانی قواعد تجوید	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۰	ایساغوجی

(۱۱) ۱۳۳۲ھ میں حکیم الاسلامؒ نے درجہ عربی کی ابتدائی درج ذیل کتب اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	کافیہ	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	٦٦	مجموعہ عجیبہ
۲	شرح جامی بحث فعل	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	٦٠	اصلاح الرسوم
۳	منیۃ المصلّی	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۵۳	خط امام غزالیؒ
۴	قدوری	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۴۹	القول الفصیح فی مکائد المسیح
۵	کنز الدقائق	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۳	
٦	نفحۃ الیمن	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۰	
۷	کفایۃ المتحفظ	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۰	
۸	شرح تہذیب	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۵۴	
۹	سورہ ملک تا سورۂ مرسلات	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۸	وردنامہ، ادلہ کاملہ
۱۰	وقال ارکبوا بروایت قالونؒ	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۷	قصیدۂ مدحیہ

۱۱	سورۂ طٰہٰ بروایت خلادؒ	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۷	حقوق العلم ہدیۃ الوحید

(۱۲) ۱۳۳۳ھ میں حکیم الاسلامؒ نے درج ذیل کتابوں اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	شرح جامی بحث اسم	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۷	
۲	قطبی تصدیقات	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۲	
۳	میر قطبی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۴	نورالانوار	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۵	اُصول الشاشی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۶	شرح وقایہ	مولانا گل محمد خاں صاحبؒ	۴۰	
۷	سورۂ قٓ تا سورۂ حدید ترتیلاً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	مناجات مقبول
۸	تدویراً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	مناجات مقبول
۹	حدراً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	جمال القرآن

(۱۳) ۱۳۳۴ھ میں حکیم الاسلامؒ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	میبذی	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۵۳	جامع الآثار
۲	ہدایہ اوّلین	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۶	مباحثہ شاہجہانپور
۳	شرح عقائد نسفی	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۰	

۴	تلخیص المفتاح	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۵	مختصر المعانی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۴۲	
۶	ملاحسن	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۳۵	
۷	سلم العلوم	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۱۷	

(۱۴) ۱۳۳۵ھ میں حکیم الاسلامؒ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	جلالین شریف	مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ	۵۱	مطوّل
۲	میر زاہد ملا جلال	مولانا غلام رسولؒ	۵۰	الفاظ مترادفہ
۳	رسالہ میر زاہد مع غلام یحییٰ	مولانا غلام رسولؒ	۵۰	فیوض قاسمیہ
۴	مقامات حریری	مولانا حبیب الرحمٰنؒ	۴۶	
۵	صدرا	مولانا ابراہیم صاحبؒ	۴۶	
۶	شمس بازغہ	مولانا ابراہیم صاحبؒ	۴۳	

(۱۵) ۱۳۳۶ھ میں حکیم الاسلامؒ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	مشکوٰۃ شریف	مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ	۵۱	نفحۃ الیمن
۲	نخبۃ الفکر	مولانا سراج احمد صاحبؒ	۵۱	قصیدۂ مناجاتیہ
۳	عروض المفتاح	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۵۱	
۴	حمد اللہ	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۶	
۵	رشیدیہ	مولانا احمد شبیر صاحبؒ	۵۰	
۶	حسامی	مولانا احمد شبیر صاحبؒ	۴۵	

(۱۶) ۱۳۳۷ھ میں حکیم الاسلامؒ نے دورۂ حدیث شریف کی مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور مندرجہ ذیل نمبرات اور مندرجہ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	بخاری شریف	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	۴۰	
۲	ترمذی شریف	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	۴۵	
۳	مسلم شریف	مولانا محمد احمد صاحبؒ	۵۰	
۴	موطأ امام محمدؒ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	۴۵	
۵	موطأ امام مالکؒ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	۴۰	
۶	ابوداؤد شریف	مولانا سید اصغر حسینؒ	۴۰	
۷	طحاوی شریف	مولانا سید اصغر حسینؒ	۴۲	
۸	نسائی شریف	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۴۴	
۹	ابن ماجہ شریف	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۲	
۱۰	شمائل ترمذی شریف	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۵	
۱۱	بیضاوی شریف سورۂ بقرہ	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۵	

فراغت

۱۳۳۷ھ میں حکیم الاسلامؒ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے، فراغت کے وقت آپ کی عمر ۲۲ رسال تھی اور کل مدت تعلیم ۱۵ رسال۔ ۲۲ رسال کی عمر میں بسم اللہ سے لے کر حفظ و قراءت و تجوید، فارسی، عربی اور جملہ علوم وفنون سے کامل دسترس کے ساتھ فراغت کی یہ مدت حیرت انگیز ہے، جس کو ہم حکیم الاسلامؒ کی خاندانی ذہانت و ذکاوت، شوق و ذوق اور فہم و فراست کی علامت کہہ سکتے ہیں۔

اساتذہ وشیوخ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے اساتذہ وشیوخ اپنے دور میں علم و عمل کا نمونہ، عوام و خواص کا مرجع، ورع و تقویٰ میں بے مثال، علوم وفنون میں راسخ اور اخلاص وللّٰہیت کی تصویر تھے۔ جیسا کہ خود حضرت حکیم الاسلامؒ نے تحریر فرمایا:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''آپ حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے بعد قاسمی علوم کا جو فیضان عالم میں آپ کی ذات سے ہوا اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی۔ اپنے استاذ پر فانی اور ان کے علم میں غریق تھے۔ دین کے ہر دائرے میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ درس وتصنیف، ارشاد وتلقین اور جذبۂ جہاد وحریت میں آپ کی خاموش خدمتیں زبانِ حال سے گویا ہیں۔

آپؒ اپنے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے۔ آپؒ نے ان علوم کی ایضاح وتفصیل اور تفہیم وتیسیر میں نمایاں حصہ لیا اور عظیم خدمت انجام دی۔ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف کی اعلیٰ ترین طباعت وتزئین حواشی وعنوانات آپؒ ہی نے شروع فرمائی اور حجۃ الاسلام پر آپ ہی نے سب سے پہلے عنوانات قائم کیے۔ قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا۔ بخاری شریف کے ابواب وتراجم پر ایک جامع اور دبیز رسالہ تصنیف فرمایا۔ متعدد مناظرانہ تصانیف بھی تالیف فرمائیں اور مناظرے بھی کیے۔ دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درسِ حدیث دے کر (۸۶۰) اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالم دین فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کیے۔ آپؒ کا درسِ حدیث اس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا اور مرجع علماء تھا۔

آپؒ کو علماءِ عصر نے محدثِ عصر تسلیم کیا۔ بیعت وارشاد کے راستہ سے ہزار ہا تشنگان معرفت کو عارف باللہ بنایا اور آپ کا سلسلۂ طریقت ہندوستان سے گذر کر افغانستان اور عرب تک پہنچا۔ متعدد علمی تصانیف آپؒ نے ترکہ میں چھوڑیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لیے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جس کو کمیٹی کی رپورٹ میں ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی اور ناکام ہوگئی۔ پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں میں لگی ہوئی تھی انھوں نے آئندہ کام کرکے ہندوستان کو آزاد کرایا۔

آپ تقریباً پانچ برس مالٹا میں قید رہے۔ ۱۳۳۸ھ میں رہا ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ میں دیوبند میں رحلت فرمائی۔ قبرستانِ قاسمی میں اپنے استاذ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ (۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیات پیدا کیں۔ اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصے میں آتی ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جنھوں نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم میں درسِ حدیث وغیرہ کی خدمات انجام دیں، اس کے ساتھ ہی اصلاح وتربیت کا بڑا سلسلہ قائم فرمایا۔ ہزاروں علماء صلحا اور مشائخ طریقت کی صورت میں ہندوستان اور دیگر ممالک میں پھیلا۔

آپؒ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم وتدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل وذکر میں مشغول رہتے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا۔ حضرتؒ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتیں اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے یہاں تک کہ حضرت کے پاؤں پر ورم آ جاتا۔

اتنے علم وفضل کے باوجود سادگی اور تواضع وتقویٰ کا پہاڑ تھے۔ ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرتؒ کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا۔ اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہوکر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحبؒ سے کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجیے۔ حضرتؒ کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لیے خوشی سے منظور کرلیا۔ تراویح ختم ہوگئی اور حافظ صاحب اندر لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ۔ تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے۔ انھوں نے ہوشیار ہوکر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہندؒ تھے۔

ان کی حیرت وندامت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ لیکن حضرتؒ فرمانے لگے کہ:

’’نہیں بھائی کیا حرج ہے۔ تمہاری طبیعت اچھی نہیں ذرا راحت آ جائے گی‘‘۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کے نواسے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علوم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے حکم پر کچھ عرصہ کے لیے بھوپال چلے

گئے اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر وہیں سے حج کے لیے چلے گئے۔ واپسی پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ نے آپ کو بھاولپور بھیج دیا۔

۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت گنگوہیؒ نے جن سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور سر سے دستار مبارک اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اس کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی۔ بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہیؒ نے بھی دستخط ثبت فرمائے۔

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے آپؒ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کیا گیا۔ ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں آپؒ کو مظاہر العلوم کا ناظم منتخب کیا گیا اور آخر عمر میں ۱۳۴۴ھ میں بقصد ہجرت مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ آپؒ کو اگرچہ تمام علوم پر مکمل عبور اور مہارت تامہ حاصل تھی لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اسی شغف کے سبب آپؒ نے ابوداؤد کی شرح فرمائی۔ جو ''بذل المجہود'' کے نام سے پانچ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ بذل المجہود علم حدیث میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپؒ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

۱۵؍ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بمرض فالج مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ (۸)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں چھ سال رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ حضرتؒ کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے ہوئے آپؒ کے دانتوں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا۔ تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جائے۔ میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا۔ اس روز بے شک عذر کی وجہ سے حضرتؒ کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی، احقر کو اِن چھ سالوں میں حضرتؒ کے ساتھ سفر و حضر کا بارہا اتفاق ہوا، مگر میں نے حضرتؒ کا تہجد ناغہ ہوتے کبھی نہیں دیکھا۔''

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

''حضرت سہارنپوریؒ اتنے علم و فضل کے باوجود سادگی اور تقویٰ کا پہاڑ تھے۔ جب ۱۳۱۴ھ میں آپؒ مظاہر علوم میں مدرس ہو کر آئے تو مدرسہ کے متصل کرایہ پر ایک مکان لیا تھا،۲/روپیہ ماہوار اس کا کرایہ تھا اور جب ۱۳۴۴ھ میں مستقل مدینہ پاک میں قیام کی نیت سے گئے اس وقت تک اسی میں قیام رہا۔ دروازہ کے متصل ایک چھوٹی سی چھپریہ تھی۔ یہ باورچی خانہ تھا۔ اس کے بعد ایک اور کوٹھری تھی۔ اس کے سامنے ایک کوٹھا تھا۔ اس پر بھی ایک چھپر پڑا ہوا تھا۔ ہمیشہ اسی میں گذر فرمائی۔ چار پانچ برس میں وہ چھپر گل جاتا تو اسے بدل دیا جاتا، لوگوں نے کہا بھی حضرتؒ اس کی جگہ ایک ٹین ڈلوا دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا:

''ارے کاہے کے واسطے، کتنے دن کی زندگی ہے، سب ٹھیک ہے۔''

الغرض ساری زندگی قناعت کی حالت میں گزار دی۔ آپؒ نے سات حج کیے اور آخری عمر مدینہ منورہ ہی میں بسر کی اور وہیں جنت البقیع میں آرام فرمارہے ہیں۔(۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مشہور محدث، عارف باللہ، فقیہ اور بزرگ تھے۔ آپؒ دین کے ہر شعبہ کے کاموں کے لیے من اللہ موفق تھے۔ پینتیس برس کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں درس قرآن و حدیث دیا، جس سے آپؒ کے تلامذہ ملک کے ہر طبقہ اور ہر خطے میں پھیل گئے۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ و تبلیغ نہ فرمائی ہو۔ تصنیف کے میدان میں قدم رکھا تو ہر علم و فن میں ہزار سے اوپر تصانیف ورثہ میں چھوڑیں، آخر میں خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مقیم ہوئے تو ہند اور بیرون ہند کے ہزار ہا انسانوں کو بیعت و ارشاد کے سلسلہ سے واصل فرمایا، بڑی تعداد میں آپؒ کے خلفاء ہیں جنھوں نے مختلف خطّوں میں اصلاح و تربیت کا کام مختلف رنگوں سے انجام دیا، آپؒ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اولین صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے زیادہ مستفید ہیں۔ جو حدیث و تفسیر میں حضرت نانوتویؒ سے مستفید ہیں۔ نیز آپؒ حضرت نانوتویؒ سے براہِ راست بھی بعض تفسیری درسوں میں مستفید ہوئے، حکیم الامتؒ کا لقب آپ کے لیے اسم بامسمّٰی تھا۔ بہر حال آپؒ کی تقریر، تحریر، تصنیف اور تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح ہوئی۔ آپؒ دارالعلوم دیوبند میں اس سال بغرض حصول تعلیم تشریف لائے جس سال حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا۔ اسی لیے

حضرت نانوتوی سے مزید استفادہ نہیں فرما سکے مگر حضرت کے تلامذہ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے استفادۂ کمالات کیا۔ حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ (۱۰)

مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے جو دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں ایک بے نظیر شخصیت ہیں۔ آپؒ ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے سے اوقات نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جا سکتا تھا۔ زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا، ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں تہجد کے لیے بیدار ہوتے۔ کبھی اس معمول میں فرق نہیں آیا۔ دین اور علم دین کی خدمات کے لیے جتنے شعبے ہیں سب میں آپ کے مآثر بے شمار ہیں۔ ایک ہزار سے زائد آپؒ کی وہ مقبول تصانیف ہیں جن سے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور آپؒ کے سلسلۂ ارشاد سے بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی بنی اور سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔ (۱۱)

مفتیِ اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''مفتیِ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی نور اللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے باضابطہ مفتی بلکہ دارالعلوم میں دارالافتاء کا نقطۂ آغاز ہیں۔ دارالعلوم میں دارالافتاء کی منضبط صورت آپؒ ہی کے وجود سے معرض وجود میں آئی۔ آپؒ عارف باللہ، صاحب درس و تدریس، صاحب بیعت و ارشاد اور مربی اخلاق بزرگ تھے۔ آپ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپؒ سے دارالعلوم کے حلقوں نے ظاہری و باطنی فیوض و برکات کافی حد تک حاصل کیے۔ افتاء کی خدمات کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ اور تفسیر کے اونچے اسباق بھی آپؒ پڑھاتے تھے۔ جلالین شریف میں احقر ناکارہ کو بھی حضرت مفتیِ اعظم ہی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپؒ کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ کافی پھیلا۔ آپؒ ہی کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھیؒ تھے۔ جن کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھیؒ

مہاجر مدنی تھے۔ جن سے عرب اور افریقہ میں نقشبندیہ طریق کا کافی شیوع ہوا اور سینکڑوں کی اصلاح ہوئی۔ ساؤتھ افریقہ اور ایسٹ افریقہ کے لوگ جب حج کے لیے حاضر ہوتے تو اکثر و بیشتر مولانا بدر عالم صاحبؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو کر جاتے تھے۔ ابتداء میں حضرت مفتی اعظم ہی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (احقر کے والد ماجد) کی غیبوبت میں نیابت اہتمام کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بہر حال دارالعلوم دیوبند آپ کے علم وسلوک، فتاویٰ اور انتظام وغیرہ سے سارے ہی شعبوں میں مستفید ہوتا رہا ہے۔ (١٢)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ کے علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ آج ان کی تصنیف ''عزیز الفتاویٰ'' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لیے مآخذ بنی ہوئی ہے اور فتاویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا لیکن سادگی وتواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام تھا کہ یہ کوئی کیسے سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامت صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں۔ جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا سودا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کے گھر پہنچاتے تھے۔ کبھی تو اس سودا سلف لانے میں ایسا بھی ہوتا کہ جب آپؒ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی کہ مولوی صاحب یہ تو سودا آپ غلط لے آئے ہیں۔ میں نے تو یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی۔ چناں چہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔ بہر حال آپ اپنے ظاہری اور باطنی علمی وروحانی کمالات میں اپنی نظیر آپ تھے ساری زندگی درس وتدریس تبلیغ وارشاد اور خدمتِ افتاء میں مصروف رہے۔ ١٧ر جمادی الثانی ١٣٤٧ھ کو آپ نے دیوبند میں رحلت فرمائی۔ (١٣)

محدّثِ عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ

حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں۔ علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ آپؒ تمام علوم منقولات ومعقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قوت حافظہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف تھے۔ آپؒ کا درس حدیث اپنے دَور کا مشہور درس تھا۔ جو ایک خاص امتیازی طرز لیے ہوئے تھا۔ آپؒ کے تبحر علمی نے

درس حدیث کو جامع علوم وفنون بنا دیا تھا۔ آپؒ کے درس نے نقل و روایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لیے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

کتنی معرکۃ الآراء کتابیں خود بھی تصنیف فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے اور کوئی بھی اپنا نوشتہ لاکر سناتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرما کر دعائیں دیتے تھے۔

۱۳۲۷ھ سے آپؒ نے دارالعلوم دیوبند میں درس کا آغاز فرمایا۔ ۱۳۳۴ھ سے ۱۳۴۵ھ تک آپؒ دارالعلوم کے صدر مدرس رہے اس دوران تقریباً ایک ہزار طلباء نے آپ سے استفادہ کیا جن میں سے آپؒ کے دور مدرسی میں ۸۰۹ طلباء نے درس حدیث لیا اور اس فن پاک کو تقریراً و تحریراً اور درساً و تدریساً دور دور تک پھیلایا۔ (۱۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''امام العصر نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ: ''اس زمانہ میں مولانا انور شاہؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔''

آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون میں ایک بے نظیر جامع عالم بنایا تھا۔ خصوصاً حدیث میں تو اپنے زمانے کے امام زہریؒ اور حافظ ابن حجرؒ سمجھے جاتے تھے۔ آپؒ کا درس حدیث ایک مثالی درس تھا۔ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی وفات کے بعد دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس گیارہ سال درسِ حدیث کی خدمات انجام دیں۔ جس میں ایک ہزار سے زائد طلبہ نے آپؒ سے درس حدیث لیا اور سینکڑوں علماء و محدثین پیدا ہوئے۔ (۱۵)

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، مصر، شام اور دوسرے ممالک میں علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی۔ لیکن تبحرِ علمی وسعت معلومات اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا۔'' (۱۶)

بہرحال آپؒ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور علمی اشغال میں غیر معمولی انہاک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباعِ سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔ ملنے والے بہت سی سنتوں کو حضرت شاہ صاحبؒ کے عمل کو دیکھ کر معلوم کرلیا کرتے تھے۔ سنت نبویؐ کے متعلق کھانا اُکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے۔ بائیں ہاتھ میں

روٹی اور دائیں ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے۔ زہد وتقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرہ پر برستا تھا۔ ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر آپ کا سرخ وسفید رنگ، کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ، نیز چہرہ کی مجموعی عظمت و وجاہت دیکھ کر کہا تھا کہ:

''اسلام کے حق ہونے کی ایک دلیل یہ نورانی چہرہ ہے۔''

حضرت علامہ کشمیریؒ اپنی جلالت قدر اور رفع منزلت کے باوجود اکابر دیوبند کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ فرمایا ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائپوری کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا ہے تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں دیکھئے۔ (۱۷)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

آپؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ممتاز فضلاء میں بلند مقام پر فائز تھے، آپؒ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ ایک جیّد عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ بنائے دارالعلوم دیوبند میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے رفیق اور معاون تھے۔ تعلیم وتربیت دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے زیر سایہ حاصل کی اور سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نائب مقرر ہوئے۔ آپ اپنی دانش وبینش اور فہم و فراست میں یگانۂ ہند تسلیم کیے جاتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا اسم گرامی ہمارے بزرگوں میں بہت نمایاں ہے۔ آپؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو علمی وعملی طور پر عجیب کمالات عطا فرمائے تھے۔ آپؒ کو عربی ادب کا بڑا صاف ستھرا ذوق تھا اور آپؒ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں۔ آج کل دارالعلوم کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قدس سرہٗ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق تھے۔

دارالعلوم دیوبند پر سخت سے سخت وقت بھی آئے، بڑی بڑی شورشیں اٹھیں لیکن میں نے اس بندۂ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا، سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آیا۔ انھوں نے دارالعلوم میں خلاف معمول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا اور اپنے حسن تدبر سے مدرسے کو بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولاناؒ کی جان تک کے دشمن ہوگئے۔ ان حالات میں بھی مولاناؒ کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے۔

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! ایسے حالات میں آپؒ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ آپؒ کم از کم کمرے کے اندر ہی سوجایا کریں۔ لیکن حضرت مولاناؒ نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا۔

''میں تو اس باپ یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار آدمی اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا، لہٰذا مجھے بھی کیا پروا ہو سکتی ہے''۔

حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم تھے۔ حق تعالیٰ نے آپؒ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا۔ آپؒ کی دانش وتدبر مشہور زمانہ تھی۔ ادبیات کے ماہر تھے۔ عربی نظم ونثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے نظم ونسق نے آپؒ کے تدبر ودانش سے عظیم استفادہ کیا۔ آپؒ کی اس دانش وبینش اور عظیم علمی شخصیت کی بناء پر حکومت حیدرآباد کا عہدۂ افتاء مولانا محمد احمد صاحبؒ کے بعد آپؒ ہی کو تفویض کیا گیا تھا۔ آپؒ کا علم، تواضع، مروت اور تحمل مشہور زمانہ تھا۔ آپؒ حضرت گنگوہیؒ کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے نہایت پابند تھے۔

وفات کے دن مجھ سے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میرا بارہ ہزار اسم ذات افسوس کہ آج پورا نہ ہو سکا۔ شب بیدار اور ہمہ وقت مشغول کار رہتے تھے۔ ان کی مجلس پر شکوہ اور موجب طمانیت ہوتی تھی۔ کئی عربی قصیدے اور کئی مفید ترین تصانیف آپؒ کا ورثہ ہیں، جوامت کو ملیں۔

ان میں ''اشاعت اسلام'' ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو مقبول خواص و عام ہے۔ اس کے علاوہ ''اسلام میں مشورہ کی اہمیت'' قرآنی آیات احادیث نبویؐ اور علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں مشورہ کی اہمیت اور فضیلت پر ایک مدلل تالیف ہے۔ آپ عربی زبان کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ ''قصیدہ لامیۃ والمعجزات'' اور متعدد قصائد آپ کے طبع شدہ ہیں، جو قصائد الحبیب کے نام سے مشہور ہیں۔ بہرحال

آپؒ ایک جیّد ترین عالم، محدث وفقیہ اور بہترین مدبر و منتظم تھے۔ ۱۹۳۰ء میں رحلت فرمائی، حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ (۱۹)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آسمانِ شریعت کے درخشندہ آفتاب، عظیم محدث، جلیل القدر مفسر، متکلم فقیہ، سحر بیان خطیب، اعلیٰ درجے کے انشاپرداز، بلند پایہ سیاست داں اور علم وعمل کا سرچشمہ تھے:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے شیخ الاسلام علامۂ زماں، محققِ دوراں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا تھا۔ ان کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، عجیب وغریب حافظہ، عجیب وغریب تبحر کمالاتِ علمیہ ایسے نمایاں اوصاف ہیں۔ کہ کوئی شخص منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا۔''

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''علامہ عثمانیؒ اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش بیان مقرر، محدث ومفسّر، محقق ومدبر تھے۔ حلقۂ علماء میں ایسا قادرالکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید اب تک میسّر نہ ہوا ہوگا۔ جب آپؒ تقریر کے لیے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم وکمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم وعرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں۔ وہ تحریر وتقریر میں اپنے وقت کے امام تھے۔''

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے، غیر معمولی ذہانت وذکاوت کے حامل تھے۔ علم مستحضر تھا اور بڑا متبحّر عالم تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا۔ منطق وفلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمتِ قاسمیہ کے بہترین شارح تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مسجد فتح پوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے۔ پھر دارالعلوم میں بحیثیت استاذ حدیث بلائے گئے۔ حدیث وتفسیر کے اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ پھر ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور اپنے آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمتِ قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تفسیری فوائد جو حضرتؒ نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے آپ نے پایۂ تکمیل کو پہنچائے، بے مثال خطیب تھے اور خطبات میں

قاسمی علوم بکثرت بیان کرتے تھے۔ تحریر وتقریر میں انہی علوم کا غلبہ تھا۔ سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا۔ ملکی معاملات کے اُتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں جچی تلی رائے قائم کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہوگئے اور جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد ڈالی، تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان پہنچ کر ترکِ وطن کر دیا۔ پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے، پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ پاکستانی قوم نے آپ کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے نوازا۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، پاک باز محدث، بہترین مفسر، خوش بیان اور ایک جیّد عالم ہی نہیں بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ فہم وفراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔

ایک سفر کے دوران بہاولپور میں وفات پائی اور کراچی میں دفن ہوئے۔ پورا ملک اور حکومت سوگوار ہوئی۔ عرصہ دراز تک آپ کا غم منایا جاتا رہا۔ دولاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ پڑھی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (۲۰)

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت الاستاذ مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاذ تھے ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر نیز ہندو پاک میں ہزاروں افراد ہوں گے، علم قرآن وحدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں، دیوبند میں آپ کا مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ ہر سال برسات کے موقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی جس میں کافی روپیہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ احقر نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرتؒ جتنا خرچہ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ انیٹوں سے بنانے میں خرچ کر دیں تو دو تین سال میں خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات مل جائے۔

یہ سن کر پہلے تو فرمایا ''ماشاءاللہ بات تو بہت عقل کی کہی ہے ہم بوڑھے ہوگئے ادھر دھیان ہی نہ آیا'' پھر

کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی۔ تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے ہیں۔ فرمایا کہ:
''میرے پڑوس میں سب غریبوں کے مکان کچے ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے سب مکان پکے بنواؤں''۔

آپؒ ایک عظیم محدّث فقیہ اور عارف کامل تھے۔ ساری زندگی درس وتدریس اور تبلیغ واصلاح میں گزاری۔ اپنی حیات مبارکہ میں تین حج کیے اور ۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہوکر دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ تصنیف کا بھی مشغلہ رہا۔ فتاویٰ محمدیہ، دستِ غیب، اذان واقامت، حیاتِ خضر، فقہ الحدیث، نیک بیبیاں اور حیات شیخ الہندؒ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

۱۳۶۴ھ میں دیوبند میں رحلت فرمائی اور اپنے اکابر کے ساتھ آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی اور ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم ہی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تدریسی وعلمی خدمات کے ساتھ تصوف وسلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے:
''حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ہمارے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم وتربیت ہماری تعلیم کا اصل قوام تھی۔ دارالعلوم میں درس وتدریس کی والہانہ خدمت آپ کا شب وروز کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے''۔(۲۱)

حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:
''آپؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہ چکے ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ معقولات میں خصوصی مہارت حاصل تھی اور درسِ حدیث میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔''(۲۲)

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:
''حضرت مولانا بلیاویؒ دارالعلوم کے مایۂ ناز محقق عالم تھے۔ درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے

اعلیٰ ترین استاد تھے۔ اپنی حیات کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم وتدریس میں صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی۔ ذکاوت وقوتِ حافظہ اور حسنِ تعبیر میں، خصوصاً معقول ومنقول کے مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے۔ ہندو پاک کے ہزاروں علماء کے استاد تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے۔'' (۲۴)

دوخواب

خود حکیم الاسلامؒ کا بیان ہے کہ جس سال میں نے عربی شروع کی، اس سال ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ہاپوڑ سے جو ریلوے لائن مرادآباد جاتی ہے۔ اس ٹرین میں تمام اکابر موجود ہیں، حضرت اقدس نانوتویؒ بھی سوار ہیں۔ امروہہ سے پہلے گنگا کا پل آتا ہے، ریل گاڑی اس پر آکر ٹھہر گئی، رات کا وقت ہے۔ میں چھوٹا بچہ تھا کھیلتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ میں نے دیکھا کہ گنگا کے اندر سینکڑوں دیواریں پانی میں پھیلی ہوئی ہیں، کوئی ادھر جاری ہے اور کوئی اُدھر اور ان کے نیچے پانی بہہ رہا ہے۔ میں ان دیواروں پر ٹہلتے ٹہلتے دور نکل گیا۔ اس وقت میری عمر کوئی دس سال یا گیارہ سال کی تھی۔ میزان منشعب شروع ہوچکی تھیں۔ حضرت نانوتویؒ نے جب مجھے اپنے پاس نہیں پایا تو پوچھا طیب کہاں گیا؟ کہیں باہر تو نہیں نکل گیا۔ رات کا وقت ہے اور نیچے بڑا دریا ہے۔ اسے تلاش کر کے لاؤ بعض حضرات میری تلاش میں نکلے، میرے پاس پہنچ کر کہنے لگے تم کہاں چلے آئے۔ حضرت خفا ہورہے ہیں اور تم پانی میں دیواروں پر گھوم رہے ہو۔ میں ان کے ساتھ ریل کے ڈبہ میں آیا، دیکھا کہ پورا ڈبہ اکابر سے بھرا ہوا ہے۔ حضرتؒ بھی تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ (متوفی ۱۳۳۰ھ) اور حضرت شیخ الہند دونوں مخصوص تلامذہ باادب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے حضرت کے سامنے لایا گیا تو حضرت نے فرمایا تو کہاں گیا تھا۔ میں نے کہا دریا کی سیر کرنے گیا تھا۔ فرمایا ''یہ دریا کی سیر کا وقت ہے'' پھر پوچھا ''جو کچھ پڑھا ہے کچھ یاد بھی ہے؟'' میں نے کہا خوب یاد ہے، پھر تو حضرت نے میرا امتحان لیا مگر میں ہر سوال کا جواب پورے طور پر نہیں دے سکا، فرمایا ''کیا اسی کو یاد کہتے ہیں؟'' اس کے بعد محبت سے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور زور سے دبایا اور فرمایا اچھا ''امکان نظیر پر تقریر کرو۔'' میں بہت تیزی سے فرفر تقریر کرنے لگا۔ حضرت اس وقت اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھے ہوئے تھے، جب اس موضوع پر تقریر پوری ہوچکی تو فرمایا۔ اب ''امکان کذب'' پر تقریر کرو۔ میں نے اس عنوان پر بھی بڑی تیزی سے تقریر کی۔

حضرت مہتمم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ خواب اپنے اکابر سے بیان کیا تو انھوں نے یہی

تعبیر دی کہ خواب بہت مبارک ہے، اللہ تعالیٰ تم کو علم دین عنایت فرمائیں گے اور حضرت نانوتویؒ کی طرف سے علم کا فیضان ہوگا۔

دوسرا خواب اس سال دیکھا جس سال آپؒ دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دارالعلوم میں بڑی ہمہ ہمی ہے اور ایک جشن کی صورت ہے۔ میں نے طلبہ سے دریافت کیا آج کیا بات ہے جس کی یہ دھوم دھام ہے اور جشن کی تیاری؟ طلبہ نے بتایا آج بخاری شریف کا ختم ہے اور ختم کرانے حضرت نانوتویؒ تشریف لا رہے ہیں۔ میں بہت خوش ہوا کہ چلوں حضرت کی زیارت کرونگا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نانوتویؒ دارالحدیث کے شمالی زینے سے نیچے اتر رہے ہیں اور نیچے کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ ایک چھوٹا سا سفید عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور عمامہ کے اوپر ایک سفید چادر اس طرح اوڑھے ہوئے ہیں کہ چہرہ کچھ تھوڑا کھلا ہوا ہے مگر پورا کھلا ہوا نہیں ہے۔ البتہ داڑھی کے بال کچھ نظر آ رہے ہیں۔ حضرت تیزی سے مولسری کے کنویں کی طرف آ رہے ہیں، اس موقع سے حضرت کی زیارت ہوئی۔

بعض اساتذہ کے خصوصی اثرات

حکیم الاسلامؒ اپنی بعض مجلسوں میں صراحت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ:

’’مجھے علم حدیث سے لگاؤ اور مناسبت حضرت والد محترم (مولانا محمد احمد صاحبؒ) کے درس سے حاصل ہوئی ان کا بیان بہت دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا اور حدیث کی تشریحات اور اس کے معانی پر دسترس حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ (مولانا انور شاہ صاحبؒ) کے ذریعہ حصہ میں آیا اور مسائل کی تعبیر اور تفہیم کا انداز حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے سیکھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی علم حدیث پر نظر بہت گہری اور وسیع تھی، اس کے معانی پر پورا عبور رکھتے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فصیح و بلیغ زبان عطا کی تھی اور اپنی بات دوسروں کے ذہن نشین کر دینے پر پوری قدرت حاصل تھی۔‘‘

فن سپہ گری

علم وفن میں مہارت کے ساتھ حضرت والا فن سپہ گری کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں یہ فن میں نے اور سعید بھائی گنگوہیؒ نے امیر شاہ خاں صاحب خورجویؒ سے حاصل کیا۔ جو حضرت نانوتویؒ کے متوسلین میں سے تھے اور نہایت متقی اور پارسا بزرگوں میں سے تھے، یہ لاٹھی اور بنوٹ وغیرہ ہم لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور اس سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔

علمی مناسبت

علمی مناسبت طالب علمی کے زمانہ سے حاصل رہی۔ تقریر وتحریر دونوں کا ذوق تھا۔ زیادہ محنت سے طبیعت گھبراتی نہیں تھی اور علم کی ایک دُھن تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خداداد ذہانت، علمی فراست، علمی ذوق، وسعت مطالعہ اور کتب بینی سے دلچسپی شروع سے تھی۔ قوت حافظہ بھی قابل رشک عطا ہوا تھا، پھر جن اکابر اساتذہ سے جوفن حاصل کیا تھا وہ اس فن میں کامل تھے۔ اسی کے ساتھ جو ماحول آپ کو میسر تھا وہ کم لوگوں کے حصہ میں آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی مسائل وحقائق کو دلائل عقلیہ سے اس طرح عام فہم بنا کر بیان کرتے تھے کہ ہر دل و دماغ بڑی خوشی سے قبول کر لیتا اور بے حد خوشی محسوس کرتا تھا۔ جس مسئلہ پر گفتگو کرتے تھے۔ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے پاتا تھا۔

دیگر علماء سے اجازت حدیث

دارالعلوم دیوبند سے تو آپؒ نے فراغت حاصل کی ہی تھی، دوسرے مشاہیر علماء وقت سے بھی آپؒ کو اجازت حدیث حاصل ہے۔ مثلاً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ) نے آپ کو بطور خود سہارنپور بلایا اور صحاح ستہ کی اوائل کی حدیثیں پڑھوا کر سنیں اور اجازت عطا فرمائی اور اپنے دست خاص سے خصوصی سند حدیث لکھوا کر مرحمت فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ انبیٹھوی یعنی آپ کے حقیقی بڑے پھوپھا اور آپ کے والد ماجد نے بھی اپنی طرف سے خصوصی اجازت حدیث عطا فرمائی۔

نسبت قاسمی خداداد متانت وسنجیدگی اور علمی ذوق کی وجہ سے اس وقت کے تمام قابل ذکر علماء اور اہل اللہ نے آپ کے لیے علم وعمل کی خصوصی دعائیں کیں۔ اپنی شفقت ومحبت اور خصوصی توجہات سے نوازا، حوصلہ افزائی فرمائی، اس کے نتیجہ میں جوش عمل، جدو جہد اور محنت کے جذبات ابھرے، مطالعہ کا ذوق راسخ ہوتا چلا گیا، وہ آگے چل کر رنگ لایا، دنیا مستفید ہوئی اور ان شاء اللہ بہت زمانہ تک ہوتی رہے گی۔

حکیم الامتؒ سے بیعت وخلافت

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی رہنمائی میں سلوک وتصوف کا جو سفر نئے ولولوں کے ساتھ شروع کیا گیا تھا جلد ہی راستہ میں رک گیا۔ حضرت شیخ الہند کی وفات کا بہت زیادہ غم ہوا اور کئی سال اسی حالت میں گذرے اور ساری دلچسپیاں تدریس وتصنیف تک محدود رہیں۔ بالآخر پھر وہی تشنگی آپ کو تھانہ بھون لے گئی اور تربیت باطنی اور تکمیل سیرت کے لیے خانقاہِ اشرفیہ امدادیہ کو منتخب کیا۔ جہاں حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے۔ جہاں انسان سازی کا کام بڑی باقاعدگی اور سلیقہ سے ہورہا تھا اور اس زمانہ میں حضرت حکیم الامتؒ کی ذات بابرکات سے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارھویں صدی کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ اقدس سے سرہند کو حاصل تھی۔ اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریقہ پر لیا وہ اہلِ نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس تجدیدی و اصلاحی خدمات کے لیے ضروری تھا کہ وقت کے علماء وفضلاء اس مجدد اعظم کی طرف رجوع کرتے تاکہ اصلاحی مساعی عام ہوجائیں اور ہر مقام میں اس کا شیوع ہوجائے، چناں چہ یہی ہوا کہ غیر منقسم ہندوستان کے علماء کبار کی اکثریت خوانِ اشرفیہ ہی کی زلّہ ربا رہی، بڑے بڑے اصحابِ بصیرت اور اربابِ فکر یہیں سے اپنے دامنوں کو علم ومعرفت کے جواہرات سے بھر کر لے جاتے، یہ ایک ایسی جامعیت تھی جو اس دَور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے خاص کردی تھی۔ علماء ہوں کہ فضلاء، صحافی ہوں کہ شعراء، اہل قلم ہوں کہ اربابِ معرفت، سب اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس مخزن سے اپنے نہاں خانوں کو پُر کرتے اور بامراد واپس ہوتے تھے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ بھی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے، قلب ونظر نے حضرت شیخ الہندؒ کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف ایسی جاذبیت اور کشش محسوس کی جو بعد میں رجوع پر منتج ہوئی، اسی باطنی جاذبیت اور عقیدت ومحبت نے ۱۳۴۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت اقدس میں تھانہ بھون پہنچادیا۔

حکیم الاسلامؒ اپنے شیخ عالی مقام کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت حکیم الامتؒ کے ہاں آتے جاتے گذرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی فقیہہ سنجی، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیحات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط ونظم، ان کا وسیع عمیق علم، ان کی سینکڑوں تصانیف ان کی محبت وبابرکت اور حکیمانہ اندازِ تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے، حضرت حکیم الامتؒ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا۔ آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت وطریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام وحلال اور جائز وناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے جتنا کہ حضرت کے یہاں تھا۔ آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سرِ نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے

پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا۔ میرا تعلق حضرت حکیم الامتؒ سے عرصہ دراز تک رہا، حضرتؒ احقر سے بے حد شفقت و محبت فرماتے، میرے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے زمانے میں دل میں انتہائی زیادہ تکبر پیدا ہوا۔ میں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں مکتوب لکھا کہ میں تو تکبر میں مبتلا ہو چکا ہوں اس کا علاج تجویز فرمایا جائے، حکیم الامت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح میں اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا تھا مکتوب کا جواب لکھا کہ ''اہتمام کو چھوڑ کر ابھی تھانہ بھون پہنچو۔''

مکتوب ملتے ہی میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوا، تو فرمایا کہ خانقاہ میں رہائش رکھو اور آپ کے ذمہ کام یہ ہے کہ خانقاہ کی مسجد میں نمازیوں کے جوتے آپ کو درست کرنے ہیں۔

میں نے یہ کام شروع کیا ہی تھا لیکن بقول مولانا رومیؒ

نفس ما را کمتر از فرعون نیست ☆ لیکن او را عون ما را عون نیست

اور تمام نمازیوں کی جوتیاں درست کرتا لیکن نفس نے یہ سکھایا کہ جو جوتیاں نئی ہوتیں ان کو درست کر دیتا تھا اور پرانی جوتیاں درست نہ کرتا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمایا کہ:

''محمد طیب کیا وجہ ہے، پرانی جوتیاں بھی تو جوتیاں ہیں ان کو کیوں درست نہیں کرتے'' اور یہ بھی فرمایا کہ:

''تکبر اتنا بڑا مرض ہے کہ یہ اہل اللہ سے بھی بڑی مشکل سے جاتا ہے اور سب سے آخر میں یہ ختم ہوتا ہے۔ اس نے کئی آدمیوں کو ذلیل کیا ہے اور شیطان کو لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کیا ہے۔''

حضرتؒ کے یہ الفاظ سن کر تو میں مر مٹا یعنی ایسی فنائیت حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت سے حاصل ہوئی کہ اپنی فنائیت سے بھی بے خبری ہوگئی۔ بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کہ:

میں مٹنے کو بھی مٹانا چاہتا ہوں ☆ مقامِ فناء ہے الفنا چاہتا ہوں (۲۴)

مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ علوم ظاہریہ سے فارغ ہوئے اور ۱۳۳۷ھ کے بعد باطنی علوم کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے دستِ کرامت پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور حضرت شیخ کے وصال کے بعد قطب العالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کے دربار کی طرف رجوع کیا اور چند سال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کو حکیم الاسلام کا لقب عطا فرما کر خلیفہ مجاز قرار دیا۔ پھر آپ علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطن کے بھی شہسوار بنے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضرت تھانوی

آپ پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے اور آپ پر حضرتؒ کی خاص نظر عنایت تھی۔ آپ تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامتؒ کی صحبت میں رہے اور صحیح علمی و روحانی جانشین ثابت ہوئے۔ جس طرح آپ نے علمی و دینی خدمات انجام دیں اسی طرح سلوک و تصوف میں بھی آپ کی بے مثال خدمات ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی عوام کی اصلاح و فلاح کے لیے وقف کی ہوئی تھی اور عام مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے خدا کی رضا اور شریعتِ نبویؐ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور اپنی زندگی میں بیشمار لوگوں کی اصلاح فرمائی۔ ملک و بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے اور بہت سے خوش نصیبوں نے آپ سے خلافت و اجازت کا شرف حاصل کیا جو آج خود بھی عوام و خواص کی اصلاح میں مصروف ہیں۔'' (۲۵)

مولانا اخلاق احمد عثمانی خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الاسلامؒ لکھتے ہیں کہ:

''حکیم الاسلامؒ غزالئ دوراں، جامع شریعت و طریقت، مرشد کامل، خطیب بے مثل، مفکر اسلام حضرت علامہ محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت حکیم الامت تھانوی کے علمی و روحانی عظیم ترجمان تھے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد نصف صدی سے زائد تک حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ صحیح معنوں میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نیابت و خلافت کے فرائض احسن طور پر انجام دیتے رہے۔ جس سے پورا عالم اسلام بخوبی واقف ہے۔ آپ اپنے چشمۂ ہدایت سے تشنگانِ قلب و روح کو سیراب فرماتے رہے اور راہِ حق کے طلب گار اپنی امیدوں اور آرزوؤں کی جھولی اس خزانۂ معرفت سے بھرتے رہے۔ ملک اور بیرونِ ملک میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے مریدین اور مسترشدین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے۔ جو براہِ راست آپ کے دستِ حق پر بیعت ہوکر آپ کی روحانی تربیت اور ہدایت و اصلاح سے اپنی زندگی کو منور کیے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی تھا جو راہِ حق کے طلب گار ہوتے اور بذریعہ خط و کتابت آپؒ کی روحانی و عرفانی ہدایتوں سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ اس طرح سے برّ اعظم ہند و پاکستان کے گوشہ گوشہ میں آپ کے بے شمار مریدین و منتسبین اور خلفاء مجازین موجود ہیں اور حضرتؒ کا یہ سلسلۂ روحانی جاری و ساری ہے۔

بیعت و سلوک

مالٹا سے جب حضرت شیخ الہندؒ دیوبند پہنچے تو ایک دن بعد نماز عصر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیبؒ نے بیعت کرنے کی درخواست کی اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

''اس وقت اپنی جماعت میں دو ہی صاحبزادے ہیں، جن کا پوری جماعت احترام کرتی ہے۔ایک مولانا محمد احمد صاحبؒ (ابن حضرت نانوتوی قدس سرہٗ) اور ایک مولانا حافظ مسعود احمد صاحبؒ (ابن حضرت گنگوہیؒ) لوگوں کا مجھ پر الزام یہ ہے کہ اس نے دونوں صاحبزادوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔اگر میں نے تم دونوں بھائیوں کو بیعت کرلیا، تو لوگ کہیں گے کہ اب تو یہ قبضہ موروثی ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ بھائی مالٹا سے میں کوئی بدل کر تھوڑا ہی آیا ہوں میں تو وہی کا وہی ہوں جو مالٹا جانے سے پہلے تھا۔ آپ نے عرض کیا حضرت ہم وہ نہیں ہیں۔ جو پہلے تھے۔ پہلے ہمیں حضرت کے بارے میں کچھ شعور نہ تھا، اب ہوگیا ہے۔ بہرحال یہ باتیں آپ نے مزاحی رنگ میں فرمائیں اور اس کے بعد سکوت فرمایا۔نماز مغرب کا وقت آ گیا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے یہ دونوں بھائی بھی چلے آئے۔

مگر پھر اسی دن بعد نماز مغرب ایک طالب علم کو بھیجا مولوی طیب کو دارالعلوم میں بلا کر لاؤ۔ چناں چہ حضرتؒ کی طلب پر حاضر ہوگیا آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ مولوی طاہر کہاں ہے؟ ان کو بھی بلالو، چناں چہ ان کے پاس آدمی گیا اور وہ بھی آ گئے۔ جب دونوں صاحبزادگانِ محترم حاضر ہو گئے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نے عرض کیا حضرت! کیسے یاد فرمایا؟ بھائی مرید کرنے کو، تم دونوں وضو کرلو، چونکہ یہ دونوں بھائی باوضو تھے۔لہٰذا عرض کیا حضرت ہم دونوں باوضو ہیں۔

اب حضرت نے دونوں صاحبزادوں کو اپنے پاس بٹھایا اور باضابطہ دونوں کو بیعت فرمایا، اس کے بعد آدھ گھنٹہ تک مختلف نصیحتیں فرماتے رہے، ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ تھا:

حضرت مرشد کے نصائح

بیعت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی دنیاوی عزت یا دولت مل جائے گی، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نفس اور باطن کی اصلاح ہوجائے اور وہ پاکیزہ ومہذب ہوجائے، کیوں کہ انسان کے نفس کے ساتھ ہزاروں روگ لگے ہوئے ہیں، جیسے تکبر، حرص، حسد، کینہ، بغض، عداوت اور عناد وغیرہ دنیاوی فسادات بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی آخرت بھی انہیں سے برباد ہوتی ہیں۔ بیعت کا منشا یہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ مغلوب ہوجائیں اور اخلاق فاضلہ غالب آ جائیں۔ جیسے انابت الی اللہ، صبر وشکر، حیا وسخا، غیرت وحمیت اور توکل وغیرہ اور یہ چیزیں کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہیں۔جس قدر ذکر کیا جائے گا اخلاق فاضلہ اسی انداز سے قوی ہوں گے اور طاعت کی رغبت پیدا ہوگی اور اسی کے ساتھ معصیت سے نفرت بڑھتی جائے گی۔

اس تقریر کے بعد حضرت اقدسؒ نے صاحبزادوں کو اذکار بھی بتائے اور یہ دونوں بھائی ان اذکار کو

پابندی سے بجالاتے رہے، مگر اسکے بعد حضرت شیخ الہندؒ بہت کم دن تقریباً چھ ماہ بقید حیات رہے، کوئی چھ ماہ بعد آپؒ کی وفات ہوگئی، جس سے پورے ہندوستان میں صف ماتم بچھ گئی۔

حضرت کشمیریؒ کی طرف رُجوع

آپ کی وفات کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے لیے سوال پیدا ہوا کہ اذکار کی تعلیم کس سے حاصل کریں؟ چناں چہ آپؒ نے اپنا یہ رشتہ اپنے استاذ محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سے جوڑا، انھوں نے باضابطہ بیعت تو نہیں فرمایا، مگر تعلیم دیتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مجاز تھے۔ یہ سلسلہ بہت دنوں تک قائم رہا مگر جب حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل تشریف لے گئے۔ تو آپ کی خدمت میں حاضری کی نوبت کہاں آتی یا آتی تو بہت کم۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں

در گہِ اشرف علیؒ کے فیض سے احمدؒ کا لال — قاسمِ ثانی بنا وہ صاحبِ فضل و کمال
بن گیا فخر الاماثل علم و فن کا آفتاب — راہِ عرفان و تصوف کا درخشاں ماہتاب

اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ دونوں بزرگوں کو حیدرآباد کا سفر پیش آیا۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ ان بزرگوں کے ساتھ سفر میں حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ بھی تھے۔ دیوبند سے چل کر درمیان میں بھوپال ایک رات قیام رہا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

جس کمرہ میں ان حضرات کی چارپائی تھی، اس کی پائنتی میں میرے لیے بھی چارپائی بچھادی گئی۔ تہجد کا جب وقت آیا۔ تو یہ دونوں بزرگ اور مولانا سعید الدین صاحبؒ ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند ریاست بھوپال اٹھے اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ میں اس وقت جاگ رہا تھا مگر بستر پر پڑا رہا۔ اٹھا نہیں، مولانا سعید الدین صاحب رامپوریؒ جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص لوگوں میں تھے۔ مجھے سوتا ہوا دیکھ کر ان حضرات سے فرمایا کہ اس کو کسی بزرگ کی طرف رجوع کرانا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ ہماری جماعت میں اس وقت حکیم الامت حضرت تھانویؒ بڑے لوگوں میں ہیں، ان سے وابستہ کرنا مناسب رہے گا۔

یہ مشورہ ان بزرگوں کی سمجھ میں آ گیا، جب یہ حضرات حیدرآباد کے سفر سے دیوبند واپس آئے۔ تو

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ ہم لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ مولوی محمد طیبؒ کو بسلسلہ تربیت باطن آپ کے سپرد کریں اور آپ اس کی اصلاح فرمائیں۔

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ ''وہ میری اولاد ہے جب چاہے آ جائے۔ لیکن اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں خود لکھے۔ آپ اس سے فرمادیں کہ وہ خود براہ راست میرے نام خط لکھے، چناں چہ ان حضرات کا ایما ہوا تو میں نے حضرت والا کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اس میں وابستگی کی درخواست کی، حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا۔ تو میری اولاد ہے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بھی فرصت ہو فوراً آ جاؤ۔

تھانہ بھون حاضری

اتنے میں رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ میں نے دارالعلوم کی مسجد میں تراویح سنانا شروع کر دی۔ ڈیڑھ پارہ سنا کر بیس دنوں میں قرآن پاک ختم کیا اور بیس رمضان کو تھانہ بھون حاضر ہو گیا اور اخیر عشرہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس گذارنے کے ارادے سے حاضر ہو گیا۔ حاضر ہونے کی اطلاع پہلے دے چکا تھا۔ جس دن میں پہنچا وہ جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ مسجد نمازیوں سے بھری پڑی تھی۔ میرے پہنچتے ہی خانقاہ کے دروازہ پر مولوی شبیر علی صاحبؒ برادرزادہ حضرت تھانویؒ میرے منتظر تھے۔ ان سے مصافحہ ہوا۔

دیوبند سے میرے ہمراہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی تھے۔ ہم لوگوں کے پہنچتے ہی بھائی شبیر علی نے فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) نے سلام فرمایا ہے اور تین باتیں کہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ خانقاہ کے حجرہ نمبر ۱۶ر میں آپ کا قیام ہوگا۔ وہاں سامان پہنچا دیا گیا ہے، دوسری بات یہ کہ اگر کوئی تکلیف و تکلف نہ ہو تو ان دس دنوں میں ایک کلام پاک تراویح میں تین تین پارے یومیہ ہمیں سنا دو اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ تین دن تک میرے مہمان رہیں گے۔ اس کے بعد آپ اپنے کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست خود کریں گے۔ اس تیسری بات سے قدرے گرانی کا میرے دل پر اثر ہوا کہ اتنے قریبی روابط (قرابت داری) بزرگوں سے علاقہ اور خود مجھ پر اولاد جیسی شفقت کے ہوتے ہوئے حضرتؒ نے یہ غیریت کی بات کیوں اختیار فرمائی؟

نمازِ تراویح

مگر چونکہ حاضری اصلاح کے لیے ہوئی تھی۔ اس لیے سب باتیں بخوشی منظور کر لیں اور حکم کے مطابق نامزد کمرہ میں قیام کیا۔ اس وقت تک میری آواز بہت بلند تھی اور خوش آوازوں میں شمار تھا۔ اس کی شہرت بھی

تھی۔ روزانہ تراویح میں تین پارے سنانے لگا تمام مساجد سے بکثرت عوام وخواص ذوق وشوق سے خانقاہ کی مسجد میں قرآن سننے کی غرض سے آنے لگے اور مسجد سے باہر حوض اور مدرسہ کا صحن لوگوں سے بھرا ہوتا تھا۔

جب تین دن پورے ہوگئے۔ تو (حضرت تھانویؒ) نے یاد فرمایا اور بلا کر کہا کہ میں نے میز بانی میں تین دن کی شرط لگائی تھی، وہ ایک ضابطہ اور اصول کی بات تھی۔ تو میری اولاد ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تھانہ بھون آ کر تو اپنے کھانے کا بندوبست کرے۔ تیرا کھانا وغیرہ میرے ساتھ ہی ہوگا۔ میں نے دس دن اسی شان سے قیام کیا۔ قرآن شریف پورا ہوگیا اور حضرت نے تعلیم وتربیت شروع فرمادی اور ذکر وشغل کے طریقے بتائے۔ اس کے بعد میرا تعلق حضرت سے مضبوط ہوتا گیا اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا رہا۔ کئی سال کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت بیعت بھی فرمالیں۔ فرمایا ضرورت تو ہے نہیں مگر جب دل کی خواہش ہے تو بہتر ہے اور یہ کہہ کر بیعت بھی فرمالیا۔

خرقۂ خلافت

شیخِ وقت وہم مجازِ تھانوی ☆ صوفیٔ حق کیش راہِ حق نما

حکیم الامت حضرت مرشد تھانویؒ کی تعلیم رنگ لائی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کا شمار حضرت والا کے ممتاز لوگوں میں ہونے لگا۔ خط وکتابت اور آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جو کچھ ادھر سے ہدایتیں ہوتی تھیں۔ ان پر آپ پورا عمل فرماتے۔

آپ کا ہی بیان ہے کہ ایک دن حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک گرامی نامہ ملا، اس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

''بے ساختہ میرے دل پر یہ وارد ہوا ہے کہ میں تجھے خلافت دوں اس لیے میں تم کو خلافت دیتا ہوں۔ جو کوئی بہ نیت اصلاح وتربیت آئے اسے توبہ کرادیا کرو اور مشائخ کے معمولات تلقین کردیا کرو۔

اصلاحی باتیں جو پوچھے بتادیا کرو اور جو کوئی بیعت ہونا چاہے اسے بیعت کرلیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بھی نافع ہوگا اور مستفیدین کے لیے بھی''۔

بیعت وارشاد

اس اجازت نامہ کے بعد جو کوئی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرتا آپ قبول فرمالیتے اور اپنے سلسلہ میں بخوشی داخل فرمالیتے۔ آج بھی ملک کا کوئی گوشہ اور حصہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے متوسلین کی بڑی تعداد نہ ہو۔ بیعت ہونے والوں کی زیادہ تعداد جنوبی ہند میں ہے۔ بمبئی، مدراس،

حیدرآباد، بنگلور، میسور اور گجرات کے متعدد شہروں اور قصبات میں آپ سے وابستہ ہونے والے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ غیر ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔سعودی عرب، افریقہ، پاکستان، بنگلہ دیش، انگلستان، ساؤتھ افریقہ، سری لنکا، برما اور ایران میں بھی بکثرت لوگ داخل سلسلہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو آپ سے اجازت بیعت بھی حاصل ہوئی۔

بہت سے وہ افراد واشخاص جن کو علماء دیوبند سے دور رکھنے کی ان کے حلقہ کے علماء نے برسہا برس سے سعی کر رکھی تھی۔آپ کے مواعظ حسنہ سننے کے بعد ایسے تمام افراد خاندان بھی جو دور رہنے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا رکھے گئے تھے یا مبتلا تھے۔آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پر بیعت ہو گئے اور اس طرح ان کے عقائد اور اخلاق واعمال کی آپ کے ذریعہ اصلاح ہوئی۔

حکیم الاسلامؒ کی شادی خانہ آبادی

زندگی کے مراحل میں ایک اہم مرحلہ شادی خانہ آبادی بھی ہے۔آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کے درسیات سے فراغت کے بعد آپ کی شادی کی فکر کی، اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے رشتہ داروں کے مشورہ سے آپ کا رشتہ رامپور منیہاران ضلع سہارنپور میں طے پایا۔

مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ

اس قصبہ رامپور میں مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کا خاندان ممتاز شمار ہوتا رہا ہے۔اس خاندان کے اہل علم اور اہل دل کافی شہرت رکھتے تھے۔خود مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ، حضرت محمد ضامن شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور آپ کے ارشد خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ سالار بندگی تھے جن کا رام پور میں مزار موجود ہے۔ بسلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ صحابی رسول ﷺ تک پہنچتا ہے۔جو مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے تھے اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً قیام فرمایا تھا۔

مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان کے حقیقی بھائی جناب حاجی علاؤ الدین صاحب تھے اس خاندان کی نسل انہی سے چلی، ان کے تین صاحبزادے تھے۔مولانا حافظ حکیم احمد صاحبؒ رئیس رامپور، مولوی محمد صاحب مرحوم اور مولانا حافظ محمود صاحبؒ فاضل دیوبند و وزیر ریاست اندر گڑھ (راجپوتانہ) مولانا محمود صاحب نے یہیں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا اور ربط وعلاقہ قوی تھا۔

مولانا محمود صاحبؒ

مولانا محمود صاحبؒ کی شادی مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہٗ انبیہٹہ ضلع سہارنپور کے خاندان میں حضرت شاہ صادق احمد صاحب انبیٹھویؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کا خاندان انبہیٹہ میں اہل علم وفضل اور اہل دل کا ممتاز خانوادہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث سہارنپوری خلیفہ حضرت گنگوہیؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

انہی مولانا حافظ محمود صاحب رامپوریؒ کی صاحبزادی حنیفہ خاتون سے حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کا رشتہ طے پایا جوان کی اکبر اولاد تھی۔ یہ رشتہ اس وقت کے صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ لے کر رامپور پہنچے، چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق بھی وہاں سے گہرا تھا اور مولانا محمود کے بھائی حکیم احمد صاحب سے فرمایا کہ: بھائی میں اس وقت نائی کی حیثیت سے طیب کا رشتہ آپ کی بھتیجی سے لے کر آ رہا ہوں۔ یہ رشتہ ان حضرات نے بڑی خوش دلی کے ساتھ منظور کرلیا، بلکہ دلی مسرت کا اظہار بھی کیا۔ بات طے پانے کے بعد یہ رشتہ تین چار سال لگا رہا۔

نکاح

۱۳۳۴ھ میں جب حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی عمر بیس سال ہو چکی تھی نکاح کی تاریخ طے پائی اور متعینہ تاریخ میں سو، سوا سو علماء کرام اور صلحاء عظام بصورت بارات آپ کو لے کر رام پور پہنچے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے آپ کا نکاح پڑھا اور سبھی نے دعائیں کیں۔ بارات کے سلسلہ میں خود حکیم الاسلامؒ لکھتے ہیں:

''بارات کی واپسی ایک شب قیام بعد اگلے دن عصر کے بعد ہوئی اور رات کو تقریباً گیارہ بجے دیوبند پہنچنا ہوا، سردی کا زمانہ تھا، عشاء کے بعد دیوبند میں اس غیر معمولی تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمود صاحبؒ نے کافی اور بہت قیمتی جہیز دیا تھا۔ جس کی شہرت تھی، حتیٰ کہ علاوہ ہمہ قسم سامانوں کے دلہن کے لیے نفیس پالکی اور دولہا کے لیے گھوڑا بھی جہیز میں دیا۔ جو سر سے پیر تک چاندی سے آراستہ تھا اور زین مخملی تھا۔ جس پر زری کا کارچوب کا کام تھا۔ یہی نوعیت دوسرے قیمتی سامانوں کی بھی تھی۔ رات کا وقت کچی پکی سڑک اور درمیان میں دیہات کا سلسلہ اس لیے دیوبند میں تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ شادی کے سلسلہ میں مقامی نظم کے ذمہ دار تھے۔

انھوں نے اس تشویش کا طلبہ سے اظہار کیا، جس پر ڈھائی تین سو طلبہ دیو بند سے رامپور کی سڑک پر روانہ ہوگئے۔ دیو بند سے چھ میل آگے پہنچ کر طلبہ کا مجمع بارات سے جاملا اور بارات کے ساتھ لوٹا۔ طلبہ نے اپنی محبت وتعلق سے پالکی والے کہاروں کو ہٹا کر خود پالکی اپنے کندھوں پر اٹھائی اور نوبت بنوبت پالکی لے کر چلے، وہ سماں عجیب تھا کہ مختلف وطنوں کے طلبہ بنگالی، پنجابی، آسامی، سرحدی اور گجراتی وغیرہ اپنی اپنی زبانوں میں گیت گاتے جاتے تھے اور پالکی اٹھائے جارہے تھے۔ یہ مرحومہ کی خوش قسمتی تھی کہ رشتہ سرتاج علماء شیخ الہندؒ لے کر گئے، نکاح سرخیل علماء حضرت تھانویؒ نے پڑھایا۔ بارات میں وقت کے تمام علماء صلحاء اور اکابر وقت شریک ہوئے اور پالکی اٹھانے والے طلبہ علم دین تھے جو اپنے سروں پر مرحومہ کو لائے اور آخر جنازہ بھی جب اٹھا تو وہ بھی انہی طلبہ اور علماء کے کندھوں پر اٹھا''۔(۲۶)

اہلیہ کے اوصاف

اس وقت یہ شادی بڑے اہتمام سے ہوئی اور ان علماء ربانیین کی دعاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جوڑے کو بڑی عزت اور عظمت عطاء ہوئی اور خواص وعوام میں قبول عام حاصل ہوا، حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت جلیلہ کی تفصیل آپ اس کتاب میں اپنی جگہ پڑھیں گے۔ آپ کی اہلیہ بھی ماشاءاللہ دین میں ممتاز حیثیت کی مالک تھیں، اس سلسلہ میں تفصیل حضرت حکیم الاسلامؒ کے ہی قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی اہلیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابند اوقات اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں۔ میں ان کے معمولات غبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا ہے کہ شاید یہی خاتون میرے لیے بھی نجات کا ذریعہ بن جائے، مرحومہ کو فرائض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا۔ گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں۔ اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اٹھکر اول اوقات میں نماز ادا کیے بغیر مطمئن نہ ہوتی تھیں۔ ایک ہزار دانے کی تسبیح ہمیشہ ان کے سرہانے رہا کرتی تھی، نماز عشاء کے بعد ایک ہزار بار کلمہ طیبہ اور وقت خواب ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا۔ جو سفر وحضر میں جاری رہتا تھا۔ نماز صبح کے بعد تلاوت قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا۔ میری معیت میں سات بار حج وزیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئیں۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی ثم المکیؒ مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے عزیز داری تھی، مکہ میں قیام انہیں کے دولت خانہ پر ہوتا تھا۔ مولانا کے گھرانے کے ہر بچے اور بڑے کو ان سے ایک خاص انس اور علاقہ تھا۔ ہر سال حج کے موقع پر ادھر سے برابر یاد دہوتی اور یاددہانی کہ ہم سب آپ کا انتظار کررہے

ہیں۔اسی علاقہ خاص سے حضرت مولانا سلیم صاحب کا مقولہ تھا کہ:

''جو شخص یہ ثابت کردے کہ مکہ مکرمہ میں (مولانا) محمد طیب صاحبؒ کا گھر نہیں ہے تو میں اسے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کے لیے تیار ہوں، بہرحال مولانا کا سارا گھرانہ ان سے حد درجہ مانوس تھا اور وہ ان سے مانوس تھیں، بالخصوص عزیز محترم مولوی محمد شمیم سلمہٗ ابن حضرت مولانا محمد سلیم صاحب تو خاص طور پر ان کی خاطر داری اور مدارات میں لگے رہتے تھے اور ان سے مرحومہ کو خاص انس تھا اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے شمیم پر ایسا ہی پیار آتا ہے جیسے سالم پر''۔(۲۷)

زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام

ان خوبیوں کیساتھ مرحومہ میں داد و دہش کی خوبی بھی بدرجہ اتم تھی، خود حضرت حکیم الاسلامؒ لکھتے ہیں:

''حج و نماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ ان میں ادائے زکوٰۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی کا حساب کر کے عموماً ماہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کیا کرتی تھیں۔شہر کے عزیزوں میں سے غرباء اور بالخصوص غریب بیواؤں کی فہرست ان کے سامنے رہتی تھی۔''(۲۸)

تراویح کا اہتمام

آپ کی اہلیہ کو رمضان شریف میں تراویح کا خاص اہتمام تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت حکیم الاسلامؒ آخر کے چند سال سے تراویح اپنی بیٹھک میں پڑھا کرتے تھے دالان میں پردہ ہوتا تھا۔پس پردہ اہلیہ محترمہ اور گھر اور محلّہ کی دوسری عورتیں ہوتی تھیں اور پردہ کے باہر جانب قبلہ بیٹھک میں مردوں کی جماعت ہوتی تھی۔

جب کبھی رمضان میں حضرت والا کا قیام گھر پر نہیں ہوتا تو یہ فرض آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی انجام دیتے تھے۔اس طرح اہلیہ محترمہ اذکار و اوراد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب کی نہایت پابند تھیں اور اسی رنگ میں اپنے پورے خاندان اور گھرانے کو رنگنے کی سعی کرتی رہتی تھیں۔

ذمہ داریوں کا احساس

حضرت والا کو اہلیہ کی وجہ سے بڑا ذہنی سکون حاصل تھا، بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال سب اہلیہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔حضرت کو اس طرف سے بالکل آزاد کر رکھا تھا۔چوں کہ ذہین و ذکی تھیں۔اس لیے آپ کی راحت رسانی کا پورا خیال اور لحاظ و پاس تھا۔گجراتی اور ہندی زبان بھی لکھنا اور بولنا جانتی تھیں، دارالعلوم میں گجراتی اور ہندی خطوط آتے تھے تو ان کا ترجمہ آپ اکثر ان ہی سے کراتے تھے۔

جذبہ راحت رسانی

آپ کے ساتھ انھوں نے ہند و بیرون ہند کے بہت سے مقامات کا سفر بھی کیا تھا اور جہاں جاتیں عورتوں میں رہ کران کو دین کی باتیں بتاتی تھیں اوران کی اصلاح کرتی تھیں۔ حضرت اقدسؒ نے لکھا ہے کہ:

''ان کے ساتھ میری رفاقت ساٹھ سال رہی ہے، اس پوری مدت میں اہلیہ ہونے کے رشتہ سے ان سے اتنا متاثر نہیں تھا۔ جتنا کہ ان کی ذاتی صلاحیت واستقامت اور جذبۂ راحت رسانی واطاعت وغیرہ سے متاثر رہا۔ خدمت واطاعت میں مزاج شناسی اور نفسیات کی رعایت کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ بات سن کر فوراً اس کی تہہ میں پہنچ جانا اور اصولی جواب ان کا خاص رنگ تھا۔ یہی ذہانت تھی کہ عمر کا ایک بڑا حصہ راجپوتانہ میں گذارنے کے سبب گجراتی زبان اور ہندی لکھنے پڑھنے کا خاص ملکہ پیدا کرلیا تھا۔ اکثر دارالعلوم کے ہندی اور گجراتی زبانوں کے خطوط انہیں سے پڑھواتا اور ترجمہ کراتا تھا۔ گجرات کے سفروں بڑودہ، سورت، راندیر اور بمبئی وغیرہ میں وہ گجراتی عورتوں کی باتیں بے تکلف سمجھ کران سے گجراتی میں بات چیت کرلیتی تھیں۔ اسی ذہانت کا اثر تھا کہ حجاز کے متعدد سفروں میں معمولی عربی سمجھنے اور ٹوٹی پھوٹی بول لینے میں انہیں تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حجاز میں اکثر عرب اور مصری عورتوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں گھنٹوں بات چیت کرتی رہتی تھیں۔''(۲۹)

حضرت کی اہلیہ شعر بھی کہہ لیا کرتی تھیں اوران کے اشعار رواں ہوتے تھے، ان کے کچھ اشعار بھی چھپ گئے ہیں، غیر ممالک کے سفر میں بھی حضرت کے ساتھ جانا ہوا اور اچھے اثرات چھوڑ کر آئیں، اس رفیقۂ حیات نے یوم عاشورہ ۱۰رمحرم ۱۳۹۴ھ کو داغِ مفارقت دی۔

رفیقۂ حیات سے آپ کوئی اولاد ہوئیں، پھر بحمد اللہ ان اولاد کی اولاد کا سلسلہ بھی ہے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ لکھتے ہیں اولاد کی طرف سے بھی حق تعالیٰ نے انہیں خوش نصیب بنایا تھا۔ انھوں نے اپنی تین پشتیں اپنی زندگی میں پروان چڑھتے دیکھیں، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اور ان کی اولادیں ملاکر مجموعی تعداد ۵۱رتک پہنچ گئی ہے اور بعد میں بھی اضافہ ہوا۔ انھوں نے خوشیوں اور مسرتوں کی فضائیں دیکھیں خود اپنی ساری اولاد کی شادی بیاہ اور کافی حد تک اولاد کی اولاد کی تقریبات وغیرہ سے اپنی زندگی میں ہی فراغت پالی تھی اور یہ کم خوش نصیبی نہیں کہ ان کے انتقال تک ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کا عدد ماشاءاللہ ۵۱رتک پہنچا ہوا تھا۔ (۳۰)

خطاب بہ رفیقہ حیات حنیفہ خاتون رحمہا اللہ تعالیٰ

المتوفیہ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۹۴ھ یوم عاشورا یکشنبہ

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنی اہلیہ کی وفات پر چند اشعار بھی کہے تھے، جس میں اپنی طویل رفاقت اور ان کے وصال پر اپنے حزن وملال کا اظہار فرمایا تھا، اس موقع پر اس کو بھی نذر قارئین کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

اے ساٹھ سالہ مونسِ جاں تو نہیں جب آج — ہونا مرا بھی خاک ہی ہوگا ترے بغیر
اے مونسِ حیات اگر تو نہیں حیات — جینا ہے پھر تو موت سے بدتر ترے بغیر
اے شمع بزم تجھ سے ہے خالی اگر یہ بزم — اندھیر ہے چمکتی یہ دنیا ترے بغیر
اے گل بہار جب نہیں گلشن میں سیر گل — رنگِ خزاں ہے روئے گلستاں ترے بغیر
گل ہی نہیں تو سیر چمن کا ہے گل چراغ — سیر چمن نہیں تو چمن کیا ترے بغیر
مالی بھی ہے، چمن بھی ہے، بادِ بہار بھی — روحِ بہار پر نہیں ملتی ترے بغیر
یہ زندگی اور اس کی یہ سب خوشگواریاں — کیا قیمت ان کی ہیچ ہے سب کچھ ترے بغیر
یہ گھر اور اس کی ساری معیشت کی یہ اثاث — بے کار ہے یہ عیش کا ساماں ترے بغیر
جب تو نہیں یہاں تو مجھے مل سکے گا کیا — تسکینِ قلب و روح کا ساماں ترے بغیر
گھر سے مرا یہ خاص علاقہ تجھی سے تھا — پھر کیا ہے گھر میں میرا ٹھکانا ترے بغیر
گلزار ہو یہ گھر تری اولاد سے سدا — اپنے کو پا رہا ہوں میں تنہا ترے بغیر
تیری خلوصِ دل سے وہ راحت رسانیاں — ممکن نہیں ہیں اور نہ ہوں گی ترے بغیر
تیری یگانگت وہ ملنساریاں تری! — آتی رہیں گی یاد ہمیشہ ترے بغیر
تیری شگفتگی وہ تری جودتِ مزاج — زندہ دلی کی بات کہاں اب ترے بغیر
تیری ذکاوت اور ذہانت کا خاص رنگ — مخصوص تھا تجھی سے کہاں پھر ترے بغیر
آنکھیں جو تجھ سے رہتی تھیں دن رات شادکام — روتی رہیں گی خون کے آنسو ترے بغیر
دانائیوں کی بات بصیرت کے رنگ سے — نادر مثال تھی نہ ملے گی ترے بغیر
طرزِ سخن ہر ایک کے دل کو جو موہ لے — مسحورکن کلام کہاں اب ترے بغیر
جذبِ نفوس کا تھا تری ذات میں اثر — ڈھونڈیں کہاں کشش کا یہ ساماں ترے بغیر

تجھ سے جڑا ہوا تھا قبیلوں کا فرد فرد
کیا جانئے کہ بعد میں کیا ہو ترے بغیر

بے لوث زندگی سے تری سب تھے متحد
الفت کا یہ نظام کہاں پھر ترے بغیر

قسمت تھی تیری یا تھی وہ برسات رزق کی
کل کیا ہو، کون جانے کہ کیا ہو ترے بغیر

تھا نظمِ خانہ تجھ سے محبت کا اک نظام!
ڈھیلی ہیں آج نظم کی کڑیاں ترے بغیر

جس گھر میں تھا نظامِ محبت ترا رواں
اس کے ہے گوشہ گوشہ میں رخنہ ترے بغیر

افکار و غم میں جب بھی کبھی مبتلا ہوا
کوئی ہوا نہ درد کا درماں ترے بغیر

پیچیدگی میں گھر کی گھرا جب کبھی یہ گھر
سلجھاؤ کا نہ تھا کوئی ساماں ترے بغیر

اولاد کو ملاکے محبت سے باندھنا
تیرا ہی کام تھا، جو نہ ہوتا ترے بغیر

بچوں کو اپنے راہِ محبت پہ ڈالنا
کرتا کوئی بھی کچھ، یہ نہ ہوتا ترے بغیر

تیری ہی تربیت سے تھی اولاد ساری ایک
یہ روحِ اتحاد کہاں پھر ترے بغیر

روتے ہیں تجھ سے زیادہ تری شفقتوں کو آج
الفت کا خاص رنگ کہاں پھر ترے بغیر

اپنے خلاف پر وہ تحمل کی خوئے خوش
ایسی مثال لائیں کہاں سے ترے بغیر

تیری چوالیس آل اور اولاد کا یہ دھن
تیری مفارقت سے ہے سوزاں ترے بغیر

سب ہند و پاک کے یہ ترے لختہائے دل
سوزِ دروں سے آج ہیں بریاں ترے بغیر

کیا کچھ گذر رہی ہے میرے دل پہ دل میں ہے
کس سے کہوں میں دل کی یہ بپتا ترے بغیر

وہ زندگیٔ باہمہ و بے ہمہ تری
تھی اک مثال جو نہ ملے گی ترے بغیر

اس پر خدا کے ساتھ جو تھا خاص ربطِ دل
ہے فرقۂ اناث میں عنقاء ترے بغیر

خوفِ خدا کے ساتھ ہی شفقت بھی خلق پر
کس نے کیا ہے ان کو بہم یوں ترے بغیر

گھر کے معاملات میں منکر کی روک تھام
معروف کی لگن یہ نہ دیکھی ترے بغیر

غیبت سے اجتناب ، مطاعن سے احتراز
تقویٰ کا یہ شعار کہاں تھا ترے بغیر

بروقت ہرنماز باوقاتِ خاص ذکر
یہ نظم و ضبط ذکر ہے سونا ترے بغیر

تیری ہزار دانہ کی تسبیح سُبحہ راں
اس کا ہر ایک دانہ ہے بریاں ترے بغیر

وہ تیرے وردِ پاک کے اوراق اورصحف
ان کا ورق ورق ہے پریشاں ترے بغیر

دائم تلاوت اور وظائف کا التزام
یہ استقامت آج ہے حیراں ترے بغیر

وہ اہتمامِ خاص ادائے زکوٰۃ کا
اتنی تڑپ سے ہم نے نہ پایا ترے بغیر

رمضان کا احترام ، تراویح کا نظام
گھر میں جماعت ایسی نہ دیکھی ترے بغیر

پایا ہے سات بار رفاقت کا حج میں لطف
اب لطف کیا کہ عمرہ و حج ہو ترے بغیر

تھا یہ سفر فریضۂ دینی جو عام ہے
کتنے ہی تھے سفر جو نہ ابھرے ترے بغیر

کچھ اک حضر ہی میں نہ تھی مقبولیت تری
سفروں کی دعوتیں بھی نہ آئیں ترے بغیر

کوئی بھی ہندوپاک کا ایسا نہیں مقام
جس میں سفر کی گشت ہوئی ہو ترے بغیر

برما کی وادیوں میں وہ گلگشت جانفزا
شہروں کا لطفِ سیر نہیں تھا ترے بغیر

رنگون، مانڈلے کا سفر مولمیں کی سیر
ہوتیں نہ پرُ بہار یہ سیریں ترے بغیر

افریقہ و عرب سے مکرر تھیں دعوتیں
مطلوبیت یہ عام کہاں تھی ترے بغیر

ایران سے تھی دعوتِ تہران و زاہدان
پر سیر آخرت کی تھی مضطر ترے بغیر

تیری شگفتگی سے سفر اور حضر میں عام
گرویدگی کہیں یہ نہ دیکھی ترے بغیر

ایسے ہی غم بھی آج ترا ملک گیر ہے
اندھیر ہے فضاء و خلا میں ترے بغیر

ہو انجمن کہ مدرسہ و خانقاہ ہو
رنجور و پرُالم ہیں ادارے ترے بغیر

ہر جا ہوئے ہیں ختم، مدارس میں چھٹیاں
بیتاب تھے ثواب کے خرمن ترے بغیر

اتنے خطوطِ تعزیت، اتنے غموں کے تار
آئے نہ تھے کبھی بھی یہ پہلے ترے بغیر

طوفان تھا غموں کا دلوں میں چھپا ہوا
ابھرا ، مگر ابھر نہ سکا کچھ ترے بغیر

امّی کے لفظ سے ہی عزا تار ہو کہ خط
ہے کون آج مادرِ ملت ترے بغیر

اب تو نہیں تو لطف نہیں زندگی میں کچھ
جب تو نہیں تو کون ہو مونس ترے بغیر

مقبولیت یہ عام یہ گرویدگیٔ تام
نسبت سے دین سے تھی، کہاں اب ترے بغیر

وہ پختگیٔ دین، وہ مضبوطیٔ یقین
اپنے گھروں میں کیا ہی ملے گی ترے بغیر

شاہانہ ٹھاٹھ سے وہ ترا داخلہ یہاں
جمتا نہ تھا یہ رنگِ امیری ترے بغیر

زمزم سے تر کفن میں ہے اب واپسی تری
بیتاب تھا یہ طرزِ فقیری ترے بغیر

شاہی قبا میں فقر و قناعت کا رنگ ڈھنگ
تیرا ہی کام تھا جو نہ چلتا ترے بغیر

شاہی، گدائی تیری جدائی کو دیکھ کر
دونوں ہیں غم سے سربگریباں ترے بغیر

تیرے جگر کے دکھ سے تھی سب کے جگر میں ٹیس — تیرے جگر کے خون سے ہیں خوں ترے بغیر
یومِ شہادت اور شہادت کا یہ مقام — حیران پھر رہا تھا کہ گذرے ترے بغیر
تیری سعادتوں نے شہادت کو جالیا — بے تاب ورنہ رہتی شہادت ترے بغیر
اب تو ہے اور حظِ شہادت کی لذتیں — یاں ہم ہیں اور کربِ جدائی ترے بغیر
سرپر تجھے اٹھایا تھا اربابِ علم نے — یہ عز و افتخار کہاں تھا ترے بغیر
لائے تھے طالب علم ہی کندھوں پہ پالکی — ان پر ہی تھا پلنگ بھی کب اٹھتا ترے بغیر
ڈولہ کھٹولہ دونوں ہی کندھوں پہ ان کے تھا — رفعت یہ دوجہاں کی کہاں تھی ترے بغیر
ان میں جو شادی اور غمی کی تھی یہ کشش — تیری کشش سے تھی جو نہ ہوتی ترے بغیر
یہ طالب علم تیری ہیں روحانی ذریت — آخر انھیں قرار کب آتا ترے بغیر
دن رات ہیں لگے ہوئے ایصالِ اجر میں — یہ اجر کیوں بھی پاس وہ رکھتے ترے بغیر
اجرِ کثیر، حظِ شہادت، ضیاءِ قبر — محشر کا نور کیسے رہے گا ترے بغیر
تیرے لئے تو کھل گئیں جنت کی کھڑکیاں — سوزِ دروں میں ہم ہیں کہ ہیں اور ترے بغیر
وہ درد جو فراق میں تجھ سے ملا ہمیں — کچھ دردِ دل کا ہے وہی درماں ترے بغیر
سینہ سے ہم لگائے ہوئے بیٹھے ہیں غم ترا — غم ہی ترا ہے تیری جگہ اب ترے بغیر
حاصل تجھے ہوں برزخ و محشر کی راحتیں — بے جان زندگی ہے کہ ہم ہوں ترے بغیر

غمزدہ: محمد طیب

۱۰رمحرم۱۳۹۴ھ، یوم المزید

مسندِ اہتمام اور دارالعلوم دیو بند کی ترقیات

اس کے شایاں تھا یقیناً دیو بند کا اہتمام		اس کی ابرو کا اشارہ بس تھا بہرِ انتظام
فیضِ طیبؔ سے ہوا سیراب جب وہ گلستاں		ہوگئی ہر شاخ اس کی پر بہار وگلفشاں
دیو بند کا مدرسہ تھا بن گیا دارالعلوم		تشنگانِ علم وفن کا ہو گیا اس پر ہجوم
باغباں نے ہر روش اس کی سجائی خوب تر		بھر دیے دامن میں اس کے بے بہا لعل وگہر
اس کا اٹھاون برس چکا ہے دور اہتمام		لائقِ صد آفریں تھا اس کا حسنِ انتظام

اواخر ۱۳۳۹ھ میں دارالعلوم دیو بند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن مولانا سعید الدین صاحب رامپوری نے مجلس میں یہ تحریک پیش کی تھی کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم اپنی کبر سنی کے سبب سے ضعیف ہوگئے ہیں۔ ہر چند ان حضرات نے اب تک خدمات دارالعلوم میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ تاہم مجلس شوریٰ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس امر کا احساس کرتے ہوئے ایسے وسائل اختیار کرے جس سے ان حضرات کو فی الجملہ اپنے کاموں میں امداد مل سکے۔ تجویز کا متن یہ تھا:

''حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد احمد صاحبؒ) اور نائب مہتمم صاحب (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ) کی جو کچھ خدمات ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اب یہ دونوں حضرات بوجہ تقاضائے عمر و نیز بسبب امراض گونا گوں ضعیف ہوگئے ہیں۔ اگرچہ خدمات دارالعلوم میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیتے، لیکن مجلس شوریٰ کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا احساس کر کے ایسے وسائل پیدا کرے جس میں ہر دو حضرات کو خاص طور سے اپنے کاموں میں امداد ملے۔ لہٰذا ایک عہدہ نائب دوم کا تجویز کرنا ضروری ہے اور اس خدمت پر ایسا شخص تجویز کرنا ضروری ہوگا۔ جو صاحب علم عالی خاندان اور با اثر ہو۔ دارالعلوم کے ساتھ سچی اور دلی ہمدردی مثل ان ہر دو حضرات کے رکھتا ہو۔ پس میں اپنی رائے میں اس عہدہ کے لیے مولانا محمد طیب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو تجویز کرتا ہوں۔

مولانا موصوف نوجوان صالح، صاحب علم اور عالی خاندان اور دارالعلوم کے ساتھ بحیثیت آبائی نسلاً بعد نسل سچی ودلی ہمدردی رکھنے والے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم

صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے فرزند اکبر ہیں اور مولانا محمد طیب صاحب سلمہٗ ان کے پوتے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کے زمانے میں دارالعلوم کو جس قدر ترقیات آمدنی میں ہوئیں اور جس قدر تعلیمی معیار بلند ہوا جس قدر طلباء کی تعداد بڑھی اور جس قدر ہندوستان سے باہر دور دراز اقالیم وممالک میں اس دارالعلوم کی قدر ومنزلت قلوب میں عامۃً روز افزوں پیدا ہوئی اس کے ثبوت میں خود دارالعلوم ایک مجسم شہادت موجود ہے لہٰذا تمام مسلمانان بہی خواہان دارالعلوم پر عموماً اور مجلس شوریٰ پر خصوصاً روحانی طور سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ میں بشرط قابلیت وصلاحیت نظام دارالعلوم تجویز کر دیا جائے تا کہ وہ روحانی فیض جو ترقیات دارالعلوم میں باطنی طور پر مدومعاون ہے برابر جاری رہے۔

مجلس کی اس تجویز کی رو سے ۱۳۴۱ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو نائب مہتمم بنایا گیا مگر یہ عہدہ آپ کے طبعی رجحان کے خلاف تھا، آپ انتظامی اُمور سے علیحدہ رہ کر یکسوئی کے ساتھ علمی اور تدریسی مشاغل کو پسند فرماتے تھے، چناں چہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اپنی خواہش واصرار سے اپنے آپ کو شعبۂ تعلیم میں منتقل کرالیا مگر بالآخر اکابر کے اصرار نے مجبور کیا اور پھر آپ کو نیابت اہتمام کا عہدہ سنبھالنا پڑا جس پر اوائل رجب ۱۳۴۸ھ تک فائز رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے پہلے تجربے کے طور پر قائم مقام مہتمم بنایا اور جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ اس اہم منصب کے سنبھالنے کی آپ میں بدرجہ اتم صلاحیت موجود ہے تو مندرجہ فیصلے کے ساتھ آپ کو مستقل طور پر مہتمم مقرر کر دیا گیا۔ مجلس کی تجویز یہ ہے:

''ہم سب ممبران مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۸؍شوال ۱۳۴۸ھ سے ۲۱؍شوال ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم میں رہ کر دارالعلوم کے تمام شعبوں کا غور سے معائنہ کیا۔ جو اُمور بحث طلب مہتمم صاحب نے مجلس شوریٰ میں پیش کیے۔ ان کا بلا رورعایت تصفیہ کیا۔ ہم ممبران اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ جب سے حکیم الاسلامؒ مولانا محمد طیب صاحب نے زمام اہتمام اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ ان کے ہر طریق عمل سے صدق واخلاص نیت حب وبغض فی اللہ اور ادائے حقوق اور فرض شناسی میں عزم قوی اور ثبات واستقلال بوجہ احسن ثابت ہوتا ہے۔ **وللّٰه حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه.**

ہم سب حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے قوی امید رکھتے ہیں کہ اس تھوڑی سی مدت میں جن خوبیوں کا مہتمم صاحب سے ظہور ہوا ہے انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اس سے اضعافاً مضاعفۃً ظاہر ہوگا **وما ذٰلك على الله بعزيز.** یہ الفاظ بے اختیار قلب سے نکلے ہیں۔ اس میں نہ تصنّع کو دخل ہے اور نہ مہتمم صاحب کی خدمات کی داد ہے۔''

۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں آپ مستقل مہتمم بنائے گئے اور دارالعلوم نے آپ کے زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی کی۔ ۱۳۴۸ھ میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے۔ جن کی تعداد اب تیس تک پہنچ چکی تھی۔ اس وقت دارالعلوم کی آمدنی کا بجٹ پچاس ہزار دوسو باسٹھ روپے سالانہ تھا اور آپ کے زمانے میں ساٹھ لاکھ تک پہنچ گیا تھا۔

اس وقت دارالعلوم کے عملے میں صرف ۴۵ افراد تھے اور آپ کے زمانے میں عملے کی تعداد ۲۵۰ تھی اور آپ کے آخری دور تک طلباء کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی۔ اسی طرح عمارتوں میں نمایاں اضافہ ہوا۔ دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، فوقانی دارالحدیث، بالائی مسجد، باب الظاہر، جامعہ طبیہ، دارالاقامہ جدید دو منزلہ، مہمان خانہ اور کتب خانہ کے دو جدید ہال وغیرہ جیسی عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر و تکمیل حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ ہی کے دورِ اہتمام کی یادگار ہیں۔

دارالعلوم کی نمایاں ترقیات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک) تحریر فرماتے ہیں:

”دارالعلوم دیوبند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے اساتذہ اور علماء کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور دوسرے ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے۔ یہ سب کچھ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں اور ان کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے نیابت اہتمام کے دور میں حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ پھر ان کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کے زمانہ اہتمام میں صدارتِ تدریس کے عہدے پر فائز رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اس زمانہ میں جو عروج اور ترقی حاصل کی، یہ تاج اور اس کا سہرا حضرت مہتمم صاحب مرحوم کی مساعی جمیلہ کے سر ہے اور یہ ان ہی کی مخلصانہ شبانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے۔ آج شہر شہر، بستی بستی اور قریہ قریہ جو آپ کو یہ دینی علوم کے مدارس و مراکز نظر آتے ہیں اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں جو آپ کو دارالعلوم دیوبند کے فاضل، اکابر اساتذہ کے تلمیذ یا تلمیذ التلمیذ آپ کو جو نظر آتے ہیں۔ یہ سب حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی اور ان کے خاندان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی کی برکات ہیں۔ ایشیا بھر میں پھیلے ہوئے مدارس ان کے اساتذہ اور منتظمین کا تعلق

بغیر واسطہ کے یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحبؒ کے اہلِ خاندان اخلاف رشید میں بھی ان ہی جیسے اوصاف وکمالات پیدا فرما دے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس خلاء کو پورا فرما دے۔ آمین (۳۱)

مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم۔اے۔فرماتے ہیں:

''حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے عالمِ اسلام خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں میں علم دین کی جو شمع روشن رکھی اور ہندوستانی مسلمانوں کے بزرگ قائد کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ تقریباً ساٹھ سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ رہے اور ان کے دور میں دارالعلوم نے ہر شعبہ میں ترقی کی جس کا سہرا بلا شبہ انہی کے سر ہے اسے دلچسپ اتفاق ہی کہہ لیں کہ آپ کے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے ۳۳ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ ۳۳ سال کی عمر ہی میں حضرت مہتمم صاحبؒ کے والد گرامی مولانا محمد احمد صاحبؒ دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے اور حضرت مہتمم صاحب کی عمر بھی ۳۳ سال ہی کی تھی جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے فرائض سنبھالے تھے۔ آپ ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے زمانۂ اہتمام میں نائب مہتمم رہے اور ۱۳۴۸ھ سے آخر دم تک دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ رہے۔

آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے غیر معمولی ترقی کی۔ تعلیمی اور تعمیری سلسلہ کافی بڑھا۔ کاموں اور شعبوں میں اضافہ ہوا۔ اساتذہ وطلباء اور عملہ کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی، آمدنی کی رفتار غیر معمولی طور پر ترقی پذیر ہوئی۔

حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم باعتبار شہرت وعظمت دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچا ہے اور بچہ بچہ آپ کے خلق، مروّت، علم وعمل، فرض شناسی امانت ودیانت سے واقف ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس پایہ کا مہتمم دارالعلوم دیوبند کو آئندہ شاید نہ مل سکے گا۔ سارے مدرسین وملازمین اور کارکنانِ دفاتر آپ کے اخلاق اور حوصلہ پر مکمل یقین رکھتے تھے۔

آپ کی شخصیت علمی گہرائیوں، تحقیق وتصنیف کی خدمات، وعظ وتذکیر، تقویٰ وطہارت اور

تنظیمی صلاحیت کی ایک بہترین مثال تھی ۔ آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں ۔''

دورِ اہتمام کی ترقیات

حضرت حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ اہتمام پر باقاعدہ اور مستقل طور پر ۱۳۴۸ھ میں فائز ہوئے اور یہیں سے آپ کا مستقل دورِ اہتمام شروع ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کا مختصر طور پر سن وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

مسجد دارالعلوم کی بالائی منزل کی تعمیر

۱۳۴۹ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے سب سے پہلے جو اقدامی تجویز اپنے قلم سے لکھی وہ مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر سے متعلق تھی ۔ نیز صحن مسجد کو بھی مشرق کی جانب بڑھایا گیا اور اس تعمیر کے تمام مصارف سید زین العابدین حیدر آبادی نے ادا فرمائے ۔ دارالحدیث کی پرشکوہ عمارت جو عرصے سے زیرِ تعمیر تھی ۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ ہی کے دورِ اہتمام میں تکمیل کو پہنچی ۔ اسی طرح اس سال مسجد میں اضافہ اور دارالحدیث کی تکمیل ہوئی ۔

دورۂ تفسیر کا اجراء

۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ میں حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کی تجویز سے دورۂ تفسیر کا اجراء کیا گیا۔ دورۂ تفسیر کے اجراء کے ساتھ مزید دو کتابیں داخل نصاب کی گئیں ۔ ایک تفسیر بیضاوی مکمل، دوسری تفسیر ابن کثیر، یہ دونوں کتابیں فہم قرآن کے لیے علم تفسیر میں نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں۔ دورۂ تفسیر کے اجراء سے دارالعلوم میں علم حدیث کی طرح علم تفسیر کا معیار بھی بہت بلند ہوگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تجوید کو بھی لازمی قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ مضمون غیر اختیاری تھا۔

دارالحدیث کی تعمیر

۱۳۵۲ھ میں درسِ حدیث کے لیے نو درے پر ایک عظیم الشان ہال دارالحدیث فوقانی کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جو چند سالوں میں بحمد اللہ مکمل ہوگیا۔ اسی سال قواعد داخلہ میں اصلاح کی گئی اور طلباء کے لیے کھانے کے ٹکٹ جاری کرنے کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ جس سے طلباء کے لیے راحت وسہولت پیدا ہوگئی۔

پینشن کا اجراء

۱۳۵۳ھ ماہِ شوال میں حضرت حکیم الاسلامؒ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے چھ ہزار روپے دارالعلوم کے لیے عطا فرمائے۔ اس گراں قدر رقم کو دارالعلوم کے لیے ایک صاحب نسبت بزرگ کا متبرک عطیہ ہونے کے علاوہ سرزمین بیت اللہ کی موہبت عظیم سے اگر تعبیر کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ ارضِ بیت اللہ سے کسی بعید ترین ادارے کی امداد کا غالبًا یہ پہلا موقع تھا، حج سے واپسی پر حضرت مہتمم صاحب نے مدرسین دارالعلوم کے لیے پنشن کا اجرا کیا تھا۔ جس سے ضعیف اور ریٹائرڈ مدرسین کے لیے سہولت پیدا ہوگئی۔

۱۳۵۴ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کے زمانۂ سفرِ حج کی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو مجلس شوریٰ نے صدارت اہتمام کے لیے منتخب کیا جو دارالعلوم کے لیے بہت مفید دور رہا۔

تین شعبوں کا قیام

۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم میں تین شعبوں کے قیام کی منظوری دی۔

پہلا شعبہ تنظیم و ترقی، دوسرا شعبہ محافظ خانہ اور تیسرا شعبہ ورزش کا تھا۔ اسی سال علماء مصر کا ایک وفد دارالعلوم آیا اور دارالعلوم کی خدمات کو دیکھتے ہوئے جامعہ ازہر اور دارالعلوم کے مابین ارتباط باہمی کے رشتے کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنانے کے لیے خواہش کا پرزور الفاظ میں اظہار فرمایا۔

فارسی خانہ، محافظ خانہ اور دارالاقامہ کی تعمیر

۱۳۵۶ھ میں چند جدید عمارتیں قائم کی گئیں۔ پہلی عمارت درجۂ فارسی کی تھی۔ یہ وہ درسگاہ ہے جو اس درجے کی قدیم درسگاہوں کے قریب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی یادگار کے طور پر ''یادگارِ سعدی'' کے نام سے موسوم ہوتی۔

دوسری عمارت محافظ خانے کی دومنزلہ عمارت تھی جو دارالاہتمام کی جنوبی سمت میں واقع ہے۔ تیسرا سلسلہ دارالاقامہ کی تعمیر کا تھا جس کے ۵۲ رکمرے تعمیر کرنے تجویز کیے گئے تھے۔ اس کے لیے حضرت مہتمم صاحبؒ نے حیدرآباد دکن کا سفر اختیار فرمایا۔ اس کے بعد مدراس تشریف لے گئے۔ جس کے چندہ کے لیے اہل مدراس نے رمضان المبارک کے ایک ہی عشرہ میں ۴۷ ر ہزار روپے حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیے۔ اس طرح حق تعالیٰ نے ان تجویز شدہ کمروں کی تعمیر کا کام پورا فرمایا۔

عطیہ سعودی عرب

۱۳۵۷ھ میں جب حضرت مولانا مدنیؒ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔تو سلطان ابن سعود نے حضرت مدنیؒ سے ملاقات فرما کر خلعتِ شاہی سے نوازا اور کتب خانہ دارالعلوم کے لیے حکومت حجاز کی جانب سے طبع شدہ کتابیں عنایت فرمائیں۔

سلطان کا یہ علمی ہدیہ کتب خانہ میں ''عطیۂ سعودیہ'' کے عنوان سے ایک ممتاز جگہ رکھا ہوا ہے۔

سفر افغانستان

اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ نے افغانستان کا سفر اختیار فرمایا۔حضرت کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔علماء افغانستان نے حضرتؒ کے لیے آنکھیں فرش راہ کیں۔افغانی سرحد میں داخل ہوتے ہی شاہی مدارات شروع ہوگئیں۔غایت تعظیم و احترام سے نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔کابل پہنچنے پر اولاً وزیر خارجہ سردار علی محمد خان سے ملاقات ہوئی۔

حضرت مہتمم صاحبؒ نے ایک طویل فارسی تقریر کے ذریعے دارالعلوم کا تعارف کرایا۔اس کے بعد صدر اعظم سردار محمد ہاشم خان سے ملاقات ہوئی۔جنھوں نے انتہائی مدارات اور شفقت آمیز انداز سے حضرت مہتمم صاحبؒ کا خیر مقدم کیا۔پھر اعلیٰ حضرت امیر افغانستان سے ملاقات ہوئی جو اپنی کرسی سے اٹھ کر دروازہ تک آکر بغل گیر ہوئے۔

روداد سفر افغانستان

''آج جبکہ دارالعلوم کے روابط کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پھیل چکا ہے ممالک اسلامیہ میں اس کے تلامذہ منتشر ہوچکے ہیں اور ساتھ ہی حالات کے اچانک کروٹ بدل لینے سے پوری دنیائے اسلام کو ارتباط باہمی کا شدید احساس ہو رہا ہے، دارالعلوم کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنی علمی رو کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے اور اپنے علمی و تعلیمی اثرات کو عالم اسلام میں بیش طریق پر عام کرنے کے لئے دول اسلامیہ کی طرف اپنے خصوصی روابط کا ہاتھ بڑھائے اور ایسے وسائل پر غور کرے جس سے وہ بجائے خود دنیائے اسلام کی علمی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

تمام دول اسلامیہ میں چونکہ دولت افغانستان ہندوستان کی ہم جوار اور قابل فخر اسلامی دولت ہے، نیز خاندان شاہی کے سربرآوردہ بزرگوں کو دارالعلوم کے مؤسسین اور اکابر سے براہ راست مخصوص ربط و تعلق رہا

ہے چنانچہ حضرت والا کو سب سے زیادہ علم ہے کہ اس مبارک خاندان کو علاوہ اپنی مادی اور ظاہری قوتوں اور اپنے خاندانی جاذب قلوب اخلاق وشرافت کے بزرگان دیوبند کی قوی روحانی توجہات اور مقبول ومستجاب دعاؤں سے پوری پوری امداد ملی ہے جس کا ظہور آج لیل ونہار میں روز روشن کی طرح واضح ہے، اس لئے ہر واقف حال ''آلِ قاسم'' اپنے آپ کو موجودہ شاہی خاندان سے مربوط تصور کیا کرتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ خدام جامعہ قاسمیہ اس قدیم خاندانی اتحاد کی وجہ سے دولت عالیہ اسلامیہ کے ساتھ پہلے سے زیادہ وابستہ ہوگئے ہیں اس لئے دارالعلوم کی مجلس عالیہ انتظامیہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں بطور خود حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوکر تبادلۂ افکار کی سعادت حاصل کروں، میرا مخلصانہ نقطۂ نظر ذیل کی چار دفعات میں یہ ہے کہ:

(۱) اس قدیم اتحاد کو بے لوث اور بے غرضانہ طریقے اور عرفانی اساس پر ترقی پذیر صورت میں باقی رکھا جائے۔

(۲) والا حضرت معظم اور دولت عالیہ کے عرفان مآب اور اولیاء امور کیلئے ایسا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ دارالعلوم جیسے مرکزی اور علمی ادارہ سے براہ راست تعارف حاصل کرسکیں۔

(۳) دارالعلوم افغانستان اور دارالعلوم دیوبند کے عرفانی روابط کو محض تعلیمی مقاصد کے لئے اس طرح ترقی دی جائے جس سے دارالعلوم کے اولیاء امور افغانستان اور دنیائے اسلام کی تازہ ترین علمی ضروریات کا براہ راست اندازہ کرسکیں اور اس اندازے کی روشنی میں آج کے تبدیل شدہ حالات میں ایسے علماء تیار کرسکیں جو وقت کے مقتضیات کو پیدا کرنے میں دنیائے اسلام کی آزاد حکومتوں کے مقصد ومنشا کے ساتھ پورا پورا تعاون کرسکیں اور سلطنت کے مخلص رجال کار ثابت ہوں۔

(۴) اس سلسلے میں ضروری ہے کہ والا حضرت کی رسمی رہنمائی اور توجہات کے زیر اثر مجھے افغانستان کی جدید علمی ترقیات، متوقعہ ضروریات اور مکاتب عرفانی کے معائنہ اور اکتساب نظر وفکر کا موقع دیا جائے تاکہ ملت افغانیہ کے عرفانی تصورات کا اصلی خاکہ میرے سامنے آجائے اور دارالعلوم دیوبند کے آئندہ پروگرام اور بالخصوص افغانی طلباء کی تربیت میں مشعل راہ بن سکے۔

مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تأمل نہیں کہ ایک طرف دنیائے اسلام کی آزاد اور مستقل حکومتوں میں افغانستان ہی وہ دولت ہے جس نے اپنے پورے حلقہ اثر میں اسلامی شوکت اور اثر ونفوذ کو باقی رکھا ہے اور دوسری طرف دارالعلوم دیوبند ہی وہ مہم ادارہ ہے جس میں اسلامی روح کی حفاظت کرنے میں پوری تنظیم اور جرأت سے کام لیا ہے اس لئے ان دونوں اسلامی مرکزوں میں باہمی روابط کا استحکام جس درجے ضروری

ہے اسی درجے میں تمام عالم اسلام کیلئے بہر صورت مفید اور نتیجہ خیز بھی ہے اور جس کا نفع مآل کار افغانستان کے اذکیاء امت اور روشن ضمیر علماء کی صورت میں خود افغانستان ہی کی طرف لوٹ آئے گا۔

اس جدید ارتباط کے ماتحت جہاں دارالعلوم دولت عالیہ کے مشورے کی روشنی میں ملت افغانیہ کے لئے خدمات پیش کرے گا وہیں دولت عالیہ کی طرف سے اس کے مناسب شان اگر دارالعلوم پر ایسی خصوصی اور اخلاقی توجہات مبذول ہوں جو ان عرفانی روابط کے اظہار و بیان اور اس قسم کے روابط حسنہ کے دوامی تحفظ کی پر شرف اساس ہوسکیں تو دارالعلوم نہ صرف انھیں قبول ہی کرے گا بلکہ اپنے لئے باعث شرف و اعزاز اور ان روابط کے بقاء و استحکام کے لئے ضروری اور موزوں سمجھے گا۔

دارالتفسیر کی تعمیر

اسی سال ۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر ۳۰/۳۰ مربع فٹ ہال کی درسگاہ دارالتفسیر کے نام سے تعمیر کی گئی۔ اس وقت تک دورۂ تفسیر کے لیے کوئی مستقل درسگاہ موجود نہ تھی۔ دارالتفسیر کے اوپر ایک پرشکوہ گنبد بنایا گیا۔ جو اپنی رفعت و عظمت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا دارالعلوم کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے۔ دارالحدیث و التفسیر کی یہ عظیم الشان عمارت بہیئت مجموعی بڑی پرشوکت ہے۔ جسے دیکھنے والا محوِ حیرت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کی عظیم یادگار ہے۔

باب الظاہر کی تعمیر

۱۳۵۹ھ میں باب الظاہر کی تعمیر افغانی عطیہ سے ہوئی۔ اس کا نام شاہِ افغانستان کے نام پر ''باب الظاہر'' رکھا گیا، اس کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کو دعوت دی گئی۔ باب الظاہر دارالعلوم میں ایک عظیم الشان اور پرشوکت سہ منزلہ عمارت ہے جس میں متعدد کمرے اور بڑی بڑی درسگاہیں ہیں۔ جن میں شعبہ خوشنویسی کے اساتذہ طلبہ کو فنِ کتابت سکھاتے تھے۔ اسی سال ایک مفید تعلیمی اسکیم کی تدوین کے لیے حضرت مہتمم صاحبؒ نے ریاست قلات کا دورہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ نے مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کا معائنہ کیا اور ''اسلام و سائنس'' کے عنوان پر ایک معرکتہ الآراء عالمانہ وفلسفیانہ تقریر فرمائی۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ یونیورسٹی میں علماء کے خلاف جو بدظنی پھیلی ہوئی تھی وہ دور ہوگئی اور دارالعلوم دیوبند اور یونیورسٹی علیگڑھ میں تعلق روز بروز بڑھتا گیا اور آج یہ بدظنی بہت کم ہوگئی ہے۔

دارالاقامہ کی تکمیل

۱۳۶۰ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ مدراس تشریف لے گئے اور پھر کلکتہ کے راستے واپسی ہوئی، جس میں مخیّر حضرات نے دارالاقامہ کے لیے کھل کر عطیات دئے اور اس کی تکمیل کا مرحلہ طے ہوا۔

رسالہ دارالعلوم کا اجراء

اسی سال جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ میں ''دارالعلوم'' کے نام سے ایک ماہنامہ رسالہ کا اجراء عمل میں آیا۔ جو حضرت مہتمم صاحبؒ کی نگرانی میں اسلام اور مسلمانوں کی مفید خدمات انجام دیتا رہا۔ جس کے ایڈیٹر مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصرؒ تھے۔

حضرت مدنی کی گرفتاری

۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری عمل میں آئی تو دارالعلوم میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مہتمم صاحبؒ نے کی اور مہتمم صاحبؒ نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ:

''اگر حکومت حضرت مولانا مدنیؒ کو گرفتار کر کے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو چیلنج کرنا چاہتی ہے تو میں پوری جماعت کی طرف سے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' جس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا مدنیؒ جلد ہی رہا ہو گئے۔

ایک سیاسی اختلاف

۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان اور ملکی سیاسیات کا اثر دارالعلوم پر بھی پڑا۔ ایک طرف تو ملک میں یہ ہنگامہ برپا تھا تو دوسری طرف دارالعلوم کے ارباب حل وعقد کا سیاسی اختلاف کی بنا پر کشیدگی اور مخالفت کا شدید خلفشار رونما ہو گیا۔ جو بالآخر دارالعلوم کے صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ، مولانا ظہور احمد صاحبؒ اور دوسرے اساتذہ کے استعفاء اور علیحدگی پر منتج ہوا۔ ان کے ساتھ ساٹھ طلباء بھی دارالعلوم سے علیحدہ ہو گئے۔ البتہ کچھ مدت کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ کی سعی وکوشش سے مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور مولانا ظہور احمد صاحبؒ دارالعلوم میں واپس تشریف لے آئے۔ آخر پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پاکستان چلے گئے۔

حضرت مدنیؒ کی رہائی

۱۳۶۳ھ میں حضرت مدنیؒ کی رہائی عمل میں آئی تو مہتمم صاحبؒ نے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ ایک اہم مفید فارسی میں قصیدہ لکھ کر سنایا۔

شعبۂ خوشخطی کا اجراء

۱۳۶۴ھ میں دارالعلوم میں شعبۂ خوشخطی کا اجراء ہوا۔

دارالصنائع کا اجراء

۱۳۶۵ھ میں دارالصنائع کا قیام عمل میں آیا۔

فسادزدہ مسلمانوں کی امداد اور پراویڈنٹ فنڈ کا اجراء

۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم کی طرف سے بہار اور گڑھ مکتیشور کے فسادزدہ مسلمانوں کی امداد واعانت کی گئی۔ اسی سال دارالعلوم میں پراویڈنٹ فنڈ کا اجرا کیا گیا تاکہ ملازمین کی شدید ضرورتوں یا سبکدوشی کے مواقع پر بسہولت امداد میسر آسکے۔

دارالاقامہ کی جدید عمارت کی بنیاد

۱۳۶۷ھ میں دارالافتاء کی جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ عمارت متعدد کمروں پر مشتمل ہے ان میں ایک کمرہ دارالافتاء کے کتب خانہ کے لیے مخصوص ہے۔ پہلے کوئی ایسی عمارت نہ تھی۔ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ سے دارالافتاء کو جدید عمارت میں منتقل کیا گیا۔

حکیم الاسلامؒ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے رکن بنے

۱۳۶۸ھ میں مسلم یونیورسٹی کورٹ کے لیے علماء دیوبند کا انتخاب عمل میں آیا، جس میں حضرت مہتمم صاحبؒ کو کورٹ کی رکنیت کے لیے منتخب کیا گیا اور اس طرح دونوں علمی اداروں میں تعاون کی راہیں کھل گئیں۔

پاکستانی طلباء کے داخلہ پر سے پابندی اٹھائی گئی

۱۳۶۹ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی درخواست پر دارالعلوم دیوبند میں پاکستانی طلبہ کے داخلے سے

حکومت ہند نے پابندی اٹھالی جس سے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اسی سال حکومت ہند نے دارالعلوم کا تعارف کرانے کے لیے پروگرام بنایا اور دارالعلوم کے فوٹو اتارے گئے اور آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے بیرون ہند میں دارالعلوم کا تعارف کرایا، پھر اسی سال سفیر افغانستان سردار نجیب سرکاری حیثیت سے دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کو دیکھ کر مہتمم صاحبؒ کی خدمات کو سراہا۔

سفیر افغانستان کی دارالعلوم میں آمد

جس طرح دارالعلوم کا علمی فیضان عام ہے اس طرح اس کے ہمدردوں کا حلقہ بھی وسیع ہے، آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کے علاوہ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس کی تعمیر و ترقی میں کم و بیش شریک رہے ہیں، خصوصاً افغانستان نے دارالعلوم کی دینی خدمات کو ہمیشہ اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے، چنانچہ ان ہی قدیم روابط کے پیش نظر سفیر افغانستان مقیم دہلی سردار نجیب ۷؍رجب کو دارالعلوم میں سرکاری حیثیت سے تشریف لائے اور کئی گھنٹوں تک اکابر دارالعلوم سے علمی مسائل پر تبادلۂ خیال فرمایا۔ دارالعلوم کے شعبہ جات اور درسگاہوں کا معائنہ کیا، سفیر موصوف ''باب الظاہر'' کی بالائی منزل میں قیام پذیر ہوئے، ''باب الظاہر'' افغانستان کے بادشاہ محمد ظاہر شاہ کی علم دوستی کی شاندار یادگار رہے، ممدوح کے اعزاز میں دارالحدیث کے بڑے ہال میں جلسہ منعقد کیا گیا، تہنیتی قصائد کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ نے خیر مقدم کی تقریر میں دارالعلوم اور افغانستان کے تاریخی تعلقات پر تفصیلی روشنی ڈالی اور دارالعلوم کے مسلک کی وضاحت فرمائی، آخر میں سردار نجیب اللہ خاں نے اپنی جوابی تقریر میں ملت افغانستان کے دارالعلوم سے شغف و تعلق اور دارالعلوم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''دارالعلوم دیوبند افغانستان کے عوام کی نظر میں ایک علمی درسگاہ ہے، مگر میں اپنے مشاہدے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف ایک علمی درسگاہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسلامی ثقافت کا مرکز بھی ہے، دارالعلوم نے اس زمانے میں جبکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت باقی نہیں رہی تھی دین اور اسلامی علوم کی حفاظت کی اور مجھے اُمید ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح علوم و فنون کی خدمت میں مصروف رہیگا، افغانستان کے عوام اور علماء اور علم دوست اس کے قدردان ہی نہیں بلکہ علماء کے مددگار اور بہی خواہ بھی ہیں۔

ثقافت اسلامی کی بنیاد سچائی، محبت، مساوات اور حقیقت شناسی پر مبنی ہے، اور یہ دارالعلوم ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

دارالعلوم کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ راست کردار اور راست گفتار فرزند پیدا کئے ہیں جن پر دارالعلوم صحیح طور پر فخر کرسکتا ہے، دارالعلوم تنہا ہندوستان کا ورثہ نہیں ہے بلکہ تمام عالم اسلامی کی میراث ہے، اسلئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو ترقیوں کے ساتھ باقی رکھے اور عالم اسلامی کے لئے مفید بنائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی دارالعلوم میں آمد

۱۳۷۰ھ میں حکومت ہند کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ دارالعلوم تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ نے دارالعلوم کا مفصل تعارف کرایا۔ مولانا آزاد نے ایک جلسۂ عام میں نہایت فصیح و بلیغ انداز میں تقریر کی اور بانی دارالعلوم کی مثالی زندگی کی خصوصیات دارالعلوم کی علمی اہمیت وعظمت پر مفصل روشنی ڈالی اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

اچاریہ ونوبا بھاوے کی آمد

۱۳۷۱ھ میں اچاریہ ونوبا بھاوے اپنی بھومی دان کی تحریک کے سلسلہ میں دیوبند وارد ہوئے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ سے ملاقات کی اور خوشی کا اظہار کیا اور اپنی تقریر میں کہا۔

”یہ یونیورسٹی ہمارے ملک کا بہترین سرمایہ ہے۔ اس نے انگریزی اقتدار کے دورِ غلامی میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔“

دارالعلوم کی اعانت کے لئے اپیل

اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ نے مسلمانانِ عالم کے لیے ایک اپیل شائع کی جس کا مقصد دارالعلوم کی اعانت تھا۔ الحمدللہ حضرت کی اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ خصوصاً پاکستان اور جنوبی افریقہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور لاکھوں روپیہ جمع ہوا۔ ہزاروں من گندم جمع ہوا اور دارالعلوم کو اس نازک موقع پر بڑی تقویت ملی۔

شعبۂ طب ودارالشفاء کا قیام

۱۳۷۲ھ میں شعبۂ طب اور دارالشفاء کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں مفرد مرکب اور پیٹنٹ ادویہ کے ذخیرے کے ساتھ چارپائیوں، بستروں اور تیمارداری کا بھی ضروری سامان مہیا کیا گیا۔ ہمدرد دواخانہ دہلی تین چار ہزار روپے کی سالانہ دوائیں بھیجتا رہا۔ یہ سب حضرت مہتمم صاحبؒ کے خلوص اور سعی وکاوش کا نتیجہ تھا۔

مملکت سعودیہ و مصر کے سربراہان کی آمد

۷۴-۱۳۷۳ھ میں ملک حجاز کی طرف سے حضرت مہتمم صاحبؒ کو پیغام تبریک ملا اور جب اسی سال جلالۃ الملک ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم پر شاہانہ توجہ مبذول فرمائی اور ۲۵؍ہزار روپے کا عطیہ دارالعلوم کو عطا فرمایا، اسی سال جمہوریہ عربیہ مصر کے صدر انورالسادات دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کے بارے میں اپنے حسنِ ظن کا اظہار فرمایا اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمات جلیلہ کو سراہا۔

مصر کے صدر انورالسادات جو اس وقت مؤتمر اسلامی کے جنرل سکریٹری تھے دارالعلوم میں تشریف لائے، موصوف نے حسبِ ذیل الفاظ میں اپنے تأثرات رقم فرمائے۔

''اس عظیم دینی اور تاریخی درس گاہ کی زیارت نے مجھے مجبور کیا کہ میں بصمیم قلب اپنے بھائیوں کی خدمت میں مبارک باد پیش کروں جو اس ادارے کو چلا رہے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس ادارے کو علم و معرفت کا منارہ بنائے اور ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائے۔

دارالعلوم کے مصر سے روابط

۱۳۷۵ھ میں مصر سے دارالعلوم کے روابط قائم ہوئے اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی خواہش پر وہاں کے دو جلیل القدر استاذ شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعالی جامعہ ازہر مصر سے دو سال کے لیے تشریف لائے اور دارالعلوم میں عربی ادب اور عربی زبان میں تقریر و تحریر کا ایک خاص ذوق پیدا ہوا اور دارالعلوم اور جامعہ ازہر مصر کے تعلقات مضبوط ہوگئے۔

مسجد کی توسیع اور فتاویٰ دارالعلوم کی تدوین

اسی سال دارالعلوم کی مسجد میں توسیع کی گئی اور اسی سال فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی تدوین کا کام حضرت مہتمم صاحبؒ کی زیرنگرانی جاری کیا گیا جس کی کئی جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور آج تک بحمد اللہ یہ سلسلہ جاری ہے، یہ حضرت مہتمم صاحبؒ کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ اس میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاویٰ کثرت سے ہیں۔

صدر جمہوریۂ ہند کی دارالعلوم آمد، سفر برما اور کتب خانہ دارالعلوم کی تعمیر

۱۳۷۶ھ میں صدر جمہوریۂ ہند دارالعلوم آئے اور دارالعلوم کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش

کیا۔ پھر اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ برما کے سفر پر روانہ ہوئے۔ عوام اور حکومت حضرت مہتمم صاحبؒ کی جامع صفات شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور عوام و حکام نے دو لاکھ سے زائد رقم دار العلوم کے لیے عطیہ دیا۔ اس رقم سے حضرت مہتمم صاحبؒ نے کتب خانہ دار العلوم کے لیے ایک بڑا ہال تعمیر کرایا۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد قدیم اکابرین کی کتب موجود ہیں۔ یہ مسلمانانِ برما کی ایک عظیم یادگار ہے تفصیلات کے لیے سفر نامہ ملاحظہ فرمائیں برما جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

(یہ سفر نامہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے مرتب فرمایا ہے)

شاہ افغانستان کی دار العلوم آمد

۱۳۷۷ھ کے اہم واقعات میں شاہ افغانستان محمد ظاہر شاہ کا دار العلوم میں ورود مسعود ہے جو دار العلوم کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ دار العلوم کی تاریخ کا ایسا باب ہے جو نہ صرف دار العلوم کے زرین ماضی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، بلکہ اس کے شاندار مستقبل کی بھی نشاندہی کرتا ہے، شاہ افغانستان نے ازراہِ علم نوازی دار العلوم کی دعوت کو شرفِ قبول بخشا اور پروگرام کے مطابق ۵رشعبان ۱۳۷۷ھ ۲۵رفروری ۱۹۵۸ء کو بذریعۂ کار تشریف لائے، دار العلوم کی جانب سے شاہ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ افغانستان سے ہمیشہ دار العلوم کے مخلصانہ تعلقات رہے ہیں، جس میں دونوں طرف خیر سگالی کا جذبہ پایا جاتا ہے، احاطۂ دار العلوم کا عظیم الشان دروازہ ''باب الظاہر'' دار العلوم اور افغانستان کے گہرے باہمی ربط و تعلق کی ایک ایسی یادگار ہے کہ ہر وارد و صادر کے ذہن کو بے ساختہ، افغانستان کی ''دولت خداداد'' کی جانب منتقل کر دیتی ہے۔

ہندوستان و افغانستان کا تعلق جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے اتنا ہی پرانا ہے، جتنا دو ہمسایہ ملکوں کا قدرتی طور پر ہوسکتا ہے، دونوں ملک نہ صرف ثقافتی رشتے میں منسلک ہیں بلکہ زبان کے لحاظ سے بھی ہندوستان و افغانستان ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، افغانستان کی زبان فارسی ہندوستان پر چھ سو سال کے قریب حکمراں رہی ہے اور آج بھی ہندوستان کے بہت سے لوگ اس کو سمجھتے اور پڑھتے ہیں، ہندوستان کی مشکل ہی سے کوئی زبان ایسی ہوگی جس میں تھوڑے بہت فارسی کے الفاظ موجود نہ ہوں، ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں جب دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو بیرونی ممالک میں افغانستان ہی وہ ملک ہے جس نے سب سے پہلے دار العلوم کا خیر مقدم کیا اور اپنے نونہالوں کو دار العلوم کے آغوش تعلیم و تربیت کے سپرد کر دیا، یہ وہ زمانہ تھا جس میں سفر کی موجودہ سہولتیں میسر نہ تھیں، شمالی ہند کی نارتھ ویسٹرن ریلوے جو

بعد میں افغانستان اور ہندوستان کے درمیان آمد ورفت کا سب سے بڑا ذریعہ رہی ہے اس وقت تک جاری نہیں ہوئی تھی، اس چیز سے جہاں ملت افغانستان کے غیر معمولی دینی جذبے اور علم دوستی کا ثبوت ملتا ہے، وہیں دارالعلوم کو روزِ اول سے مقبولیت کا پتہ بھی چلتا ہے، اس وقت سے لیکر ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں افغانستان کے طالب علم کی تعلیمی سرگرمیاں دارالعلوم کی رونق کا باعث نہ رہی ہوں اور ادھر افغانستان میں بھی فضلائے دارالعلوم کے لئے ملک کے اہم کلیدی عہدوں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہٗ نے جب بیسوی صدی کے دوسرے عشرے میں ہندوستان کے لئے ایک عارضی حکومت کا خاکہ تیار کیا تو اس کا مرکز افغانستان ہی کے دارالسلطنت کابل میں بنایا گیا تھا، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا محمد میاں انبیٹھوی عرف مولانا منصور انصاری کو اس مقصد کے لئے بطورِ خاص افغانستان بھیجا گیا، یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہندؒ کی انقلابی تحریک کے سرگرم کارکن تھے، کابل میں ان کی جدوجہد دارالعلوم اور افغانستان کے درمیان مخلصانہ روابط کے استحکام میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

غرض کہ افغانستان کے ہندوستان اور بالخصوص دیوبند سے ہر زمانے میں گوناگوں تعلقات قائم رہے، چنانچہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سفر افغانستان کے موقع پر ان دیرینہ تعلقات کا خاص طور پر اظہار رہوا، جس کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے، دارالعلوم میں ''باب الظاہر'' کی تعمیر اسی سفر کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی۔

جلسہ خیر مقدم میں شرکت کے لئے اعلیٰ حضرت اور ان کے رفقاء حضرت مہتمم صاحبؒ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی معیت میں احاطۂ مولسری کے شمالی زینے سے اوپر تشریف لے گئے اور ''رسالہ دارالعلوم'' کے دفتر سے گزرتے ہوئے ادارہ اہتمام میں رونق افروز ہوئے، بعد ازاں اعلیٰ حضرت نے محافظ خانہ دارالعلوم کا معائنہ کیا اور ''بسیار خوب است'' کے الفاظ سے اپنی پسندیدگی اظہار فرما کر کتب خانے میں تشریف لے گئے، یہاں نادر ونایاب مخطوطات، مختلف عہد کے لکھے ہوئے قرآن شریف کے قلمی نسخے اور شاہی عطیات میں سعودی عرب، ترکی، مصر، ایران اور نظام دکن کی عطا کی ہوئی کتابیں نہایت قرینے کے ساتھ سجائی گئی تھیں، حکومت افغانستان کی عطا کی ہوئی کتابیں نمایاں طور پر رکھی ہوئی تھیں، ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نوراللہ مرقدہٗ کا ترجمہ قرآن مجید بحواشی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا وہ

نسخہ بھی شامل تھا جس کو حکومت افغانستان نے سردار محمد ہاشم خاں مرحوم سابق وزیر اعظم کی نگرانی میں سرکاری طور پر اردو سے فارسی میں منتقل کرایا ہے، اس کا اردو ایڈیشن حضرت مہتمم صاحبؒ دارالعلوم نے شاہ افغانستان کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور اسی وقت سے اس کے فارسی ترجمے کی داغ بیل پڑ گئی تھی، ہر کتاب پر خوشنما کارڈ لگا ہوا تھا، جس میں کتاب کا تعارف درج تھا، شاہ نے غایت توجہ اور پسندیدگی سے ان سب چیزوں کو ملاحظہ فرمایا۔

شعبہ جات دارالعلوم اور کتب خانہ کے معائنہ کے بعد شاہ دارالحدیث کے مشرقی برآمدے سے گزرتے ہوئے اور دفتر تعلیمات کو ملاحظہ فرماتے ہوئے دارجدید کے شمالی صحن میں تشریف لائے، یہاں انھوں نے سامنے سے ''باب الظاہر'' کو ملاحظہ کیا اور بعدازاں جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔

دارجدید کے جنوبی صحن میں باب الظاہر کے نیچے ایک وسیع وعریض پنڈال تیار کیا گیا تھا، یہ عظیم الشان پنڈال جو حسن وسادگی اور شوکت کا ایک عجیب دل کش منظر پیش کر رہا تھا، مختلف قطعوں میں تقسیم تھا، ڈائس کی داہنی جانب دارالعلوم کے اساتذہ، شعبہ جات کے نظماء اور دوسرے کارکنوں، پریس اور آل انڈیا ریڈیو کے نمائندوں کی نشستیں تھیں اور بائیں جانب اعلیٰ حضرت کے رفقاء، مقامی حکام اور معزز مہمان تشریف فرما تھے، سامنے کے حصے کو دو قطعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلا قطعہ طلبائے دارالعلوم اور دوسرا حصہ عوام کے لئے مخصوص تھا، یہ مجمع تقریباً بیس ۲۰/ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

ڈائس کے سامنے دارالعلوم زندہ باد اور دائیں بائیں دولت خداداد افغانستان اور جمہوریۂ ہند زندہ باد کے خوشنما کتبے آویزاں تھے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ رکن شوریٰ دارالعلوم نے فارسی میں افتتاحی تقریر فرمائی جس میں اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری پر دارالعلوم کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے دارالعلوم کی علمی وعرفانی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی تھی، حضرت ممدوح نے فرمایا:

''اعلیٰ حضرت ہمایونی! دارالعلوم میں آپ کی تشریف آوری کا ہم پرخلوص خیر مقدم کرتے ہوئے ہزار ہا ہزار جذباتِ تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے آپ کا ورود مسعود ہمارے لئے فخر ومباہات کا موجب ہے۔

اعلیٰ حضرت! جس جگہ آپ اس وقت رونق افروز ہیں یہ مقام دین حنیف کا مرکز اور مسلک حق کا محور ہے، یہ صرف ایک مدرسہ اور جامعہ نہیں ہے بلکہ دین وایمان کا ستون اور طریقت وشریعت کی اساس اور

معرفت الٰہی کے خزانے بھی اپنی آغوش میں رکھتا ہے اور مادیت والحاد کی اس گرم بازاری کے زمانے میں حق وصداقت کا روشن مینارہ اور انجمن حق کی شمع فروزاں ہے۔

اعلیٰ حضرت! اس تشریف آوری کے موقع پر آپ ہندوستان میں بہت سی قدیم عمارتیں اور تاریخی مقامات ملاحظہ فرمائیں گے اور یہاں کی اونچی شخصیتوں سے مل کر یقیناً مسرور ہوں گے مگر یہ سب مادی اور دنیوی ترقی کے مظاہر ہیں۔

لیکن یہ دارالعلوم تمام اسلامی دنیا میں اپنی روحانی اور اخلاقی عظمت کے لحاظ سے ایک بلند واعلیٰ مقام رکھتا ہے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ادارہ رشد و ہدایت کا آفتاب اور صراط مستقیم و دین قویم کا مظہر ہے ''**ذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء و اللّٰه ذو الفضل العظيم.**''

اعلیٰ حضرت! ہر چند یہ ادارہ دنیوی طمطراق اور تمدنی شان وشکوہ سے تہی دامن ہے مگر اس کا ذرہ ذرہ حق وصداقت کی تابانی اور علم ومعرفت کی درخشانی کا مظہر ہے اور اس ادارے کی ماضی وحال کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ یہاں کے اکابر وعلماء ہمیشہ علم ومعرفت کے علم بردار رہے ہیں اور سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے کوئی چیز ان کے لئے نمونۂ عمل نہیں رہا۔

جلسۂ خیر مقدم میں حضرت مہتمم صاحبؒ دارالعلوم نے اعلیٰ حضرت کو سپاس نامہ پیش کیا، آخر میں اعلیٰ حضرت پر جوش نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، اعلیٰ حضرت نے فارسی میں تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم کی علمی وعرفانی خدمات کا اعتراف اور دارالعلوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے شاندار استقبال پر اظہار مسرت کیا۔

شعبۂ تنظیم فضلاء کا قیام

۱۳۷۸ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی تجویز سے شعبۂ تنظیم فضلاء دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ سبھی اکابر کی ایک دیرینہ آرزو تھی جو حضرت مہتمم صاحبؒ کے ذریعے پوری ہوئی۔

۱۳۷۹ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے افریقہ کا سفر اختیار فرمایا، اس سفر سے دارالعلوم کو مادّی فائدہ بھی کافی پہنچا اور تقریباً سوا لاکھ روپیہ دارالعلوم کو بلا طلب وتحریک حاصل ہو گئے۔ اسی سال دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد کی جوبلی میں دارالعلوم کے نمائندہ کی حیثیت سے خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے شرکت فرمائی اور حضرت مہتمم صاحبؒ کا پیغام اور ایک علمی مقالہ جوبلی کے

اجتماع میں پڑھ کر سنایا۔ جس سے ان دونوں اداروں میں گہرے روابط قائم ہوئے۔

علی امیر معز ناظم نشریات فارسی نے بیان کیا کہ:

''یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے اسلام کی حقیقی عظمت اور قدروں کا احساس کیا، میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی صفیں نماز میں خالی نہیں اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، آخر کار ایک دن آئے گا کہ اسلام کے اتحاد و سادگی کے سائے اور مسلمانوں کی بے ریائی اور بے لوثی کے نتیجے میں اسلام تمام جہان پر چھا جائے گا''۔

اسلام کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق خدا کی عبادت جس سے ہم مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں دور ہو گئے تھے اور دنیوی مال و دولت اور جاہ و جلال نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اس کو ہم نے اس مقدس مقام میں پایا، اس طرح پایا کہ اسلام کی عظمت سے ہم دوبارہ آگاہ ہوئے۔

جمال عبدالناصر کی ہندوستان آمد اور حکیم الاسلامؒ کا علمی ہدایا پیش کرنا

اسی دوران مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ نے دہلی جا کر صدر ناصر سے ملاقات کی اور دارالعلوم کی جانب سے فیض الباری شرح بخاری، فتح الملہم شرح مسلم اور سوانح قاسمی کے نسخے علمی ہدیے کے طور پر صدر عبدالناصر کو پیش فرمائے۔ صدر ناصر نے کھڑے ہو کر بڑی عقیدت سے حضرت مہتمم صاحبؒ سے اس ہدیہ کو قبول کیا اور وقیع الفاظ میں حضرت مہتمم صاحبؒ اور دارالعلوم کا شکریہ ادا کیا۔ پھر مصر پہنچ کر قرآن شریف کا ایک حسین نسخہ صدر ناصر نے حضرت مہتمم صاحبؒ کے لیے ارسال کیا۔

جامعہ طبیہ کا قیام

۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم میں جامعہ طبیہ کا اجراء کیا گیا اور احاطۂ دارالعلوم کے شمال میں جامعہ طبیہ کی ایک وسیع اور شاندار عمارت کا قیام عمل میں آیا۔

حکیم الاسلامؒ کی ڈاکٹر پی ہارڈی سے ملاقات و گفتگو

اسی سال لندن یونیورسٹی شعبہ تعلیم اسلام کے پروفیسر ڈاکٹر پی ہارڈی اپنی تاریخی تحقیق کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند آئے اور حضرت مہتمم صاحبؒ سے علم و تحقیق کے بارے میں طویل گفتگو ہوئی اور ڈاکٹر پی ہارڈی کا یہ تأثر قابل ذکر ہے کہ:

’’جس اسلام کو ہم کتابوں میں پڑھتے تھے اور جس اسلام کو پیغمبر اسلام نے دور اول میں پیش فرمایا تھا سچ یہ ہے کہ وہ اسلام ہم نے دیو بند اور علماء دیو بند میں موجود پایا ہے۔‘‘

ہمایوں کبیر کی دار العلوم آمد

۱۳۸۱ھ میں حکومت ہند کے وزیر ثقافت و سائنس ہمایوں کبیر دار العلوم تشریف لائے اور دار العلوم سے بے حد متاثر ہوئے۔ ایک جلسہ سے خطاب کے دوران کہا کہ:

’’دار العلوم دیو بند نے علم کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری دنیا کے لیے قابل قدر ہے۔‘‘

حکیم الاسلامؒ کو حکومت مصر کا علمی تحفہ

اسی سال حکومت مصر نے قرآن مجید کے چوالیس ریکارڈوں کا سیٹ جن میں پورے قرآن مجید کی قرأت موجود ہے حضرت مہتمم صاحبؒ کے لیے تحفہ بھیجا۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ کی دار العلوم آمد

جامعۂ حلب (شام) کے استاذ شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے دار العلوم کو دیکھ کر اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا ان کا یہ پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کے نزدیک یہاں کے علماء کی تصانیف میں ایسے علمی مباحث ملتے ہیں جو علمائے متقدمین، مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں دست یاب نہیں ہیں، مگر یہ نادر کتابیں چونکہ اردو زبان میں ہیں اس لئے ممالک عربیہ ان کے استفادے سے محروم ہیں، ضرورت ہے کہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ وسیع پیمانے پر ان سے استفادے کے مواقع فراہم ہوں، شیخ ابو غدہؒ کے تأثرات کا ترجمہ یہ ہے:

’’اس عاجز و ناتواں راقم سطور کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل و انعام ہے کہ اس نے ہندوستان کے شہروں کی سیاحت و زیارت کا موقع بہم پہنچایا، بالخصوص ان شہروں میں سر فہرست دیو بند اور اس کی دینی درسگاہ ’’دار العلوم‘‘ کا درجہ ہے، جو در حقیقت ہندوستان کا علم و تقویٰ سے بھرپور زندہ قلب، علماء و مولفین کا مرکز اور دین و معرفت کے طلباء کی آماجگاہ ہے، اس مرکز کی زیارت عمر بھر کی تمناؤں اور لیل و نہار کے خوابوں میں سے ایک خواب و تمنا تھی، خدا کا شکر ہے کہ آج دار العلوم کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

دور رہتے ہوئے جو کچھ دارالعلوم کے بارے میں سنا تھا اسکا جو کچھ ذہن میں خاکہ وتصور تھا قریب سے دیکھ کر اس کو اس سے کہیں زیادہ اچھا اور بہتر پایا، اس مقدس ادارے کے گوشے گوشے سے انوار علم کا فیضان ہوتا ہے، اس کی درسگاہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم دی جاتی ہے اور تشنگان علم اور طالبان رشد وہدایت کے لئے مثالی نظم ونسق، سلیقہ شعاری اور روشن دماغی کے ساتھ اس اسلوب سے احکام دین وشریعت بیان کئے جاتے ہیں جس میں اہل روحانیت اور اصحاب علم وتحقیق کے آثار وفیوض نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کمال فضل واحسان ہے کہ مجھے سیدی الشیخ المحدث السید فخر الدین احمد المراد آبادیؒ کے درس حدیث شریف کے کچھ حصے کی سماعت کا شرف حاصل ہوا، حضرت موصوف نے طلباء محبین کرام کی درخواست پر احقر کی رعایت کرتے ہوئے حدیث بنی سلمہ پر عربی میں تقریر فرمائی، جس میں ذکر ہے کہ بنی سلمہ کی خواہش ہو یہ کہ وہ اپنے مکانوں کو چھوڑ کر مسجد نبویؐ کے جوار میں منتقل ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا: ''دیا ر کم تکتب لکم آثا ر کم'' موصوف کی تقریر بیش بہا موتیوں اور تابناک ستاروں کا مجموعہ اور فیض الباری اور عمدۃ القاری کا مصداق تھی، اسی کے ساتھ شیخ موصوف کی طرف سے ان طلباء کو جو گوش برآواز تھے اپنے خصوصی ارشادات سے نوازنے کا سلسلہ جاری تھا جوان تلامذہ کے نفوس میں اس طرح سرایت کرتے تھے جس طرح عطر ہوا میں اور پانی زندگی میں کرتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو سنت مطہرہ اور اس کے متبعین کی طرف سے جزائے خیر دے اور اس ادارے کو سماحۃ الشیخ صدر المدرسین مولانا العلامہ ابراہیم البلیاویؒ اور مولانا محمد طیب صاحبؒ جیسے ارکان واساطین ائمہ اجلہ بدر الہدی (بدر ہائے ہدایت) اور مصابیح دجیٰ (شمعہائے ظلمت) کے زیر سایہ ہمیشہ پھلتا پھولتا قائم رکھے اور ان بزرگوں کے نفع بخش اوقات اور انفاس طاہرہ میں برکت عطا فرمائے۔

ذمہ داران مدرسہ نے میرے ساتھ مزید اکرام واحسان یہ کیا کہ احقر کو اپنا خصوصی مہمان بنایا اس طرح بسہولت علمائے اکابر سے علمی استفادے کا موقع ملا، فللّٰہ الحمد نیز وہ چیز جس کے لئے آج ہم سب اللہ تعالیٰ کے مرہونِ منت اور احسان مند ہیں وہ یہ ادارہ ہے جو مع اساتذہ وتلامذہ کے دین کا گھنا سایہ دار درخت، علم و تقویٰ کا مرکز اور جسم اسلامی کی بقاء کا ضامن وہ پھیپھڑا ہے جس میں حیات روحانی کے آثار رواں دواں ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس ادارے کی بقا وترقی اور اس کے علماء کو طول حیات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے'' و اللّٰہ یجیب ولا یخیب رجاء الراجین فضلاً منہ و کرماً''

علم وتقویٰ کے اساطین سے مالا مال اس عظیم الشان ادارے کے علماء عظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ اگر ذرا جرأت کر دوں تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارا ایک واجبی حق ہے جس کا مطالبہ کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے متفردانہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوض وتحقیقات کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر عالم اسلام کے دوسرے علماء کے لئے استفادہ کا موقع فراہم کریں، یہ فریضہ ان حضرات پر اس لئے عائد ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ہندوستان کے علمائے محققین کی کوئی تصنیف پڑھتا ہے تو اس میں اس کو وہ نئی متفردانہ تحقیقات ملتی ہیں جن کا مدار علیہ گہرے علم اور وسیع مطالعے کے علاوہ تقویٰ وصلاح اور روحانیت ہوتے ہیں اور چونکہ ہندوستان کے علماء وشیوخ کرام نیکی وصلاح اور روحانیت اور استغراق فی العلم جیسی شرائط پر نہ صرف یہ کہ پورے اترتے ہیں بلکہ سلف صالحین کے صحیح وارث اور ان کے نمونے ہیں، اس لئے ان کی کتابیں نئی اور کارآمد چیزوں سے خالی نہیں ہوتیں ''وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء'' بلکہ ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو متقدمین علمائے اکابر، مفسرین ومحدثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں، لیکن افسوس اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نادر تالیفات میں سے اکثر بلکہ سب کی سب اردو زبان میں لکھی گئی ہیں، جو گو ہندوستان کی عام اسلامی زبان سہی لیکن عربی کو کثیر الاستعمال اور علوم اسلام کی خاص زبان ہونے کا جو شرف حاصل ہے کہ وہ اردو کو حاصل نہیں، لہٰذا یہ علوم اور بیش قیمت تحقیقات جو ہمارے برادران اسلام علمائے ہند کا خصوصی حصہ اور کارنامہ ہیں اگر اردو ہی کے قالب میں محبوس رکھی گئیں تو ہم عربی زبان بولنے والوں سے مخفی اور پوشیدہ رہ کر ہماری محرومی کا باعث رہیں گی، اس طرح نہ صرف ہمارے ساتھ ہی ناانصافی ہوگی بلکہ علم ودین کے حق کا بھی ایک بہت بڑا نقصان ہوگا، اس لئے فریضہ معرفت اور امانت علم کی ادائیگی کے لیے یہ بات اولین واجبات میں سے ہے کہ ان نفیس شاہکار اور عمدہ کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ ان سے وہ آنکھیں روشنی حاصل کریں جو ایسی چیزوں کے لئے بیتاب، تشنہ اور مشتاق ہیں اور جیسا کہ میرا خیال ہے اس اہم ذمہ داری اور کٹھن فریضہ کی ادائیگی کا کام اسی ادارہ عامرہ کے افراد کر سکتے ہیں جو علمائے کرام اور طلبائے نجباء کا گہوارہ وسرچشمہ ہے۔

اس موقع پر جبکہ میں ذمہ داران ادارے کے مشفقانہ طرز عمل، نوازشات بزرگانہ اور طلبائے عزیز کے جذبات محبت واخوت کے لئے کلمات شکر یہ تحریر میں لا رہا ہوں اپنے مذکورہ بالا حق اور مطالبے کو دہرانے کی ایک بار پھر پر امید ہو کر جرأت کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لئے کہ اگر ان حضرات نے اس فریضے کی ادائیگی کی طرف

توجہ مبذول فرمائی تو اس طرح جہاں وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے ساتھ ہی ساتھ یہ دین وثقافت کی ایک عظیم الشان خدمت اور قابل ذکر کارنامہ ہوگا، کیونکہ یہ علوم دنیا کے تمام مسلمانوں ہی کی ملک نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان مساوی طور پر ان سے استفادے کے مستحق ہیں چہ جائیکہ صرف ہندوستان ہی کے مسلمان ان کے اجارہ دار قرار پائیں، اس لئے از بس ضروری ہے کہ اردو کتابوں کے عربی میں تراجم کئے جائیں تا کہ ان کی زیادہ سے زیادہ ترویج واشاعت ہو اور وسیع پیمانے پر ان سے استفادے کے مواقع فراہم کئے جاسکیں۔

مجھے یہ سن کر کسی حد تک اطمینان اور مسرت ہوئی کہ یہ اہم مسئلہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے زیر غور ہے اور وہ عنقریب اس اہم بار اور ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے قدم اٹھانے والی ہے، جو درحقیقت اس ادارے کے علماء کا اور بالخصوص طلباء کا واجبی فرض ہے، میں اس خوشخبری کے بعد تمام علمائے اکابر کا ان کے اس مبارک عزم اور اقدام پر تہ دل سے پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کار عظیم میں اس کی خصوصی مدد ومعاونت ان کے شامل حال ہو تا کہ بسہولت وہ اس فریضے کو مرحلۂ تکمیل تک پہنچا سکیں، باری تعالیٰ کے لئے یہ کوئی دشوار امر نہیں ''وما ذلك على الله بعزيز'' اور نہ ہی ان علمائے اماجد کے لئے ان کے پختہ عزائم کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی ایسا کٹھن اور دشوار گزار مرحلہ ہے جو نا قابل عبور ہو۔''

جنوبی افریقہ اور مصر کا سفر

۱۳۸۳ھ میں حکیم الاسلام صاحبؒ نے دو سفر فرمائے، ایک سفر جنوبی افریقہ کا اور دوسرا سفر مصر کا تھا۔ یہ دونوں سفر مختلف حیثیتوں سے دارالعلوم کے لیے مفید ترین ثابت ہوئے۔ اسی دوران سفر ۱۹؍شوال ۱۳۸۳ھ کو عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ کی دعوت پر عالمی کانفرنس میں شرکت کی جس میں دنیائے اسلام کے ممتاز علماء کو دعوت دی گئی تھی۔ حکیم الاسلامؒ ہندوستانی علماء کے وفد کے سربراہ تھے۔ آپ نے ایک علمی مقالہ پڑھا جسے بے حد پسند کیا گیا اور عالم اسلام کے علماء بے حد متاثر ہوئے۔

عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ (مصر) اور حجاز مقدس سے واپسی پر حکیم الاسلامؒ نے دارالعلوم میں خطاب فرمایا، جس میں آپ نے موتمر کی تفصیلات، اپنے موقر خطاب اور حجازِ مقدس حاضری کی تفصیلات کو بیان فرمایا۔

حج بیت اللہ

مؤتمر کے اختتام پر حج بیت اللہ کے لیے حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ اولاً مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ اس کے بعد حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ قیام مدینہ منورہ کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر

جامعہ میں ایک تاریخی خطاب فرمایا! آپ کے یہ دونوں سفر نہایت مفید ثابت ہوئے، براعظم افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے علاوہ مغربی ممالک میں بھی دارالعلوم کے تعارف کا حلقہ وسیع ہوگیا۔ چونکہ قاہرہ کی عالمی کانفرنس میں تمام دنیائے اسلام کے نمائندے موجود تھے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں دارالعلوم متعارف ہوگیا، جسکا ذریعہ آپ کی ہی شخصیت بنی۔

سفرِ حج سے مراجعت پر ''مبارکبادِ حج'' کے عنوان سے ہندوستان کے مشہور شاعر علامہ انور صابریؒ نے یہ منظوم کلام آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

نور چشمانِ اکابر اے امامِ علم دیں　　اے حکیم الامتِ فخر امم کے جانشیں
صاحب نورِ بصیرت پاک دل، روشن ضمیر　　دانشِ حاضر کی منزل میں نہیں تیرا نظیر
عارضِ ایماں کی خاطر وجہِ تابانی ہے تو　　واقعہ یہ ہے کہ چراغِ بزم عرفانی ہے تو
صاف خواب دیدۂ اسلاف کی تعبیر ہے　　تو علوم قاسم الخیرات کی تفسیر ہے
تیری تقریروں میں ملتا ہے حقیقت کا شعور　　تو بزرگوں کا ہے بے شک جوہر مافی الصدور
تیرا فیضِ حکمت قرآں جہانگیرانہ ہے　　سارا عالم تیری زلف عشق کا دیوانہ ہے
تیری ہستی پیکر تعمیل ارشادِ رسول　　تیرے درس زیست کے قائل ہیں اربابِ عقول
آج کا ہر فلسفہ تیری نظر کی حد میں ہے　　ارتقاء کے تازہ ذہن کامراں کی زد میں ہے
تونے افریقہ کے صحراء کو کیا شادابِ علم　　مصر کو بخشا خرد کا گوہر نایاب علم
جامعیت تیری ہر شعبے میں ہے مانی ہوئی　　غایتِ ادراک کی صورت ہے پہچانی ہوئی
دین کی تبلیغ کا ہر اک قرینہ تجھ میں ہے　　جذبِ احکامِ الٰہی کا مدینہ تجھ میں ہے
پیش آئیں دوسروں کو جب بھی فقہی مشکلات　　تونے سلجھائے جو تھے الجھے ہوئے دیں کے نکات
تیرا ''سالم'' باپ دادا کا امین راز ہے　　کائنات علم کو اس کی سمجھ پرناز ہے
تیرے ''اسلم'' میں فراست کا مکمل بانکپن　　تیرا ''اعظم'' وقت کی محفل میں شمعِ انجمن
حج بیت اللہ کا تازہ مبارک یہ شرف　　رحمتیں لائیں فرشتے تیری جانب صف بہ صف
عرش پیما زندگی کا تیری یوں اقبال ہو　　حاضری باب رسالت تک تری ہر سال ہو

کاش اک ایسا سفر تیری رفاقت میں ڈھلے
نعت انؔور صابری ہر گام پر پڑھتا چلے

عربی مجلّہ دعوۃ الحق کا اجراء

۸۵/۱۳۸۴ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی نگرانی میں ایک رسالہ عربی ''دعوۃ الحق'' کے نام سے دارالعلوم کی طرف سے جاری کیا گیا، اسی وجہ سے اتر پردیش کے گورنر کی دارالعلوم میں آمد ہوئی اور اسی دوران حکومت ہند نے ایک کتابچہ ''ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی ادارے'' کے عنوان سے شائع کیا۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کا تعارف بڑے اچھے الفاظ میں کیا گیا تھا اور اس میں دارالعلوم کو دنیا کی بہترین تعلیمی یونیورسٹی قرار دیا گیا تھا۔

کتب خانہ کی توسیع

۸۷/۱۳۸۶ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں میں کتب خانہ کی توسیع کے لیے ایک جدید ہال اور دو کمروں کا اضافہ ہوا۔ یہ ہال عربی زبان کی کتابوں کے لیے مخصوص کیا گیا یہ بھی آپ ہی کی سعی سے ہوا۔

مسجد چھتہ کی تعمیر جدید اور عرب زائرین کی دارالعلوم آمد

۸۹/۱۳۸۸ھ میں عرب ممالک کے زائرین دارالعلوم تشریف لائے جن میں مراکش، الجزائر اور اُردن وغیرہ کے حضرات شامل تھے دارالعلوم کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اسی سال مسجد چھتہ کی شمالی جانب ایک حجرہ قدیم تھا جس میں حضرت نانوتویؒ اور دیگر اکابر قیام فرمایا کرتے تھے۔ وہ بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس کو بھی حضرت مہتمم صاحبؒ کے حکم سے از سرِ نو تعمیر کیا گیا اور اس تاریخی جگہ کو محفوظ کیا۔

نصاب میں کچھ تبدیلیاں

۱۳۹۰ھ میں دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں اور دارالعلوم کا کچھ بیرون ملک سے رابطہ قائم ہوا۔ سعودی عرب، مصر، کویت، شام، لبنان، لیبیا، عراق، اردن، سوڈان، مراکش، تیونس، یمن، ترکی، نائیجیریا، الجزائر، ایران، انڈونیشیا، تاشقند، حبش، امریکہ، جرمن، سیلون، ڈنمارک اور افریقہ وغیرہ حکیم الاسلام صاحبؒ نے مختلف اوقات میں ان ممالک سے روابط قائم کیے اور مختلف اوقات میں ان تمام ملکوں کے دورے بھی کیے۔ دارالعلوم کا تعارف ان ممالک میں کرایا۔ تبلیغی اجتماعات کیے اور دارالعلوم کا عربی ترجمان رسالہ ''دعوۃ الحق'' کے ذریعے دارالعلوم کی علمی و دینی خدمات کا تعارف کرایا۔

کچھ جدید عمارتوں کا اضافہ

۱۳۹۱ھ میں جب دارالعلوم کی کچھ جدید عمارتوں میں اضافہ کیا گیا اور دارالشفاء جامعہ طبیہ کی نامکمل

عمارتوں کو مکمل کیا گیا تو طلباء کے لیے دار الاقامہ کا بڑا حصہ افریقی بلڈنگ کے نام سے تیار ہوا جس میں ۱۱؍وسیع کمرے تیار ہوئے۔ اسی سال آپ نے یورپ، انگلستان، فرانس اور مغربی جرمنی کا سفر اختیار فرمایا اور ان ممالک کے متعدد شہروں میں اسلام کی حقانیت پر اثر انگیز تقریریں فرمائیں، جن سے وہاں کے باشندے نہایت متاثر ہوئے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ان ممالک کے سفر کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عمرہ کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پھر کویت میں مختصر قیام کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے۔ اس دورے کی روئداد اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی اور دار العلوم کے رسالہ ماہنامہ ''دار العلوم'' میں بھی کئی قسطوں میں تفصیلات شائع ہوتی رہیں۔

حافظ محمد ابراہیم وزیر مواصلات اتر پردیش کی آمد

۱۳۵۷ھ دار العلوم کو ریلوے اسٹیشن سے لانے کے لئے عرصے سے ایک مستقل سڑک کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی ۱۹۳۷ء میں جبکہ ہندوستان کے سات صوبوں میں قومی حکومت قائم ہو گئی تھی یوپی کی صوبائی حکومت کو اس طرف توجہ دلائی گئی، اس سلسلے میں وزیر رسل و رسائل حافظ محمد ابراہیم صاحب کو دعوت دی گئی تاکہ وہ بچشم خود دار العلوم کی اس اہم ضرورت کا معائنہ فرمالیں، چناں چہ ۳۱؍مئی ۱۹۳۸ء کو موصوف دیوبند تشریف لائے، اسٹیشن پر اکابر دار العلوم اور طلباء کے علاوہ عمائدین شہر و ضلع سہارنپور، حکام محکمہ نہر اور ممبران میونسپل بورڈ معزز مہمان کے استقبال کے لئے موجود تھے، حافظ صاحب کا شاندار جلوس اسٹیشن سے روانہ ہو کر شہر کے آراستہ بازاروں سے گزرتا ہوا ۹؍بجے دار العلوم میں پہنچا۔

دار العلوم کی تاریخ میں ارکان دار العلوم کے لئے ایسے مسرت انگیز شان دار استقبال کا یہ پہلا موقع تھا، یہاں یہ بتلانا ضروری نہیں کہ یہ جوش وخروش اور مسرت دار العلوم کی دیرینہ حرّیت طلبی کا نتیجہ تھا، اس کی عمر میں اراکین حکومت کے قومی ہونے کا یہ پہلا اتفاق تھا، دار العلوم نے عرصہ ہوا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کا سماں دار العلوم کی آنکھوں کے سامنے تھا اس لئے جس قدر بھی جوش ومست کا اظہار ہوتا وہ کم تھا، خیر مقدم کے جلسے میں سپاس نامہ اور جذبات تشکر سے لبریز قصائد پڑھے گئے، اکابر دار العلوم نے معزز مہمان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، سپاس نامہ میں دار العلوم کے نام سے ایک سڑک تعمیر کئے جانے پر توجہ دلائی گئی تھی، جو اسٹیشن دیوبند سے سیدھی دار العلوم تک پہنچتی ہو، آخر میں حافظ صاحب نے جوابی تقریر فرمائی جس کے ایک ایک لفظ سے والہانہ خلوص وعقیدت اور محبت مترشح ہوتی تھی، موصوف نے فرمایا کہ:

''میں جب سے وزارت پر مامور ہوا ہوں بہت سے مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا اور بہت سی بستیوں میں سپاس نامے بھی پیش کئے گئے، ان میں اگر کوئی سپاس نامہ میرے لئے باعثِ فخر ہوسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ آج کا سپاس نامہ ہے جو دارالعلوم میں دیا گیا، یہ سپاس نامہ ایسی قابل قدر یادگار رہوگا جس کا بھول جانا مشکل ہے، میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں عزت افزائی کے احساس کو بیان کرسکوں، علمائے کرام کی بدولت ہندوستان میں اسلام کا نام باقی ہے اور اسکی صحیح تعلیم باقی ہے، وہ جماعت جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کو الحاد و دہریت کے حملوں سے بچایا، مسلمانوں میں ان ہی علماء کی بدولت برطانیہ کی حکومت پر اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، ایسے علماء کی جماعت کسی کو اپنی طرف سے عزت دے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی نہیں ہوسکتی، یہ آپ کی عزت افزائی ایسی چیز ہے کہ میرے نزدیک اس پر ایک وزارت کیا ہزاروں وزاتیں قربان کی جاسکتی ہیں، میں باوجود اس صوبہ کا وزیر ہوجانے کے اور باوجود آپ کے اس احترام کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو طالب علم آپ کے مدرسہ میں چھوٹے سے چھوٹا ہے میں اس سے بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہوں اور اس کی خدمت کرنا میری سعادت ہے، مجھ سے جو کچھ بھی اس دارالعلوم کے لئے ہوسکتا ہے چاہے میں گورنمنٹ میں ہوں یا نہ ہوں اس کے انجام دینے کے لئے میں ہر وقت تیار ہوں۔

سڑک کے متعلق سپاس نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی خدمت نہیں جس کے انجام دینے کو کوئی خدمت سمجھا جائے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ سڑک بن جانی چاہیے، موجودہ حکومت اپنے حدود کے اندر رہ کر جو خدمت انجام دے سکتی ہے اس کے لئے ہر وقت تیار ہے، یہاں کے مدرسین اور طلباء کی خدمت کے لئے میں موجودہ حکومت کی طرف سے یقین دلاتا ہوں۔''

عالم عرب کے وفود

۱۳۹۳/۹۴ھ میں سعودی عرب سے دو وفد دارالعلوم میں آئے۔ ایک وفد جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی جانب سے دنیا کے مختلف ملکوں کا دورہ کر رہا تھا وسط سال میں آیا۔ سید ابراہیم ثقاف رئیس الوفد تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد دوسرا وفد آیا۔ اس میں وزارتِ معارف کے ڈائریکٹر اور ادارہ مباحث علمیہ کے نمائندے شامل تھے۔ ان حضرات نے دارالعلوم کو دیکھنے کے بعد اسے علم کا روشن مینار، عرفان و معرفت کا مرجع اور طالبین ہدایت کی پناہ گاہ قرار دیا اور حکیم الاسلامؒ کی خدمات کا اعتراف کیا۔

دار القضاء کا قیام

اسی سال حضرت حکیم الاسلام صاحبؒ کی جد و جہد سے دار العلوم میں دار القضاء کا قیام عمل میں آیا جس میں مسلم پرسنل لاء اور قوانین شریعت کے تحفظ اور بقا کے لیے عملی طور پر محکمہ قضا قائم کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ملک میں متعدد مقامات پر دار القضاء قائم کیے گئے اور نکاح و طلاق وغیرہ عائلی مسائل کا شرعی طور پر فیصلہ ہونے لگا۔ اسی سال آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں دینی مدارس کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔

افریقہ حجاز اور یورپ کا سفر

۱۳۹۵ھ میں آپ نے افریقہ و حجاز اور یورپ کا سفر اختیار فرمایا۔ دوران سفر عمرہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ میں بہت سی جگہوں پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد پیرس (فرانس) ہوتے ہوئے مسلمانانِ انگلستان کی دعوت پر لندن تشریف لے گئے۔ وہاں کے متعدد شہروں کے اجتماعات سے خطاب فرمایا اور انگلستان میں مقیم بہت سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا موقع ملا۔

شیخ الازہر و مفتی اعظم مصر کی آمد

اسی سال شیخ الازہر مصر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود، وکیل الازہر شیخ عبد الرحمٰن بیطار، مفتی اعظم مصر محمد خاطر اور سابق شیخ الازہر محمد الفحام دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور دار العلوم سے متاثر ہو کر ان حضرات نے فرمایا کہ:

"ہم یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مہتمم دار العلوم کے زہد و تقویٰ، رفعت علم اور اخلاص و للّٰہیت ہی کے یہ آثار ہیں جو اس ادارے میں دیکھے جا رہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ فضلاء دار العلوم تمام شہروں اور ملکوں میں کامیابی کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول ہیں۔"

صدر جمہوریہ ہند کی آمد

۱۳۷۶ھ میں دار العلوم میں صدر ڈاکٹر راجندر پرساد کی آمد ہوئی۔

صدر جمہوریہ ۱۴؍ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ ۱۳؍ جولائی ۱۹۵۷ء کو دار العلوم میں وارد ہوئے، یہ کسی سربراہ مملکت کے دار العلوم میں آنے کا پہلا موقع تھا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے

علاوہ مؤتمر اسلامی کے نمائندے شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعال العقبادی وغیرہ حضرات نے ریلوے اسٹیشن پر صدر جمہوریہ ہند کا خیر مقدم کیا، صدر جمہوریہ کی کار جب دارالعلوم کے لئے روانہ ہوئی تو دیوبند اور قرب و جوار کے ہزاروں آدمی سڑک پر دورویہ صدر کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے، دارالعلوم کی تاریخ میں اس نوعیت کا استقبال اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا، پورا راستہ رنگ برنگ جھنڈیوں سے آراستہ تھا، اسٹیشن کے قریب سب سے پہلے دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''دیدۂ و دل فرش راہ''

احاطہ دارالعلوم کے باہر طلبائے دارالعلوم کی دورویہ قطاریں کھڑی ہوئی تھیں، اس موقع پر ہند و بیرون ہند کے طلباء کے علیحدہ علیحدہ گروپ تھے، طلباء دارالعلوم ہندوستان کی تقریباً سبھی ریاستوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

صدر جمہوریہ نے دارالعلوم کا تفصیلی معائنہ فرمایا، عمارتیں دیکھیں، کتب خانہ کے نوادر اور مخطوطات ملاحظہ فرمائے، آزادیٔ وطن کی راہ میں علمائے دیوبند کی قربانیوں کی داستان سنی، اساتذہ اور طلباء کا سادہ طرز معاشرت دیکھا، قرآن مجید کے ایک فارسی ترجمے کو بڑی توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور اس میں سے چند آیتوں کا ترجمہ پڑھوا کر سنا، معائنہ دارالعلوم کے بعد خیر مقدم کے ایک عظیم الشان جلسہ میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے سپاس نامہ پیش کیا، صدر نے اس کے جواب میں دارالعلوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''دارالعلوم کے بزرگوں نے صرف اس ملک میں رہنے والوں ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی خدمات سے اتنی شہرت حاصل کر لی ہے کہ غیر ملک کے طالب علم بھی آپ کے یہاں آتے ہیں اور یہاں سے تعلیم پا کر اور جو کچھ یہاں انھوں نے سیکھا ہے اپنے ملکوں میں واپس جا کر اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ بات اس ملک کے سبھی باشندوں کے لئے قابل فخر ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ جس خلوص، نیک نیتی اور جس عزم وارادے کے ساتھ اس کام کو آج تک کرتے آئے ہیں آئندہ بھی اس کو جاری رکھیں گے، مجھے امید ہے کہ یہ دارالعلوم دن بدن ترقی کرتا جائے گا اور صرف اس ملک ہی کی نہیں بلکہ غیروں کی بھی خدمت کرتا رہے گا۔

سہ پہر میں عصرانے کے موقع پر صدر جمہوریۂ ہند نے اراکین دارالعلوم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''دارالعلوم کے بزرگ علم کو علم کے لئے پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں، مگر کم جنھوں نے علم کو محض علم کی خدمت کے لئے سیکھا اور سکھایا، ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی، آج دارالعلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دارالعلوم یا

مسلمانوں کی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے۔

آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے، دلوں کا اطمینان اور چین مفقود ہے، اس کا صحیح علاج روحانیت ہے، میں دیکھتا ہوں کہ سکون اور اطمینان کا وہ سامان یہاں کے بزرگ دنیا کے لئے مہیا فرمارہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اسی لائن پر آنا ہے اس لئے دارالعلوم کے بزرگ جو اہم علمی خدمت انجام دے رہے ہیں وہ آگے بڑھے گی اور کام اسی طرح جاری رہے گا میں دارالعلوم میں آکر بہت زیادہ مسرور ہوا اور یہاں سے کچھ لیکر جارہا ہوں، میں تمام ذمہ داران دارالعلوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

حضرت مہتمم صاحبؒ نے صدر جمہوریہ ہند کی نسبت اپنے تاثرات کا حسب ذیل الفاظ میں اظہار فرمایا:

''صدر جمہوریۂ ہند کو میں نے نہ صرف ایک عظیم عہدے کا پر وقار مسند نشین دیکھا، بلکہ انھیں ایک نہایت ہی صوفی منش اور بزرگانہ انداز کا مشفق اور پابند مذہب واخلاق انسان بھی پایا۔''

بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شرکت

حضرت حکیم الاسلامؒ اسی سال پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان تشریف لے گئے۔ جہاں دنیائے اسلام کی نامور شخصیتوں نے کانفرنس میں شرکت کی۔ حضرت مہتمم صاحبؒ نے سیرت کے موضوع پر ایک زبردست تقریر فرمائی۔ جس سے عوام و حکام بیحد متاثر ہوئے۔ سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں سیرت کمیٹی کی طرف سے حضرت مہتمم صاحبؒ کو چاندی کے منقش خول میں جو ایک مخملی بکس کے اندر تھا۔ ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کی اور حکیم الاسلامؒ کی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی تھی کہ ''یوں تو تمام پاکستان ہی مہمانوں کا شکرگذار ہے لیکن اہل پاکستان کو سب سے زیادہ دو شخصیتوں نے متاثر کیا ہے۔ ایک حرم مکہ کے مہمان شیخ عبداللہ بن السبیل اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب شیخ الجامعہ دارالعلوم دیوبند نے۔''

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ نے ساٹھ ستر ہزار کے عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا۔ کانفرنس کے بعد حکومت کی طرف سے آپ کے اعزاز میں ایک پر تکلف دعوت دی گئی۔ اس سفر میں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں عظیم اجتماعات سے بھی خطاب فرمایا۔

سفرِ پاکستان

مولانا اکبر شاہ بخاریؒ حکیم الاسلامؒ کے سفرِ پاکستان اور خطبات و دینی مصروفیات کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے لیے پاکستان کوئی اجنبی اور نیا ملک نہیں تھا۔ انھوں نے تو اس کے لیے قربانیاں دی ہیں اور وہ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ، اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور ہم عصر علماء کرام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ اور دیگر حضرات کی طرح قیامِ پاکستان کے لیے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں اپنے شیخ اور استاذ کے حکم پر سرگرم حصہ لیتے رہے۔ انہیں پاکستان سے محبت تھی۔ ان کے عزیز و اقارب یہاں کثرت سے موجود ہیں، یہ ان کا اپنا گھر تھا، وہ یہاں بارہا تشریف لائے اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، ملتان اور فیصل آباد کے دینی مدارس میں عوام و خواص کو اپنے سحر انگیز خطابات سے محظوظ فرماتے رہے۔ ہزاروں افراد یہاں آپ کے فیضِ علمی و روحانی سے مالا مال ہوئے۔

جب بھی آپ پاکستان تشریف لاتے تو خاص طور پر اپنے رفیقِ خاص مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہاں دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے مدرسہ خیر المدارس ملتان ضرور تشریف لے جاتے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: ''پاکستان میں مولانا مفتی محمد حسنؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا خیر محمد صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ صاحب کی طرف نظریں اٹھتی تھیں، اب یہ سب حضرات چل بسے۔ اب یہاں آنے اور رہنے کا مزہ نہ رہا''۔

ان حضرات سے آپ کے گہرے روابط تھے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ ایک بار لاہور کے قیام میں فرمایا کہ:

''ہمارا مدرسوں میں جن سے زیادہ ملنا جلنا تھا اور جن کی کشش ہمیں یہاں لے آتی تھی وہ نہ رہے، ان میں ایک تو مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوگیا۔ دوسرے مولانا بدر عالمؒ

تھے۔ جنھوں نے پاکستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا گھر بنایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ دور دور تک پھیلایا۔ تیسرے مفتی محمد شفیع صاحبؒ ہیں جن کے ساتھ ہر معاملے میں قریبی تعلق رہا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سفر و حضر سب میں ساتھ رہا۔ بہرحال ان حضرات سے حضرت حکیم الاسلامؒ کے گہرے تعلقات رہے۔ پاکستان میں جب بھی تشریف لاتے انہی حضرات کے یہاں قیام فرماتے تھے۔

ذیل میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے پاکستان میں آخری چند دوروں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ جن میں آپ نے مختلف بڑے شہروں کے دینی مدارس کے اجتماعات اور چند اہم کانفرنسوں اور جلسوں سے خطاب فرمایا، یہاں انہی چند اہم خطابات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جناب سجاد میر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ۱۹۷۵ء میں لاہور میں آمد کا مختصراً آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''پاک سرزمین میں ایک طیب ہستی کی آمد آمد کا شہرہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند برصغیر میں علوم اسلامی کی نامور درسگاہ ہے۔ کوئی گذشتہ نصف صدی سے اس درسگاہ کا اہتمام جس خوش بخت انسان کے سپرد ہے وہ یہی حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمی ہی تو ہیں۔ جو جنگ کے بعد پہلی بار پاکستان تشریف لا رہے ہیں۔ خاندان نانوتہ کا یہ چشم و چراغ اپنے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھنے کے لیے اس پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کی طرح سرگرم عمل ہے۔ یہ ۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت حکیم الاسلام کے سپرد کی گئی۔ اس سے پہلے ان کے والد مولانا محمد احمد صاحبؒ چالیس برس تک اس فریضے کو انجام دیتے رہے۔ وہ دارالعلوم کے پانچویں مہتمم تھے۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ۱۱؍ ماہ تک مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اہتمام کے ذمہ دار رہے اور پھر جو یہ ذمہ داری حضرت حکیم الاسلام کے سپرد ہوئی تو آج تک وہ اس کٹھن مرحلے سے گذر رہے ہیں۔

یہ نصف صدی کا واقعہ ہے کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ اس نصف صدی میں ہزاروں طالبان علم اس شمع علم سے اپنی مشعلیں جلا جلا کر دنیا کے اندھیروں میں دور دور تک پھیل گئے۔ پاکستان میں بھی اسی مردِ جلیل کا فیض خیبر سے کیماڑی تک پھیلا ہے۔ ان کی آمد ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے لیے ایک خوشگوار حیرت تھی۔ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب پاکستان آ رہے ہیں مگر کیسے؟ فاصلوں کی فصیلیں تو خیر سدِ راہ نہیں مگر سرحدوں پر ضابطوں کی جو حدیں قائم ہیں اور انہیں پھلانگنا اس عہد میں آسان نہیں رہا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سفارتی تعلقات تک نہیں ہیں۔ تاہم خدا نے وسیلہ پیدا کیا اور حکیم الاسلام

مولانا محمد طیب صاحب کئی سال بعد ایک بار پھر اہلِ پاکستان کے درمیان موجود تھے۔ یہاں لاہور میں ان کا قیام تین دن تک رہا۔ اس دوران ایک درس قرآن دینے کے علاوہ حضرت حکیم الاسلام نے دو اجتماعات سے بھی خطاب کیا۔ ایک جامعہ اشرفیہ اور دوسرا دارالعلوم الاسلامیہ کی رسم دستار بندی کی تقریب تھی۔ ہمیں بھی ان اجتماعات میں ان کی باتیں سننے، ان سے الگ باتیں کرنے اور انہیں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ نہ کبر ونخوت، سراپا انکسار، دھیرے دھیرے رواں رواں جب یہ شخص علم کے گہرے سمندروں سے پایاب گذرتا ہے تو لہروں کا سکوت دیدنی ہوتا ہے۔ کتنے خوبصورت، کتنے نستعلیق ہیں یہ لوگ جن کی باتوں سے ملی ہے سینکڑوں کو زندگی اور یہ سینکڑوں لوگ اس روز جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے جامعہ اشرفیہ کی مسجد کا رخ کر رہے تھے۔

شہر کی دیواروں پر پوسٹر اور فضاؤں میں لاؤڈ سپیکر کی صدائیں یہ اعلان کر رہی تھیں کہ جمعہ کے فوراً بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء کے جلسۂ تقسیم اسناد سے خطاب فرمائیں گے۔ اس اجتماع میں جہاں دور دراز سے خلقت کھنچی چلی آتی تھی وہاں مسلک دیوبند کے جیّد اور نامور علماء بھی موجود تھے۔ حضرت حکیم الاسلام نے خطاب شروع کیا:

''میں آپ سے چند کلمات مختصر وقت میں گذارش کروں گا۔ مختصر اس لیے کہ ضعیف و علیل ہوں اور بیان طویل ہوتا نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچپن کی بات ہے ہمارے استاذ اکبر علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملنے تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ میں بھی ہمراہ ہوتا، مجھے یاد ہے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے کہ شاہ صاحب کے آنے سے میرے قلب پر ان کی عظمت کا بوجھ پڑتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ اتنا بڑا عارف کامل یہ بات کہہ رہا ہے اور اس وقت تو یہاں اتنے علماء موجود ہیں۔ اندازہ کیجئے مجھ ناتواں کے دل پر کس قدر بوجھ پڑ رہا ہوگا۔ سو کچھ ضعف اور علالت اور کچھ علماء کی موجودگی میں کلام کو مختصر کروں گا۔

مگر پھر جو بات چلی تو اس وقت تک جاری رہی جب مؤذن نمازِ عصر کے لیے پکار رہا تھا اور بادلوں سے پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ اندر ٹیپ ریکارڈوں کی قطاریں پڑی تھیں اور باہر لاؤڈ سپیکروں کا نظام متعین تھا۔

بہرحال حضرت حکیم الاسلام نازک اور باریک نکتے سمجھا رہے تھے۔ وہ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو نصیحت کر رہے تھے کہ وہ اپنی صورت اور وضع ایسی بنائیں جو دوسروں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا کرے۔ وہ کہہ رہے تھے ''ہم ذرا اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہر شے مرکب پیدا کی ہے۔ اس کا

ایک حصہ خفی ہے جسے روح کہتے ہیں اور دوسرا جلی ہے جسے جسم کہتے ہیں۔ جسم محض کی بات کریں تو اس کا انجام تو گلنا سڑنا ہے اور روح بغیر جسم کے نمایاں نہیں ہوسکتی۔ یوں سمجھئے کہ جب بھی کوئی غیبی حقیقت ظاہر ہوگی۔ تو اس کا کوئی نہ کوئی پیرایہ کوئی نہ کوئی صورت ہوگی۔ جیسے گلاب کی خوشبو پتی اور پھول میں نمایاں ہوتی ہے۔ ذائقہ بغیر کسی شکل کے ظاہر نہیں ہوتا۔ اللہ ہر صورت کو مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کو مناسب صورت دیتا ہے۔''

ادھر حضرت حکیم الاسلام کی تقریر جاری تھی۔ اُدھر ہمارے فوٹو گرافر محفوظ شاہد صاحب اس تاک میں تھے کہ نظریں بچا کر تصویریں اتارلوں، فلیش گن کی لائٹ چمکی اور مائک سے حضرت حکیم الاسلام کی ملتجیانہ آواز سنائی دی۔

''کیوں بھائی! تصویریں بنا کر ہمیں رسوا کرتے ہو۔''

مگر وہ خاصی رسوائی کا انتظام کر چکے تھے اور اس کے بعد کرتے رہے یہاں لاؤڈ سپیکروں نے خاصی خرابی پیدا کی۔ حضرت مہتمم صاحب کو اتوار کی صبح ایک دوسرے اجتماع سے بھی خطاب کرنا تھا۔ یہ اجتماع دارالعلوم اسلامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد تھا۔ جہاں شہر کی ابتداء ہوتی ہے۔ وحدت روڈ اور ملتان روڈ آپس میں ملتی ہیں۔ وہیں دارالعلوم کی عمارت ہے۔ یہ دارالعلوم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ایماء پر فنِ تجوید وقرأت کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ چناں چہ حضرت حکیم الاسلام نے دو گھنٹے سے بھی طویل خطاب میں قرآن کے موضوع پر گفتگو کی۔ اتنی دور افتادہ جگہ تھی مگر یہاں بھی دور دور سے لوگ کافی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔

یہ دورہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے جنوری ۱۹۷۵ء میں فرمایا۔ اسی دورۂ پاکستان میں آپ نے اپنے رفیقِ خاص حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی وفات کے سلسلے میں مولانا کاندھلویؒ کے صاحب زادگان سے تعزیت کی۔ جو ان کے دورہ سے چند ماہ قبل لاہور میں فوت ہوگئے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی رحلت پر بھی آپ نے تعزیت کی۔ اسی دوران ۱۹۷۵ء میں کراچی بھی اپنے قدیم رفیق مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپؒ نے دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء سے ''علم اور زیارت علم'' کے موضوع پر ایک اہم خطاب فرمایا جو علم و معرفت کا مرقع اور حکمتوں کا گنجینہ تھا۔ ایک گھنٹہ کے اس خطاب نے سامعین کو نہال کر دیا۔ اس خطاب کی رپورٹ اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی رپورٹ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی اور ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں مفصل شائع ہوئی ہیں۔ بعد میں یہ اہم تقریریں ''خطبات حکیم الاسلام'' اور ''اخلاص فی الدین'' نامی کتابوں میں

بھی من وعن شائع کر دی گئی ہیں۔

مارچ ۱۹۷۶ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر پھر پاکستان تشریف لائے۔ حکومت پاکستان نے ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے انعقاد کا پروگرام بنایا تھا اور اس میں دنیائے اسلام کی نامور علمی شخصیتوں کو دعوت دی گئی تھی۔ ہندوستان سے اس پروگرام میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی پاکستان تشریف لائے۔ پاسپورٹ وغیرہ کے مراحل میں تاخیر کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ وزیراعظم پاکستان کی طرف سے دئے گئے استقبالیہ اور سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس ہی میں شریک ہو سکے۔ جب کہ کانفرنس کا افتتاح حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کے عظیم الشان خطاب سے ہونا تھا۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے خطاب فرمایا اور آپ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:

''پاکستان نے جو یہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی ہے میں پاکستان کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس بین الملکی کانفرنس کے پیشِ نظر اتحاد باہمی کے جو مبارک اور خوش آئند اثرات ونتائج ہیں۔ ان میں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا جائے کہ پڑوسی ممالک کا زیادہ حق ہے۔ کہ ان کو اتحاد کے جذبہ سے پاکستان زیادہ سے زیادہ اپنے سے قریب کرے اور ان پڑوسی ممالک میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہندوستان ہے۔''

حضرتؒ نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''پاکستان نے عالمی اتحاد کے سلسلے میں دو عظیم الشان اقدامات کیے ہیں۔ ایک سربراہ کانفرنس اور دوسری سیرت کانفرنس جو عالمی اتحاد کا موجب ہوگی۔''

۲۰؍ مارچ ۱۹۷۶ء کو کراچی میں منعقد کیے گئے سیرت کانفرنس کے استقبالیہ میں جو شہر کراچی کی طرف سے دیا گیا تھا۔ انتظام کرنے والی سیرت کمیٹی نے حضرت حکیم الاسلامؒ سے درخواست کی کہ وہ مہمانوں کا شکریہ ادا کریں۔ حضرت نے کلمات ترحیب وتشکر پیش کرتے ہوئے یہ دلچسپ بات ارشاد فرمائی کہ اس کانفرنس کے مہمان خصوصی عرب ممالک کی مؤقر شخصیتیں ہیں۔ جن کی مہمانی کا شرف عجمیوں کو حاصل ہے اور عجم ہونے کے رشتہ سے پاکستان اور ہندوستان دونوں برابر ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میں مہمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک میزبان کی حیثیت سے ہندوپاکستان دونوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں اور عرب مہمانوں کے لیے سپاس گزار ہوں۔''

سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں سیرت کمیٹی کی طرف سے حکیم الاسلامؒ کو چاندی کے منقش خول میں جو ایک مخملی بکس کے اندر تھا ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جس میں دارالعلوم دیوبند اور حضرت کی دینی

علمی اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ یوں تو تمام پاکستان ہی مہمانوں کا شکر گذار ہے۔لیکن اہل پاکستان کو سب سے زیادہ دو شخصیتوں نے متاثر کیا ہے ایک حرم مکہ کے امام شیخ عبداللہ بن السبیل اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب شیخ الجامعہ دارالعلوم دیوبند۔

جب حضرت اقدس اس اختتامی اجلاس سے باہر تشریف لانے لگے تو عوام کے زبردست ہجوم نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ چونکہ عوام حضرت حکیم الاسلامؒ کی تقریر سننے آئے تھے۔جس سے اب تک محروم رہے ہیں۔ اس لیے ہم اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے۔جب تک اس جلسہ میں حضرت ممدوح کی کوئی مفصل تقریر نہ ہو۔

چناں چہ قاری ظاہر قاسمی صاحب نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور جلسہ دوبارہ جمایا گیا اور ساٹھ ستّر ہزار افراد کے ایک زبردست اجتماع میں حضرت کی تقریر ہوئی۔جو ایک تاریخی اہمیت کی تقریر تھی۔

۲۵/ مارچ ۱۹۷۶ء کو حضرت حکیم الاسلامؒ لاہور روانہ ہوئے۔لاہور میں ۲۷/ مارچ کو شب میں ایک عام شہری جلسہ ہوا۔جس میں ایک اہم تقریر ہوئی اور ۲۸/ مارچ ماہنامہ الرشید و دارالعلوم دیوبند نمبر کے افتتاح کے لیے دوسرا جلسہ عام جامعہ اشرفیہ لاہور میں ادارہ الرشید کی طرف سے منعقد کیا گیا جس میں ابتدائی تقریر حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی ہوئی۔جو دارالعلوم کی عظمت وشان پر مشتمل تھی۔اس کے بعد مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی تقریر ہوئی اور آخری تقریر دارالعلوم دیوبند کے موضوع پر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ہوئی جس میں یہ نمبر تجلید شدہ حضرت کو مع سپاسنامہ پیش کیا گیا اور پانچ نسخے دارالعلوم کے لیے دئے گئے۔اس تقریب میں حضرت کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے:

یہ سپاس نامہ عبدالرشید ارشد نے پیش کیا:

عالی مقام حکیم الاسلام! علم وعمل کے تاجدار! آپ کے دارالعلوم دیوبند نے صرف علمی خدمات ہی سرانجام نہیں دیں بلکہ ایسے عملی انسان پیدا کیے جو اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں حضور اقدسؐ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے تھے اور جنھوں نے عملی طور پر سنن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کیا۔جس کا اثر یہ نکلا کہ علی گڑھ، ندوہ اور دیگر اداروں کے ممتاز افراد اور سربراہ ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

معزز مہمان! آپ کے شیخ اور سرپرست دارالعلوم حضرت حکیم الامت تھانویؒ، آپ کے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، آپ کے رفیقِ خاص دارالعلوم دیوبند کے صدر

مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم اور آپ نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا قائدانہ ساتھ دیا۔ جس سے پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ورنہ شاید پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا۔''

اسی دوران اسلام آباد اور راولپنڈی وغیرہ شہروں میں بھی تشریف لے گئے۔ جہاں دوسرے کئی اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ اسلام آباد میں جناب مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور نے حضرت کو ایک پرتکلف دعوت دی اور راولپنڈی میں مولانا غلام صاحبؒ نے اپنے مدرسہ میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ جس میں حضرت نے خطاب فرمایا۔ بعد میں حضرت نے اہل شہر کی طرف سے دئے گئے ایک استقبالیہ میں شرکت کی اور مختصر خطاب کیا۔

اس کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ کراچی تشریف لے گئے۔ جہاں ۳۰/مارچ ۱۹۷۶ء کو دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی صدارت میں ان ہی کے دارالعلوم کراچی کورنگی میں پاکستان کے دینی مدارس کے سربراہان کا ایک اہم اجلاس ہو رہا تھا۔ آپ بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں ملک بھر کے جیّد علماء تشریف لائے تھے۔ اس اہم اجلاس سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات نے خطاب کیا اور آخر میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی تقریبات کی تیاری کے بارے میں مفصل روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس کے کنوینر مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور ناظم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی منتخب کیے گئے۔

۳۱/مارچ ۱۹۷۶ء کو آپ واپس دیوبند روانہ ہو گئے۔''

حضرت حکیم الاسلامؒ آخری عشرہ اپریل ۱۹۷۸ء میں دیوبند (انڈیا) سے کراچی تشریف لائے۔ مستقل قیام اپنے برادرزادہ قاری ظاہر قاسمی صاحب کے ہاں تھا۔ سب سے پہلے اپنے رفیق قدیم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وفات پر تعزیت کے لیے حضرت مفتیٔ اعظمؒ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کے ہاں دارالعلوم کورنگی تشریف لے گئے۔ جہاں دارالعلوم کراچی کے اساتذہ طلباء اور منتظمین حضرات سے حضرت مفتی اعظم کی رحلت پر تعزیتی خطاب فرمایا۔ جس میں حضرت مفتی اعظم کے اوصاف وکمالات دینی وعلمی خدمات اور اپنے قدیم تعلقات کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد ۲۹/اپریل بروز شنبہ حضرت حکیم الاسلامؒ صبح قریباً ۸/بجے جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن

کراچی گئے اور وہاں کے اساتذہ وطلباء سے حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی وفات پر تعزیت کی اور اسی سلسلہ میں خطاب بابرکت سے بھی اساتذہ وطلباء کو مشرف فرمایا، ان دونوں حضرات مرحومین کی تعزیت کے سلسلے میں جو کلمات ارشاد فرمائے اس کے چند جملے ملاحظہ فرمایئے۔

ارشاد فرمایا کہ: ''ان حضرات کی رحلت کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو نفس وصال کی جس کا تعلق ان حضرات کی ذات سے ہے۔ دوسرے فراق کی۔ جس کا تعلق ان حضرات کے پس ماندوں سے ہے۔ جہاں تک نفس وصال کا تعلق ہے اس میں رنج وغم کی کوئی وجہ نہیں؛ کیوں کہ یہ حضرات بوجہ علم واخلاق اور زہد و تقویٰ کے فائز المرام تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کو بخش دیا ہوگا۔ بلکہ مراتب عالیہ کا معاملہ فرمایا ہوگا اور جہاں تک تعلق پس ماندوں کا ہے وہ واقعی قابلِ رنج وغم ہے مگر اس میں بھی قول خداوندی اِنَّ مع العسر یسراً. ایک وجہ تسلی کی نکل سکتی ہے۔

امام محمدؒ کی وفات کے بعد بعض عارفین نے پوچھا کہ آپ پر کیا گزری؟

پہلی بات تو یہ فرمائی کہ علماء سے سن رکھا تھا کہ موت بڑی کٹھن چیز ہے، بڑی سخت چیز ہے، بڑی ہی دردوکرب کی چیز ہے مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ میں تو فقہ کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا سوچتے سوچتے آخرت میں پہنچ گیا۔ مجھے خبر نہیں گذری، یہ ایک جملہ ہوا اور دوسرا جملہ یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور یہ فرمایا کہ اے محمد! اگر ہمیں بخشنا نہ ہوتا تو ہم اپنا علم تیرے سینے کے اندر کیوں ڈالتے، علم تو تقویٰ کی چیز ہے۔ تو یہی صورت ان حضرات کی بھی ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے ان کے سینے میں علم ڈالا اور علم بھی ایک امتیازی درجہ کا۔

اپنے اساتذہ وشیوخ بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور استاذ الاکبر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے علوم ومعارف کی جتنی امانت ان حضرات کے سینے میں تھی اور ان علوم ومعارف پر جتنا افادہ ان حضرات نے فرمایا یہ بھی امتیازی چیزیں تھیں جو انہیں حاصل تھیں۔ اتنا بڑا علم کتاب وسنت کا جب ان حضرات کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا تھا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہ یقین ہے کہ ان کے مراتب بھی بلند ہوں گے۔ ویسے تو غیب کی خبر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اللہ ہی نے جن علامات کی اطلاعات دی ہیں ان کی بنا پر ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ ان حضرات کے مراتب بلند ہیں اور وہ درجات قرب میں ہیں اور بہت اونچے مقام پر ہیں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔ تو ان کے لیے کوئی رنج کی چیز نہیں ہے۔ کیوں کہ انھوں نے تو اپنا مقصد پالیا۔ رنج اور صدمہ تو پسماندوں کا ہے کہ جن سے ایک نعمت چھن گئی۔ ایک دولت چھن گئی۔ اس واسطے رنج اور صدمہ اپنے فراق کا ہے۔ ان کے وصال کا نہیں ہے۔

جب میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنی تو دارالعلوم دیوبند میں اس حادثۂ فاجعہ کا سب سے زیادہ اثر مجھ ناتواں پر ہوا۔ وہ میرے تعلیمی زمانے کے ساتھی تھے ایک ساتھ دونوں نے پڑھا، ایک ہی ساتھ حج کیا، ایک ہی ادارہ میں رہے اور ایک ہی وقت درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ مدتوں دارالعلوم دیوبند میں حدیث و فقہ کے استاذ اور صدر مفتی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ سینکڑوں کتابوں کے مصنف تھے۔ تفسیر میں تفسیر معارف القرآن ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت بنوریؒ صاحب اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا علم اور ان کی دینی خدمات زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی۔ حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم ایک بڑے عالم اور محدث تھے۔ مولانا مرحوم کا جو برتاؤ میرے ساتھ تھا وہ ایک خصوصی برتاؤ تھا۔ وہ بڑی محبت کرتے تھے اور محبت سے گزر کر ایسی نیاز مندی سے پیش آتے تھے۔ جیسے کوئی شاگرد، یہ تواضع للہ کی بات تھی، ورنہ وہ علم وفضل میں ہم لوگوں سے کہیں بڑے تھے مگر جتنا علم بڑھتا ہے اتنی ہی تواضع بڑھتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ سب کو اور ہمیں صبر بھی دے اور اجر بھی عطا فرمائے اور توفیق بھی دے کہ آئندہ ان کے کاموں کو چلائیں اور ان کے یہ مدارس خدا کرے ہمیشہ جاری وساری رہیں۔‘‘

کراچی میں چند اجتماعات سے خطاب فرمانے کے بعد آپ بذریعہ طیارہ ۳۰رمئی ۱۹۷۸ء کو ملتان تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب بھی تشریف لائے۔ جو حضرت کے مجازین خصوصی بھی ہیں۔ ملتان میں آپ مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم مہتمم جامعہ خیر المدارس کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ مولانا محمد شریف صاحب مرحوم بھی حضرت کے مجاز بیعت تھے۔

۳رمئی کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں پورے پنجاب سے ہزاروں لوگ حضرت کی زیارت اور تقریر سننے کی غرض سے جمع ہوئے تھے، جلسے کا پروگرام نماز مغرب کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ جلسہ میں علماء صلحاء اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے خیر المدارس کے فارغ التحصیل علماء کی دستار بندی بھی کی اور ہزاروں افراد کے اس اجتماع سے ایک بصیرت افروز علمی خطاب بھی فرمایا۔ حضرت کی تقریر کے چند جملے یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس کی وفات کے بارے میں تعزیتی کلمات ہیں۔ ویسے یہ تقریر ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک بڑے علمی انداز میں جاری رہی۔ جو ماہنامہ الرشید ستمبر

۱۹۸۳ء میں مکمل شائع بھی ہو چکی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

''میری اس وقت حاضری کا مقصد ملتان میں نہ کوئی جلسہ تھا نہ کوئی مجلس تھی۔ نہ کوئی تقریب اور نہ وعظ کا تخیّل ذہن میں تھا۔ میری حاضری کا مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کی وفات کے بعد یہ پہلی حاضری تھی تا کہ تعزیت ادا کروں اور تعزیت کے لیے ہجوم اور مجمع نہیں ہوتا۔ اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے تو میں روک دیتا اور مجھے امید تھی کہ مولانا محمد شریف صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس، فرزندار جمند حضرت مولانا خیر محمد صاحب مان بھی لیتے۔ لیکن اچانک آ کر معلوم ہوا کہ کوئی جلسہ بھی ہے اور اجتماع بھی۔ جلسہ اور تقریریں ان سب کے لیے ضرورت پڑتی ہے نشاط کی، طبیعت میں انشراح ہو، نشاط ہو، یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں مگر میں اس وقت حاضر ہوا ہوں ایک بجھے ہوئے دل کے ساتھ، مولانا خیر محمد صاحب کا غم ستائے ہوئے ہے مگر یہاں آ کر تازہ ہو گیا حالاں کہ ان کی وفات کو ایک عرصہ گذر چکا ہے مگر میرا تعلق اتنا قوی تھا ان سے اور قلبی رابطہ برسہا برس سے تھا۔ مولانا مرحوم جب جالندھر میں مقیم تھے، پنجاب کا جو بھی میرا سفر ہوتا تو اس جگہ اترنا لازمی ہوتا تھا۔ جالندھر میں مولانا مرحوم کی وجہ سے اور امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کی وجہ سے، پاکستان بننے کے بعد مولانا مرحوم کا قیام ملتان میں ہوا، یہاں بھی ایک دو مرتبہ ان کی حیات میں حاضری ہوئی۔ اس وقت ان کی وفات کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے حاضری کا۔ تو وہ سارے تعلقات بھی سامنے آ گئے۔ وہ ساری تاریخ سامنے آ گئی۔ اس وجہ سے دل پر غم کا ایک بوجھ ہے تو اس بجھے ہوئے دل سے میں کیا تقریر کروں اور کیا جلسے کا حق ادا کروں؟ اور خود میرا بھی اب ضعیفی کا عالم ہے قوت بھی وہ نہیں ہے۔ جو پہلے تھی۔ جذبات بھی سرد پڑ چکے ہیں تو ایسی حالت میں تقریر ہو تو کیا ہو؟ بہر حال اب غم کے سلسلے میں ہی ایک تعزیتی تقریر ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی ذات مقناطیسی ذات تھی جو قلوب کا رجحان تھا اور دل کھنچتے تھے اور ان کی وفات جیسا کہ مقولہ مشہور ہے۔ **موت العالِم موت العالَم**، اس لیے کہ عالم کے ذریعے حیات پھیلتی ہے وہ حیات یہ نہیں ہے جو کھانے پینے کی ہے۔ وہ حیات روحانی ہوتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے اور وہی حقیقی روح ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم کو اپنی روح فرمایا ہے۔ اسی روح سے اقوام زندہ ہوں گی اور اسی روح کے نکل جانے سے پژمردگی طاری ہو گی''۔

حضرتؒ کی یہ عالمانہ و بصیرت افروز تقریر ''روح اور جسم کی حقیقت'' کے بارے میں مدلل انداز سے ہوتی رہی اور لوگوں کا عظیم الشان ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بڑے پرسکون ماحول میں حضرت کی یہ تقریر سنتا

رہا۔ آگے حضرت نے علماء ربّانی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''علماء ربّانی کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ ان کا دل، روح اور دماغ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے۔ یہ اثر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ **كان يذكر الله على كل أحيانه**.

کوئی لمحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ زبان سے ذکر کریں، قلب سے ذکر کریں۔ جس کو ذکر کہتے ہیں۔ روح سے ذکر کریں۔ جس کو توجہ کہتے ہیں اور معرفت کہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طریق پر ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ تو جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ **موت العالِم موت العالَم**، تو ایسے عالم کا اٹھ جانا تو پورے عالم کا اٹھ جانا ہے۔ کیوں کہ وہ روح نکل جاتی ہے تو پورے عالم پر ایک پژمردگی چھا جاتی ہے۔

تو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ مولانا خیر محمد صاحبؒ جیسے ان کے نام میں خیر ہے۔ ان کے مسمّٰی میں بھی اللہ نے خیریت ہی رکھی تھیں اور واقعۃً خیر ہی خیر تھے۔

حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا درس دینا۔ مواعظ سے تبلیغ وتلقین کرنا۔ اپنے پروردوں کی تربیت کرنا۔ غرض ذکر اللہ ہی ان کا مشغلہ تھا۔ چاہے کسی بھی انداز سے ہو تو ایسے عالم ربّانی کا اٹھ جانا یقیناً پورے عالم کے لیے موت کا بھی اور علامات موت کا یقیناً اشارہ ہے۔ جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے تو قلوب محسوس کرتے ہیں کہ ایک قسم کی ظلمت طاری ہوگئی ہے، پورے عالم پر روحانیت میں کمی آ گئی ہے۔ ہر شخص محسوس نہیں کرتا۔ صاحبِ دل جانتا ہے کہ نورانیت میں کتنی کمی آئی ہے''۔

الغرض حضرتؒ نے جامعہ خیر المدارس ملتان میں یہ ایک نہایت نصیحت آمیز تقریر فرمائی۔ اس کے علاوہ مدرسہ قاسم العلوم اور تعلیم الابرار وغیرہ مدارس کا بھی معائنہ فرمایا۔ خیر المدارس میں حضرتؒ کی تقریر کے بعد حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ صاحب نے بھی خطاب فرمایا اور دعا حضرت نے فرمائی۔ شب کا قیام خیر المدارس ہی میں فرمایا۔

۴؍مئی ۱۹۷۸ء کو مع رفقاء ساہیوال تشریف لے گئے۔ اس کی مختصر رپورٹ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں کہ: ''۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ جمعرات کی صبح جامعہ رشیدیہ کے لیے ایک عجیب صبح تھی کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند جامعہ رشیدیہ نمبر؍۲ کی جدید

عمارت کے افتتاح کے لیے تشریف لائے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے ملتان تا لاہور کار کے ذریعے صرف اس لیے سفر کی تکلیف فرمائی کہ راستہ میں ''دیو بندی مکاتب فکر'' کے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ چناں چہ حضرتؒ ۹ ربجے کے قریب جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔ جامعہ کے اکیس علماء فارغ التحصیل کی دستار ہائے فضیلت، سندات، انعامی کتب آپ کے سامنے رکھی تھیں اور ۲۲ رطلباء حفاظِ قرآن، قرآن حکیم ختم کر چکے تھے۔

حضرتؒ کی تشریف آوری پر احقر ناظم ادارہ نے مختصر سا زبانی سپاسنامہ پیش کیا اور جامعہ رشیدیہ کا دارالعلوم دیو بند اور اکابر دیو بند سے تعلق اور رابطہ بیان کیا۔

حضرتؒ نے جامع خطاب فرماتے ہوئے (کتب خانہ رشیدیہ میں) دعا فرمائی اس تقریب سعید میں ساہیوال، بھاولپور، بھاول نگر، ملتان، فیصل آباد، سرگودھا اور لاہور کے اضلاع سے لوگ حضرت حکیم الاسلامؒ کی زیارت کے لیے اور خطاب سے مستفید ہونے کے لیے کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں فرمایا کہ:

''پاکستان میں میری حاضری محدود وقت کے لیے ہوتی ہے۔ وقت بہت کم ہے اور پروگرام طے پایا کہ ملتان سے لاہور تک سفر سڑک کے راستے بذریعہ کار کیا جائے تا کہ راستے میں دوستوں سے ملاقات ہوتی چلی جائے اور زیارت سے ہم مستفید ہوتے چلیں گے، اگر چہ گرمی کا موسم ہے اور سفر گو دشوار تھا مگر دوستوں اور احباب کی گرمئ محبت گرمئ آفتاب پر غالب آ گئی۔ جامعہ رشیدیہ میں حاضری ہو گئی۔ کیوں کہ اس کا تعلق اکابر دارالعلوم دیو بند سے ہے نیز جہاں بھی کوئی فاضل دارالعلوم بیٹھا ہے اس سے تعلق ہے، یہ خطہ تو ایک ہی تھا مگر تقسیم نے جدا کر دیا۔

یورپ میں، میں نے دیکھا ہے کہ بہت زیادہ مدارس قائم ہیں اور فضلاء دارالعلوم اپنی اپنی جگہوں پر اشاعت دین میں بذریعہ تدریس مصروف ہیں۔ تقریباً بیس رپچیس گرجے خرید کر وہاں مدارس اور مساجد قائم کر دی گئی ہیں اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ ان گرجوں کو خریدنے میں غیر مسلموں نے بھی انتہائی کوشش کی مگر فروخت کرنے والوں نے مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے کو ترجیح دی۔ کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا نام لیں گے۔ اب وہاں عقیدۂ تثلیت کی جگہ عقیدہ توحید کی تعلیم دی جا رہی ہے اور یورپین نوجوان نسل اپنے نظریات و اعمال سے دل برداشتہ ہو چکے ہیں۔ وہ اب سکون حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ جس کے نتیجے میں فضلاء دارالعلوم دیو بند نے نوجوان نسل کے ذہنوں میں تبدیلی کے لیے محنت کی اور کر رہے ہیں

اوراس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اوراس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ ہی (فضلاء دارالعلوم) فاتح انگلستان بن سکتے ہیں۔ یہی صورت برما وغیرہ دوسرے ممالک میں ہے۔ کہ وہاں بھی مدارس قائم ہیں اوراشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔ بہرحال اکابر دارالعلوم دیوبند نے ایسا شجرہ طیبہ قائم کیا ہے کہ دنیا میں کہیں شاخیں ہیں، کہیں پھول اورکہیں پتیاں''۔

حضرت نے فرمایا کہ: ''میں تو ایک طالب علم ہوں اور یہاں آ کرسکون محسوس کررہاہوں؛ کیوں کہ مچھلی جس طرح پانی میں خوش ہوتی ہےاوروہاں اسے آرام ملتا ہے۔اپنی برادری میں آ کر مجھے قلبی سکون وآرام میسّر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ یہاں میری حاضری میرے لیے باعثِ سعادت ہے کہ اتنے احباب، دوستوں اور بزرگوں کی زیارت ہوگئی۔ بزرگوں واحباب کی زیارت کرنا اسلام کی روایت ہے۔''

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ: ''ہم میں سے کوئی پنجابی ہے۔کوئی پٹھان ہےاورکوئی کسی خاندان اورعلاقہ سے تعلق رکھتا ہے مگر اسلام کے ایک رشتہ نے سب تفاوت اور فرق ختم کردئے۔ہم میں گوبُعد زمان ومکان ہے مگر رشتہ اسلام کی وجہ سے دلوں میں قرب ہےاوردلوں کے اس تعلق اور محبت کوبُعد زمانی یامکانی ختم نہیں کردیتا کیوں کہ عمر کی آخری منزل ہے۔دل چاہتا ہے کہ جتنے احباب سے ملاقات ہوجائے اتنا ہی کم ہے۔''اس کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور مجلس ختم ہوگئی۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے بذریعہ کار لاہور تشریف لے گئے جہاں جامعہ اشرفیہ میں آپؒ نے قیام فرمایا۔ یہ وہ عظیم درسگاہ ہے جس میں حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی متعدد بارتشریف آوری ہوئی ہے اور یہاں بڑے بڑے عظیم الشان جلسوں سے آپ نے خطاب فرمایا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت حکیم الاسلامؒ کے خاص رفیق و بزرگ ساتھی تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے موجودہ مہتمم اور حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب اور نائب مہتمم حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب حضرت حکیم الاسلامؒ کے خلفاء ومجازین میں سے ہیں اورحضرت حکیم الاسلامؒ کے خاص عشاق میں سے ہیں۔

پاکستان میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے فیض یافتہ حضرات کی بہت بڑی تعداد موجود ہےاورحضرتؒ کے ہزاروں مریدین وتلامذہ ملک بھرمیں دینی علمی اورتبلیغی خدمات میں مصروف ہیں۔ پاکستان میں حضرتؒ کا یہ آخری دورہ تھا۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کا صدسالہ اجلاس ۱۹۸۰ء میں دیوبند میں منعقد ہوا جس کی مختصر رپورٹ آگے آرہی ہے۔

پاکستان ہجرت اور واپسی

حضرت حکیم الاسلامؒ جب اپنے اعزاء سے ملنے کے لئے پاکستان تشریف لے گئے تو ارباب حکومت حضرتؒ کو پاکستان میں روکنے کے لئے نہ صرف کوشاں ہوئے بلکہ ان کی طرف سے وزارت امور مذہبیہ کی بھی بہ قوت و بہ اصرار بار بار پیش کش کی گئی تھی، لیکن حضرت کا جواب صرف یہ تھا کہ ''میرے بزرگ میری زندگی کا مقصد میرے حسب تقاضائے فطرت ''دارالعلوم دیوبند'' کی خدمت قرار دے گئے ہیں، میں اپنے اس موقف حیات سے ہٹنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں۔''

دوسری طرف عوامی طور پر حضرتؒ کے قیام پاکستان کے لئے جلسے اور جلوسوں کا راستہ اختیار کیا گیا جس کے سب سے بڑے قائد کراچی کے ایک معزز بڑے تاجر جناب یوسف سیٹھی صاحب تھے، ان کے ساتھ اہم معاونین میں بعض علماء کرام بھی تھے، حضرتؒ کو یقین دہانی کی کوشش کی گئی کہ حضرت آپ کے اہل خانہ پاکستان آنا چاہتے ہیں، حالاں کہ یہ خلاف واقعہ تھا، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''حضرتؒ کے خطوط مجھ راقم الحروف تک اور میرے خطوط حضرتؒ تک اس لئے پہنچنے نہیں دیئے جاتے تھے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے نہ آجائے کہ نہ حضرت پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں اور نہ حضرت کے اہل خانہ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ پاسپورٹ ختم کردینے کی وجہ سے حضرت کی واپسی میں زبردست پریشانی پیدا ہوگئی، جس کا اظہار حضرتؒ نے یوسف سیٹھی صاحب سے کیا، نیز انہوں نے پہلی مرتبہ مجھ سے فون پر رابطہ قائم کیا اور حضرت کو وہاں روکنے کی جدوجہد کے تحت کہا کہ ''پاکستان کو حضرت جیسے عالم کی ضرورت ہے، اس لئے آپ تمام بھی پاکستان کا ارادہ کرلیں'' میں نے کہا کہ: سیٹھی صاحب! میں حضرت والد صاحب مدظلہٗ کے بارے میں سو فیصد یقین رکھتا ہوں کہ وہ کسی قیمت پر پاکستان میں نہیں رہیں گے اور فوراً ہی مدینہ طیبہ ہجرت کا ارادہ فرمالیں گے، اس کا ہونا چوں کہ میرے نزدیک یقینی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دارالعلوم سے وابستگی اور خود حضرت والا کی دینی، علمی شخصیت سے جو عالمی پیمانے پر دینی فیضان دنیا بھر کے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اس کو ختم کرنے کے اور اس عظیم دینی فیض سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو محروم کرنے کے ذمہ دار آپ ہوں گے، سیٹھی صاحب براہِ راست حضرت کے پاس پہنچے اور پہلا سوال احقر کے بارے میں کیا کہ محمد سالم کی عمر کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تیس سے کم ہی ہے، اس وقت میری عمر یہی

تھی، یہ سن کر سیٹھی صاحب نے کہا کہ عمر تو بہت تھوڑی ہے مگر بات انہوں نے بڑے تجربہ کاروں کی سی کہی، پھراس کے بعد انہوں نے حضرت کو میری گفتگو سنائی، حضرت نے فرمایا کہ:

''جو کچھ محمد سالم نے کہا ہے وہی قطعی طور پر میرے دل میں ہے۔'' اس پر سیٹھی صاحب نے کہا کہ:

''محمد سالم کی بات سن کر میں تو ڈر گیا ہوں اور اب میری رائے بالکل بدل گئی ہے۔ اب اگر حضرت پاکستان میں ٹھہریں تو سر آنکھوں پر اور واپس انڈیا جانا چاہیں تو اس کے لئے ہر ممکن تعاون دینے کے لئے تیار ہوں۔''

اس کے بعد پھر حضرتؒ نے مجھ سے فون پر بات کی اور فرمایا کہ سیٹھی صاحب نے تمہاری گفتگو مجھ سے نقل کی، یہ میرے دل کی وہ آواز تھی جسے تم نے بڑے سلیقے سے ان تک پہنچا دیا اور سیٹھی صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ میری واپسی کے مؤید بن گئے، اس کی وجہ سے الحمد للہ صورت حال قطعاً بدل گئی لیکن ہمارے پاس پاسپورٹ نہیں ہے، میں اس کے لئے بھی کوشش کرتا ہوں، میرا کافی دیرینہ تعلق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ (ناظم جمعیۃ علماء ہند) سے تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہی تن تنہا حضرت حکیم الاسلامؒ کی ہندوستان واپسی کے بہ خلوصِ تمام متمنی تھے، میں فوراً دہلی پہنچا اور مولانا مرحوم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا، وہ اسی وقت مجھے ساتھ لے کر مولانا ابوالکلام آزاد، وزیر تعلیم حکومت ہند کے پاس پہنچے اور صورت حال بتائی۔ مولانا نے جواب دیا کہ:

''مولانا طیب صاحب ملک کے قیمتی افراد میں سے ہیں اور ان کا آنا ضروری ہے۔'' اور نیا پاسپورٹ بنوانے کے لئے مولانا آزاد نے وعدہ فرمایا۔ تین روز بعد میں خود مولانا کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''کراچی میں انڈین ہائی کمیشن کو کہہ دیا گیا ہے۔ آپ والد صاحب سے کہئے کہ وہ انڈیا ہائی کمیشن کراچی تشریف لے جا کر پاسپورٹ وصول کرلیں۔ احقر نے دہلی سے حضرت کو فون کیا، حضرت کو لے کر یوسف سیٹھی صاحب ہی انڈین ہائی کمیشن گئے مگر وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی ہے۔ غرض دو مرتبہ ایسا ہی ہوا، پھر مولانا آزاد نے وزارت خارجہ سے خصوصی رابطہ قائم کر کے ہائی کمیشن کو ہدایت بھجوائی اور بحمد اللہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے تعاون اور مسلسل ایک ماہ کی میری کوشش کے بعد حضرت کو اور حضرت کے ساتھ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طاہر صاحب دونوں حضرات کو نئے پاسپورٹ دیدیئے گئے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ چند روز بعد پانی کے جہاز سے کراچی سے بمبئی کے لئے روانہ ہوگئے، ہم لوگ کافی تعداد میں ایک روز قبل استقبال کے لئے بمبئی پہنچ چکے تھے، وہاں سے فوراً ہی بذریعہ ریل دیوبند کے لئے روانہ ہوگئے، یہاں بھی طلبہ اور اہل شہر نے پُرخلوص استقبال کیا، پھر دارالعلوم میں جلسہ ہوا، جس میں

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی آمد پر خوش آمدید فرمایا، غرض حضرت کو ہندوستان واپس لانے میں میرا اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے علاوہ کسی کی جدوجہد کو دخل نہیں تھا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی اس وضاحت کے بعد حکیم الاسلامؒ کی پاکستان سے واپسی کے بارے میں جو کہانیاں عوام وخواص میں ایک خاص مقصد اور مصلحت کے پیش نظر مشہور کی گئیں وہ قطعاً بے حقیقت اور خود ساختہ ہو جاتی ہیں۔ فتدبّر

روئیدادِ سفر کشمیر بخامۂ عنبر شمامہ حضرت حکیم الاسلامؒ

حکیم الاسلامؒ نے ۱۹۷۳ء میں وادیٔ کشمیر کا سفر فرمایا، جس کی روئیداد حضرتؒ نے اپنے قلم سے یوں تحریر فرمائی:

''اوائل جون ۷۳ء میں عالی جناب حاجی حافظ انوار الاسلام صاحب مالک ''برش فیکٹری سہارنپور'' کے ایک دیرینہ منصوبہ کے تحت سفر کشمیر کا اچانک پروگرام بنا۔ ۱۳؍جون ۷۳ء کو حافظ صاحب ممدوح کی ذاتی کاروں سے روانگی عمل میں آئی اور ۱۵ سے ۲۵؍جون ۷۳ء تک کشمیر کے دار الحکومت سری نگر میں قیام رہا۔

رفقاء سفر میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور محترم قاری عبد الرحمٰن صاحبؒ سابق امام جامع مسجد سہارنپور، خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی وجہ سے یہ سفر باغ و بہار بنا رہا، بالخصوص قاری صاحب ممدوح کی بذلہ سنجیوں کی بدولت اس کی بہار، بہار کشمیر سے کم نہیں رہی اور جناب حافظ صاحب ممدوح تو امیر سفر بلکہ سربراہ سفر تھے، جن کی مدارات، مہمان نوازی اور فراخدلی کے ساتھ مسافر نوازی تمام شکریوں سے بالاتر ہے۔ گو سری نگر میں چھوٹے بڑے اجتماعات بھی ہوتے رہے، تقریریں بھی ہوتی رہیں، دعوتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن ذاتی کاریں ساتھ ہونے کی وجہ سے سیر و سیاحت میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ رات دن کشمیر کی گلگشت ہوتی رہی جس سے کشمیر کی کوئی قابل ذکر سیرگاہ یا حسین وجمیل سبزی ایسی نہیں رہی جس میں گزر نہ ہوا ہو۔

کشمیر کے مناظر جمیلہ اور قدرتی سبزہ زار، کوہسار، آبشار اور مرغزار وغیرہ آنکھوں کے راستہ سے دل میں اترتے رہے اور بلا کسی سابقہ تصور یا خیال کے محض جذباتی طور پر دل سے نکل کر کاغذ کی سطح پر بھی آتے رہے اور عجیب تر یہ کہ نظم کا روپ بھی اختیار کرتے رہے اور وہ بھی اس طرح کے مناظر قدرت کو دیکھتا جاتا تھا اور کار ہی میں بیٹھے بیٹھے کرم کا نٹے کھینچتا جاتا تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ میں نہ شاعر ہوں، نہ کسی شاعر کا تلمیذ اور نہ ہی شاعری اپنا مشغلہ ہے اور نہ شاعری کے ماحول میں زندگی گزری لیکن زمانہ طالب علمی ہی سے یہ عارضہ ضرور لگا رہا کہ غیر معمولی واقعات و سوانح بالخصوص خاص حوادث کے پیش آنے پر جذبات و تأثرات کی ترجمانی کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کرتی رہتی تھی۔ کشمیر کے قدرتی مناظر، ان کی موزونیت اور ساتھ ہی اہل کشمیر کے حالات و کیفیات سامنے آنے پر یہ پرانا روگ خود بخود ہی اُبھر آیا اور جذبات و تأثرات نے محض طبع زاد طریق پر شعر کا لباس پہن لیا۔ البتہ اس طبعی جذبہ کے بعد عقلی داعیہ ضرور ابھرا کہ محض جنگلوں، پہاڑوں اور ندی نالوں کی نقشہ کشی نہ کوئی معتد بہ مقصد ہے اور نہ ہی اپنے اندر کوئی افادیت رکھتی ہے۔ البتہ اسے تمہید کے طور پر رکھ کر اہل کشمیر کے حالات پر تبصرہ، ان پر گزرنے والے حوادث کا تذکرہ اور اس کے تحت انہیں کوئی مفید مشورہ دیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ کرم کانٹے کسی افادیت کا پہلو اختیار کرلیں۔ اس لئے اس غیر اختیاری جذبہ نظم نویسی کو ارادہ و اختیار سے روکا نہیں گیا بلکہ طبعی رفتار پر چھوڑ دیا گیا، جس سے نظم طویل ہوتی گئی اور تقریباً سوا پانچ سو شعر تک پہنچ گئی۔ چنانچہ اسی تخیل کے تحت اس نظم کی ابتدا میں بطور تمہید مناظر کشمیر کا خاکہ پیش کرتے ہوئے کشمیر کی تاریخی اہمیت، ان کی قدیم تہذیب، اہل کشمیر کی موجودہ حالت، ان میں بیداری پیدا ہونے کی صورت وغیرہ کے تذکرہ کے بعد انہیں ذہنی تبدیلی اور اصلاح حال کے طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کے ضمن میں متعدد شرعی حقائق، اصول اصلاح، انسانی قدروں کے احیاء کی تدابیر، مذہبی اور تمدنی صلاح وفلاح کے طریقے اور اہل کشمیر کی دینی اور سیاسی ذمہ داریوں کو ان کے سامنے ایک پیغام کی صورت سے پیش کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک اس نظم اور بدنظمی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ ایک غیر شاعر بلکہ بیگانۂ شاعری کی نظم کو شعر گوئی یا شاعری سے نسبت ہی کیا ہوسکتی ہے کہ اسے نظم کہا جائے؟ اور پھر بھی کہا جائے تو اس سے زیادہ شاعری کی توہین اور شاعری کی دل آزاری اور کیا ہوسکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ نثر کا ایک طالب علمانہ مضمون ہے جسے قافیوں کے اضافہ سے نظم کا روپ دیدیا گیا ہے جو طالب علمانہ انداز سے شرعی تعلیمات اور احکام پر مشتمل ہے۔ شاعرانہ انداز نہ اپنے بس کا تھا اور نہ ہی اس کی طرف توجہ ہی کی گئی محض افادۂ احکام ہی پیش نظر رہا، جس میں شاعری کی گنجائش بھی نہیں تھی، اس لئے وہ تخیل آفرینی، محاسن تعبیر اور شعر کی فنی خوبیوں سے کورا ہے، جن کا اول تو اپنے اندر سلیقہ نہیں اور ساتھ ہی التفات خاطر صرف مضمون اور مقصد کو مصرعوں میں کھپا دینے تک محدود رہا، شعر گوئی یا نظم نویسی کا نہ سلیقہ تھا نہ جذبہ، اس لئے اسے نظم کہنے کے بجائے تک بندی کہا جانا ہی ایک واقعی

حقیقت کا اظہار ہوگا اور اس لئے اگر یہ درخواست کی جائے تو بے محل نہ ہوگی کہ دیکھنے والے اسے شعر گوئی یا فن شاعری کے نقطہ نظر سے ملاحظہ ہی نہ فرمائیں کہ انہیں ہنسنے کا موقع ملے بلکہ صرف مقصد مضمون اور شرعی پیغام کے نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تا کہ کچھ بات بنی رہے۔

عادتاً ناظم و ناشر حضرات اپنے رشحات قلم کے آخر میں بطور انکسار یا بطرز اعتذار یہ لکھ دیا کرتے ہیں کہ اگر اس میں کوئی فروگزاشت یا قابل اصلاح چیز نظر آئے تو ناظرین مسامحت سے کام لیں اور مؤلف کو اپنے اصلاحی مشوروں سے نواز کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ لیکن میں اس کے برعکس یہ عرض کروں گا کہ اس تک بندی میں اگر اتفاق سے کوئی ایک آدھ شعری خوبی یا موزوں تعبیر نظر آ جائے تو مہربانی فرما کر اخفاء سے کام لیا جائے ورنہ ایک دو خوبیاں متعین کر کے سامنے لانے کے معنی ان ساری چھپی ہوئی خرابیوں کی نشاندہی کے ہوں گے جو اس تک بندی میں بطور جوہر کے بھری ہوئی ہیں اور اس سے خواہ مخواہ بھی تک بندی کی رسوائی ہوگی جس کی ناظرین سے توقع نہیں ہوتی۔

بہر حال کشمیر کے سلسلے میں مکان اور مکین دونوں کی کوائف کا ایک اجمالی موقع ہے، جو مقفّٰی نثر میں پیش کر دیا گیا ہے جس میں نہ کوئی سیاست کار فرما ہے نہ رسمی مصلحت اور جب کہ یہ ناکارہ اپنی افتاد طبع ہی سے سیاسی ہے بھی نہیں بلکہ ایک تعلیمی آدمی اور ہر حادثہ کو مذہب کے نقطۂ نگاہ سے سوچنے کا عادی ہے تو اس کے بارے میں کسی سیاسی تخیل کا اتہام محض سیاسی ہی تخیل ہوگا۔ یہ نظم صرف ایک دینی اور مذہبی پیغام ہے جس میں کشمیر کے حالات کو دینی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے دیکھ کر دل میں جو جذبات اُبھرے انہیں سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ مخلصانہ انداز میں پیش کر دیا گیا ہے جس کا منشا محض اصلاحی جذبہ ہے، کوئی سیاست نہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اسلام چونکہ جامع دیانت و سیاست دین ہے اس لئے اس کا کوئی حکم، کوئی اصول اور کوئی عقیدہ و عمل عبادت ہونے کے ساتھ سیاست و اجتماعیت سے خالی نہیں اور جب بھی اس کا کوئی جزو یا کل وہ خواہ اخلاقی ہو یا عباداتی اس کے صحیح روپ میں سامنے لایا جائے گا تو وہ بہر حال اپنے اندر کوئی نہ کوئی فطری نظام سیاست لئے ہوئے ہوگا۔ جس کا آج کی گندی اور متعفن سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس لئے اس تک بندی میں اگر کچھ سیاسی اصول نظر پڑیں تو وہ فطری اور اسلامی سیاست کے اجزا ہوں گے نہ کہ آج کی فاسد اور ناپاک سیاست کے اعضا اور جوارح اور اس لحاظ سے اگر میں یہ عرض کروں کہ اس نظم کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تو یہ ایک حق بجانب دعویٰ ہوگا۔

آخر میں یہ ناکارہ اپنی اور اپنے رفقاء سفر کی جانب سے تمام بزرگان کشمیر بالخصوص شیر کشمیر عالی جاہ

شیخ محمد عبداللہ، عالی قدر مولانا محمد فاروق میر واعظ کشمیر، عالی مرتبت چودھری محمد شفیع صاحب ایم، ایل، اے کشمیر وممبر پارلیمنٹ، بزرگ محترم مولانا مسعودی صاحب، جناب محترم غلام جیلانی صاحب سکریٹری اوقاف کشمیر اور حضرت اقدس مولانا عبدالکریم الکبیر صاحب، صدر جامعہ مدینۃ العلوم ''حضرت بل'' کی مہمان نوازی کا ممنون اور شکر گزار ہے جن کی بدولت ہمارے لئے کشمیر جنت نظیر کا یہ سفر فردوس بریں بنا رہا اور ہم کشمیر کے باغ و بہار اور اہل کشمیر کی اخلاقی اقدار سے مستفید ہوتے رہے۔ حق تعالیٰ ان بزرگوں کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں اور ان کے تمام نیک منصوبوں میں انہیں کامیاب فرمائیں''۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۳۰/جون ۱۹۷۳ء

اس سفر میں حضرتؒ نے منظوم سفرنامہ ''عرفانی گل گشتِ کشمیر'' کے نام سے تحریر فرمایا، جس میں اپنے مشاہدات، کشمیر کے حسن و جمال اور اہل کشمیر کے بارے میں اپنے تاثرات کا ذکر فرمایا ہے۔

ذیل میں اس منظوم سفرنامہ کو ملاحظہ فرمائیے:

کشمیر اور اہل کشمیر

ایک دردمندانہ پیغام کشمیریوں کے نام

وادئ کشمیر

فطرۃ کے منظروں کا ہر کشمیر اک چمن — جس کی روش روش میں ہر اک خاصر بانکپن
ندوۃ کی صنعتوں کی عجب دبستاں زمیں — سوز و تپش کا جس میں نشاں تک کہیں نہیں
وادی ہر ایک وادئ جنت نظیر ہے — جو ہر سے زعفران کے جب اُس کا خمیر ہے
ہے کشت زعفران سے معطّر یہ خاک پاک — ہے بوئے زعفران سے ہر ایک کھیت سینہ چاک

سبزہ زار

میووں کے اور پھلوں کے خزانے بھرے ہوئے — رنگیں گلوں کے ڈھیر بہر جا لگے ہوئے
سبزے کا مخملیں بہر خطہ فرش سے — رنگینیوں کا روئے زمین پر یہ عرش ہے

ہر ہر شجر ہے پھولوں کے آنچل میں اک دُلہن
ہے حجلۂ عروس ہر اک تختۂ چمن

سڑکوں پہ ہیں دو رُویہ صنوبر جمے ہوئے
یا سرو قد ہیں سرو کے پودے کھڑے ہوئے

اشجار کی قطار ہے دیوار سبزہ زار
دیوار ہائے سبز سے سڑکیں ہیں صد بہار

جن منظروں کی راہ بھی ہو منظرِ جمیل
اُن منظروں کا کیا ہی ملے گا کہیں مثیل

سرو اور صنوبروں کی یہ دیوار سبزہ زار
خود راہ بھی ہے خود ہی ہے منزل بھی پُر بہار

بنگلے کنار آب ہیں باغات میں نہاں
ہے جنتوں میں **تحتها الأنهار** کا سماں

آب و ہوا

آب رواں کے چشمے ہیں نہروں کے روپ میں
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ہیں سورج کی دھوپ میں

برفانی آب اور ہوا مشک بیز ہے
بردو سلام کی یہ فضا لطف خیز ہے

آب و ہوا کا اس کی ہے صحت سے ساز باز
آپس میں جیسے دونوں ہوں ہمزا دو ہم نزاد

مشاطۂ بہار ہے یاں زعفراں بعطر
مَلتی ہے رات دن جو ہوا کے بدن پہ عطر

ہر ایک اس ہوا سے ہے گل اور گلبدن
روئیں تنی کا نام نہیں سب ہیں سیم تن

آب خضر کا چشمۂ حیواں ہوا لقب
وادی اگر یہ گلشن حیواں ہو کیا عجب؟

آسودگی وعیشِ رواں یاں کا ہے مزاج
ہر غم کا ہر الم کا نہاں جس میں ہے علاج

ہر اک ادا نے حسن سے پایا ہے امتزاج
اک اک ادا نگہ سے طلب کرتی ہے خراج

نہریں، ندّیاں اور چشمے

سینہ سے ہر پہاڑ کے چشمہ رواں دواں
جیسا کہ دودھ سینۂ مادر سے رواں

اس دودھ ہی سے پلتے ہیں اطفال کوہ ودشت
کہ نیل سے شاخ، شاخ سے بنتے ہیں پھر درخت

ہر چشمہ ابتداء میں ہے نامی کا اک نشاں
بنتا ہے بڑھ کے پھر وہی دریائے بیکراں

جھیلیں عمیق شیشہ کی مانند ندیاں
محسوس ہوتی ہیں جو سمندر کی بیٹیاں

آبشار

گرتے ہوئے زمین پہ چاندی سے آبشار
موتی سے قطرے جن پہ ہیں ہر سمت سے نثار

سیمیں ردا پہ حاشیۂ دُرّ شاہوار
چادر بھی آبدار ہے موتی بھی آبدار

کوہسار

فطرت کی عظمتوں کا نمائندہ ہر پہاڑ ہیں گھاٹیاں عمیق تو میلوں کے ہیں دراڑ
سارے پہاڑ شدت ورفعت میں ہیں عجیب رہتے ہوئے زمیں پہ فلک سے ہیں پھر قریب
میخیں زمیں کی ہیں ستوں آسماں کے ہیں یا آسماں پہ چڑھنے کو مثل آستاں کے ہیں
گویا سروں پہ اپنے مئے آسماں کو ہیں گھٹنے تلے دبائے ہوئے اس سرزمیں کو ہیں
اس ڈولتی زمیں کے لیے پاسباں ہیں یہ ٹھیرے ہوئے فلک کے لیے نردوباں ہیں یہ
ارض وسما کو ایک انہوں نے بنا دیا پستی کو رفعتوں سے ہر جا کر ملا دیا
ہر کوہ پر ہے کوہ ہر اک کوہ باشکوہ گویا کھڑا ہے رِفعت وعظمت کا اک گروہ
وہ کون ہے جو ان کی بلندی کو پاسکے یا ان کی چوٹیوں کے کوئی پاس جاسکے
بلڈنگ ہو کہ اس کی زمین کرخت ہو پانی ہو سبزہ ہو کہ تناور درخت ہو
قدموں میں اُن کے پستی سے سب ہیں پڑے ہوئے دامان کوہ کی ہیں تہوں میں جمے ہوئے
گویا یہی پہاڑ یہاں کر رہے ہیں راج تخت ان کا ہے زمین تو سروں پر فلک کا تاج
سبزے کا ہے لباس تو چادر ہے برف کی قدرت نے کیا ہی اُس پہ عنایت ہے صرف کی
اشجار ان کی فوج زمرّد کی وردیاں سر پر ہیں رنگ رنگ کے پھولوں کی پگڑیاں
ہتھیار اُن کی شاخیں ہیں رفعت ہے ان کی ڈھال جو چڑھ کے آنے والوں کو کردیتی ہے نڈھال
جس نے چڑھائی کی وہ وہیں زیر ہوگیا اکڑا اگر کوئی تو وہیں ڈھیر ہوگیا
چشمے ہیں ان کی جود وسخاوت کا اک نشاں نہریں ہیں ان کی دین کا لمبا سا کارواں
ان کی یہ ذریت ہیں انہی کی ہیں یہ نمود ورنہ کہاں تھی ان میں یہ ہستی کی ہست وبود
مردہ زمیں ان سے ہی پاتی ہے پھر حیات لیتے جنم پھر اُن سے ہیں حیوان اور نبات
اشجار ان کی دین سے سب نونہال ہیں خطے چمن کے منظر حسن وجمال ہیں
احجار کا نمو ہے انہیں کے نما کی شاخ پھر ان کے واسطہ سے ہیں سنگین قصر وکاخ
ان کے طفیل ہی سے ہے سب میں یہ انبساط ان کے ہی فیض سے ہے بچھی ساری یہ بساط
ان کی تراوشوں کے یہ آثار پاک ہیں ان کا نہ ہو یہ فیض تو سارے یہ خاک ہیں

کشمیریوں کی بجا فریاد

کشمیری اس پہ گر کریں فریاد والغیاث
بے جا نہیں ہے بلکہ یہ ہے بہترین اثاث
کشمیریوں کا قول ہی اس میں ہے مستند
کہتے ہیں وہ اور ان کا یہ کہنا ہے خود سند
ہم سب اسی لیے سرِ میداں ہیں سر بکف
ہے خواہ مخواہ ہم کو بنایا ہوا ہدف
مقصد ہے یہ کہ ضیق کی بیماریاں گھٹیں
کشمیریوں کے تا کہ کچھ آگے قدم بڑھیں
سعی وعمل ہی ہاتھ میں ہے کر رہے ہیں ہم
کرتے رہیں گے دم میں ہے جب تک کہ اپنے دم
راہیں ہیں پیچدار، خلیجیں ہیں بے شمار
دشواریاں ہزار ہیں کمزور راہوار

تسلی دہانی

کشمیریوں کا جو بھی ہے کہنا بجا درست
ہرگز نہوں وہ سعی میں اپنی ذرا بھی سست
بے شک انہوں نے جان کی بازی لگائی اور
حق کر دکھایا حق کو کہ حق کے یہی ہے طور
حق مانگنا اور اس پہ جھگڑنا ہے اُن کا حق
حائل ہوں گو سمندر وصحرائے لقٌّ ودق

اصل مصیبت

لیکن یہاں اک اور دقیقہ ہے مختصر
ہے مستحق کہ اُس پہ بصیرت سے ہو نظر
یہ باغ وراغ جو بھی ہیں کشمیر کا ہے حسن
ہوگا نہیں شمار یہ کشمیریوں کا حسن
حسن وجمال کا ہے الگ ہر محل میں طور
کشمیریوں کا اور ہے کشمیر کا ہے اور
کشمیر کا جمال ہے قدرت کا شاہ کار
کشمیریوں کا حسن ہے اخلاق وجوشِ کار
کشمیر اگر ہے اپنے مناظر میں باجمال
کشمیری وہ ہے جو ہو محاسن میں باکمال
قدرت کی ہے یہ دین کہ کشمیر باجمال
کسبِ کمال میں بھی سدا سے ہے مالا مال
مثل جمال اس کا تمدن بھی تھا جمیل
اُس کی بقا کا سب سے بڑا تھا یہی کفیل
منظر مٹے تو قوم کا مٹنا نہیں ہے یہ
مشرَب مٹے تو قوم کا بچنا نہیں ہے یہ

قومی زندگی کا معیار قومی تہذیب ہے

قومی بقا کا حسن مناظر نہیں مدار
قوموں کی زندگی کا ہے تہذیب پر مدار

کشمیر کی خود اپنی تھی تہذیب مستقل
جو ہوتی آرہی تھی تسلسل سے منتقل
اخلاق ودین وفقہ کا خمخانہ تھا کھلا
تھے کار خانے علم کے بر جائے خود بپا
اہلِ تفقُّہ اہل تصوف کا تھا ہجوم
کشمیر اپنے دور میں تھا مطلعِ نجوم

کشمیر ہر قوم کا مرجع نظر

آتا ہے اس سے سامنے یہ نقطۂ نظر
کشمیر سارے دھر کا ہے مرکز نظر
عالم کی قومیں اُس کو سدا تاکتی رہیں
اُس کے لیے وہ دوڑتی اور بھاگتی رہیں
دیکھو جسے اُسی کو ہے کشمیر کی لگن
محروم اس سے جو ہے اسی میں ہے اک چبھن
کشمیر اپنی ذات سے ہے مرکزِ نشاط
غم کا نہیں ہے جس میں کہیں کچھ بھی اختلاط
آنکھوں کا سُکھ، دلوں کا سکون، صحت بدن
فطرت کا حسن، میوۂ خوش، منظر حَسن

اہل کشمیر

’’کشمیری وطن میں بے وطن‘‘

مالک ہیں اس کے آہ کہ تشویش کا شکار
ضیقِ دروں سے زار ونزار اور دل فگار
محروم ہے وطن سے مگر مالکِ وطن
محروم ہے بہار سے خود مالکِ چمن
ان خوبیوں پہ کیوں ہیں وہ دلگیر ودل نزار؟
کیا جرم ہے کہ جس سے بنے وہ قصور وار؟
بنیاد ہے مصیبتِ کل، معصیت نہیں
بنیاد خوبیاں ہیں کوئی منقصت نہیں
بنیاد اُس کی زیب ہی خود اس چمن کی ہے
خوش منظری جہاں میں اس انجمن کی ہے
بنیاد یہ کہ کیوں ہے وہ جنت نشاں زمیں؟
بنیاد یہ کہ اُس کے مناظر ہیں کیوں حسیں؟
بنیاد یہ کہ کیوں ہے جمالوں میں وہ فرید؟
بنیاد یہ کہ کیوں ہے ممالک کی وہ کلید؟
ہر بوالہوس کی اس لیے پڑنی ہی تھی نظر
پھنسنا ہی تھا اُسے بھی بلا میں کمر کمر
کشمیر خود سے گو اک عروسِ حسین ہے
خطّوں میں مثل چہرۂ ماہِ مبین ہے
پر اس کے حق میں حسن ہی یہ بن گیا بلا
شکوہ کرے تو کس سے وہ کس کا کرے گلا
کشمیر خود سے گھر اک عروسِ حسین ہے
خِطّوں میں مثل چہرۂ ماہِ مبین ہے

پر اس کے حق میں حسن ہی یہ بن گیا بلا — شکوہ کرے تو کس سے وہ کس کا کرے گلا
کشمیر خود نہیں ہے اس آفت کا ذمہ دار — وہ عاشقوں کے تیر رقابت کا ہے شکار
عاشق ملے مگر ہیں وہ خود غرض و بے وقار — محبوب بھی ہے جن سے ستم دیدہ وفگار
یہ عشق تا بہ زانو ہے آگے نہیں ہے کچھ — شہوت ہے نفس کی یہ محبت نہیں ہے کچھ
خواہش ہے سیم وزر کی ہوس اقتدار کی — ہے اک لپیٹ یہ نفس کے اٹھتے شرار کی
مارِ سیاہ گرد خزانے کے ہیں پڑے — ایسے اڑے ہوئے ہیں کہ گویا اب لڑے
اس جنگ زرگرامی میں ہے کشمیر کا یہ حال — اس کا رہا نہ قال نہ بر جائے خود ہے حال
نازک بدن عروس پہ یہ ناوِک جفا — خود غرضیاں نہیں ہیں تو کیا ہوگی یہ وفا؟

کشمیر گلے کی ہڈی

لیکن یہ گلبدن بھی پھر ہڈی گلوں کی ہے — موٹے گلوں کے تنگ سے تنگ نلخڑوں کی ہے
اُگلے ہی کچھ بنے نہ نگلتے ہی کچھ بنے — کانٹا حلق کا ہے کہ محض چبھتے ہی بنے
اُس کے رقیب بھی نہیں کچھ چین سکھ سے پر — اُن کا بھی کچھ ملا نہیں یاں آکے سُر سے سُر
طاقت کے زور ہی پہ ہیں قابو کیے ہوئے — شمشیر کے ہیں قبضہ پہ قبضے جمے ہوئے
طاقت ہی اک نہیں ہے مگر فتح کی زمیں — انصاف بھی ہے کچھ جو اخلاص سے قریں
طاقت کی مانگ اور ہے انصاف کی کچھ اور — اخلاق کی کچھ اور ہے اجبار کی کچھ اور
اس دوہری کشمکش میں ہیں کشمیر کے عوام — ان کا مقام آج ہے اک ضیق کا مقام
تھی بات اپنی اور ہے اب دوسروں کے ہاتھ — ساتھی نہیں ہے کوئی ہے بیکار جو ہے ساتھ
اک بام و دوہوائے ہے اس ضیق کا سبب — یہ کشمکش ہی قوم پہ ہے بوجھ اور تَعب
اس کشمکش سے لوگ دورا ہے پہ ہیں کھڑے — ظاہر میں گو کھڑے ہیں مگر ہیں گرے پڑے
جذبات ہیں کچھ اور، مقالات اور کچھ — آمد ہے اور کچھ مگر آورد اور کچھ
خوابیں کچھ اور ان کی ہے تعبیر اور کچھ — راہیں کچھ اور، لیک ہے رفتار اور کچھ
بیماریاں کچھ اور دوائیں ہیں اور کچھ — ہے اشتہا کچھ اور غذائیں ہیں اور کچھ
یہ کشمکش ہے اور یہ نازک عروس شب — ہے دن کے انتظار میں بیمارجاں بلب

کشمیر کی المناک حالت

زینت کی ان فضاؤں میں آفت زدہ مقام		ہے ایک صرف ایک ہے کشمیر جس کا نام
لاکھوں یہاں پہ آتے ہیں کرنے کو غم غلط		کشمیر کا مگر نہیں ہوتا ہے غم غلط
کشمیر کی یہ رنجدہ حالت ہے پر الم		آئندگاں براحت و باشندگاں بغم
کشمیر کی زباں پہ جاری ہے یہ حُدی		اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی
کشمیر بے زبان بچارہ اُدھر میں ہے		پورا سفر میں اور نہ پورا حضر میں ہے

کشمیر کی تاریخی مرجعیت

(مغلوں کا دور)

مغلوں کو ان کے عہد میں گرویدہ کرلیا		حسنِ فزوں سے عاشق نادیدہ کرلیا
کشمیر اک تو تھا ہی ازل سے گلوں کا گھر		مغلوں نے اس کو اور ہی کچھ کردیا مگر
باغات کیا بنائے کہ زینے چڑھا دیے		ہر تہ پہ اک قرینہ سے گلشن جما دیے
ہر سیڑھی ایک باغ ہے ہر درجہ اک چمن		ہر طبقۂ چمن کی نرالی ہے اک پھبن
آغاز ہے زمیں سے تو انجام تافلک		ہے بوئے خوش کی اس سے بھی آگے تلک مہک
چشموں کو گرد باغوں کے ایسا گھما دیا		ہر باغ کو مثالِ سفینہ بنا دیا

کشمیر کے تاریخی باغ

ان منظروں میں ان کے ہیں آثار مرتسم		جنت نشاں ہے ان کے جہاں بھی پڑے قدم
اک سمت اگر ہے چشمۂ شاہی کا سبز باغ		سمت دگر میں روح فزا ہے نشاط باغ
گلکاریوں کا ایک نمونہ ہے شالیمار		ہر ہر شجر پہ جس کے ہے پھولوں کی اک پھوار
کتنے ہی منظر اُن کے ہیں قدموں کی یادگار		اُبھری ہے جن سے وادیٔ کشمیر کی بہار

عہد برطانیہ

برطانیہ کو ہند میں مسحور کردیا		قدرت کی ان فضاؤں سے مخمور کردیا

سڑکیں بنائیں پختہ پہاڑوں کو کاٹ کر　　گہرائیوں کو میلوں کی ہمت سے پاٹ کر
پل کی کمانیں نہروں کے سینہ پہ تان کر　　پشتے بنائے ریگ کو آہن میں ڈھال کر
کشمیر تاکہ جاسکے دنیا کا ہر بشر　　جس نے بھی اُس کے شوق میں اپنا دیا ہو سر
ان کا نہ ہو یہ فیض تو سارے یہ خاک ہیں

دریاؤں کا عمومی فیض

آتی ہے ہندو پاک میں کشمیر ہی سے جان　　دریا ہیں اُن کے سینۂ کشمیر سے رواں
وہ روک لے یہ فیض تو ہوجائیں بے نشان　　جیسا کہ بے نشان ہو اک تیر بے کمان

کشمیر کی ایک نادر شان

کشمیر ایک شان میں اپنی ہے خود مثال　　مخصوص اسی کی ساتھ ہے یہ وضعِ باجمال
بستی میں ہر پہاڑ کی ہوتی ہے اونچ نیچ　　ممکن نہیں کہ سطح مساوی کا آئے پیچ
یاں چوٹیوں پہ کوہ کی میدان ہیں اس طرح　　پھیلی ہوئی زمیں پہ ہوتے ہیں جسطرح
قصبات و شہر اُن پہ ہیں آباد اس طرح　　لمبی زمیں پر ہوں عمارات جس طرح
خالق کی صنعتوں کی ہے نادر مثال یہ　　چہرے کا اس جہاں کے ہے اونچا جمال یہ
ہموار سطح زار پہاڑوں کی جھونک پر　　میدان اور جھیلیں ہیں کیلوں کی نوک پر
ہاتھوں کی انگلیوں پہ ہیں میداں جمے ہوئے　　میخوں کے ہیں سروں پہ بیاباں بچھے ہوئے
خاروں کی نوک پر چمنستاں کھلے ہوئے　　گنبد کی کلیسوں پہ ہیں ایواں سجے ہوئے
ہر کوہ اس سے خالی ہے کشمیر کے سوا　　ہر زیب پھیکی پھیکی ہے اس زیب کے سوا
یہ ہیں خصوصیات جو ہیں موجب کشش　　کشمیر منچلوں کا ہے اک مرکز دوِش
ہر دور میں رہا ہے اور ہے مرجع انام　　وہ حکمرانِ دہر ہوں یا ملک کے عوام

تہذیبِ جدید کی نوعیت

تہذیب نو کہ جس کی بنا ہے ہوائے نفس　　اول بھی جس کے نفس ہے آخر بھی جس کے نفس
پھر نفس کی ہے اول و آخر یہی تلاش　　برباد گو معاد ہو بن جائے پر معاش

عیش و نشاط وزینت و آسائش دوام
تن پروری وعیش کا قائم رہے نظام
حیوانیت کے اس میں ہوں اخلاق موجزن
انسانیت کی نعش ہو اور زاغ اور زغن
شہواتِ نفس ہی کی ہمہ وقت ہو لگن
حیوانیت پہ فخر ہو اس میں ہی ہوں لگن
انسانیت سے عار ہو حیوانیت سے پیار
حیوانیت کے سارے تقاضوں میں ہو ابھار

تہذیب نو کے اجزاءِ ترکیبی حیوانی اخلاق ہیں

(بنیادی بداخلاقیاں)

ہر جانور کے ان میں ہوں جذبے چھپے ہوئے
ہر ہر بہیمہ کے ہوں خصائل رچے ہوئے
کینہ میں اونٹ مکر میں روباہ کی مثال
چالاکیوں میں وہ ہوں جو ہے بندروں کا حال
ایذا میں موش ضد میں رہیں ریچھ کی صفت
خود مطلبی میں کلب خودی میں اسد صفت
خوئے حرام خوری خنزیر کے شبیہہ
ظاہر میں گو وہ کتنے ہی محسوس ہوں وجیہہ
بن جائیں حرص و آز میں انسان سے مگس
افعال میں ہو خبث اور اخلاق ہوں نجس
پر خوریوں میں بیل ہوں شہوات میں پرند
ہر آن پیٹ بھرنے میں چرنے میں ہوں چرند
خاموش مار دینے میں مارِ سیاہ ہوں
آواز سے ستانے میں خرہائے راہ ہوں
آئیں جو چیر پھاڑ پہ چیتے ہوں یہ بشر
ڈسنے لگیں تو زہر چکاں سانپ پُر ضرر
آگ اور بگولہ ہوں تو کسی جن کے ہوں سپوت
دجل وفساد پر ہوں تو شیطان ہوں یا ہوں بھوت
تہذیب اگر یہی ہے جو گھوڑوں گدھوں میں ہے
سانپوں میں بچھوؤں میں درندوں میں سب میں ہے
انسان کی بھی ہو یہی تہذیب گر ہنر
حیوانیت ہی اس کے بھی حق میں ہو معتبر

تخلیق انسانی کیوں ہوئی

تب ہے سوال خلقتِ انساں تھی کیا ضرور؟
جب ان امور کا ہے بہائم میں بھی شعور
تہذیب جب کہ ایک ہے اخلاق ان کے ایک
بیلوں کے اور بشر ہیں افعال سارے ایک
انسان جب بہیمہ کے کاموں کا ہے کفیل
کیوں پھر نہ ہو بہیمہ بھی انسان کا وکیل
مقصد ہو جو بھی خلقتِ انسان کا سبب
پورا نہ کیوں ہو پھر وہ بہیموں سے سب کا سب

بیداری کا طلوع

تھے محو اس میں ایسے کہ گویا ہیں بے نشان		مدہوش ایسے جیسے غشی کا ہو اک سمان
سوئے ہوئے تھے دیر سے باشندگانِ ملک		مٹنے کی راہ پر تھے پڑے سب حقوقِ ملک
اللہ کے اک عبد نے دیکر صدائے حق		چونکا دیا کہ نیند کا چہرہ تھا جس سے فق
بیداری آئی چونک پڑے قوم اور وطن		اُبھری حقوق کی طلب اُن کی لگی لگن

تلاش راہ

سوتے سے جاگ اُٹھے اور اٹھ کر کھڑے ہوئے		چل بھی پڑے مگر ہیں ذرا سوچ میں پڑے
یہ سوچ راہ کی ہے کہ ایسا ہو وہ طریق		ہونے نہ پائیں قوم میں جس سے کہ دو فریق
مرکز بھی ایک راہ بھی سب کی ہو صرف ایک		غزل بھی ایک اور نگہ بھی ہو سب کی ایک

یہ راہِ عمل تہذیب کی باز یافت ہے

یہ ایک راہ وہ ہی ہے جس کو بھلا چکے		سوء البدل ہے جس کو عوض میں ہو لا چکے
اس کے بغیر شوکتِ رفتہ کی باز یافت		ممکن نہیں ہے کچھ بھی ہو پرداخت اور ساخت
کشمیریوں پہ آج ہے سعی دو چند کا بار		تخلیص ہو وطن کی ہو تہذیب رو بکار
ذہنوں میں جب تلک کہ نہ آئے گا انقلاب		باہر کا انقلاب رہے گا خیال وخواب
اس کے حصول کا ہے مقرر پروگرام		اجزاء ہیں اس کے جن پہ یہ ہے مشتمل نظام

سعی مسلسل اور اس کا وقت

پہلا قدم ہے سعی مسلسل بلا تکان		اس دوڑ ہی میں غزل مقصود ہے نہاں
یہ اِبتلا ہی سَعی فزوں تر کا ہے مقام		یہ سعی بیکراں ہی ہے اقوام کا قِوام
یہ زندگی کی دوڑ ہے اس کا بھی ہے وقت		اس دوڑ ہی سے ہوتے ہیں بیدار خفتہ بخت
سعی وعمل نہ چھوڑو بڑھاتے رہو قدم		آئین کے دائرہ میں رہو خنجرِ دو دم
حرکت دیا سلائی ہے، برکت ہے اس کا نور		اس نور ہی سے ہوتا ہے مقصد کا پھر ظہور
ہر لحظہ پر امید ہو ہر لمحہ پُر عمل		آئے نہ آس پاس کبھی یاس اور کسل

میداں عمل کا سامنے ہو دل میں اطمینان
بڑھتے رہو، تمہارے لیے حق کی ہو امان

تہذیبِ حق کی بازیافت

ہمت کی دوڑ کا جو ہے میدانِ اولین
تہذیبِ حق ہے جس کو کریں دل میں جاگزین
مسلم معاشرہ کا اُسی سے ہے امتیاز
ملت اگر کرے تو کرے گی اسی پہ ناز
مٹ جائے امتیاز تو مٹ جائے گا یہ ناز
مٹ جائے گر یہ ناز تو ہے ختم امتیاز
قومی وجود کی ہے بنا یہ ہی امتیاز
بے امتیاز قوم ہے پوشیدہ ایک راز
تہذیب حق ہی قوم کا ہے مایۂ حیات
اس سے ہی قوم کا ہے نمو اور پھر ثبات
ہے ناگزیر اپنی ہی تہذیب کا وجود
تہذیب یہ نہ ہو تو نہیں قوم کا وجود
تہذیب نو کو دے کے طلاقِ مبائنہ
تہذیب کہنہ سے ہو نکاحِ علانیہ

سعی کے بنیادی اجزاء

اس سعی کے مگر ہیں کچھ اجزاء اہم ترین
مکہ کی زندگی کا انہیں میں ہے میگزین

امن عام

جز واہم ہے امن میں آئے نہ کچھ خلل
صبر وسکون کا ہی بہر رخ رہے عمل
پُر امن سعی جس میں تشدد نہ ہو دخیل
طاقت ہو صرف ایک کہ اللہ ہے وکیل
مظلومیت ہے خود سے ہی اک طاقت عظیم
مظلوم کی کراہ میں ہے قوت فخیم
یہ آہ اک پکار ہے گوہر نوائے فرش
اُس کا براہِ راست مگر منتہا ہے عرش
اس پر بھی ہو جو ظلم تو ہو صبر سے جواب
کٹتی اسی سے ظلم کے خیمہ کی ہے طناب
صبر وشکیب نصرت غیبی کی ہے کلید
باطن کی فوج کی ہے یہی قوتِ مزید

ہمت مردانہ

جزو دگر ہے ہمت دل ہمت عمل
کم ہمتی عمل میں دماغوں کا ہے خلل
ہمت ہی دل کی جان ہے ہمت ہی روحِ کار
ہمت ہی سے چلتے ہیں جہانوں کے کاروبار
ہمت سے ہاتھ ہاتھ ہے مضبوط بات ہے
کم ہمتوں کا ہاتھ بھی اک بات ہی بات ہے

ہمت اگر قوی ہے تو مضبوط ہے کمر
ہمت نہ ہو تو ہاتھ ہے شل، تیغ بے اثر

ہمت سے ہو تو قول بھی ہے تیغ بے میاں
اور تیر بر ہدف ہے اگرچہ ہو بے کماں

دل کی اگر ہے جان تو ہے ہمت بلند
ہمت ہی فتح ونصرت غیبی کی ہے کمند

کہتے ہیں آج مسلم کشمیر ہے زبوں
محروم بھی ہے اور بظاہر ہے سرنگوں

یورش ہے سمت سمت سے مخلص ہے ناپدید
جو رو جفا مدید ہے اور ظلم ہے شدید

آفات ہیں فتن ہیں مصائب ہیں موت ہے
خرد ماں گلوں کا ہار ہے فقدان ہے فوت ہے

یہ سب سہی اور اس سے بھی زائد سہی مگر
ہمت بلند ہو تو یہ سب کچھ ہے ہیچ تر

دل میں اگر ہے ہمت مردانہ پیش پیش
مردوں کے ہیں یہ کھیل اگرچہ ہوں بیش بیش

کشمیر دے چکا ہے کئی بار یہ ثبوت
ہمت میں بالیقین ہے وہ ملک کا سپوت

قربانیوں میں اس نے کسر کچھ نہیں رکھی
گو ہو چکا ہے ضعف ونقاہت سے کچھ دکھی

ہاری نہیں ہے اس نے مگر ہمت آج تک
ہے سر بکف قدم زنِ میداں ہے آج تک

ہمت بلند دار ہمیں است کارِ تو
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ہمت ہے ناگزیر ہر اک کام کے لیے
ہو آخرت کے واسطے یا نام کے لیے

ہمت کے آس پاس نہ ہو یاس کی نمود
ہمت ہے شعلہ یاس ہے اس کا مگر خمود

اسلام میں نہیں ہے کہیں یاس کا وجود
ممکن نہیں کہ مرد مسلماں میں ہو جمود

جھونکوں میں آندھیوں کے وہ گندم کا ہے درخت
نازک بدن ضرور ہے جڑ سے مگر ہے سخت

گرجائے گو ہوا سے جگہ چھوڑتا نہیں
جھکّڑ سے بھی ہواؤں کے مونھ موڑتا نہیں

قومی تہذیب کا اختلال

آئے مگر کچھ ایسے دل آزار انقلاب
تہذیب ملک رہ گئی ہوکر خیال وخواب

کشمیر کی جو اصل تھی تہذیب مستقل
وہ ہوچکی ہے آج کے ہاتھوں میں مضمحل

ان آفتوں میں یہ ہے بڑی آفتِ شدید
جو چھا گئی ہے سب پہ وہ تہذیب ہے جدید

وہ اسوۂ قدیم وہ تہذیب انبیاء
اس کے بدل میں آگئی تہذیب ناسزا

جس سے ذخیرے ہوگیے اخلاق کے تباہ
صالح عمل کو ملتی نہیں ہے کہیں پناہ

اُٹھی شرافت اک شرّ و آفت ہی رہ گئی
اُنسِ دروں رہا نہیں وحشت ہی رہ گئی

ست جا چکا ہے جسم ریاست کا اب نہیں   باقی بجز ریا کے رہا اور کچھ نہیں
اخلاق کی ہوں قدریں کہ ہو رسمی اختیار   خطرہ میں پڑ چکے ہیں سب اقدار و اقتدار
منڈلا رہی ہیں ظاہر و باطن کی آفتیں   سر پڑ چکی ہیں سر وعلن کی مصیبتیں
رونا تھا اب تلک تو محض اقتدار کا   رونا ہے اب قلوب کے اجڑے دیار کا
تنظیم تو گئی ہی تھی تہذیب بھی گئی   آداب تو گیے ہی تھے تادیب بھی گئی

قومی تہذیب کا فقدان قوم کا زوال ہے

کشمیر آج دوہری مصیبت کا ہے شکار   ظاہر میں انتشار ہے باطن میں دل فگار
جب دل بدل گیے تو بدلنا وطن کا کیا؟   من ہی خراب ہوں تو سنورنا ہے تن کا کیا؟
تہذیب کہنہ جس پہ تھی اخلاق کی بنا   جب مٹ گئی تو قوم کی ہی مٹ گئی بنا
تہذیب اگر مٹے تو یہ مٹنا ہے قوم کا   یہ موت ہے نہ یہ کہ یہ غلبہ ہے نوم کا
آفت نہیں ہے یہ کہ زمیں ہاتھ میں نہ ہو   آفت ہے یہ کہ ملتِ حق ساتھ میں نہ ہو
کشمیر سب کا سب اگر ہاتھ ہی میں ہو   کیا فائدہ جو ملت دیں ہاتھ میں نہ ہو
چھن جائے گر وطن تو بگڑتا ہے جزوِ خاص   جس کے بگاڑ کا ہے اسی جز سے اختصاص
لیکن اگر تباہ ہو انسانی اک گروہ   بگڑے گا اس سے سارے بنی نوع کا شکوہ
عالم کے حق میں مرکز عالم ہے آدمی   جیسا کوئی ہو آدمی ویسی ہی خادمی
معیار کار اس میں ہے تہذیب کی روش   اس سے ہی ہے سکون بھی اس سے ہی ہے خلش
تہذیبِ حق ہی میں ہے بنی نوع کا سکون   تہذیبِ نو ہے مرکزِ تشویش اور زبون
تہذیبِ حق سے راہِ الٰہی میں ہے جہاد   تہذیبِ نو سے راہ خلائق میں ہے فساد
تہذیب نو ہی کا ہے یہ پھیلا ہوا فساد   کل بحر و بر بھی قوم و وطن بھی ہیں سب بباد
اس کی نمائشوں میں ہیں اس درجہ سب غریق   آتا ہی کچھ نظر میں نہیں دوسرا طریق

انسان کو حیوان سے الگ کیوں کیا گیا؟

انسان کے لقب کی یہ تخصیص کیوں ہے پھر؟   اور ہو تو یہ مقابلِ حیوان کیوں ہے پھر؟
یہ بھی ہو گر تو اُس کو تفوّق یہ کیوں ہے پھر؟   گھوڑوں گدھوں کے غول میں ممتاز کیوں ہے پھر؟

حیوان وانس کا ہے لقب کیوں الگ الگ؟ کیوں ہوا الگ کہ جب نہیں دونوں الگ الگ
حیوان ہو کے کیوں ہے وہ حیوان کا قسیم؟ حیوان اس کو جو کہے بنتا ہے وہ لئیم
آخر بشر یہ سب کے مقابل ہے ایک کیوں؟ حیوان سب ہوں پھر بھی یہ انسان ایک کیوں

انسان کی امتیازی شان

لیکن بغور دیکھیے ان میں جو ہیں فروق پھیلے ہوئے جو سطحِ بدن سے ہیں تا عروق
خلقت میں ان کی جب کہ یہ رکھا گیا ہے فرق کھل جائے گا اسی سے حقائق کا ان کی فرق
فرقِ حقیقت ان کے ظواہر کو دیکھ کر کھل جائے گا اسی سے حقائق کا ان کی فرق
جنسیں یہ دو ہیں دونوں کے عنوان الگ الگ دونوں کی صورتوں کے نقوش ونشان الگ
دونوں کی زندگی کے ہیں سامان الگ الگ دونوں کے ہیں لسان و بیان سب الگ الگ
دونوں کے ہیں خواص اور افعال سب الگ افعال کے ہر ایک کے آثار سب الگ
ان میں یہ اسم ورسم کا ہے گونہ اختلاف خود ہے گواہ اور ہے اس پر دلیلِ صاف
وحدت نہیں ہے ان میں یہ فرقت کے ہیں نشاں ان کے بواطن ان کے ظواہر سے ہیں عیاں
کھلتا ہے اس دوئی سے یہ سارا نہفتہ راز ڈالیں نظر جو چشم بصیرت کو کر کے باز
عنوان بھی جب ان کے تقابل سے ہیں الگ ہے ناگزیر ان کی حقائق بھی ہوں الگ
طور وطریق بھی ہوں الگ راہ بھی الگ ہر ایک ہو مقصدِ تخلیق بھی الگ
دونوں کی ہو معاش ومعیشت بھی سب الگ ہے ناگزیر دونوں کی تہذیب ہو الگ
ہوتا ہے ظاہر اپنے ہی باطن کا ترجمان ہوتا ہے باطن اپنے ہی ظاہر سے خود عیاں
سانچہ کی جیسی ساخت ہو ویسا ہی ہے حلول مظروف حسبِ ظرف ہے مانا ہوا اصول
روئے گلاب لائے گا بوئے گلاب ہی مطلوب جو ہو خنکی تو دے گا وہ آب ہی
ہر صورت اپنی خاص حقیقت ہے مانگتی ہر سیرت اپنی شان کی صورت ہے چاہتی
حیوان واِنس کی ہے شبیہوں میں جب تضاد کیسے نہ ہو پھر اُن کی حقائق میں بھی تضاد

ایسے بدتہذیب انسانوں کا علاج

کس درجہ ایسے لوگ ہیں بد باطن و کفور انسانیت بھی نام سے جن کے ہے خودنفور

کس درجہ مسخ ہو چکی ان کی ہیں فطرتیں — کس درجہ ہو چکی ہیں خبیث ان کی خصلتیں
یہ جانور کہ جن کا ہے انسان کا ساتن — ان کی جگہ ہے سانپ کے بھٹ بھیڑیوں کے بن
انسانیت شعار عمائد کا ہے یہ فرض — جن میں نہیں بفضل خدا یہ خبیث مرض
ان کو ہنکا کے شہر سے جنگل میں چھوڑ دیں — ان کی برادری کی طرف ان کو موڑ دیں
انسانیت کے جو بھی علاقے ہیں توڑ دیں — وہ چھوڑتے ہیں ان کوتو یہ ان کو چھوڑ دیں
یا اس خبیث مرض کا ان سے کریں علاج — یا فطرتوں کا ان کی شفایاب ہو مزاج
اصلاح ان کی علم سے تعلیم سے کریں — تہذیب رکھ کے سامنے تمرین سے کریں
تاثیر دل سے، قول سے، تلقین سے کریں — حکمت سے، عقل ودانش و تدبیر سے کریں
گو راہ پر نہیں ہیں نہیں برسرِ صواب — باقی ہے ان میں عقل تو ہیں قابلِ خطاب
جب تک بھی ان میں باقی ہے انسانیت کا نام — شاید کہ سن لیں کیا ہے عجب مان لیں پیام

انسانیت کی پیدائشی خصوصیت استعداد ہے

ہے وجہ یہ کہ اصل سے انساں ہے مستعد — جب تک کہ اس کے ذہن میں آئے نہ حق سے ضد
انسان اپنی ذات سے گو خود ہے بے کمال — لاتا نہیں ہے پیٹ سے مادر کے کچھ کمال
پیدائشی ہے اس میں مگر خاص اک کمال — یعنی کمال کے لیے اس میں ہے انفعال
وہ قابلیت اور لیاقت کا ہے محل — جذب کمال اس کا ہی مخصوص ہے عمل
تہذیب آئے گر تو مہذّب وہی ہے پھر — تعلیم آ کے اُترے تو عالم وہی ہے پھر
اخلاق آئیں گے تو بنے گا وہی خلیق — آئے کمال حق تو رہے گا وہی لئیق
خلقت میں آدمی کے ہے پیوست ظلم وجہل — اصل سرشت میں نہیں انساں کے علم وعدل
بالفعل لو اُسے تو ظلوم وجہول ہے — بالقوۃ لو تو وہ ہی علیم وعدول ہے

انسان اور حیوان کا حقیقی فرق

ہے فرق یہ کہ ایک کا تکوین ہے خمیر — اور دوسرا بعقل ہے تشریع کا اسیر
حیوانیت میں اس کی جبلت کا ہے اُبھار — انسانیت میں اس کی ہے فطرت بروئے کار
حیوان میں طبیعتِ ناداں ہے سر براہ — انسان میں ہے فہم وشعورِ خرد پناہ

انسان کی عقل کے لیے تعلیم ناگزیر
حیوان میں ہے جذبۂ طبعی ہی خود خبیر
بے عقل جاندار مکلّف نہیں ہے کچھ
ہوتی نہیں اسی لیے اس سے طلب بھی کچھ
انسان میں فہم وعقل ہے حق کا ہے اک شعور
اس سے ہی خلق وعلم کا ہوتا ہے پھر ظہور
تعلیم وتربیت کا اسی سے ہے اختصاص
اس کے لیے ہی علم کا ہے اہتمام خاص
اس کے لیے ہی ہے یہ نبوت کا سلسلہ
اس کے لیے ہی کارِ خلافت بپا ہوا
تہذیبِ نفس کا پھر اسی سے چلا نظام
تکمیل خلق اسی سے ہوئی تا بَحَدِّ تام

انسان کی وجہِ افضلیت

انسان کی فوقیت کا اسی سے کھلا ہے راز
اس سے ہی ساری خلق میں اس کا ہے امتیاز
حیوان و انس کی ہوئیں نوعیں الگ الگ
ان کے لقب بھی ہوگیے تجویز الگ الگ

انسان کا تفوّق کائنات پر

خالق نے اس کو سب میں دیا امتیاز خاص
تاجِ خلافت اُس کے ہی سر کا ہے اختصاص
تکریم بحر و بر میں اسی کے لیے ہوئی
تسخیر شمس ونجم اسی کے لیے ہوئی
حیوان سارے اس کے ہی زیرِ نگیں ہوئے
جھک کر ملک بھی سب بہ نیازِ جبیں ہوئے

بے تہذیب انسانوں کا کفرانِ نعمت

تہذیب آسمانی سے کورے ہیں جو بشر
جو خیر سے بعید ہیں راسخ ہے اُن میں شر
اس لطف کا جو ردِّ عمل اُن سے ہے ہوا
نوعِ بشر کا شرم سے سر اس سے جھک گیا
خالق تو دے بہیموں میں اس کو اک افتخار
انساں کہے نہیں میں بہائم میں ہوں شمار
وہ جانور کو سامنے اس کے رکھے ذلیل
اور یہ کہے میں خود ہی ہوں اک جانور ذلیل
فرمائے وہ تو سانپ پہ ہے غالب اور قوی
اور یہ کہے میں سانپ ہوں مغلوب اور غوِی
جو کام کرتے ہیں یہ بہائم بلا شعور
میں وہ ہی کام کرتا ہوں باصحت شعور
میں سانپ بھی ہوں شیر بھی، چیتا بھی، بیل بھی
رکھتا ہوں سب بہائِم صحراء سے میل بھی
انسانیت ہے میرے لیے شرم اور عار
حیوانیت ہے میرے لیے وجہ افتخار

تہذیب نفس کا سرچشمہ

تہذیب کے جگر میں ہیں جو ہر کچھ اور بھی
ان کے بغیر ماند ہیں سب اس کے طور بھی
ایماں ہو دل میں سر میں ہو سودائے اتحاد
جوشِ عمل ہو تن پہ عمل میں ہو عدل وداد
شہری حقوق میں ہو مساوات کی امنگ
دیو تعصب آئے تو کی جائے اس سے جنگ
میل اور ملاپ میں ہو اخوت کے رنگ ڈھنگ
اخلاق ہوں وسیع نہ ہو دل برنگ سنگ
تہذیب کے ہیں حق میں عناصر یہ روح کار
ان عنصروں سے آتی ہے تہذیب رو بکار
تہذیب انہیں سے ہوتی ہے انسانیت شمار
اس میں نہ ہو یہ روح تو ہے خصلتِ حمار
ان جوہروں سے مل کے جو بنتا ہے اک نظام
ماحول میں ہے دین کے تہذیب اسی کا نام
تہذیبِ علم وعدل ہی ہے مرکز صلاح
اس کے ہی دامنوں میں ہے دارین کی فلاح

قوم کے بگاڑ کا بنیادی نسبت

جس سے ہوئی ہے قوم پہ محروم علم وعدل
جب سے ہی یہ بنی ہے شکارِ نزاع وجدل
آتا رہا اُسی سے ہے ایمان میں خلل
باطل ہوا اسی سے ہے ایثار کا عمل
لڑ لڑکے اپنے آپ کو کمزور کرلیا
کمزور جو تھے اپنے پہ بازور کرلیا
اقوام نے اسی سے اٹھایا ہے فائدہ
چھنتا رہا اسی سے اس امت کا مائدہ
پھنستی رہی یہ جال میں اور پھنس رہی ہے آج
تہذیب حق کی قوم نے رکھی نہ جب کہ لاج
تہذیب جو احق تھی اسی کو بھلا دیا
تہذیب نو کو اس کے محل میں بسا دیا
اب بھی ہے وقت قوم نکل آئے جال سے
اس دور کے فریب سے غیروں کی چال سے
ورنہ اگر ہے عیش کا بازار یوں ہی گرم
قسوت رہے دلوں میں نہ ہوں دل ذرا بھی نرم
عیش و نشاط وزینت وآسائش دوام
تن پروری میں نفس کی امّارگی کا دام
اس عیش میں وہ جرأتِ اندانۂ سلف
کب ہو سکے گی روشنی قسمتِ خلف؟
مطلوب ہے دلوں میں اگر شوکت سلف
ممکن ہے جب کہ ان کی روش پر چلیں خلف

استعداد ابھرنے کا ذریعہ تعلیم وتربیت ہے

تعلیم وتربیت ہی سے آتا ہے علم وعدل
پوشیدہ ان ہی دو میں ہے تہذیب کا یہ فضل

تہذیب انبیاء کا ہے میدان علم وعدل ۔۔۔ تہذیب جاہلی کا ہے سلطان ظلم وجہل
جو قوم علم وعدل سے محروم ہوگئی ۔۔۔ تہذیب قوم سمجھو کہ معدوم ہوگئی
تہذیب کا بقا ہے اگر مطمحِ نظر ۔۔۔ تعلیم وتربیت پہ رہے قوم کی نظر
اس سے ہی زندہ ہوگی وہ کشمیر کی روش ۔۔۔ اس سے ہی مٹ سکے گی غلط راہ کی خلش
تن پروری کے راستے اس سے ہی ہوں گے بند ۔۔۔ ٹوٹے گی اس سے عیش کی آرام کی کمند
تہذیب نفس اس سے ہی آئے گی روبکار ۔۔۔ ہوگا اسی روش سے پھر اخلاق کا سدھار

تہذیبِ نفس کے اجزائے ترکیبی

تہذیب کا اگر ہو کسی قوم پر ورود ۔۔۔ اخلاق ذیل کا ہے وہاں لازمی وجود
صبر ورضاو شکر وحیا عفت دروں ۔۔۔ صدق وصفاو جود وسخا غیرتِ بروں
زہد وقناعت اور شجاعت بزور تام ۔۔۔ حِلم ومتانت اور حمیّت بغیر تام
حسنِ قناعت اور کفایت برنگِ فقر ۔۔۔ اُنس دروں غناو توکل بغیر غدر
عشقِ خداو عشقِ نبی اور فناء کل ۔۔۔ عقبیٰ کا شوق دار فنا سے غناء کل
تہذیب کی پرکھ کی یہی ہیں خصوصیات ۔۔۔ باقی ہیں سب دعاوی ومکر وفضولیات

بداخلاقی کی بنیادیں

عیش وطرب پہ پردۂ تہذیب ڈالنا ۔۔۔ ہے خودفریبی خود کو ہے دھوکہ میں ڈھالنا
اخلاق ہو رزیل اور افعال ہوں ذلیل ۔۔۔ ہوجائے جن سے جوہر انسانیت علیل
حرص وہوس کدورت دل نفس کا سرور ۔۔۔ تحقیر وخود ستائی وخود بینی وغرور
کم ہمتی وجبن وانانیت دروں ۔۔۔ شیخی وکبر وظلم وجسارت بہر شگوں
محسن کشی دنائت وناشکریٔ زبوں ۔۔۔ غدّاری وجفا وبدل وحشتِ فزوں
تہذیب یہ نہیں ہے کہ اخلاق ہوں نجس ۔۔۔ حرص وہواء آدمی بن جائے اک مگس
تہذیب وہ ہے جس میں ہو اخلاق کی صلاح ۔۔۔ اُبھرے پھر اس صلاح سے دارین کی فلاح
تہذیب کی اساس ہے حقانیت اور حق ۔۔۔ اول بھی جس کے حق ہو اور آخر بھی جس کے حق

نصب العین

اعلاء دین قوم کا ہو مطمحِ نظر
گو اس کے تحت قوم ووطن پر بھی ہو نظر
پھر کچھ بھی ہو کہیں سے سہی، کچھ نہیں ہے فکر
پروا نہیں اگرچہ ہزاروں ہوں مکرو وِزر
صدہا فراضیاں ہیں ہر اک ابتلاء کے بعد
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پروگرام کی حقیقی بنیادیں

یہ سب نظام فرع ہے اس کے ہیں کچھ اصول
جس سے بنی ہیں اس کی تفاصیل اور فصول
نوعیں ہیں دو کہ جن سے چلا ہے یہ سب نظام
اک ہے عبادت ایک خلافت کا ہے قیام
انساں کے حق میں جیسے عبادت ہے ناگزیر
ایسے ہی ہے خلافتِ ارضی بھی ناگزیر
تہذیب نفس ہو تو عبادت کا ہے وجود
تنظیم ملک ہو تو خلافت کا ہے ورود
دونوں کے اجتماع سے ہے قوم کا کمال
ورنہ قدم قدم پہ ہے اندیشۂ زوال

پروگرام کے موثر ہونے کی بنیادیں

چاہیں اگر کہ ہو یہ مؤثر پروگرام
دو ہیں عمل کہ انکا دوامی ہو التزام
تھامے رہیں انہیں بفر اوانی نیاز
وہ مرکز حیات ہیں قرآن اور نماز
لیکن بقید سنت و پابندیٔ سلف
زیبا ہے اس پہ قوم اٹھائے اگر حلف
علم وعمل کے نور کی بنیاد ہیں یہی
یہ گرنہ ہوں تو دامنِ مسلم ہے پھر تہی

اجتماعیت

قرآں اگر ہے نور مبین علم کا امین
سرچشمۂ عمل ہے صلوات عمادِ دین
دین وسیاست اس میں ہیں یکجا بجمعِ تام
وہ ہے عبادت اور خلافت کا اک نظام
فعل صلواۃ ہی میں جماعت کا ہے نظام
ہے مرکزیت اس کی ہی تاثیر تیز گام
افراد ہوں نہ جمع نمازیں ہی کچھ نہیں
اور ہوں تو ان میں اجر کی کثرت ہی کچھ نہیں
یاں بھی امام ایک ہے اور مقتدی کثیر
واں بھی امیر ایک ہے مامور ہیں کثیر
یہ اجتماعی طرز کی ہے زندگی کا طور
مسجد کا ہو احاطہ کہ کوئی مکان اور
تکبیر جب کہو تو یہ قربت کا ہے قیام
تسلیم جب کرو تو یہ خدمت کا ہے پیام

تہذیب نفس کا طریق اور اتباع سلف

کھر چیں، مٹائیں پہلے تو اپنے دلوں کا زنگ — پھر زندگی میں اپنے بھریں سادگی کا رنگ
بے جا تکلفات، تصنع سے ہو گریز — موٹا چلن ہوتا کہ شجاعت ہو جلوہ ریز
پیشانیاں جھکی ہوئیں حق کے حضور ہوں — پندار ہو نہ دل میں نہ مستِ غرور ہوں
فرسان ہوں دنوں میں تو رہبان رات ہیں — حق پر اٹل ہوں چھوٹی بڑی بات بات میں
آپس میں ہوں رحیم تو ہوں کفر پر شدید — سہنے کی خو ہو گرچہ مصائب پڑیں مدید
اخلاق کا عمل ہو رہا ہو نہ ہو نمود — جو بھی صلہ ہو سامنے ہو آخرت کا سود
اسباب پر نگاہ، تو کل کے ساتھ ہو — ہر ہر روش رضا وتذلل کے ساتھ ہو
یہ تھی روش سلف کی اگر وہ خلف کی ہو — شوکت تھی جو سلف کی وہی پھر خلف کی ہو
کشمیر کا یہ حق ہے یہ تہذیب اس کی ہو — پہلے تھی جب یہ اس کی تو اب کیوں نہ اس کی ہو

کشمیر کی اصل تاریخ

کشمیر کی جب اپنی ہے تاریخ مستقل — علمی بھی صنعتی بھی بہر دور مستقل
تعلیم مستقل رہِ تہذیب مستقل — انداز تربیت ہو کہ تادیب مستقل
وہ ان خصوصیات سے ہے ملک مستقل — اس کے حقوق بھی ہیں بہر حال مستقل
اس کی ضرورتوں کے تقاضے بھی مستقل — ہے ناگزیر اُن کے لیے سعی مستقل
ان کا ہے اقتضا کے طلب بھی ہو مستقل — قربانیاں بھی دینی پڑیں خواہ مستقل

زعمائے کشمیر کا فرض

اس کو ہی پھر سے زندہ کریں قوم کے امین — جزوی مفاد چھوڑ کے مقصد کے ہوں رہین
لیکر اسی کو پھر سے چلیں قوم کے خواص — قائم کریں دیانت باطن سے اختصاص
عیش فزوں میں لائیں بہر حال اعتدال — راہِ عمل میں پیش کریں علم کا جمال
اصلاح قوم کے لیے سب ہو کے مستعد — اک متحد نظام پہ ہوجائیں متحد
باہم ہو اختلاف فروعات میں اگر — سب متحد اصول کی حد تک رہیں مگر
اس میں کبھی بنائے نہ جائیں حکم عوام — یہ گھر میں بیٹھ کر ہے فقط رہبروں کا کام

تنقید وتبصرہ سے نکھر جائے بات جب
اسٹیج پر عوام کے ہو سامنے وہ تب
ورنہ یہی ہے پارٹی فیلنگ کی اساس
پھر اتحاد قوم رہے گا نہ آس پاس

خلاصۂ پروگرام

بنیاد اس نظام کی جو تھیں وہ آچکیں
مکنون تھیں جو دل میں وہ کاغذ پہ آچکیں
ان کا یہ ہے خلاصہ بعنوانِ مختصر
تا مطمح نظر ہو نظر میں بیک نظر
خوئے اخوت اور مساوات اور عدل
ایمان واتحاد وعمل بے نزاع وجدل
ہمت بلند عزم قوی، صحت نظر
مضبوط عقل ونقل سے اک مطمحِ نظر
تہذیب انبیاء کا چلن بات بات میں
اخلاق کار سوخ بہر رخ حیات میں
قرآن اور نماز کا پھر اہتمام خاص
جمع جماعت اور قیادت سے اختصاص
ذوق دیانت اور سیاست کا امتزاج
جمعِ عبادت اور خلافت کا ہو مزاج
پھر مرکزیت اورتمر کز کا اہتمام
سمع واطاعت از رہِ صدق وخلوص تام
دنیا وآخرت کی بھلائی کے یہ اصول
چوبیس ہیں کہ ان سے کبھی بھی نہ ہو ذہول
بندوں پہ فرض ایک ہی ہے سعی اور عدل
ثمرہ خدا کے ہاتھ ہے اس میں نہیں ہے دخل
یہ ہے نظام جس سے سعی ہوگی کامیاب
اس پر چلیگی قوم تو ہوگی وہ فتح یاب

مرکزیّت

پھر جیسے ناگزیر نمازوں میں ہے امام
یوں ہی امام سے ہے خلافت کا بھی قیام
بن سکتی ہی نہیں ہے جماعت بلا امام
بن جائے گھر تو بھیڑ کا ہے منتشر زحام
افراد دائرہ ہیں تو مرکز ہے یہ امام
بندھن سے ایک ہی کے یہ بندھتا ہے سب نظام
جیسے بلا امام نمازیں ہیں بے نظام
یوں ہی بلا امام ریاست ہے بے لگام
یہ نظم بھی ہے مرکز تنظیم بھی ہے خود
اور مرکزیت اس سے ہویدا ہے خود بخود

سمع وطاعت

ہوگا امام جب ہی کہ ہو سمع واتباع
ورنہ ہے پھر یہ ذہنی بغاوت کا اختراع

ملکی امام ہو کہ نمازی امام ہو / ہے نظم جب کہ سمع واطاعت بھی تام ہو
جس طرح یاں ہے صف کے پس وپیش فرق اجر / یوں ہی واں بغاوت وطاعت پہ اجر وزجر
یاں اقتداء نہ ہو تو جماعت کا ہے فساد / واں پیروی نہ ہوتو ریاست ہے سب بباد
یاں جنگ روحِ پاک شیاطینِ جن سے ہے / واں جنگ زور وزر ہے شیاطینِ اِنس سے
وہ جنگ باطنی ہے یہ ہے جنگ ظاہری / دونوں میں توڑی جاتی ہے شیطاں کی ساحری
واں بھی ہے سمع وطاعت ہر اک مقتدی پہ فرض / یاں بھی ہر ایک شہری کے سر پر بھی ہے قرض
تکبیر سے نماز میں ہے طاعتِ امام / نعرہ بھی جہادِ امارت کی ہے زمام
واحد عبادت اور خلافت کا ہے نظام / بنیاد یہ کہ سمع واطاعت کا ہو قیام

قانونِ حق

ہے سمع وطاعۃ اس پہ کہ قانون بھی ہو حق / ہوتا ہو جس سے چہرۂ باطل کا رنگ فق
قرآن ہی ہے ایک قوانین کا امام / وہ ہی عبادت اور خلافت کی ہے زمام
قرآن ہی سے جمع جماعت کا ہے قوام / ہے اجتماعی اس سے ہی اسلام کا نظام
اسلام ہی نہیں ہے جماعت اگر نہ ہو / اسلام کل ہے صورت فرقت اگر نہ ہو
اک جز نہیں نماز یہ اسلام ہے صغیر / ہوتے ہوئے صغیر ہے پھر عالم کبیر
اس پر عمل ہے پورے ہی اسلام پر عمل / اسلام جب کہ اس میں کیا جا چکا ہے حل
بنتا اسی کے مشق سے دنیا کا ہے نظام / یہ انفسی نظام ہے وہ عالمی نظام
دونوں کے جب اصول کی نوعیت ایک ہے / دونوں کے نظم کی بھی حقیقت پھر ایک ہے
جو قوم بھی کہ خوگرِ نظم نماز ہے / نظم جہاں بھی اصل میں اس کا ہی کار ہے
جس قوم کے ہو ہاتھ میں قرآن اور نماز / باقی رہے گا اس کا سدا ناز اور نیاز
قرآن اور نماز کو تھامو بزور تام / علم وعمل کا تاکہ رہے تم میں نورِ تام

کامیابی کے بعد

ہے بعد کامیابی پھر اک نکتۂ لطیف / بھاری سہی عمل میں عقیدے میں ہے خفیف
جو کچھ بھی آپ کی ہے مساعی کا یہ شجر / اس کے بغیر ہو نہیں سکتا وہ باثمر

ان کوششوں کا آخری مقصد ہے اقتدار
تا قوم اپنے ملک میں ہو خود بہ اختیار

مقصود خود نہیں ہے مگر رسم اقتدار
مقصد ہے اُس سے خدمتِ ابنائے روزگار

مقصد ہے ملک وقوم کی خدمت کا انصرام
انسانیت کے ڈھنگ کی قدروں کا انتظام

مقصد نہیں ہے قہر وتعلّی بزور جبر
مقصد ہے اپنے ملک کی خدمت بلُطف ومہر

خود اختیاری آلۂ خدماتِ قوم ہے
ورنہ بغیر اس کے ملامت ہے لوم ہے

تحصیل اقتدار کی بے شبہ ہے کٹھن
اُس کا بقا پر اُس سے بھی زیادہ ہے پرمحن

ہے فقر امتحان تو غنا بھی ہے امتحان
اور اقتدار میں تو ہزاروں ہیں امتحان

اس سعی کے طفیل جو مل جائے اقتدار
آجائے دستِ غیب سے ہاتھوں میں اختیار

کثرت میں ہوں گے مسلم پسماندۂ وطن
اُن کے فرائض اور بھی زیادہ ہیں کچھ کٹھن

ہے اکثریت آج کا معیارِ اقتدار
گویا اقلیت ہے پئے زخم روزگار

زورِ آوری عددمیں ہے آگے نہیں ہے کچھ
گنتی میں ہے سروں کی نہ ہو سر میں خواہ کچھ

اسلام کا اصول ہے کمزور کی مدد
کمزور آج وہ ہیں کہ جن کا ہو کم عدد

اقلیت پر شفقت

اکثر کا فرض ہے کہ عطوفت سے خود جھکے
احساس کمتری نہ اقلّ میں ذرا رہے

مغلوب خود اگر کرے فریاد اور شور
غالب کے حق میں یہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے طور

غالب کی خوبی یہ ہے کہ بیداد ہی نہ ہو
مغلوب کی زباں پہ فریاد ہی نہ ہو

مغلوب کی صدا کو تشدد سے روکنا
خود اپنے آپ کو ہے مصیبت میں جھونکنا

غالب ہے وہ کہ غلبہ میں مغلوب کا رہے
مغلوب کی جو بات ہو غالب ہی خود کہے

غالب کا کام ہے کہ ہو مغلوب پر شفیق
اُس کی اڑی کڑی میں بہر حال ہو رفیق

اقلیت کے حقوق

قلت کے سب حقوق ہوں پورے بلطف خاص
جس سے اقلیت کا نمایاں ہو اختصاص

سمجھے اقلیت کہ وہی حکمراں ہے آج
دل جمع ہوکے جانے کے سر پر ہے اس کے تاج

قلت یہ سمجھے دل سے کہ کثرت اسی کی ہے
کثرت یہ مانے من میں کہ قلت اسی کی ہے

پھر ہوں گے یہ قلیل ہی کثرت کے جاں نثار
ہوں گے یہی دفاع میں آگے، اگر ہو وار

ادائے حقوق کا نتیجہ

کثرت اگر ہو اُنس سے قلت کی ہم قریں
قلت بھی اس کے آگے جھکا دیگی پھر جبیں
لیکن پہل ملاپ میں غالب کا کام ہے
جو خود تھما ہو تھامنا اُس کا ہی کام ہے
گردن فراز گر جھکے عزت کا ہے مقام
گرتا ہوا گرے تو یہ عادت کا ہے نظام
جھکنا اگر سند ہے تو گردن فراز کا
کمزور کا نہیں ہے نہ دستِ نیاز کا

اقلیت کی نوعیت

اِقلت عدد میں کم سہی انسان ہی تو ہے
کثرت کی ہی وہ نوع ہے ہم جان ہی تو ہے
جب باپ ایک جوہرِ خلقت بھی سب کا ایک
ماں ایک گوشت پوست ہے ہڈی بھی سب کی ایک
اعضاء یکدگر ہیں اخوّت بھی سب کی ایک
ظاہر کو لو تو صورتِ نوعی بھی سب کی ایک
انسان سب ہیں ان کی ہے انسایت بھی ایک
انسانیت کے سارے تقاضے بھی سب کے ایک
طبعی مروّت اور محبت بھی سب کی ایک
مل جائیں گر کہیں تو نظر آئیں گے سب ایک
پھر کون سی ہے وجہ کہ ملکر نہ ہوں وہ ایک
بے شبہ ہوں گے ایک بشرطیکہ ہوں وہ نیک

اتفاق باہمی میں مذہب حارج نہیں

ملنے کو دو کے وحدتِ مذہب نہیں ہے شرط
البتہ ہے شرافتِ طبعی ضرور شرط
مذہب الگ الگ ہو زباں ہو الگ الگ
تہذیب اور ثقافت وکلچر الگ الگ
پھیلی ہوئی ہوں دل میں شرافت کی گر عُروق
حارج نہ ہوں گے وحدتِ قومی میں یہ فروق

اکثریت کا زعم باطل

بز دل ہیں وہ جو کثرتِ تعداد پر ہوں شیر
ہیں خر دماغ جن میں ہو تعداد کی گھمیر
کثرت کے بل پہ جو ہوں تجبّر کی راہ پر
وہ ہیں کمینگی کی پڑے شاہ راہ پر
کمزور پر جو زور میں آکر جتائیں زور
بز دل ہیں خالی ڈھول ہیں کچھ بھی مچائیں شور
پُر میوہ شاخ جھکتی ہے خود سے زمین پر
فیض اس کا عام تا ہو کہین ومہین پر

بے فیض ہے سرو تو بظاہر ہے سر بلند
لیکن نہ جڑ ہے اس کی نہ خود ہی ہے ارجمند
جھٹکا ہو بادِ تند کا باراں ہو گر فزوں
جڑ سے اکھڑ کے ہوتا ہے پل بھر میں سرنگوں
جڑ اوپر اور چوٹی ہو نیچے پڑی ہوئی
ہنستی ہے اس کو پھر وہ بلندی کھڑی ہوئی

اکثریت کا وصفِ محمود

کثرت ہے وہ کہ ہو وہ تواضع سے باوقار
جتنی بھی ہو بلند ہو اتنی ہی شرمسار
اپنے پرائے سارے ہی اس سے ہوں مطمئن
اک دوست ہی نہیں رہیں دشمن بھی مطمئن
قلت ہو خاص طور سے ہر گو نہ مطمئن
ماں باپ سے ہو جیسے کہ اولاد مطمئن
کثرت کی فتح یہ ہے کہ قلت ہو مطمئن
جاں اس کی اور آبرو ومال مطمئن
دنیا اور اس کی عیش کے اسباب مطمئن
مذہب کے اور دین کے آداب مطمئن
سب کاروبار ساتھ ہی گھر بار مطمئن
سویا ہوا ہو گھر میں کہ بیدار مطمئن
نادار ہو کوئی کہ ہو زر دار مطمئن
بے روزگار یا بہ سرِ کار مطمئن
فطری حقوق جو بھی ہوں سارے ہوں مطمئن
شہری تمدنی کہ معاشی ہوں مطمئن
کثرت اگر یہ چاہے کہ ہوجائے مطمئن
صورت یہی ہے اس کی کے قلت ہو مطمئن
قلت پہ خاص لطف وکرم کی رہے نظر
دل کے جماؤ سے رہے اس کا گذر بسر
بے چین قلتیں ہوں تو ہوتی ہیں تیغ دست
کثرت کا زور ان سے ہی کھاتا ہے پھر شکست

اکثریت کے فرائض

''انسانیت کے رشتے''

پیش نظر ہو اس میں بھی اک نکتۂ لطیف
وزنی ہے بات گو ہے بظاہر بہت خفیف
انسانیت کے رشتے رہیں مطمحِ نظر
اس کے حقوق پر نہ ہو اغراض کی نظر

انسانی ہمدردی

گرتے ہوؤں کو دستِ ترحّم سے تھامنا
ٹوٹے دلوں کو عدل کی رسی سے باندھنا
ظالم کے ظلم کا زرہ طاقت اِنسداد
مفسد کے ہر فساد کا دفعیۂ فساد

مظلوم کی حمایت ونصرت بھر نہج
جڑ سے اکھڑ کے تار ہے ظالم کی طبع کج

مساوات

ملت کی اور دین کی تخصیص کے بغیر
سب پر نگاہ ایک ہو اپنا ہو یا ہو غیر
دینے میں حق کے کچھ بھی تعصب کی خو نہ ہو
اخلاص ہو دوئی کی ذراسی بھی بو نہ ہو
شیوہ ہے کچھ شرافت واخلاق کا یہی
طرّہ ہے کچھ نجابت و کردار کا یہی
روحوں میں امنِ عام دلوں میں سکونِ تام
ہو یہ نظام تب ہی وہ ہے حسن انتظام

مذہب اوراہلِ مذہب کا احترام

مردم شناس گر نہ ہو ارباب اقتدار
تلوار دستِ طفل میں ہوگی بروئے کار
ہر قوم کے ہو مذہب وملت کا احترام
اس میں مداخلت کا تصور بھی ہو حرام
مذہب کے نیک مرد ہوں عزت کے مستحق
خودغرض ان کو چال سے کچھ کرسکیں نہ دِق
پر امن اہل علم کے ہوں مشورے اہم
دانشوروں کی بات کا کچھ ہو وزن نہ کم
وحدت بہ نظم مشورۂ اہلِ حق بہ بزم
آخر میں سر براہ کی قوت ہے اور عزم
ہے یہ ہی ایک راہ سکون عوام کی
ملکی تحفظات کی تنظیم عام کی

آزادیٔ ضمیر

آزادیٔ ضمیر ہر اک فرد کا ہو حق
حق بوے گو ہو اس سے کلیجہ کسی کے شق
آزادیٔ ضمیر ہو لیکن اصول سے
ہو عقل ونقل سے نہ کہ نطقِ فضول سے
خالص ہو بات جذبۂ حرص وہویٰ نہ ہو
پردے میں حق کے نفس کا کچھ مدعا نہ ہو
معقولیت کے رنگ سے نفسانی خواہشات
سنجیدگی کے روپ میں خودغرضیوں کی بات
معصومیت کے ڈھنگ سے دی جاتی حق کو مات
حق برزباں ہو دل میں رہیں لات اور منات
یا نام حق سے پارٹی فیلنگ کی ہو بات
تسکین نفس کے ہیں یہ سارے معالجات
ہو جس کے دل میں جذبۂ خود کار آ گیا
اُس کو ہی لے کے وہ سرِ بازار آ گیا
کیا اس کا نام رکھیں گے آزادیٔ ضمیر؟
آزادی کیا؟ یہ خبثِ جبلت کا ہے خمیر

آزادئ ضمیر کا معیار بھی تو ہو؟
فطرت کی کوئی اصل رہِ کار بھی تو ہو
آزادئ ضمیر ہے اظہارِ حق کا نام
حق وہ ہے جس کو حق ہی نے بخشا ہو حق کا نام
خود غرضیون کا نام ہو آزادئ ضمیر؟
مانے گا اس کو وہ ہی جو خلقت سے ہو شریر

فکر کی مرکزیت ناگزیر ہے

جب فکر کا نہ ہو کوئی مرکز تو ہے ضرور
آوارگئ فکر جسے جس میں ہوں شرور
اس سے ہی پھیلتی ہے پریشانئ شعور
تشویش واضطراب کا ہوتا ہے پھر ظہور
انجام کار امن میں پڑتا ہے پھر فتور
اور پھیلتے ہیں ملک کے خطوں میں پھر شرور
اخلاق میں پھر آتی ہیں اس سے گراوٹیں
گھستی ہین پھر خلوص میں اس سے بناوٹیں
پڑتی ہیں عدل عام میں اس سے رکاوٹیں
اجناس میں پھر آتی ہیں اس سے ملاوٹیں
ہوتی ہیں ملک بھر میں پھر تلخیاں بپا
رہ جاتی ہے یہ زندگی ہو کر کے بدمزا
لا مرکزیّ فکر ہی ان سب کا ہے سبب
رہتے ہیں اس سے قوم و وطن دونوں جاں بلب
جھگڑے یہ سارے دشمنِ امن وامان ہیں
ان کا ہی انسداد حکومت کی جان ہے
پابندیاں ہوں ان پہ یہ ہے مقتضائے عقل
ہو روک ٹوک ان پہ یہ ہے مقتضائے نقل
آزاد حق ہو نفس کی مکّاریاں ہوں قید
تا چل سکے نہ ملک میں اُس کا کوئی بھی کید

تہذیب اخلاق کی بنیاد

قانونِ ملک پر نہیں اس مرض کا علاج
قانونِ دین ہے جو مٹا سکتا ہے یہ کھاج
املاک سے یہ روگ ٹلا ہے نہ ٹل سکے
اخلاق ہی ہیں جن سے یہ جڑ سے اکھڑ سکے
تبدیلی اُن میں آتی ہے قانونِ دین سے
قانون روم وروس نہ آئینِ چین سے
اخلاق کا کمال ہے تاثیر انبیاء
اخلاق کا زوال ہے تزویر اشقیا
قانون ملک کی ہے ظواہر تلک گرفت
قانون دین سے ہے مگر صحت سرشت
دولت عدد سے قومیں کبھی بھی نہیں بنیں
قومیں بنی ہیں جب بھی تو اخلاق سے بنیں
اخلاق ہوں صحیح ہو کردار بھی صحیح
اطوار بھی صحیح ہوں افکار بھی صحیح
افعال بھی صحیح ہوں آثار بھی صحیح
رفتار بھی صحیح ہو گفتار بھی صحیح

پیکر بھی ہوں صحیح ہوں اسرار بھی صحیح ان ساری صحتوں کا ہو معیار بھی صحیح
معیار سب کا وحی الٰہی ہے دین ہے مسلم کے واسطے یہی حبل المتین ہے

حسنِ اخلاق ہی انسانی حسن ہے

اخلاق اگر درست ہیں انساں ہے کل درست اخلاق اگر قبیح ہوں انسانیت ہے سست
مذہب بغیر ہے نہیں اخلاق کی نمود اخلاق کے بغیر نہیں قوم کا وجود
قومی وجود وجود نہیں علم کے بغیر علم صحیح ہے نہیں تعلیم کے بغیر
تعلیم دین تام ہو اور تربیت ہو عام آزادئ ضمیر کا یہ ہی ہے اک نظام
اخلاق اور علم کی تمرین عام ہو ارباب اقتدار کا پہلا یہ کام ہو
عنصر ہون جب یہ قوم میں خاطر کی خواہ پر پھر قوم کیوں نہ ہوگی ترقی کی راہ پر
پس بعد کامیابی یہ ہو مطمحِ نظر معیار یہ ہو جس پہ چلے فکر اور نظر
اللہ پر بھروسہ عمل پر ہو اطمینان پھر سب ہیں پاس گرچہ ہزاروں ہوں امتحان
قربانیاں تمہاری نہ ہوں گی یہ رائیگاں تم ہوگے کامیاب بربّ جہانیاں
یہ تھے تاثرات جو کشمیر نے دیے لوٹا کے دل نے پھر وہی کشمیر کو دیے
واں سیر میں تھی نثر یاں ضبط میں ہے نظم وہ فکر کی تھی رزم یہاں ذکر کی ہے بزم
آباد ہو خدا کرے کشمیر کی یہ بزم ہو کامیاب آج ہے جو کچھ بھی اس کی رزم
طیب کا یہ پیام ہے کشمیریوں کے نام دردِ دروں کی ہے یہ صدا باخلوص تام
حق سے دعا ہے حق ہو بحقدار حق کے ساتھ اقوام ان کے حق میں ہوں اللہ ان کی ساتھ

محمد طیب عفی عنہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۳۰؍جون ۱۹۷۳ء دیوبند

جموں وکشمیر (پونچھ) کا سفر

۱۹۷۶ء میں حضرت حکیم الاسلامؒ مدرسہ ضیاء العلوم پونچھ، جموں وکشمیر کے بانی ومہتمم جناب مولانا غلام قادر صاحب کی دعوت پر ادارہ میں تشریف لے گئے، آپ کے استقبال کے لئے شہر کی حدود سے لے کر مدرسہ

تک ہزاروں اہل اسلام قطار در قطار کھڑے تھے اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی، آپ کے ہمراہ دہلی سے مفتی ضیاء الحق صاحبؒ اور آل انڈیا ریڈیو کے مشہور نعت خواں قاری فرید احمد صاحبؒ بھی تھے، اس سفر کے نشیب وفراز اور احوال کو حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے قلم سے نظم میں قلم بند فرمایا۔ یہ منظوم سفرنامہ حسنِ محاکات، نادر تشبیہات، خوبصورت استعارات اور بلند پایہ افکار کا ایسا بحر بیکراں ہے جس سے شعری صنائع کی سینکڑوں نہریں نکلتی ہیں، اسے پڑھ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی ان جمالیاتی کیفیات اور احساسات کا نظارہ کرتا ہے جو اس میں سمو دیئے گئے ہیں۔ اس منظوم سفرنامہ کو اپنی گوناگوں شاعرانہ محاسن کی بنا پر بلا حذف وترمیم بعینہٖ نذرِ قارئین کیا جارہا ہے:

منظوم سفرنامہ

چلے جو پونچھ پہنچنے کو دیوبند سے ہم
تو ابتدائے سفر میں چھیانوے سن تھا

جو آئے پونچھ تو ستانوے کا تھا آغاز
لگا سفر میں برس دن بلا کا یہ دن تھا

سفر کا طول، مسافت کا طول، وقت کا طول
ہر ایک طول طوالت میں طول مربن تھا

پہاڑوں اور پہاڑوں کے دروں کا یہ سفر
عجب قسم کے مصائب کا ایک معدن تھا

نہ ریل تھی، نہ ایئر تھا، تھی ایک کار فقط
اور اس میں قید کا عرصہ مکمل ایک دن تھا

پھر اسیر راہ خطرناک ساتھ میں پرخار
ہر ایک خار بھلا ٹائروں کا دشمن تھا

ہر ایک کار نشیں ٹائروں کے سرکا سوار
میان راہ کے خطروں سے لرزہ بر تن تھا

جگہ جگہ تھی سڑک خام، پختہ کار تھی گرد
رفیقِ راہ غبار اور گرد کا دھن تھا

سڑک پہ بکھرے ہوئے پتھروں کے تھے ٹکڑے
جن سے کار کا مجروح رنگ و روغن تھا
اچھل کر آتے تھے پتھر ہی خیر مقدم کو
کہ جن سے خطرہ میں ہر لمحہ ڈھانچۂ تن تھا
یہ تھے تو راہ کے ٹکڑے مگر تھے سنگِ راہ
کہ رہ کہ راہ پہ ہر ایک ان میں رہزن تھا
سڑک تھی کوہِ شکن اور رستم افگن تھی
اور ہم ہوا کی طرح تھے ضعیف سا تن تھا
سڑک یہاں کی مناسبت تھی کوہِ کن کے لئے
اور ہم تھے شیریں ہمارا کچھ اور ہی من تھا
رواں تھے ہم تو سڑک پہ سڑک تھی ہم پر
سوار لباس گرد کا تھا اور غبار مسکن تھا
سفر تو اپنی صعوبت سے تھا ہی مشکل سفر پھر
اس پر راہ کی تنگی سے غم کا مخزن تھا
وہ راستہ تھا کہ تھا پل صراط کا نقشہ
جو دو طرف سے نشیب و فراز کا بن تھا
کہ ایک طرف تھے پہاڑ، ایک طرف تھے گہرے غار
جب ان سے گزرو تو جنت کا آگے گلشن تھا
خلاصہ یہ کہ خاکی لباس میں ہم تھے
ردا بھی خاک تھی جیسے خاک کا تن تھا
مگر کشش تھی محبتوں کی باخلوص تام
کہ تھا یہ سہل سب ہی، گو سفر اجیرن تھا
جوں ہی کہ پونچھ کی آئی فصیل زیر نظر
تو دل کا غار برنگِ بہار گلشن تھا

ہجوم تھا درِ بلدہ پہ منتظر پر شوق
جو دل کے جذبۂ الفت سے نعرہ برزن تھا

زباں پہ نعرۂ تکبیر زندہ باد کا شور
ہر ایک کے دل میں نہاں گویا طور ایمن تھا

بصد نیاز و بصد ناز و صد عقیدت و جوش
ہر ایک سینہ فراز و خمیدہ گردن تھا

عجب مسرت و فرحت، عجب سرور و نشاط
خوشی کی لہر تھی، الفت کا ایک سیزن تھا

پولیس تھی نظم میں آگے بانتظام حسیں
ہر ایک جواں تحفظ میں ماہرِ فن تھا

فضا بدل گئی سب ڈھل گیا وہ گرد و غبار
کہ تھا جو خار مغیلاں تو اب وہ گلشن تھا

پڑا جو پونچھ کی الفت کے آب کا چھینٹا
تو ڈھل کے صاف تھا شیشہ جو رنگِ آہن تھا

یہ پونچھ والوں کے اخلاص و دین کا تھا اثر
چمک اٹھا رخ شیشہ جو زنگِ برتن تھا

پہنچ کے پونچھ پر وبال ہوگئے برحال
اگر چہ مرغ کباب اور سوختہ تن تھا

یہ پونچھ یوں تو ہے قریہ مگر حقیقت میں
وداد و لطف و محبت کا اک نشیمن تھا

کرشمے تھے یہ ضیاء العلوم کے سارے
کہ وہی ان کے مظاہر میں جلوہ افگن تھا

اس کا علم نمایاں تھا، اس کے ہی اخلاق
اسی کے ذوق کا غماز سب یہ تن من تھا

یہ مدرسہ ہے بلاشک سکون کی دولت
کہ پونچھ اس کے بغیر الجھنوں کا مخزن تھا

یہ مدرسہ کی ہی برکت ہے علم کی حرکت
نہیں جمود جو قومی بقا میں قدغن تھا

بنا سے اس کی بتدریج بڑھ رہا ہے شعور
وگرنہ یاں تو فقط جہل سایہ افگن تھا

یہ بن گئی تھی خصوصیت اس علاقے کی
کہ سنتوں کا نبیؐ کی وہ ایک مدفن تھا

ہے آج پونچھ ضیاء العلوم سے روشن
جو کل تلک کہ جہالت کا خاص موطن تھا

ضیائے علم سے ہے آج مرکز توحید
جو کل تلک کہ نہاں خانۂ برہمن تھا

غلام قادرؔ برحق ہے پونچھ کا ہر فرد جو
آپ سے پہلے اسیر ہوائے ان بن تھا

زبانیں حق کے تکلم پہ کھل گئیں اتنی
کہ آج وہ بھی ہے ناطق جو کل تک الکن تھا

طفیل ہے یہ ''ضیاء العلوم'' کا یہ پونچھ
ہدیٰ بدست ہے کل تک ہویٰ بد امن تھا

یہ مدرسہ رہے دائم بایں افادۂ عام
سفر میں وجہ سکوں تھا حضر میں مأمن تھا

خدا بحفظ و اماں رکھے پونچھ والوں کو
کہ جن کے لطف کا مورد یہ خاک سا تن تھا

صد سالہ اجلاس کا اعلان اور اسفار کا سلسلہ

۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا جس کے لئے حضرت حکیم الاسلامؒ نے متعدد ممالک کا دورہ کیا۔

۱۳۹۸ھ میں حضرت حکیم الاسلامؒ پھر پاکستان تشریف لے گئے اور کراچی میں اپنے رفیقِ خاص حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تعزیت کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور دارالعلوم کراچی میں تعزیتی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے گئے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی تعزیت میں ایک مفصل خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ دارالعلوم راولپنڈی۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور اور دوسرے شہروں میں خطابات ہوئے اور پاکستانی عوام اور علماء کرام کو مارچ ۱۹۸۰ء میں ہونے والے اجلاس صد سالہ میں دیوبند آنے کی دعوت دی۔ یہاں سے آپ امریکہ اور افریقہ اور دوسرے ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئے اور وہاں بھی اجلاس صد سالہ کے پروگراموں کا اعلان فرمایا اور اس میں شرکت کی دعوت دی۔

۱۳۹۹ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے کئی ممالک کا دورہ فرمایا اور اجلاس صد سالہ کے انتظامات کے سلسلے میں شبانہ روز مصروف رہے اور پاکستانی عوام و علماء اور دوسرے اسلامی ممالک کے عوام سے اپیل کی کہ:

"اجلاس صد سالہ کا مرحلہ بالکل سامنے ہے اور اس عظیم منصوبے کو پورا کرنے کے لئے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے۔ مسلمانانِ ہند و پاکستان اپنے سب سے بڑے دینی ادارے کی اس تقریب کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور فوری طور پر اپنے گراں قدر عطیہ سے دارالعلوم کی امداد فرمائیں۔"

اس اعلان و اپیل پر متعلقین دارالعلوم نے دل کھول کر امداد کی اور اجلاس صد سالہ کی بڑے جوش و خروش سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں پوری دنیائے اسلام کے علماء، زعماء اور دوسرے مسلمانوں نے چالیس پچاس لاکھ کی تعداد میں دارالعلوم دیوبند کے اجلاس میں شرکت کی۔ افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم کے ۱۱۷/سالہ دور کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ خطبہ استقبالیہ، اخبارات و رسائل میں مفصل شائع ہوا ہے۔

اجلاسِ صد سالہ

دارالعلوم دیوبند کے قیام کو اس وقت تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ مدارس دینیہ

عربیہ کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ ہر سال اپنے فضلاء کو ڈگری دینے کے ساتھ ان کی دستار بندی یعنی ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ طالب علم اب پڑھانے کے قابل ہو گیا ہے اور اس کے اساتذہ اس طالب علم کی نیک چلنی پر مطمئن ہیں۔ دار العلوم میں پچھلے ڈیڑھ سو سال میں تین دفعہ اس قسم کی تقریبات منعقد ہوئی ہیں۔ جن میں فضلاء دار العلوم کی دستار بندی کی گئی۔

سب سے پہلے جلسہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کرام کی دستار بندی کی گئی تھی اور دوسرے جلسے میں جو کہ اس کے ۲۵؍ سال بعد ہوا تھا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے مشاہیر علماء کی دستار بندی کی گئی تھی۔ ان دو جلسوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مرحوم کی سعی و کاوش سے ان کے آخری دورِ اہتمام میں مارچ ۱۹۸۰ء میں فضلاء دار العلوم دیو بند کی دستار بندی کے لیے یہ صد سالہ تقریبات منعقد کی گئی تھیں۔ جس میں تقریباً ۱۷؍ ہزار افراد کو سندِ فضیلت دی گئی اور ان کی دستار بندی کی گئی۔

یہ تقریبات ۲۱؍ مارچ تا ۲۳؍ مارچ تین روز تک جاری رہیں اور ان صد سالہ تقریبات دار العلوم دیو بند میں تمام ممالک اسلامیہ سے فضلاء دیو بند اور دیگر معزز حضرات اور علماء کرام، نمائندگانِ حکومت اور سفراء عالم اسلام نے شرکت کی اور بڑے بڑے ممالک اسلامیہ کے سربراہوں کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

تقریبات کی ابتداء پاکستان سے اسپیشل ٹرین کے پہنچنے پر ہوئی۔ پاکستان سے ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل ایک اسپیشل ٹرین جس کی قیادت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا عبد القادر آزاد صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات علماء نے کی۔

صبح ۶؍ بجے دیو بند کے اس نئے اسٹیشن پر پہنچی جو پنڈال کے سامنے ان تقریبات کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسپیشل ٹرین کو لاہور میں کسٹم اور امیگریشن اور محکمہ صحت کے عملے نے بہت گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا تھا، اس اسپیشل ٹرین کا استقبال دار العلوم دیو بند کے منتظمین اور اہل دیو بند نے بڑے پُر تپاک انداز میں کیا۔

۲۰؍ مارچ کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں سے اسپیشل ٹرینیں آدھ آدھ گھنٹہ بعد دیو بند آتی رہیں اور شام تک دیو بند کا ہر حصہ علماء کرام اور دوسرے لوگوں سے بھر چکا تھا۔ ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ لوگوں کی رہائش کے لیے پنڈال کے ارد گرد خیمے لگائے گئے تھے اور ہر ملک کے لیے الگ الگ خیمے تھے

اور وہاں پر رہائش کا اچھا انتظام کیا گیا تھا۔

۲۱؍مارچ تقریبات کے پہلے روز سب سے پہلے صبح نو بجے ہندوستان کے محکمۂ ڈاک نے اسی صدسالہ تقریبات کے لیے جو ٹکٹ جاری کیا تھا اس کی خریداری کا افتتاح کیا اور ڈاک خانے کے بڑے افسر نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے لیے ٹکٹوں کا پیکٹ بطور تحفہ پیش کیا اور اس کے بعد اس ٹکٹ کی فروخت دارالعلوم دیوبند اور پنڈال کے قریب بنے ہوئے ڈاک خانہ میں شروع کی گئی اور چند ہی گھنٹوں میں اس ٹکٹ کا اسٹال مکمل طور پر ختم ہو گیا۔

۲۱؍مارچ بروز جمعہ پنڈال ہی میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پنڈال اتنا بڑا بنایا گیا تھا کہ اس میں تقریباً دس لاکھ افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اسٹیج بھی بہت بڑا بنایا جس میں تقریباً تین ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اسٹیج پر کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ پنڈال میں سب سے آگے صحافیوں کے لیے میز کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ نماز جمعہ میں تقریباً انیس بیس لاکھ افراد نے شرکت کی اور اتنا بڑا ہجوم تھا کہ تمام پنڈال اور اس کے اردگرد اور تمام وہ شامیانے جو لوگوں کے قیام کے لیے بنائے گئے تھے نمازیوں سے بھر گئے تھے اور پھر بھی بہت سارے لوگ رہ گئے جنھوں نے اپنی نماز کا الگ انتظام کیا۔

واضح رہے کہ دیوبند کی تمام مساجد اور دارالعلوم کی بڑی مسجد میں بھی جمعہ کا انتظام حسبِ سابق تھا۔ پنڈال میں جمعہ کی نماز کی امامت کے فرائض حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انجام دیے اور نماز کے بعد اتنے بڑے اجتماع نے اسلام کی سربلندی اور عالم اسلام کی خوشحالی اور اجتماع کی کامیابی کے لیے دعا کی۔

عجیب منظر تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، علماء، مشائخ، صوفیا اور عوام ہر قسم کے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے اور اپنے عجز کا اظہار کر رہے تھے۔ اسی عاجزی اور آہ وزاری کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سہ روزہ اجتماع کامیاب کیا اور اتنے بڑے ہجوم میں کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اور نہ ہی کسی شخص کو کسی قسم کی پریشانی ہوئی۔

نماز جمعہ کے بعد پہلے اجلاس کا آغاز مصر کے مشہور قاری عبدالباسط عبدالصمدؒ کی تلاوتِ پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ نے خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔

ذیل کا خطبہ اردو کے ساتھ عربی متن بھی پیش کیا جاتا ہے۔

انھوں نے فرمایا کہ:

خطبہ کا ترجمہ

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفیٰ و بعد.

صدر محترم! حضرات گرامی علمائے کرام، مہمانان عظام ومعزز حاضرین!

ہم اس ایمانی اور تاریخی اجتماع کے موقع پر جو برصغیر کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی بین الاقوامی تعلیم گاہ ''جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند'' میں بین الاقوامی انداز میں منعقد ہو رہا ہے جس میں تقریباً تمام اسلامی ملکوں کے فضلاء اور اربابِ دانش جمع ہیں سب سے پہلے حق جل مجدہٗ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس چھوٹی سی بستی میں ایسی بڑی بڑی ہستیوں کو یکجا کر کے ایک دوسرے کی زیارت وملاقات، ربطِ باہمی اور اسلامی اخوت ومودت کو تازہ بتازہ کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم اس موقع پر غیر معمولی مسرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آئے ہوئے یہ کبرائے ملت ہم غربائے امت کے کندھوں سے کندھا ملائے بیٹھے ہوئے نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ دلوں سے دل ملا کر اسلامی اخوت، مساوات اور مودتِ باہمی کا عملی ثبوت پیش کر رہے ہیں جو محض فضل خداوندی اور انعام ربانی ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ **فللّٰہ الحمد.**

ہم بصمیم قلب دعا گو ہیں کہ اہل علم کی ہمت افزائی اور ملّت اسلامیہ کی عزت افزائی کے لئے آپ حضرات اس سرزمین علم پر بار بار قدم رنجہ فرمائیں۔ آمین

شکر وسپاس

اس کے بعد میرا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ یہ ہے کہ میں بحیثیت خادم جامعہ اپنی مجلس شوریٰ، اپنے ادارہ کے اساتذہ، شیوخ، طلبۂ عزیز، فضلاء گرامی، مسلمانانِ ہند، جمیع کارکنان ادارہ اور بالخصوص اجلاس صدسالہ کے مخلص کارکنوں کی طرف سے آنے والے مہمانانِ کرام کا شکریہ ادا کروں، جنہوں نے مشرق ومغرب کے دور دراز سفروں کی صعوبتیں جھیل کر محض اللہ کے لئے اس بین المِلّی اجتماع میں شرکت فرمائی۔

بلاشبہ یہ اسلام ہی کی جامعیت اور اجتماعیت کا کرشمہ ہے کہ ہم جیسے غرباء ان کبرائے قوم اور عظمائے ممالک کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں اور ان کے پُر از مودت واخوت چہروں کی چمک دمک سے اپنی آنکھوں

کا نور اور دلوں کا سرور بڑھا رہے ہیں جس میں علماء و عرفاء بھی ہیں اور اصحابِ حدیث و تفسیر بھی، اربابِ فقہ و اصول بھی ہیں اور دانایانِ فلسفہ و کلام بھی، علوم شریعت کے شیوخ بھی ہیں اور علومِ جدیدہ کے دانشور بھی، عمائدین ملک و ملت بھی ہیں اور زعماء ممالک و اقوام بھی جن میں سے ایک ایک فرد ایک مستقل یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے اور اپنی مؤقر خدمات سے انسانیت کے لئے رہنما تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کس زبان سے اور کن الفاظ میں ان جلیل القدر ہستیوں کا شکریہ ادا کریں جس کے الفاظ تو جذبۂ امتنان و منت پذیری سے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں لیکن ان ہستیوں کی بلند مکانی تک صد ہزار کوششوں کے باوجود نہیں پہنچ سکتے۔

داماںِ نگہ و تنگ گلِ حسن تو بسیار

ہم زبان و بیان بلکہ زمین و آسمان سے بھی زیادہ وسعت رکھنے والے اور ایمانی تقاضوں اور روح اسلامی سے مملو پر خلوص جذباتِ تشکر کو دعائیہ تعبیر میں آپ حضرات کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں ہے کہ: ”جزاکم اللّٰہ فی الدارین خیرا و أبقاکم فی عز علی الدوام“ آمین

دیوبند ایک تاریخی اور مرکزی بستی

حضراتِ محترم!

یہ بستی (دیوبند) جس میں آپ سب حضرات جمع ہیں، بہت پرانی اور قدیم الایام بستی ہے، تاریخوں سے تقریباً ڈھائی تین ہزار سال تک اس کی آبادکاری کا پتہ چلتا ہے، قدیم زمانہ سے یہ بستی برادرانِ وطن کی ایک زبردست تیرتھ گاہ ہونے کی وجہ سے (جو ”دیوی کنڈ“ کے نام سے معروف ہے اور اس پر آج بھی سالانہ میلہ لگتا ہے) مرکزیت کی حامل ہے، اس دیوی کنڈ ہی کے نام پر اس بستی کا قدیم نام ”دیبی بن“ تھا جو کثرت استعمال سے ”دیوبند“ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس چھوٹی سی بستی میں جس میں مسلمانوں کی تعداد و مساجد شاہی زمانوں کی یادگاریں ہیں، آدینی مسجد (یعنی قدیم جامع مسجد) پانچ سو سال اور ایک روایت کے مطابق آٹھ سو سال پرانی ہے، جس کے سنگین کتبہ پر بہلول شاہ ثبت ہے۔ مسجد خانقاہ عہد اکبری کی یادگار ہے، مسجد سرائے پیرزادگان عہدِ جہاں گیری کے آثار میں سے ہے۔

یہ بستی شمالی ہند میں ۲۹ درجہ ۵۸ دقیقہ عرض البلد اور ۷۷ درجہ ۳۵ دقیقہ طول البلد دہلی سے ۹۲ میل شمالی جانب صوبۂ یوپی میں واقع ہے، شیر شاہی شاہراہ اعظم جو پشاور سے کلکتہ تک چلی گئی ہے، اس بستی سے ہو کر

گزرتی ہے، اس بستی میں قدامت کے ساتھ مرکزیت کی شان بھی پہلے ہی سے موجود تھی، لیکن قدرت کو اس رسمی مرکزیت سے شرعی مرکزیت کا کام لینا تھا اور اس جگہ سے علم کا ایک ہمہ گیر چشمہ جاری کرنا تھا جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کو بھی علوم نبوت سے سیراب کرے۔

روشن ضمیر اہل دل اس کی پیشین گوئیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے (جس کی تفصیل ''تاریخ دارالعلوم'' میں دی گئی ہے) ان پیشین گوئیوں کے مطابق یہ بستی عالموں، فاضلوں، قادرالکلام ادیبوں، آزادی کے جاں باز مجاہدوں اور دینی میدان کے سرفروشوں کی بستی بننے والی تھی، یا بہ اسباب ظاہرہ یہاں کی قدیم مساجد کی اذانوں اور تکبیروں، ذکر و تلاوت کی محفلوں اور نمازیوں کے جمگھٹوں کی برکات کا ظہور دینی رنگ میں ہونے والا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کا پس منظر اور اسبابِ تاسیس

وقت آیا تو ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ رست وخیز کے بعد اس بستی کا نیا دور شروع ہوا اور یہاں علمی و عرفانی زندگی کا ستارہ طلوع ہوا، جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ میں جا چکی تھی، اسلامی شوکت کے چراغ میں صرف دھواں اٹھتا ہوا رہ گیا تھا جو چراغ کے بجھ جانے کا اعلان تھا، دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ رو بہ زوال تھے، دینی تعلیم گاہیں اور علمی خانوادے اجڑ چکے تھے، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا، جہالت و ضلالت کی گھٹائیں اُفق ہند پر چھا چکی تھیں، سنن انبیاء کی جگہ جاہلانہ رسوم و رواجات، مشرکانہ بدعات و خرافات اور ہوا پرستی زور پکڑتی جارہی تھی جس سے دہریت والحاد، فطرت پرستی، آزاد فکری، بے قیدی نفس اور فضولیت کی وبا پھوٹ پڑی تھی، چمنِ اسلام میں خوش آواز پرندوں کے زمزموں کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی، مسلمان مضطرب و بے چین اور مایوسی کا شکار تھے، علماء کے لئے پھانسیوں کے پھندے تھے یا جلاوطنی کے مصائب، اس وقت چند نفوس قدسیہ نے منور قلوب میں یہ خلش اور کسک محسوس کی کہ ستم رسیدہ مسلمانوں کے ملّی وجود کے تحفظ اور علوم نبوت اور اسلامی معاشرے کو بچانے کی کیا صورت اختیار کی جائے اور ان میں شعور اور ایمان دارانہ سیاسی فکر کو حیاتِ نو کس طرح بخشی جائے تو یہ صلحائے امت کمر ہمت باندھ کر میدان میں آئے جو رسمی قسم کے لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے جو غیبی اشارے کے تحت کھڑے ہوئے اور آگے بڑھے جن کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھ کر اسے اس تجویز کی صورت دی کہ ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے اور اس کی تعلیم و تربیت اور علم وعمل کے ذریعہ ڈوبتے ہوئے

مسلمانوں کو سہارا دے کر دلوں کی مردہ زمینوں کو زندہ کیا جائے۔

چنانچہ ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء کو تعلیمی رنگ میں عالمگیر احیاءِ دین کی تحریک کا یہ پودا چھتہ مسجد میں (جو آپ حضرات کی نگاہ میں آچکی ہے) ایک انار کے درخت کے نیچے صرف دو آدمیوں کے ذریعہ نصب کیا گیا، دونوں کا نام محمود تھا، ایک محمود معلّم تھا اور ایک محمود متعلّم جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے معروفِ زمانہ ہوا۔ اس وقت نہ اس گمنام مدرسہ کے پاس اپنا کوئی مکان تھا نہ مکان بنانے کا سرمایہ نہ پروپیگنڈہ تھا نہ اشتہار و اعلان کا تخیل، صرف توکل علی اللہ کا سرمایہ تھا جس کی تلقین اور تاکید خود بانیٔ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے ہشت گانہ اساسی اصول میں بار بار بشد و مد کی گئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند احیائے دین کی عالمگیر تحریک

غور کرنے کی بات ہے کہ جس طرح ہندوستان سے اسلامی شوکت ختم ہوجانے کا حادثہ محض مقامی یا محض ملکی قسم کا نہ تھا بلکہ عالمی رنگ کا تھا، جس کے دوررس اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑے، چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان کی غلامی کتنے ہی ملکوں اور ریاستوں کی غلامی پر منتج ہوئی، اسی طرح ایمانی اور علمی رنگ میں احیاءِ دین کی یہ تحریک جو ''محمودَین'' سے شروع ہوئی، ابتداءً محض ایک ضعیف کونپل کی صورت میں نمودار ہوئی مگر اہلِ نظر کی نظر میں اس کونپل بلکہ اس کے تخم ہی میں ایک تناور درخت شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا محسوس ہو چکا تھا، جس کے شیریں ثمرات سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک بھی بہرہ مند ہونے والے تھے اور وہ دین کی نشأۃِ ثانیہ کا مصدر و منشاء بننے والا تھا۔

اس لئے جہاں غلامی کے رنگ میں اس ملک کی تخریب عالمی تھی وہیں تعلیمی رنگ میں تعمیری تحریک بھی بانیٔ اعظم کے فکر پر عالمی ہی رنگ سے اٹھی، جو نہ صرف علم دین کے لحاظ سے ہی عالمگیر ہوتی چلی گئی بلکہ قومی اور ملکی مفادات کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ثابت ہوئی، تا آں کہ اسی تحریک کے پروردوں نے جہاں سو برس بعد غلام ہندوستان کو آزاد کرایا وہیں اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر جو ممالک اور ریاستیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ آزادی کا سانس لینے لگے، تخریب اگر عالمی انداز کی تو اس کے ردعمل کے طور پر یہ تعمیر بھی عالمی ہی انداز سے ابھری، جس کا علمی و عملی فیضان چند ہی سال میں ایشیاء سے آگے بڑھ کر افریقہ تک پھیل گیا اور آج یورپ و امریکہ تک بھی اس کی شعاعیں پہنچ چکی ہیں۔ ان ساری آزادیوں کا خاموش رہنما بھی جامعہ دارالعلوم دیوبند تھا، جس کے فضلاء نے درس و تدریس کے ساتھ مختلف قومی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اتر کر تحریکات کے ذریعہ اس ملک میں آزادی کی روح پھونکی اور ۱۸۵۷ء ہی سے

پھونکنی شروع کر دی تھی، جبکہ ملک کے دوسرے حلقے سراسیم اور خاموش تھے یا خوشامد میں لگے ہوئے تھے، ان بزرگوں نے غاصب انگریز کا مقابلہ ابتداءً آہنی تلوار سے کیا، پھر امن اور علم کی ناقابلِ شکست طاقت سے نبرد آزما ہوئے اور علمی رنگ سے یہ جذبات دوررس ثابت ہوئے اور آزادی کی لہریں دور دور تک پھیلیں جس سے اس جامعہ کے مؤسسین، فضلاء اور روشن ضمیر حلقوں کی سنہری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

جامعہ دار العلوم کا بنیادی اور ہمہ گیر مقصد

اس مرکزی جامعہ کی تعلیم کا اساسی مقصد کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم وترویج اس کی علمی تمرین اور عمومی اشاعت وتبلیغ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعصب آمیز منافرتوں کا استیصال کر کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے، تاریخ اس پر شاہد ہے کہ بحیثیت مکتبِ فکر اس درسگاہ نے ہر اسلامی طبقہ کی طرف موانست ومحبت کا ہاتھ بڑھایا اور بحیثیت جامعہ اس نے اپنا تعلیمی نصاب ایسا جامع رکھا کہ کوئی بھی اسلامی طبقہ اس سے باہر نہ رہ سکے، نصاب میں حفظ قرآن سے لے کر تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، بلاغت و بیان، حقائق و اسرار اور ان منقولات کے ساتھ علوم معقولہ منطق فلسفہ، ریاضی ہیئت، عوارض وقافیہ مناظرہ اور اختیاری فنون، مبادی سائنس معلومات عامہ، علم طب، صنعت وحرفت اور خوشخطی وغیرہ نصاب درس میں شامل کیں تاکہ کوئی بھی علمی، عملی، اخلاقی اور صنعتی طبقہ اس اجنبیت کو محسوس نہ کرے اور نہ صرف یہی بلکہ علم دین کے ہر بنیادی شعبے کو اس جامعہ میں ایک مستقل مدرسہ وکلیہ کی حیثیت وصورت دی گئی ہے جیسے مدرسۃ القرآن، مدرسۃ التجوید، مدرسۂ فارسی وریاضی، کلیۃ الطب، کلیۃ الصنائع، کلیۃ اللغۃ العربیہ اور کلیۃ الفقہ والافتاء وغیرہ۔ اس طرح اس درسگاہ نے ایک مذہبی یونیورسٹی اور جامعہ کی صورت اختیار کر لی اور الحمد للہ ہر ہر فن کے متخصص تاحال اس سے ۱۶ر ہزار تیار ہو چکے ہیں اور جامعہ سال بہ سال مائل بہ ترقی ہے۔ ان ۱۶ر ہزار فضلاء کی تعداد میں مدرسین بھی ہیں اور مبلّغین بھی، خطباء بھی ہیں اور مقررین بھی، زعماء بھی ہیں اور مصلحانِ روحانی بھی، فضلاء دار العلوم کی مذکورہ ۱۶ر ہزار تعداد بلاواسطہ ہے اور بالوسائط ان فضلاء کو بھی شمار کیا جائے جو فضلائے دیوبند کے تیار کردہ ہیں تو یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس علمی گہوارہ کے لاکھوں لاکھ مستفیدین نہ صرف برِّصغیر میں بلکہ ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ تک میں بیش بہا دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد حضرت بانئ دار العلوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز اور جملہ بزرگانِ دیوبند کی سب سے بڑی سیاست ہی یہ تھی کہ دینی تعلیم گاہیں قائم کر کے مسلمانوں کو سنبھالا

جائے، چنانچہ حضرت الامامؒ بانی دارالعلوم نے دیوبند کے علاوہ بھی جگہ جگہ بنفس نفیس پہنچ کر دینی درسگاہیں قائم کیں اوراپنے متوسلین کوخطوط بھیج بھیج کر بڑی تعداد میں مدارس قائم کرائے، دارالعلوم دیوبند کے منہاج پراور قاسمی فکر سے وابستہ معاہد و مدارس دینیہ ہی برصغیر میں درحقیقت دین کی بقاء وتحفظ کا ذریعہ ثابت ہوئے اور ہورہے ہیں، اس طرزِ فکر کی کامیابی پر گزشتہ صدی کے ایک ایک دن اور ایک ایک رات نے مہرتصدیق ثبت کی ہے اور آج بحمداللہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں دیوبند مکتب فکر کے ہزاروں مدارس موجود ہیں جن میں یہی علماء دیوبند علمی، تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں کہ تعلیم وتربیت کے بغیر تحفظ دین اور اتباعِ سنتِ نبوی کے راستے پرمسلمانوں کو چلانے اور قائم رکھنے کی اور کوئی صورت نہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا بنیادی مقصد تعلیم اورتربیت اخلاق ہی ظاہر فرمایا ہے۔

انما بعثت معلما اوربعثت لاتمم مکارم الاخلاق. او کما قال علیه الصلوٰۃ والسلام.

یعنی احکام کاتعلق تعلیم سے ہے جو حدیث اوّل کا مفاد ہے اوراحکام کے مطابق زندگی گزارنے کا تعلق تربیت اورتزکیۂ اخلاق سے ہے جو دوسری حدیث کا مفاد ہے، اس لئے علمائے دارالعلوم نے انہی دونوں چیزوں کواپنی زندگی کا بنیادی مقصد ٹھہرایا اور کامیابی کے ساتھ یہ منازل طے کیں۔ **ترکت فیکم الدین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ و سنۃ رسولہ.** (ابن ماجہ شریف)

دارالعلوم کی تصنیفی خدمات

اس مکتب فکر کا دوسرا سلسلہ تصنیف وتالیف کا ہے تو اس سلسلے میں بھی علمائے دیوبند کے قلم حقیقت رقم نے پانچ ہزار سے زائد تصانیف کا عظیم الشان ذخیرہ اردو، فارسی، عربی اورانگریزی میں جمع کیا جو برّصغیر کے ہراسلامی مکتب فکر سے بدرجہا زائد اور وقیع ہے۔

تصنیف وتالیف کا سلسلہ آغازِ دارالعلوم ہی سے شروع ہوگیا تھا، خود حجۃ الاسلام حضرت بانیٔ اعظم مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تصانیف ۲۵ر سے زائد ہیں، جن میں علم کلام، عقائد اورفقہیات وغیرہ کوعقلی اورحسی دلائل سے مبرہن کیا ہے اوران کے بعدان کے تلامذہ نے اس سلسلے کونہر سے بحر بنادیا۔ دارالعلوم کے مشہور مصنفین جنہوں نے فنون دینیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، احسان، اجتماعیات، سیاسیات، تاریخ اور سیرت وغیرہ میں تصنیفی خزانہ جمع کیا ہے ان میں سرِ فہرست نام حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا آتا ہے جن کی تصانیف کا عدد ایک ہزار تک پہنچا ہوا ہے جو موصوف نے ہرعلم وفن میں، نثر ونظم میں، عربی فارسی اور

اردو میں مدوّن فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ محدث گوجرانوالہ پاکستان، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و محدّث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ محدّث دارالعلوم دیوبند، پھر ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الاسلام، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ''صاحبِ فتح الملہم''، حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ محدّث مدرسہ امینیہ دہلی وصدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ مدیر رسالہ ''القاسم'' و''الرشید'' دیوبند، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ محدّث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ محدّث دارالعلوم دیوبند، پھر حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ، مدیر برہان دہلی، مولانا منظور نعمانی صاحب مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب، نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے حقیر ترین تلامذہ میں یہ احقر راقم السطور بھی شامل ہے، جس کی تصنیفات سو سے اوپر ہیں، اس کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ کے تلامذہ میں مولانا عبدالحق صاحب بانیٔ دارالعلوم اکوڑہ خٹک پاکستان، مولانا سید محمد میاں صاحبؒ محدّث مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ، سربراہ مدرسہ رحمانیہ مونگیر، بہار وغیرہ اور ہزاروں وہ فضلاء ہیں جن کے قلم سے ہزارہا تصانیف وجود میں آئیں اور اس طرح تصنیف کے سلسلہ میں بھی یہ مکتبِ فکر برصغیر کے تمام مکاتبِ فکر سے آگے اور ممتاز ہے، جس نے دین کے ہر ہر گوشے کو اجاگر کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کو علمی رنگ میں دنیا کے سامنے رکھا۔

ساتھ ہی دارالعلوم محض ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ ایک عملی تربیت گاہ بھی ہے جہاں علم کے ساتھ عملِ صالح، اخلاقِ فاضلہ اور کثرتِ ذکر کی روح بھی طلبہ میں پھونکی اور پیوست کی جاتی ہے، اس ادارہ میں حسن سلوک واحسان کے تحت شخصی تربیت کے علاوہ اصولی اور علمی طور پر بھی فن کے مسائل کو کتاب وسنت سے واشگاف کر کے اس مصنوعی تصوف پر کاری ضرب لگائی ہے جو فی زمانہ بنام تصوف چند بندھی جڑی رسوم و بدعات ومحدثات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے، اس لئے یہاں سے پڑھ کر نکلنے والوں میں علم کے ساتھ عزتِ

نفس، وقار، استغناء اور خودداری کے ساتھ خاکساری، تواضع، زہد وتقویٰ اور صلاح ورشد کی روشنی بھی راسخ ہوتی ہے، جو اس کے فروعی مدارس میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند برصغیر کے مدارس و جامعات میں ام الجامعات ہے، اس لئے اسے ازہر الہند بھی کہا جاتا ہے، جس کے فیضان سے ہزارہا مدارس ومعاہد چل رہے ہیں اور لاکھوں کے قلوب میں ایمانوں کی حفاظت ہورہی ہے اور بے شمار افراد طریقِ سنت پر لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس دور کی عقلیت پسندی اور خوگری محسوسات چوں کہ نقلیات دین کے ماننے میں حارج ہوتی تھی، اس لئے انہی فضلائے دارالعلوم دیوبند نے قاسمی رنگ سے متکلمانہ انداز کی بھی سینکڑوں تصنیفیں سطح پر لا رکھیں، جس سے نام نہاد عقلی شکوک وشبہات، تمدنی تاویلات اور معاشی تحریکات کا پردہ یکسر چاک ہوگیا، ان فضلاء گرامی کو اگرچہ دستار وسند تو آج دی جارہی ہے لیکن بہت پہلے سے اپنی خدمات و تعلیمات سے خود سند ومستند ثابت ہو چکے ہیں۔

جامعہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی امتیاز

اس دارالعلوم میں خصوصیت سے تدریس حدیث پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے، جو قرآن حکیم کی اوّلین تفسیر اور فقہ اسلامی کا اوّلین سرچشمہ ہے، اس لئے فن حدیث کی تکمیل سے قرآن مبین اور فقہ فی الدین دونوں کے سمجھنے کی صحیح استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اس کے نصاب کا اساسی حصہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، بلاغت و معانی، ادب عربی اور صرف ونحو ہے، بقیہ فنون بطور مبادی اسباب یا بطور آثار ونتائج پڑھائے جاتے ہیں۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند

اس دارالعلوم کا سلسلۂ سند اساتذۂ دارالعلوم سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ تک اور ان سے سند متصل کے ساتھ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے، دارالعلوم کی جماعت خالصۃً اہل سنت والجماعت ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت اور فقہ ائمہ پر قائم ہے، اس کا اصلِ اصول توحید اور عظمتِ رسالت ہے جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے، اس کے ذوق پر تمام مسائل میں اوّلین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، اس لئے فضلائے ادارہ کتاب وسنت کی مرادات اقوال سلف سے، ان کے متوارث تعامل وذوق کی معرفت کے ساتھ اساتذہ وشیوخ کی تربیت وصحبت اور معیت وملازمت سے حاصل کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ مکتبِ فکر عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین کو بھی فہم کتاب وسنت کا ایک اہم ترین رکن قرار دیتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم کا انتظامی طریقۂ کار

انتظامی حیثیت سے اس دارالعلوم کی تعلیمات وانتظامات کی نگران اعلیٰ ایک مؤقر مجلس شوریٰ ہے جس میں ملک کے مقتدر علماء وارباب فکر ونظر فضلاء شامل ہیں، جن میں بعض بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، ادارۂ اہتمام مجلس شوریٰ کا نمائندہ اور معتمد ہے جو ادارہ کا انتظام سنبھالتا ہے، اس مرکزی ادارۂ اہتمام کے تحت چوبیس انتظامی شعبے ہیں، ساٹھ اساتذہ اور دوسو سے اوپر شعبہ جاتی عملہ ہے جو تقسیم کار کے اصول پر کام کرتا ہے، ان تمام شعبوں کا حقیقی مقصد اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات کی تکمیل اور نظام تعلیم کی استواری ہے، جس پر سالانہ تیس لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے، جس کی تکمیل کا شعبۂ محاسبی ذمہ دار ہے، اس کے ذریعہ ہر سال میزانیہ تیار ہوکر مجلس شوریٰ سے منظور کرایا جاتا ہے اور اسے باضابطہ آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔

ملّی اور اجتماعی دائروں میں جامعہ دارالعلوم کی تاریخی خدمات

اسی کے ساتھ دارالعلوم کی سرگرمیاں محض درس وتدریس تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس نے قومی اور سیاسی معاملات میں بھی اندرون حدودِ شرعیہ بڑھ چڑھ کر قائدانہ حصہ لیا اور لے رہا ہے اور اس کے اکابر کے کارنامے بھی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ نے جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو نقش اپنے پاکیزہ لہو سے کھینچا تھا وہ ہر وقت علماء دیوبند کے سامنے ہے۔

۱۸۵۷ء میں حضرت نانوتویؒ بانی اعظم دارالعلوم اور حضرت قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست اعظم دارالعلوم نے شاملی کے میدان میں تلوار اٹھائی اور انگریزوں سے جنگ کی۔ حضرت نانوتویؒ مجاہدین کے قائد تھے، پھر ان کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اسی قیادت کو لے کر اٹھے اور آزادیٔ ہند کے لئے وہی ۱۹۱۵ء کی ریشمی خط کی انقلابی تحریک کے قائد تھے جس کا مرکز افغانستان تھا اور کثیر التعداد سینٹر مختلف ملکوں میں قائم تھے، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاریؒ، مولانا سید احمد صاحب مدنیؒ جیسے سرفروش مجاہدان کے دست راست تھے، اس راہ میں ہزاروں شہید ہوئے، ہزاروں غازی بنے، خود حضرت شیخ الہندؒ پانچ سال تک فرنگی قید میں مالٹا رہے اور رہا ہونے کے بعد ہندوستان پہنچ کر اسی جوش جہاد سے جمعیۃ علماء ہند کی سرپرستی فرمائی اور آپ کے بعد یہ جماعت فضلاء دارالعلوم ہی کے تحت مصروف خدمت رہی۔ ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور پھر ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں دیوبند کے کتنے ہی علماء نے قائدانہ حصہ لیا، یہ اسی موروثی جذبہ اور عمل کا اثر تھا کہ جب ملک

معظم عبدالعزیز آل سعود نے جزیرۂ عرب میں اسلامی حکومت کا پرداز ڈالا تو علماء دیوبند نے سب سے پہلے اس کی حمایت کی اور دیوبند سے متعدد علماء اس کی تائید کے لئے سفر کر کے حجاز پہنچے، اسی طرح ماضی قریب میں جب بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کی تحریک اٹھی تو صہیونی اور برطانوی سامراج کے خلاف علماء دیوبند ہی کا فتویٰ سب سے پہلے صادر ہوا اور ان مسائل میں دارالعلوم ہی نے تمام مسلمانوں کو اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک محاذ پر جمع کیا اور اجتماعی احتجاج عمل میں آیا۔

اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم اور انہیں پسماندہ ومتفرق کرنے کے لئے جب نزاعی مسائل کھڑے کئے گئے تو ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے بھی فضلاء دیوبند آگے بڑھے، چنانچہ مسلمانوں میں تنظیمی اور طبقاتی اتحاد پیدا کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت قائم کی گئی جس کی سربراہی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ فاضل دیوبند رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کر رہے ہیں، اس لئے اگر دارالعلوم کی یہ خواہش ہو کہ عالم اسلام کے رہنما، تعلیمی، علمی، تمدنی اور اجتماعی میدانوں میں علماء دیوبند اور مسلمانانِ ہند سے تعاون کریں تو اس کی ہمہ جہت روشن تاریخ کی روشنی میں یہ خواہش یقیناً بجا اور برمحل ہوگی۔ حاصل یہ کہ جب بھی کوئی سیاسی فتنہ اٹھا جس سے مسلمانوں کے اجتماعی یا مذہبی معاملات کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوا تو علماء دیوبند نے بیرون ملک بھی اس کے سد باب میں وہی پامردی دکھلائی جو اندرون ملک ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

جامعہ دارالعلوم اور باطل تحریکات کا مقابلہ

انگریزی حکومت کے ایماء سے اس ملک میں بہت سی گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں جن کے ذریعہ یہاں کے باشندوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو راہِ راست سے ڈگمگانے کی کوششیں کی گئیں مگر دارالعلوم دیوبند اور اس کے فضلاء نے پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بحمد اللہ ان کوششوں کی بدولت مسلمان انگریزی حکومت کی دسیسہ کاریوں سے بہت حد تک محفوظ رہے، بعض باطل پسندانہ تحریکات حضرت بانیٔ اعظمؒ کی حیات میں بڑے طمطراق کے ساتھ میدان میں آئیں اور ان کی جانب سے اسلامی احکام ومسائل پر جاہلانہ اور غلط اعتراضات کی بوچھار کی گئی، لیکن حضرت بانی دارالعلوم اور پھر اُن کے تلامذہ نے مناظروں اور تصانیف کے ذریعہ ان کے برخلاف ایک مضبوط بندھ باندھ کر انہیں ختم کر دیا۔

انکار حدیث کا فتنہ ابھرا تو انہیں فضلائے دیوبند نے جیسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی،

حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور راقم الحروف نے نہایت مدلل کتابیں تالیف کرکے اس کا سدّ باب کیا، اسی طرح قادیانیت اور دوسرے طریقوں سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند نے پچاس سے زیادہ فضلاء اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتار کران مکروہ سازشوں کا قلع قمع کیا، فقہیات اسلامی میں مداخلت کا فتنہ اٹھا تو دارالعلوم ہی نے قضاء شرعی قائم کرنے کی تحریک اٹھائی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم خامس دارالعلوم نے پانچ سو علماء کے دستخطوں سے برطانوی حکومت کے سامنے محکمہ قضاء شرعی کا مطالبہ پیش کردیا، جس سے یہ باطل تحریک مضمحل ہوگئی، ابھی ماضی قریب میں دوبارہ اس تحریک نے ترمیم فقہ کا روپ اختیار کیا اور عائلی قوانین اور فقہ میں ترمیم کرنے کی آوازیں بلند ہوئیں تو دارالعلوم ہی کی تحریک پر بمبئی میں تمام مسلم فرقوں کا کنونشن بلایا گیا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہوا، جس کی صدارت بالاتفاق مہتمم حال دارالعلوم دیوبند کے سپرد کی اور بورڈ کی متحدہ احتجاجی آواز پر حکومت نے اعلان کیا کہ وہ خود مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم نہیں کرے گی۔

غرض برصغیر میں جامعہ دیوبند کے ان علماء ربانیین اور فضلاء صالحین نے درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ مذہبی اور دینی فضاء کو مکدر اور زہر آلود نہیں ہونے دیا بلکہ قلوب اور دماغوں کو جلا بخشنے کے لئے مدلل تحریر و کتاب اور تقریر و خطاب کے ذریعہ ایک زبردست پشتہ بنا کر ان سیلابوں پر بند باندھ دیا۔ اس طرح برصغیر کے مشرکانہ ماحول میں اس نے دین توحید کو اس کی اصلی صورت میں قائم و برقرار رکھا ہے اور آج یہ جامعہ اس بین الاوطانی اجتماع میں اپنی خدمات پر ایک بڑی حسی دلیل کے طور پر اپنے ان ہزاروں فضلاء کو پیش کرنے میں شکر آمیز فخر محسوس کر رہا ہے جن کی خدمات سے اطرافِ عالم میں دین پھیلا اور پھیل رہا ہے۔

عصری بین الاقوامیت کے تقاضے

یہ علمی اور عملی ثمرات اس وقت کے ہیں جب کہ دنیا پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک کا دائرہ عمل اپنی ہی حدود تک محدود رہتا تھا، لیکن آج وسائل نقل و حمل اور ذرائع علم و خبر کے وسیع تر ہوجانے کے سبب یہ پوری دنیا سمٹ کر ایک عائلہ اور قبیلہ بن چکی ہے اور کوئی بھی ملک محض اپنی داخلی سیاست سے اپنا کام نہیں چلا سکتا، جب تک کہ اس کے روابط دوسرے تمام ممالک سے مستحکم نہ ہوں، اسی لحاظ سے آج دنیا کے سارے ممالک ملک واحد بن چکے ہیں اور پوری دنیا ایک نقطہ پر آگئی ہے، اس لئے سیاسی امور ہوں یا انتظامی، سب بین الاقوامی رنگ ہی میں نمایاں ہو رہے ہیں، اس لئے ہمیں بھی مقامیت سے آگے بڑھ کر

بین الاقوامیت کے دائرہ میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، گو دارالعلوم کا مزاج ابتداء ہی سے بین الاقوامی ہے، اس نے قومی اور بین الاقوامی اسلامی تحریکات و اجتماعات میں بھی شرکت سے کبھی گریز نہیں کیا، مؤتمر عالم اسلامی مصر، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مؤتمر السیر ت والسنہ، دوحہ وقطر، مؤتمر الجغرافی فی ریاض، ریاض میں اس کے نمائندگان نے شرکت کی اور اب اس اجلاس صد سالہ کے تعارف کے سلسلہ میں بھی دارالعلوم نے اپنا وفد کویت، سعودی عرب اور امارات متحدہ بھیجا، نیز رابطہ عالم اسلامی کی فرمائش پر یہاں سے تربیت الاطفال کے سلسلہ میں متعدد اہل قلم نے مقالات ارسال کئے اور آج بھی دارالعلوم کا یہی جذبہ ہے کہ اس کے ان علمی اور ثقافتی مقاصد کو اجتماعی رنگ سے عالمگیر بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کو اجتماعی قوت سے عالم آشکارا کیا جائے، نیز اسلام پر وارد کئے جانے والے شکوک وشبہات کا پردہ اجتماعی رنگ سے چاک کیا جائے۔

بلاشبہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ بین الاوطانی اشتراک کے ساتھ اسلامی منطقوں کے رجال علم وفضل کو تکلیف دی جائے اور دارالعلوم کی خدمات پیش کر کے ان کی آراء گرامی سے استفادہ کیا جائے، ان خدمات کے پیش کرنے کا منشاء ہرگز ہرگز اس جامعہ کا کوئی تفوق جتانا یا جماعتی خودستائی کرنا نہیں، حاشا وکلا بلکہ یہ ہے کہ ماضی کا جائزہ لے کر مستقبل کے لئے آپ حضرات کے مشورہ وتعاون سے ان تبلیغی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی مقاصد کی تعمیم کا کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس کی پشت پر سارے اسلامی منطقوں کی اجتماعی قوت کارفرما ہو، جس سے یہ دینی مقاصد اجتماعی انداز سے دنیا کے سامنے آسکیں اور عام مسلمانوں کی زندگیوں پر کوئی عملی اثر ڈال سکیں اور وہ ایمانی اخوت، باہمی تعاون، علمی اشتراک اور فکری یکسانیت ہمت کے ساتھ اجتماعی عزائم وخدمات کو بروئے کار لاسکیں اور ان میں دینی دعوت کا وہ جذبہ ابھر آئے جو قرن اول کا نصب العین تھا کہ اس کے بغیر ان کی وہ پستی اور پست ہمتی دور نہیں ہوسکتی جو آج ان پر چھائی ہوئی ہے، اگر اسلام کا مقصد واقعی اقوام دنیا کی اصلاح اور انہیں خدا پرستی پر لانا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کے نام لیواؤں کا یہ مقصد نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد آج اجتماعی آواز، اجتماعی شعور، اجتماعی فکر اور اجتماعی تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ حقیقت آج کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ آج کوئی آواز بھی اس وقت تک وقیع نہیں بنتی جب تک کہ اس میں ہمہ گیری اور عالمیت نہ ہو، اس لئے آج کی سیاست ہے تو بین الاقوامی، تمدن ومعاشرت ہے تو بین الاقوامی، تجارت وصنعت ہے تو بین الاقوامی، صلح وجنگ ہے تو بین الاقوامی، حتی کہ کھیل کود بھی ہیں تو بین الاقوامی۔

اس لئے قدرتی طور پر طبائع ہیں یہ جذبہ آنا ہی چاہئے کہ دین کی دعوت اور اصلاحی آواز ہو تو وہ بھی بین الاقوامی ہی ہو، بالخصوص جبکہ اسلام خود ہی اپنی ذات سے بین الاقوامی بن کر دنیا میں آیا ہے جو ساری دنیا کی اقوام کے لئے پیغام ہے بلکہ اس نے دنیا میں بین الاقوامیت کا پرداز ڈالا ہے، اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "لیظھرہٗ علی الدین کله" کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آچکا ہے اور وہ یہی وقت ہے کہ جس میں فطرت اسلام پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ بین الاقوامی دین اور اس کے انسانی صلاح وفلاح کے ضامن بین الاقوامی مقاصد اور اس کی ہمہ گیر ثقافت بھی عالمی رنگ سے دنیا کے سامنے آئے۔

توحید وسنت کی حامل جماعت تیار کرنے کے بعد حالاتِ وقت کے پیش نظر جامعہ دارالعلوم کی یہ خواہش بجا اور برمحل ہے کہ اس نئی صدی میں امت مسلمہ اسلام کے عالمی مقاصد کو باہمی تعاون سے آگے بڑھائے اور جو کام اب تک شخصی یا انفرادی یا تن تنہا اداری قوتوں سے ہوا ہے اسے اجتماعی بنائیں تاکہ پوری دنیا اسلام کے صحیح خدوخال سے واقف ہو۔

عالمی دعوت کے لئے تعلیمی جامعات میں ارتباط کی ضرورت

ہمارے نزدیک قابل غور ضروری مسائل میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ عالمی دعوت اسلام اور مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے کو درست کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس میں کن کن راستوں سے بگاڑ آرہا ہے اور اس کے انسداد کی کیا صورت ہے؟ عموماً بے پڑھے لوگوں کا بگاڑ رسوم ورواجات اور کورانہ تقلید سے نشو ونما پا رہا ہے، جس کا انسداد تعلیم ہی سے ممکن ہے، پڑھے لکھوں کا بگاڑ شکوک وشبہات اور تخیلات سے پرورش پاتا ہے، جس کا انسداد تبلیغی ذریعہ سے ممکن ہے اور برسرِ اقتدار طبقوں کا بگاڑ جاہ پسندی اور ہوائے نفسانی سے بھرا ہوا ہے جس کا حل ان سے ہمدردانہ رابطہ کر کے انہیں راہ پر لگانا ہے اس لئے ان سب کے لئے نفسیات شناس ایسے مخلص فکری مصلحوں کی ضرورت ہے جو ہر ملک کے برسر اقتدار طبقہ کو اس کے اقتدار کی برقراری کا یقین دلا کر ان کی شخصی اصلاح کے ساتھ ان عمومی مقاصد دعوت کے لئے انہیں آمادہ بھی کر سکیں اور ان سے کام بھی لے سکیں۔

بہرحال! تقسیم عمل کے اصول پر ہر طبقہ میں اسی مناسب حال اصلاح افراد کی تشخیص عمل میں لانے کا مسئلہ آپ کے غور وفکر کا محتاج ہے، ساتھ ہی ان مسائل سے متعلق مالیاتی مصارف اور ایک بین الملی مشترک فنڈ کا وجود بھی اپنی طبعی اہمیت کے ساتھ محتاجِ اعتناء ہے، اس عظیم دینی وملی مقصد وخدمت کے لئے

یہ مرکزی جامعہ اپنی تمام تر علمی اور عملی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہے، ہم اس کے آرزومند ہیں کہ ارباب علم وفضل ہمیں اس باب میں بھی اپنے مؤقر مشوروں سے نوازیں کہ اس مرکزی جامعہ کا عالم اسلام کے تعلیمی جامعات ومعاہد سے ممکن حد تک تعلیمی یکسانی کے ساتھ اس طرح قریبی رابطہ قائم ہو کہ جس سے طلبہ کے بین الجامعاتی تبادلے اور سندات کے معادلے کے مسائل سہل ہو جائیں گے اور عالمگیر سطح پر دینی خدمات کی راہیں ہموار ہو جائیں۔ غور کیا جائے تو فی زمانہ اداری قوت ایک بڑی قوت ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے تعلیمی، تہذیبی اور تبلیغی معیار سے جوڑ سکتی ہے، اس کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ادارے جہاں ایک دوسرے کی خدمات سے باخبر رہنے کے ذرائع مہیا کریں وہیں معاندین اسلام کی لٹریری راہوں سے آنے والی دسیسہ کاریوں سے ایک دوسرے کو باخبر رکھنے اور بروقت اس کا سدباب کرنے کے لئے اپنے ذرائع ابلاغ کو مکمل طور پر استعمال کریں۔

اس ناچیز نے دارالعلوم کی ماضی کی خدمات کے اجمالی تذکرہ اور مستقبل کے منصوبوں کی پیشکش کے ساتھ چند مشورہ طلب نکات بھی درپیش کر دینے ضروری سمجھے، تاکہ اس بامقصد اجلاس کے اثرات آئندہ نسلوں کے لئے دیرپا اور خوش آئند ثابت ہوں۔

اس کے بعد اس سمع خراشی پر معذرت خواہی کے ساتھ صدر معظم، مہمانانِ کرام اور معزز حاضرین کے تہہ دل سے مکرر شکریہ، تشریف آوری پر ان افتتاحی اور خیر مقدمی کلمات کو ختم کرتا ہوں۔

والحمد للّٰہ کثیراً اوّلاً و آخراً

دعا گو

محمد طیب

رئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

۲۵؍ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ

مطابق ۱۳؍فروری ۱۹۸۰ء

............❖............

خطبہ کا متن

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين.

سماحة الرئيس والسادة المشاركين في الاحتفال! نحن نشكر للّٰه عز و جل أولا على أنه أتاح لنا في هذه البلدة المتواضعة فرصة سعيدة للاجتماع مع العلماء الأعلام، و أقطاب الفكر الإسلامى، و رجال التربية والتعليم، والشخصيات البارزة، حيث تتمثل لنا روح التضامن الإسلامى والأخوة القوية الإيمانية بمناسبة هذا الاحتفال الدينى العظيم الذى يقام في أكبر وأقدم الجامعات الإسلامية في شبه القارة الهندية ''دارالعلوم بديوبند''

إننا نشعر ببالغ الفرح وكامل السرور والابتهاج بأن هؤلاء الكبار من العلماء والسادة لبّوا دعوة أمثالنا الصغار وهم يقدمون اليوم أروع صورة التضامن الاسلامي في قوالب مادية ملموسة مع رفض جميع فوارق الجنس والوطن وامتيازات اللون والعنصر فنراهم جالسين معنا في جو المودة والإخاء، هذا من فضل اللّٰه العميم و رحمته الواسعة، وصدق اللّٰه العظيم'' لو أنفقت ما في الأرض جميعا ما ألفت بين قلوبهم، ولكن اللّٰه ألف بينهم انهٗ عزيز حكيم'' الآية.

نسأل اللّٰه سبحانهٗ أن لايكون هذا آخر عهدنا بكم؛ بل لا تزال تتكرر زياراتكم و دائما تحصل لنا فرصة الاجتماع بكم والاستفادة منكم.

عواطف الشكر والامتنان

أعتبر واجبي العظيم ومسؤليتي اللازمة أن أقدم إلى جميع الوافدين الذين تحملوا صعوبات السفر و شاركوا في هذا الاحتفال الديني الدولي لوجه اللّٰه عواطف الشكر والامتنان أصالة عن نفسى و نيابة عن أصحاب الفضيلة أعضاء المجلس الاستشاري للجامعة وجميع أساتذتها المخلصين وطلابها الطموحين ورجال العمل والإدارة وجميع مسلمي الهند وخاصة عن الذين واصلوا العمل لعقد هذا الاحتفال ليلا و نهارا و ساهموا في أنجاحه.

إن هذا الاجتماع الرائع دليل على خلود الإسلام ورسالته العامة الشاملة حيث نرى اليوم بيننا أعلام الأمة وأقطاب الدول جالسين معنا في صف كالإخوة المتحابين المخلصين، فمنهم العلماء والأتقياء، والمحدثون والمفسرون والفقهاء، والأصوليون والمرهوبون والأذكياء و مشيخة الأمة والزعماء إلى جانب الكتاب والمثقفين والقادة والباحثين؛ بل شخصيات عديدة تعتبر جامعة مستقلة بسبب خدماتها الجليلة نحو الإسلام والمسلمين، والبيان يقصر عن تعبير ما يجيش فى نفوسنا من عواطف الشكر والتقدير فلا نستطيع أن نؤدى واجب الاحتفاء والتكريم، فنكتفي بالدعاء من اللّٰه سبحانهٗ بقلوب مليئة بالروح الإيمانية والإخلاص الموفور والعواطف الأخوية الإسلامية التي هي أعلى و أسمى من حدود البيان والتعبير بأن يجازيكم اللّٰه خيراً في الدنيا والآخرة.

بلدة تاريخية مركزية

أيها السادة الكرام! إن بلدة ديوبند التي تشهدونها اليوم بلدة قديمة، يخبرنا التاريخ بعمرانها منذ زمن عريق من نحو ثلاثة آلاف سنة، و منذ ذلك الوقت تحظى هذه البلدة الصغيرة بالقداسة لأن مركزاً عظيماً للدين الهندوكي باسم ''ديوي كند'' يوجد ههنا، و يقام الموسم الكبير السنوي حتى اليوم، كان اسم هذه البلدة ''ديبي بند'' نسبة إلى مركز الدين الهندوكي ''ديوي كند'' و نقل هذا الاسم كابراً عن كابر و جرى فيه التغير حتى صار ''ديوبند'' .

يبلغ عدد المسلمين في هذه البلدة نحوعشرين ألفا و يوجد فيها أكثر من مأة مسجد، كثير منها تذكاري لعصور الأباطرة المغول، والمسجد الجامع يوجد منذ خمس مأئة عام أو ثماني مائة عام، مكتوب في لوحته الحجرية اسم ''الشاه بهلول'' و ''مسجد حي خانقاه'' تذكار لعهد الامبراطور ''أكبر'' و مسجد ''سرائے پير زادگان'' من آثار عهد الملك جهانگير.

تقع هذه البلدة من خطى عرض ۲۹–۵۸ و خطى طول ۷۷–۳۵ على بعد اثنين و تسعين ميلا في جانب الشمال من دلهي في ولاية أترابراديش، و الشارع الكبير الذي رصفه الملك شير شاه السورى من فشاور إلى كلكتة يمر بجانب من هذه البلدة.

إن بلدة ديوبند العريقة كانت تحمل المركزية والقداسة منذ أقدم العصور فشاءت قدرة اللّٰه أن تحولها إلى قداسة إسلامية و يجعلها مصدر إشعاع إسلامى، فأجرت نبعاً صافياً متدفقاً بالعلوم الشرعية وسع ربوع الهند وانتشر في دول العالم المختلفة و سقى الأمكنة القاحلة الجرداء و جعلها صالحة للتنمية والإنبات.

قد تفرس الربانيون والصلحاء بنورهم الإيمانى أن هذه البلدة ستكون مركزا للعلماء الربانيين وفحول الأدباء والمجاهدين والأبطال المكافحين للحرية والاستقلال، وستعلو كلمة اللّٰه المباركة بالأذان وحلقات الذكر والتلاوة وجموع المقيمين الصلاة

نشأة الجامعة و تأسيسها

بعد ثورة عام ١٨٥٧م بدأت نهضة جديدة في تاريخ هذه البلدة وطلع فجر للحياة العلمية والروحية حينما كانت الهند في براثن الإنجليز وكانت سيطرتهم قائمة في سائر أنحاء البلاد ولم تبق من دولة الإسلام والمسلمين سوى الآثار الدالة على مجدهم السالف، وكانت الحكومة المغولية قد لفظت أنفاسها الأخيرة وانقرضت سلطة المسلمين نهائيا، وأوشكت شعائر الإسلام على المحو والدثور وصارت المدارس الدينية والمراكز الإسلامية العامرة خراباً خالياً عن طلاب علوم الدين، ولم يبق الوعي الإسلامي في نفوس المسلمين و غشيتهم الظلمة والجهالة و تسربت فى المجتمع البدع والخرافات التي قامت باسم الإسلام و تركت سنن الأنبياء والرسل عليهم السلام، تسمم الجو بالإلحاد والوثنية، وأصاب المسلمون بالقنوط والاضطراب، و أما العلماء فأقيمت لهم المشانق أو واجهوا مشاكل الجلاء والتشريد، فشعر عديد من العلماء الربانيين بهذا الموقف الحرج وقاموا بحفظ كيان الأمة المسلمة المضطهدة وانقاذ المجتمع الإسلامي من اللادينية والفوضوية، و إنشاء الوعي الديني والفكرة السياسية الصحيحه في نفوس المسلمين، فاهتدوا و ساروا في نور اللّٰه قوى الذي سايرهم ورافقهم في هذه اليقظة الدينية الجديدة والشعور بالمسؤلية، وكان أول من وضع خطة انقاذ مجتمع المسلمين من الوثنية واللادينية والقنوط والإضطراب هو الإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتوي رحمه الله تعالىٰ من حيث أنه اقترح انشاء مدرسة دينية تقوم بنشر تعاليم الكتاب والسنة في ربوع الهند بطريق إلقاء الدروس

والتصنيف والتاليف، والتربية والتثقيف وتعيد إلى المسلمين مجدهم السالف و تحافظ على دينهم السماوي الحنيف و تحي قلوبهم الميتة، و تشعل الغيرة الدينية في نفوسهم فألقيت نواة الحركة الإسلامية التعليمية، ذات رسالة خالدة و شاملة في مسجد "تشته" تحت شجرة الرمان بتاريخ ۱۵/محرم عام ۱۲۸۳هـ /الموافق ۳۰/من مايو عام ۱۸۶۶م وأقيم معهد بمعلم واحد وهو الملا محمود و طالب و احد وهو محمود حسن، و هذا هو الطالب الذي نبغ و عرف بشيخ الهند، لم تكن حين ذاك بناية خاصة لهذا المعهد الخامل الذكر ولا ثروة ضخمة يعتمد عليها، ولا وسائل النشر والدعاية إلا أنه كان يملك ثروة التوكل على اللّٰه عزوجل و الثقة به، و هذا هو هدف مؤسس الجامعة، الإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتوي رحمه الله -تعالىٰ- حيث أنه وضع المبادئ الثمانية الأساسية لإدارتها، و أكد تاكيدا شديدا على الإحتفاظ بالتوكل على اللّٰه في جميع الأمور دون الإعتماد على غيره.

الجامعة حركة عالمية لإحياء الدين القيم

جدير بالإعتناء أن كارثة إنقراض حكومة المسلمين في الهند و انتهاء آثارهم العلمية والدينية لم تكن كارثة محلية ذات أبعاد محدودة وإنما كانت كارثة دولية. حيث تأثرت بها دول العالم الإسلامي كلها، فأصبحت فريسة الاستعمار وحرمت من الحرية، هكذا لم تكن حركة هؤلاء العلماء في ديوبند حركة محلية محدودة وإنما اتسعت رقعتها حتى انتشرت فى جميع أنحاء العالم. وكان العلماء أحسوا بعالمية هذه الحركة في بداية الأمر و أدركوا ما تؤدى مجهوداتهم إلى الأثمار الناضجة الحلوة في صورة الرسالة المحمدية المنتشرة في أقصى بلاد الأرض، فكما كانت كارثة الهند عالمية، كانت هذه النهضة العلمية واليقظة الدينية أيضا ذات صبغة عالمية و نطاقها لم ينحصر في إطار الدين و الشريعة و إنما تجاوز حتى وسع جميع العالم وانتفعت بها الأقوام والشعوب والدول والحكومات، ولما استقلت الهند و تحررت بعد مرور مائة عام من مجهودات علماء دارالعلوم بديوبند بدأت تتحطم أغلال الإستعباد عن الدول الإسلامية الأخرى التي كانت تكبلت و تقيدت بها وزال حجر عثرة عن طريق دين الإسلام و رسالته الخالدة ثم انتشرت أشعة هذه الجامعة العلمية المستمدة من نور اللّٰه

تعالیٰ في جميع قارة آسيا؛ بل في أفريقيا و أوربا و أمريكا أيضا.

الحقيقة أن فضل استقلال البلاد المختلفة يرجع إلى الجامعة الإسلامية دارالعلوم بديوبند لأن علماء ها و مشيختها قد لعبوا دوراً طليعيا في مطاردة الاستعمار البريطانى و قاموا بخدمات غالية في شتى مجالات الحياة السياسية والثقافية والإجتماعية للمسلمين، كما ساهموا في النشاطات العلمية والدراسية والأخلاقية والتربوية و بدأوا ينفخون في نفوس الشعب المسلم الهندي روح الحرية منذ عام ١٨٥٧م و من سواهم من المواطنين الهندوكيين فهم كانوا في سبات عميق أو في خوف وذعر أو في التجاء و تملق؛ ولكن علماء الجامعة الربانيين كافحوا ضد الإنجليز الغاصب أولا بالسيف والأسلحة الحربية، و قامت معركة شاملى المعروفة، وبالأسلحة المعنوية والعلمية ثانيا، فهذه الأسلحة العلمية والمعنوية كانت أشد نفاذاً و أكثر تاثيراً قد أقضت مضجع العدو المستعمر فلم يسعه إلا أن يهرب من هذه البلاد ومن الدول الأخرى.

إن تاريخ هذه الجامعة حافل بمثل هذه المآثر والخدمات الجليلة والإنجازات الرائعة.

الأهداف الأساسية التي تبنتها الجامعة

يهدف المنهج الدراسي لهذه الجامعة إلى نشر تعاليم الكتاب والسنة و تطبيقها في مجتمع المسلمين وإنقاذهم من التنافر والتباغض والعصبية و جعلهم في صف واحد متمسكين بالتضامن والوحدة والأخوة والمحبة، فيشهد التاريخ على أن هذه الجامعة فتحت أبوابها لجميع طبقات المسلمين وأنشأت العلاقات الأخوية والودية معهم فوضعت منهجها الدراسي جامعا شاملا لا تخرج من إطاره أي طبقة من المسلمين، فهو يضم المبادى الشريعة والفنون المختلفة من القرآن الكريم إلى علم التفسير و أصوله و علم الحديث وأصوله، وعلم الفقه الإسلامي وأصوله، وعلم العقائد الدينية الصحيحة، واللغة، والأدب، والبلاغة، والبيان، والمنطق، والفلسفة، والحساب، والجغرافيا، ومبادئ العلوم العصرية، وعلم الطب وفنون الصناعة المختلفة وفن الخط والنسخ، واعتبر كل قسم دينى كلية مستقلة مثل كلية القرآن، وكلية أصول الدين والشريعة، وكلية الدعوة والإرشاد الديني، وكلية أصول الفقه، وكلية اللغة والأدب، وكلية الطب؛ حتى صارت هذه المدرسة جامعه إسلامية بمعنى الحقيقى، فأنجبت لحد الآن

المتخصصين في الفنون المختلفة نحو ستة عشر ألف متخرج منهم المعلمون والدعاة والخطباء البارعون، والزعماء والباحثون، والكتاب والمؤرخون، والأطباء الماهرون، وهذا العدد الكبير للذين تخرجوا في الجامعة وحصلوا على شهادة الفضيلة، وأما الذين درسوا واستفادوا بواسطة أبناء الجامعة فيبلغ عددهم مئات الألوف ويقوم هؤلاء المتخرجون اليوم بخدمات غالية للإسلام والمسلمين في شبه القارة الهندية؛ بل في سائر أنحاء قارة آسيا و افريقيا و أوربا و أمريكا.

ولما كان الإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتويؒ يهدف إلى إقامة المدارس الإسلامية و يحمل فكرة إنشاء المراكز العلمية الدينية التي تقوم بنشر تعاليم الكتاب والسنة و تحتفظ بالكيان الإسلامي و توقظ المسلمين المنغمسين في الجهل والتقاليد الخرافية أنشأ عديداً من المعاهد الإسلامية في البلاد المختلفة ثم أقام تلاميذه الكبار شبكة المدارس الدينية في شبه القارة الهندية، والحقيقة أن هذه المدارس الإسلامية والمعاهد الدينيه وسيلة وحيدة لبقاء الدين الإسلامي والشريعة الإسلامية في الهند، يشهد التاريخ بأن هذه الفكرة نجحت نجاحا ملموسا حتى توجد آلاف من المدارس والمعاهد التي تتصل بمدرسة فكر ديوبند، و تنتهج مناهج الجامعة، وهي منبثة في قارة آسيا وافريقيا وأوربا. يقوم بها متخرجو الجامعة بالخدمات العلمية والدراسية والدعوية، فإن للتعليم والتربية أهمية بالغة في ريادة المسلمين ريادة دينية و تثقيفهم ثقافة إسلامية، وإن النبي العربي محمدا ﷺ أخبرنا عن رسالته و دعوته بأنه بعث متمما لمكارم الأخلاق، حيث ورد في الخبر "إنما بعثت معلما" أو "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" نظرا إلى ذلك ركز علماء الجامعة جهودهم بصفة خاصة على التعليم والتربية و قاموا بدور بناء.

خدمات الجامعة في مجال التصنيف والتأليف

كما قام علماء الجامعة بخدمة الإسلام والمسلمين بالتربية والتعليم والدرس والتدريس، قاموا بالتصنيف والتأليف أحسن قيام حيث يبلغ عدد مصنفاتهم أكثر من خمسة آلاف من الكتب الأردية والعربية والفارسية والإنكليزية، ولا تدرك عدد ذخيرتهم الكتابية أية مدرسة فكرية إسلامية في شبه القارة الهندية.

فمنذ بداية الأمر بدأ علماء الجامعة يؤلفون له الكتب الدينيه العلمية فالإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتويؒ وضع أكثر من خمسة و عشرين كتابا، تتدفق مؤلفاته بالمعارف والعلوم النادرة، أثبت فيها المبادئ الأساسية العقائدية والفقهيه و أقام عليها دلائل عقلية وحسية في أسلوب بارع، و بعد ذلك قام تلاميذه بإعداد المؤلفات الضخمة في علم التفسير والحديث النبوي، والفقه والكلام، والإنشاء والأدب، والاجتماع والسياسة، والتاريخ والجغرافيا، وغيرها من العلوم المختلفة، ففي طليعة علماء الجامعة الكتاب، حكيم الأمة الشيخ أشرف علي التهانويؒ، فهو أكثر الناس تاليفا ترك خلفه نحو ألف كتاب مطبوع مابين صغير و كبير، و ليس موضوع ديني يحتاج إليه المسلمون في هذا العصر إلا وله فيه كتاب أو رسالة أو موعظة مطبوعة، و غيره من العلماء الأفذاذ الذين صنفوا المؤلفات أمثال العلامة الشيخ حبيب الرحمن العثمانيؒ رئيس الجامعة السادس والمحدث الشيخ عبدالعزيزؒ غوجرانواله بباكستان، والمحدث الشهير الشيخ خليل أحمد السهارنفوريؒ والعلامة الجليل شيخ الهند محمود حسنؒ، و من تلاميذه شيخ الإسلام بباكستان العلامة المحدث الشيخ شبير أحمد العثمانيؒ صاحب كتاب ''فتح الملهم'' والعلامة المفتي الشيخ كفاية اللّٰہؒ ''رئيس جمعية علماء الهند'' السابق، والكاتب البارع العلامة الشيخ مناظر أحسن الكيلانيؒ رئيس تحرير مجلة ''القاسم'' و ''الرشيد'' وصاحب المؤلفات النادرة، وشيخ الأدب والفقه محمد اعزاز عليؒ، والمفتي الشيخ مهدي حسنؒ، رئيس قسم الإفتاء السابق ''التابع للجامعة''، والعلامة المحدث البارع الشيخ محمد أنور شاه الكشميريؒ، والبطل المكافح المحدث حسين أحمد المدنيؒ، ومن تلاميذ الشيخ الكشميري، المحدث الشهير الشيخ محمد يوسف البنوريؒ، والشيخ بدر عالم الميرتهيؒ، والعلامة المفتي محمد شفيع الديوبندي، المفتي الأكبر في باكستان سابقاً، والباحث الإسلامي الشيخ سعيد أحمد الأكبرآباديؒ رئيس تحرير مجلة ''برهان'' الراقية و رئيس القسم الديني في جامعة على گڑھ سابقا، والمحدث الشيخ محمد منظور النعمانيؒ رئيس تحرير مجلة ''الفرقان'' لكناؤ، والمحدث الشيخ محمد إدريس الكاندهلويؒ، وأنا أيضا تلمذت على العلامة الكشميري، و يبلغ عدد مؤلفاتي أكثر من مأة، و من تلاميذ الشيخ

حسين احمد المدنيؒ، الشيخ عبدالحقؒ مؤسس الجامعة دارالعلوم باكورهـ ختك في باكستان، والكاتب الإسلامي الشيخ محمد ميان الديوبنديؒ المحدث بالمدرسة الأمينية دلهي، الشيخ منت اللّٰه الرحمانيؒ، أمين عام هيئة قوانين الأحوال الشخصية للمسلمين، والشيخ حامد الأنصاري غازيؒ، و غيرهم من الكتاب البارعين.

تمتاز الجامعة بين الجامعات الهندية الأخرى بالمصنفات الزاخرة التي تعرض الشريعة الإسلامية عرضا يتطابق مع مقتضيات العصر الراهن، كما أن الجامعة مركز للدعوة والإرشاد الديني والتعليم والتربية، فهي توفر لطلاب الجو الصالح الإيماني، والمجتمع الأخلاقي الثقافي، و تهدم بناء البدع والرسوم التي حدثت في المسلمين باسم التصوف، وتربى الطلاب تربية روحية في ضوء تعاليم الكتاب والسنة، فيتمتع خريجوها بالتواضع وانكار الذات والصبر والقناعة والتطوع والإخلاص، كما يتمتعون بالغيرة الإسلامية وغنى النفس والوقار والاتزان والهدوء.

إن الجامعة أم الجامعات الإسلامية في شبه القارة الهندية تلقب بـ "أزهر الهند" انبثقت منها آلاف من المدارس والمعاهد الإسلامية، ويهتدى اليوم آلاف من الناس بعلومها، ويحافظون بما في الهند على إيمانهم متمسكين بالسنة النبوية والمعتقدات الصحيحة .

جدير بالذكر أن الفكرة الراهنة لا تقتنع إلا بالمحسوسات ولا تكاد تؤمن بالمعقولات والمنقولات، و هذا أمر يعرقل نشر الإسلام، فوضع علماء الجامعة مئات من مؤلفات في العقائد مستمدين بمدرسة فكر الجامعة، وردوا على جميع الشكوك والشبهات من المدنية والاقتصاد، فهؤلاء العلماء و إن كانت تناط بهم العمائم اليوم، و تمنح لهم الشهادات ولكن خدماتهم أجازتهم و شهدت لهم بالفضيلة من قبل.

ميزة الجامعة في الدراسة

تصرف الجامعة أكبر عنايتها إلى دراسة الحديث النبوي بناءً على أنه مصدر أساسي للتشريع الإسلامي و تفسير للقرآن الكريم و أن التضلع من علم الحديث يسهل على الإنسان العلوم القرآنية و يفتح الطريق إلى الفقه و علم التشريع.

يشتمل منهج الجامعة الدراسى على علم التفسير و أصوله والحديث و أصوله، والفقه والكلام والأدب العربي، والمعاني والبلاغة، وما عداها من العلوم الأخرى العقلية و غيرها فهي لا تعتبر أساسا و إنما تدرس كالعلوم الآلية.

نسب الجامعة العلمي

تنتمي الجامعة بواسطة علمائها الكبار إلى الإمام الأكبر ولي الله ابن عبدالرحيم الدهلويؒ ومنه إلى الرسول العربي محمد ﷺ بالسند المتصل، تُعْرَف الجامعة بشدة التمسك بعقائد أهل السنة والجماعة المأخوذة من الكتاب والسنة.

إن هدف الجامعة الأساسي غرس التوحيد وعظمة الرسالة المحمدية. وللنقل والرواية أهمية بالغة لدى علماء الجامعة، فهم يأخذون معاني الكتاب والسنة و مراداتهما من أقوال السلف مع أنهم يعتبرون الدراية والتفقه في الدين جزء اً هاما في فهم معاني الكتاب والسنة.

يشرف على جميع أعمال الجامعة الإدارية والدراسية مجلس أعلى مكون من شخصيات الهند البارزة والعلماء الأعلام و أقطاب الفكر الإسلامي، يحظى بعضهم بالشهرة العالمية، يسمى هذا المجلس بالمجلس الاستشاري.

يتولى رئيس الجامعة تنفيذ جميع الشئون الإدارية. وتجرى تحت إشرافه أربعة و عشرون قسما للإدارة، وستون أستاذا وأكثر من مأتي موظف يمارسون العمل وفق النظام المقرر. تهدف هذه الأقسام إلى تحقيق ما يحتاج إليه الأساتذة والطلاب و إصلاح ادارة التعليم، تبلغ ميزانية الجامعة ثلاثة ملايين روبية هندية، وأمرها يرجع إلى ''قسم الحساب'' فهو يتمها و يعرضها على مجلس الشورى للموافقة عليها، ثم يفتش حساب الميزانية رسمياً، ولا تقبل الجامعة أي إعانة من الحكومة المحلية، وتبرعات عامة المسملين هي التي تغطي ميزانيتها.

خدمات الجامعة الاجتماعية والسياسية

هذا إلى أن الجامعة لم تجرنشاطاتها في مجال الدرس والتدريس فحسب؛ بل ساهمت ولا تزال تساهم في الأمور السياسية والاجتماعية مساهمة فعالة بدون خروج

من نطاق الشريعة.

إن مآثر علماء الجامعة في السياسية هي معالم الطريق للآخرين، فإنهم اقتفوا آثار المجاهدين في سبيل اللّٰه السيد أحمد شهيد البريلويؒ، والشيخ إسماعيل شهيد الدهلويؒ، وكان الإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتويؒ في طليعة المجاهدين في سبيل اللّٰه عام ١٨٥٧م جاهد بالسيف هو والعالم الرباني الشيخ رشيد احمد الكنكوهيؒ ضد قوات الإنكليز في معركة شاملي، ثم قام بهذه الحركة النضالية ضد الإنكليز تلميذ الإمام الأكبر، شيخ الهند محمود حسنؒ، رئيس هيئة التدريس السابق للجامعة و قام بحركة سياسية معروفة بخطة "الرسائل الحريرية" عام ١٩١٥م وأنشا مركزها في أفغانستان وفي شتى الدول، فرافقه الشيخ عبيداللّٰه السندهيؒ، والشيخ محمد ميانؒ المعروف بالشيخ منصور الأنصاري، والبطل المكافح الشيخ حسين احمد المدنيؒ، واستُشهد آلاف من الناس في هذا الجهاد الباسل، وبقي كثير منهم غزاة في سبيل اللّٰه، وأما قائد هذه الثورة شيخ الهندؒ، فهو ذاق بنفسه مرائر الحبس والاعتقال في جزيرة "مالطة"، وبعد الإطلاق أقام جمعية علماء الهند لتحقيق هذا الهدف السامي، فأشرف عليها مدة والآن تقوم هذه الجمعية بخدمات الإسلام والمسلمين و تجري أمور إدارتها تحت اشراف علماء الجامعة.

كما ساهم هؤلاء العلماء في حركة الخلافة عام ١٩٢٠م ثم في حركة تحرير الهند عام ١٩٣٠م و بفضل هذه الحركة وهذه العواطف الإيمانية التي تدفقت بها شخصيات علماء الجامعة أيدوا مملكة جلالة الملك عبدالعزيز آل سعود لما أسسها في جزيرة العرب، فوصل عديد من علماء الجامعة إلى الحجاز، ولما ثارت حركة تحرير فلسطين أصدرت الجامعة الفتوى أولا ضد الصهيونية والاستعمار البريطاني، و احتجت احتجاجا صارخا ضده، و جمعت جماعات المسلمين المختلفة على رصيف واحد و وحدت كلمتهم، فجعلتهم متحابين كلما ثارت النزاعات والاختلافات في المسائل الفرعية لتشتيت شملهم و تمزيق جمعهم، و أنشئت لإجراء الشئون الإدارية للمسلمين جمعية باسم "المجلس الاستشاري لمسلمي الهند" يرأسها الآن المفتي

الشيخ عتيق الرحمن العثمانيؒ أحد أبناء الجامعة وعضو مجلس الشوریٰ.

تستحق الجامعة في ضوء تاريخها الذهبي المجيد الحافل بالبطولات والأمجاد عناية علماء العالم الإسلامي و قادة الدول في مجال العلم والدراسة، والمدنية و الحضارة، والاجتماعية والثقافة، فإن علماء الجامعة قاموا مع علماء البلاد الأخرى ضد كل حركة مست كرامة الدين الحنيف و كدرت صفو حياة المسلمين الاجتماعية، لا سيما قام علماء الجامعة في وجه الحركات الهدامة التي بدأت في العالم الإسلامي كما قاموا لمواجهة الفتن والحركات المعادية للاسلام في الهند.

الجامعة تواجه الحركات الهدامة

لما احتل الإنكليز الهند نشأ كثير من الحركات المعادية للدين باسم الدين أو السياسة وكانت تهدف هذه الحركات إلى استئصال المسلمين و بذر الحقد والبغضاء فيما بينهم، فقام علماء الجامعة ضد الإنكليز و أنقذوا المسلمين من مكر هذا العدو اللدود حسب إمكانياتهم، والحمد للّٰه تحققت مساعيهم، فلما حدثت في عصر الإمام الأكبر الشيخ محمد قاسم النانوتويؒ حركات كانت تهدف إلى القضاء على تعاليم الكتاب والسنة وهي نشأت عن الجهالة قاوم الإمام الأكبر وتلاميذه الأعلام بالمباحثة والمناظرة والتصنيف والتاليف ودافعوا عن الإسلام والمسلمين، ولما حدثت فتنة إنكار الحديث كافحها علماء الجامعة بتأليف المؤلفات المتدفقة بالشواهد والأدلة، أمثال الشيخ العلامة مناظر أحسن الكيلانيؒ، والمحدث الشيخ حبيب الرحمن الأعظميؒ وأنا ايضا أسهمت بالتاليف في هذا الموضوع كما أن الجامعة خصصت أكثر من خمسين كاتباً وباحثاً لمقاومة فتنة القاديانية التي كانت تهدف إلى ارتداد المسلمين عن الدين، ولما أقيمت حركة تعديل قوانين التشريع الإسلامي أنشأت الجامعة حركة إنشاء المحاكم الشرعية، و طالب رئيس الجامعة السابق الشيخ محمد أحمدؒ حكومة بريطانيا بإقامة محكمة القضاء الشرعي بعد موافقة خمس مائة عالم عليه، فخمدت نيران هذه الفتنة ثم أرادت الحكومة قبل أعوام تعديل قوانين الأحوال الشخصية للمسلمين فعقد مؤتمر عظيم وضمت كافة جماعات المسلمين ومنظماتهم

و كنت رئيس المؤتمر، فاحتج المؤتمر احتجاجاً صارخاً أكيدا على هذه الظاهرة و أنشئت هيئة مستقلة للمحافظة على قوانين الأحوال الشخصية للمسلمين وهي دائبة فى أعمالها، نشيطة لتحقيق أهدافها.

تفتخر الجامعة اليوم بهؤلاء المتخرجين بمناسبة هذا الاحتفال المئوي العالمي على أنهم خدموا الإسلام والمسلمين بانقاذهم عن الوثنية والبدع والخرافات، و دحض الحركات المعادية والأضاليل باستخدام أساليب مختلفة، و بوضع المؤلفات العلمية القيمة، و إلقاء المواعظ والخطب النافعة.

عالمية العصر الراهن و مقتضياته

هذه خدمات العصر الذي كان نطاق أعمال كل دولة فيه ضيقاً، و كانت تجرى جميع النشاطات و الممارسات في حدودها واليوم اتسعت علاقات الدول فيما بينها و توفرت وسائل الحمل والنقل والمواصلات، و صارت الدنيا كأسرة واحدة حيث لا تبقى أية دولة في غنى عن الدول الأخرى معتمدة على سياستها الداخلية من غير أن تنشئ العلاقات الودية القوية مع الدول الأخرى، فإن الأمور السياسية أوالإدارية تجري اليوم على المستوى العالمي، وأما رسالة الجامعة وأهدافها فإنها ساهمت في الحركات التي حدثت وأقيمت في العالم الإسلامي على صعيد دولي وشاركت علماؤها في المؤتمرات العالمية في العالم الإسلامي العربي كمؤتمر البحوث الإسلامية بمصر، مؤتمر رابطة العالم الإسلامي بمكة المكرمة، ومؤتمر السيرة والسنة النبوية بالدوحة، والمؤتمر الجغرافي الإسلامي الأول بالرياض كما زار وفد الجامعة دولة الكويت والمملكة العربية السعودية والإمارات العربية المتحدة لتوجيه دعوة مشاركة الاحتفال المئوي إلى أقطاب الفكر الإسلامي، والعلماء الأفذاذ، ورجال التربية والتعليم، و بحث سبيل التعاون بين الجامعات الإسلامية والمنظمات الدينية، ولما طلبت رابطة العالم الإسلامي من الجامعة أن تقوم بإعداد بحوث عن تربية الأطفال بمناسبة الاحتفال بعام الطفل العالمي، لبت الجامعة طلبها ووفرت المواد الغزيرة القيمة لها، ونحن اليوم نسعى لنشر أهدافها العلمية والثقافية في العالم، ولمقاومة

الحركات المعادية للإسلام على المستوى العالمي بالتعاون مع الجهات الأخرى فكنا في أشد الاحتياج إلى توجيه دعوة مشاركة اجتماع إلى علماء دول العالم، و تعريف خدمات الجامعة أمامهم والاستفادة بهم عن تشكيل هيئة عالمية تنشر هذه الأهداف الدعوية والعلمية والثقافية في العالم، و تثير ثورة صالحة في حياة المسلمين حتى يستطيعوا أن يقوموا بالخدمات الدينية على نطاق دولي مع الأخوة والمحبة والمواخاة والمواساة فيما بينهم، والتعاون والتضامن، وتتدفق حياتهم بالعواطف الإسلامية السالفة، فإنهم لايكادون أن يصعدوا بدونها من قعر المذلة إلى قمة الرقي والمجد.

إن دين الإسلام يهدف إلى اصلاح جميع الإنس وتزويدهم بنعمة الإيمان والتوحيد فلم يبذل من يعتنقونه الجهود المتواصلة إلى تعميم رسالة الإسلام في جميع العالم و وضع خطط له على صعيد دولي، فإن العصر الحديث لايقبل أمراً ينحصر في حدود دولة أو منطقة إلا إذا انتشر في العالم واعتبر دوليا قبله العصر الجديد، و إذا نظرنا وجدنا السياسة والحضاره، والصناعة والتجارة كلها أصبحت عالمية؛ بل الألعاب الرياضية أيضا صارت عالمية، فلا بد لنا من تعميم الدعوة والإرشاد الديني في جميع العالم لأن الاسلام دين عالمي و أتى به إلينا الرسول ﷺ كرسالة هادية لجميع الأمم والشعوب و هذا دين واحد جعل رسالته عالمية.

نقول: إن وقت إظهار الإسلام على الأديان كلها قد هان كما قال تعالىٰ : ''ليظهره على الدين كله'' فينادينا الإسلام بأن نسعى ثقافته ورسالته الشاملة في العالم على سطح عالمي.

تؤكد الجامعة الآن على أن يقوم العلماء بنشر تعاليم الكتاب والسنة في العالم بالتعاون والتعاضد فيما بينهم دون أن يكونوا متفرقين في فئات متحاربة، وإنما يجتمعون لهذا الهدف السامي كاجتماع القلب والروح حيث لا يمكن لأحد البقاء بدون الآخر ولا يمكن له القيام بوظيفته إلا معه لتتعرف شعوب العالم على محاسن الإسلام و ميزات الدين الإسلامي الحنيف.

حاجة توطيد العلاقات بين الجامعات الإسلامية

إن القضية التي تحمل أهمية بين سائر القضايا اليوم هي قضية إصلاح المجتمع الإسلامي والقضاء على ماتسرب في مجتمع المسلمين من الجراثيم الفاسدة الفتاكة، فعلينا أن نعرف أسباب الفساد و نسعى في أبعادها عن طريق الدعوة الإسلامية.

تسري عناصر الفساد في جماهير الناس وعامتهم بالأعمال الخرافية والبدع والتقليد الأعمى، و هي لا تستأصل إلا بالتعليم و يتسرب إلى جماعة العلماء الفساد بسبب الشكوك والشبهات، وهي تزول بالدعوة والإرشاد الديني، وأما أصحاب السلطة والنفوذ فهم يتأثرون بمرض الجري وراء الشهوات، إذن يجب علينا أن ننشئ العلاقات الأخويه الصالحة معهم ثم نرشدهم إلى الصراط المستقيم، وهذا لا يتحقق إلا بمجهودات الذين يعرفون نفسيات الناس فهم يقومون أولا بإصلاح أنفسهم ثم يحرضونهم على تعميم رسالة الإسلام ويستخدمونهم لنشر أهداف الدعوة، فيلزم علينا أن نفكر في موضوع إصلاح ما فسد من حياة المسلمين.

و تجدر الإشارة إلى أننا مستعدون للقيام بالخدمات العلمية والدعوية لهذا الهدف الديني السامي حسب الإمكانيات والوسائل و نرجو من أصحاب العلم والفضل وذوي الفكر والرأى أن يفيدونا بآرائهم الحصيفة المثمرة نحو توطيد علاقات الجامعة العلمية والثقافية مع الجامعات الإسلامية في العالم الإسلامي مع توحيد المناهج الدراسية حتى تسهل معادلة الشهادات فيما بينها وتفسح طرق الدعوة والإرشاد الديني على صعيد عالمي، و نقترح لتحقيق هذا الهدف إنشاء اعتماد مالي مشترك على نطاق دولي و إقامة العلاقات المتبادلة بين الجهات الإسلامية لنشر الدعوة الإسلامية و مواجهة الحركات الهدامة والأفكار اللادينية.

والواقع أن العلاقات المتبادلة الوثيقة بين الجامعات سيكون لها تاثير في تحقيق ما نهدف اليه من تعيم الدعوة على أوسع نطاق والوقوف في وجه الجهود المعادية للإسلام فى سائر أقطار العالم.

هذه لمحة خاطفة عن الجامعة و إنجازاتها و إشارة إلى بعض ما نتمنى تحقيقه في

المستقبل وهي أمور تقتضي العناية والمشورة الصالحة ليكون هذا الاحتفال الديني المئوى هادفاً بعيد الأثر، يبقى صداه في الأجيال القادمة.

وأخيرا أكرر الشكر والتقدير لسماحة الرئيس وأصحاب الفضيلة العلماء وأقطاب الفكر الإسلامي وكافة المشاركين في الاحتفال وأقدم إليهم أخلص التحيات.

وكل عام وأنتم بخير.

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين

محمد طيب

رئيس الجامعة الإسلامية دار العلوم بديوبند—الهند

ان کے بعد دوسرے اسلامی ملکوں کے سربراہوں کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔جن میں اُردن کے شاہ حسین اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کے پیغامات قابل ذکر ہیں۔ان پیغامات میں کہا گیا کہ دارالعلوم دیوبند نے جنوبی ایشیا اور پورے عالم اسلام میں جو عظیم علمی، دینی، تبلیغی اوراصلاحی خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اسلام میں سنہری حروف کے ساتھ محفوظ ہیں۔

اس تین روزہ عظیم الشان صدسالہ تقریبات میں عالم اسلام کی جن نامور شخصیتوں نے خطاب فرمایا۔ ان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا مفتی محمود صاحبؒ، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ اور مولانا عبدالقادر آزادوغیرہ حضرات کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

یہ سہ روزہ صدسالہ تقریبات بڑے جوش وخروش سے تین روز تک جاری رہیں اور ۲۳؍مارچ کو یہ صدسالہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اجلاس صدسالہ کے موقع پر آپؒ نے سرزمین دیوبند، دارالعلوم دیوبند کی اساسی شخصیات، مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند، ممالک اسلامیہ میں ممتاز فضلائے دارالعلوم دیوبند، مسلک دارالعلوم دیوبند، اجلاسِ صدسالہ کے منتظمین، ان کی خدمات، معاونین اور تنظیم ابنائے دارالعلوم دیوبند کا منظوم تعارف ''ارمغانِ صدسالہ'' کے نام سے قلم بندفرمایا جس کو''حیات طیب''میں شامل کیا گیا ہے۔(۳۲)

............❖............

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس اور صدارت

ہندوستان ایک تہذیبی رنگا نگی، لسانی بوقلمونی اور مختلف مذہبی نظریات اور عقائد کی سرزمین ہے، ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہونے کے ناطہ جو قانونی حقوق اپنے مذہبی افکار کی ترویج اور تہذیبی اقدار کی پابندی کے یہاں کی غالب اکثریت اور دوسری اقلیتوں کو حاصل ہیں وہ مسلمانوں کو بھی حاصل ہیں مگر افسوس کہ آزادی کے بعد سے اب تک مسلمان نہ صرف اپنے بعض جائز شہری حقوق سے محروم ہیں بلکہ بعض اوقات مذہبی افکار اور تہذیبی قدروں کی پابندی و ترویج کی راہ میں روڑے اٹکانے کی مذموم کوششیں بھی سامنے آتی رہتی ہیں، جس میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بجائے یکساں سول کوڈ کے جبراً نفاذ کا مطالبہ سرِ فہرست رہتا ہے۔

غیر مسلم ابنائے وطن جو غالب اکثریت کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں کچھ شدت پسند عناصر ہمیشہ سے ''ہندوتو'' کا نعرہ بلند کرتے رہے ہیں اور پورے ہندوستان کو اسی رنگ میں رنگنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے پاکستان کا راستہ لیا، جو درحقیقت فرقہ پسند عناصر کی دیرینہ آرزو کے عین مطابق تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اور زیادہ اقلیت میں آگئے اور فرقہ پرستوں کو کھیل کھیلنے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ اس فضا میں فرقہ وارانہ فسادات کے ساتھ مذہبی منافرت کی تخم ریزی اور یکساں سول کوڈ کے انتہائی مہمل مطالبہ نے زور پکڑا، اہل اسلام کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا، جس کے لئے عامۃ المسلمین کی صدائے احتجاج کوئی مفید نتیجہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی، اس وقت اگر کوئی قدم زوردار اور بارآور نتیجہ پیدا کرسکتا تھا تو وہ صرف علماء ہی کا ہوسکتا تھا۔ کیوں کہ معاملہ محض ایک معاشرتی اور تہذیبی بگاڑ کے امکانات ہی کا نہیں تھا، عقیدہ و فکر کے بگاڑ کا بھی تھا۔ جس کا صحیح ادراک علماء ہی کر سکتے تھے اور علماء میں بھی بالخصوص وہ طبقہ جو اپنی علمی صلاحیتوں کے ساتھ قائدانہ بصیرت سے متصف ہوتا، ان حالات میں حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ہندوستان کے ہر طبقہ فکر کے چیدہ علماء کو اعتماد میں لے کر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کا عہد آفریں کارنامہ انجام دیا اور اس کے مؤسس ہونے کے ساتھ تاحیات اس کے صدر بھی رہے۔

ذیل میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تعارف، اس کی ضرورت، کردار اور دائرۂ کار کے سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے خطبہ کا صرف ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''اسلام کا قالب جن قانونی دستاویزوں اور فطری اصولوں سے مشیت خداوندی نے تیار کیا ہے ان میں تمام ہنگامی اور دوامی اصلاحات اور ان کے اصول وقوانین جمع کر کے ان میں سے ان تمام سماجی برائیوں کو نکال دیا ہے جن کا نام جاہلیت تھا، اس میں کسی تغیر اور تبدیلی کے معنی اسی جاہلیت کو دوبارہ لے آنے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے، جس سے مالک مطلق نے انسان کو پاک کر کے درجۂ کمال پر پہنچایا تھا۔

آج پرسنل لاء بورڈ کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام ''اصلاح وترمیم'' پیش کیا جارہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ اصلاح اور کوئی اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے جسے قرنِ اوّل کے منافقین **انما نحن مصلحون** کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے لیکن عالم الغیب والشہادۃ نے کھلا اعلان فرما دیا تھا کہ **اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ**.

ہم اپنے دین ودانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے۔ سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور مذہب وسیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملہ میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟

آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومتوں کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں؟

مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کتنا دیوث ہے جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط وعدل ودیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے اور اس غلاظت پر ان مظلوم، قسمت کی ماری، بازاری گناہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی داروگیر کا روادار ہے، سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔ آج بھی اس ملک میں ایسے فرقے ہیں جو اسّی اسّی بیویاں رکھتے ہیں اور سماج ان کے بارے میں چوں تک نہیں کرتا۔

بقول بابو بھے چندر راور بابو گریندر ناتھ دت ''اس ملک میں کامن برہمن بھی ہیں، جن کی پچاس پچاس اور سوسو بیویاں ہیں، ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک نوٹ بک رہتی ہے، جس میں وہ اپنی بیویوں کی ولدیت اور گاؤں کا نام لکھتے ہیں اور پھر بھی انہیں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جسے وہ ایک اجنبی سمجھ کر ملتے ہیں وہ ان کی بیوی یا لڑکا ہوتا ہے۔'' (۳۳)

............❖............

مقدراتِ الٰہیہ

جہانِ فانی کے کل کوائف اُسی کی قدرت کے ہیں لطائف
اُسی کی رحمت سے کوئی غافل، اُسی کی عظمت سے کوئی خائف

حکیم الاسلامؒ کے عہد اہتمام کی مثالی ترقیات، انقلاب آفریں خدمات اور زریں کارناموں کے ضمن میں وہ تمام سوانح، حوادث اور مشکلات بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ کا حصہ ہیں جن سے ہر دور کی بہ عزیمت، تاریخ ساز اور انقلابی شخصیات کو گزرنا پڑا، اجلاس صد سالہ کے بعد احاطہ دارالعلوم میں جو ناخوشگوار سانحہ پیش آیا وہ ہر طرح افسوس ناک والمناک تھا کہ اس سے دارالعلوم کی شاندار ماضی پر حرف آیا، علماء دیوبند کا وقار مجروح ہوا، ملت میں انتشار اور تشتت نے جنم لیا اور خود مسلک دیوبند بدنام ہوا۔ ایسی ایسی ثقہ، باعتبار اور قدآور دینی شخصیات پر سے عامۃ الناس کا اعتماد اٹھا جن کی زبان سے نکلا ہوا ایک حرف شرعی امور میں ملت اسلامیہ ہند کے لئے حرفِ آخر اور ان کا ایک اشارہ حکم آخر کا درجہ رکھتا تھا۔ ان کے تقویٰ، طہارت، زہد و قناعت، دیانت و امانت، خداترسی اور خداپرستی کی لوگ قسم کھاتے تھے۔ ان کا اتحاد مثالی، اعتدال ضرب المثل اور ادب واحترام کی روایتیں زبان زد خاص و عام تھیں، ان کے اخلاص و ایثار، بےنفسی اور خوف خشیت کو خیر القرون کے اخیار و ابرار کے اخلاص وللّٰہیت سے ملایا جاتا تھا۔ ان کی سیرت و کردار کے آئینے میں اسوۂ رسول ﷺ کی جھلکیاں، اصحابِ رسولؐ کی پاکیزہ سیرتوں کا مشاہدہ ہوتا تھا، اس نقطہ نظر سے یہ سانحہ اپنی ذات میں ملت کے لئے واقعی ایک سانحہ کبریٰ تھا مگر اس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے کہ یہ سانحہ حکیم الاسلامؒ جیسی باعزیمت شخصیت کی قوتِ ایمانی، صبر وتحمل اور عزیمت و استقامت کا ایک امتحان تھا، جس میں آپ نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ ایک مثالی کردار کا مظاہرہ کیا۔

وسعتِ ظرفی اور خاندانی شرافت کی ایک اعلیٰ مثال

دارالعلوم دیوبند اپنے مثالی نظامِ تعلیم، اعلیٰ اصول، پاکیزہ نصب العین، صالح فکر اور تعمیری افکار کے حوالے سے برصغیر کے مسلمانوں کا دھڑکتا ہوا دل اور عالم انسان کی ایک مسلّم دینی دانش گاہ کی حیثیت کا

حامل رہا ہے۔اس لئے اس عظیم دانش گاہ کے حرکت وعمل اور نرم گرم کا اثر اس کی چہار دیواری تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ پوری ملت اس سے متاثر ہوتی رہی ہے۔قضیۂ دارالعلوم کے نتیجے میں خود دارالعلوم کی شاندار روایات پر جو حرف آیا اس سے بڑھ کر ملت میں انتشار اور فکر دیوبند سے وابستہ حلقوں میں جن بدگمانیوں اور بے اعتمادیوں نے جنم لیا وہ قضیۂ دارالعلوم کا سب سے اندوہناک باب ہے، جس کو طریق عمل کے سینکڑوں اختلافات کے باوجود فریقین نے بھی محسوس کیا۔

حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ بالعموم اپنے خوردوں کو اور بالخصوص اپنے اہل خانہ کو نصیحت (جو کہ بعد میں وصیت بن گئی) فرمائی کہ ''یاد رکھو اختلاف بات سے ہوتا ہے اور خلاف ذات سے ہوتا ہے، قضیۂ دارالعلوم کے اختلاف کا تعلق اول الذکر بات سے ہے، رائے سے ہے، طریقۂ عمل سے ہے، جہاں تک ذوات کا تعلق ہے سبھی حضرات جماعت کا معتبر حصہ ہیں، اس قضیہ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی یا بایں طور کردی گئی کہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں ادا کرنے میں بھی تکلف پیدا ہوگیا ہے، لہٰذا جماعت کی شیرازہ بندی کے لئے مساعی جاری رہنی چاہئیں، جب بھی اور جس قیمت پر بھی ہو اس کی تکمیل اولین مقصد کے طور پر بہر طور مقدم رکھی جائے اور قضیۂ دارالعلوم کو کبھی بھی عوامی موضوع نہ بنایا جائے۔'' بالخاص اس نصیحت کا مخاطب حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کو بنایا گیا۔

حضرت خطیب الاسلام جماعت کی تفریق سے ہمیشہ رنجور ومحزون رہتے تھے۔ اگر مقصد نیک ہو اور یقین کامل ہو تو للّٰہیت پر مبنی اخلاص نیت اور مساعی جمیلہ پر نصرت خداوندی کا ترتب امر موعود ہے، مختلف جوانب سے باہمہ وجوہ مصالحانہ کاوشیں افراط وتفریط کا شکار ہو کر ٹھنڈے بستہ میں جاتی رہیں، مگر قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، آنے والی نسلوں کے الجھے ہوئے مسائل کو حل ہونے میں تیئیس منٹ بھی نہیں لگتے ہیں۔

صورتِ واقعہ یہ پیش آئی کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند کی شدید بیماری کی اطلاع اخبار میں شائع ہوئی، اس خبر کے معاً بعد حضرت خطیب الاسلام نے تمام تر اختلافات اور تلخیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مدینہ منورہ میں مولانا اخلد رشیدی صاحب کو فون کر کے عیادت کی، اس اقدام سے یکساں طور پر دوطرفہ خوشگوار اثرات مرتب ہوئے، اگلے ہفتہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ دیوبند تشریف لائے اور ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، بوقت ملاقات حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ ہم دونوں عمر کی اس منزل میں پہنچ گئے ہیں کہ اگر مختلف فیہ مسائل کو من وعن چھوڑ دیا گیا تو یہ نظریاتی اختلافات اگلی نسلوں تک مستمر رہیں گے اور جماعت کا یہ موجودہ انتشار اگر ہماری زندگیوں میں ختم نہ ہوا تو

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے سے آگے آنے والی نسلوں و جماعت کو اختلافات کی وراثت دے کر جائیں گے۔ مرحوم و مغفور حضرت مولانا نے نہایت خوش دلی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اسی جذبہ کا اظہار فرمایا۔ جزئیاتی تفاصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے بلا کسی شرط و قید دو طرفہ مقدمات ختم کئے گئے، بینکوں میں منجمد سرمایہ سے دارالعلوم دیوبند کے حق میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی جانب سے ایک تحریر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اور اراکین مجلس شوریٰ کے نام تحریر کردی گئی، جو کچھ پیش آیا وہ امر تقدیری تھا، آج دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند اپنی اپنی جگہ شہرت و عظمت کے لحاظ سے ایک مسلّم حقیقت ہیں۔

اس طرح ان دونوں بزرگوں نے اپنی آخرت کا مسئلہ درست کرلیا، جس سے تاریخ دارالعلوم کا ایک افسوسناک باب بند ہوگیا، اسے صرف اور صرف خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کے کمال درجہ کے اخلاص، ایثار اور وسعتِ ظرفی کا نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے، ورنہ دارالعلوم وقف دیوبند کے باضابطہ قیام اور استحکام کے بعد بظاہر اس کا بھی جواز تھا کہ اس سے صرف نظر کرلیا جاتا۔ دارالعلوم وقف دیوبند پوری دنیا میں متعارف ہو چکا تھا اور متعارف کرانے والی دو قد آور شخصیات (خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ) عالمی سطح پر اپنا ایک مقام رکھتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے ہی ہوتے ہیں، یہاں بڑوں نے اپنی بزرگانہ عظمت کا ثبوت ایک ایسے مرحلہ پر پیش کیا جہاں چھوٹے اپنی فتح مندیوں کے نشے میں انہیں سلام و دعا کا روادار بھی نہیں سمجھتے جن کی بدولت ترقی کے زینے طے کرکے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ان کو اپنا وہ فروتر مقام یاد بھی نہیں رہتا جس کے صحیح معنی میں وہ مستحق ہوتے ہیں۔ قدرت کے اس فیصلہ کو کوئی کہاں تک اور کب تک جھٹلا سکتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَار.

ہم بھی اس یقین کے ساتھ اس تکلیف دہ باب کو ہمیشہ کے لئے بند کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوا تقدیر الٰہی کا حصہ تھا اور جس طرح سے اس دلخراش داستان کا اختتام ہوا وہ بھی اسی کا حصہ ہے. وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ

ذیل میں دونوں بزرگوں کے وہ موقر مکتوبات ملاحظہ فرمایئے جو اس انقلابی پیش رفت کا تتمہ ثابت ہوئے۔

............❖............

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم دیوبند "وقف" الہند

AL-JAMIATUL-ISLAMIA

DARUL - ULOOM, DEOBAND (WAQF) - 247554 (U.P.) INDIA

التاریخ ________ الرقم ________

محترم ومکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

جواباً مکتوب گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کومحسوس فرماتے ہوئے آپنے اختلافات کوختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کومتوقع بنا کر مسرت کوالمضاعف فرمادیا ہے۔ جماعتی وقار اور مسلک روایات اکابر کی مجروحیت کا سدّ باب، اختلافات کو یکسر ختم کردینے میں ہی مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہونچ جانے پر ہماری مشترک خواہش وکوشش یہ ہی ہے، اور یہی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے آجانے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دیکر نہ جائیں، بلکہ حسب روایات اسلاف کرام ہم اتحاد واتفاق، فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم ودین دیکر بتوفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبکدوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔ آپ کی صحت کے لئے دعاء گوہوں اور دعاء کا خواستگار ہوں۔

والسلام

(محمد سالم قاسمی)

بتاریخ ۲۹/۱۲/۱۴۲۵ھ

۹/فروری ۲۰۰۵ء

DIAL! +91-1336-222452 - 222552 - EMAIL: sufyanqasmi @ yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Phone : 23311455
23317729
Fax : 23316173

Jamiat-Ulama-i-Hind
1-BAHADUR SHAH ZAFAR MARG, NEW DELHI-110 002

جمعیۃ علماء الہند

ید اللہ علی الجماعۃ

۲۰ رذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

Ref. No. JUH/ 2005

Date Jan 31, 2005

محترم المقام! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت وعافیت اور خیریت پوچھی۔ حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے کنگ فہد ہسپتال کے آئی سی یو میں داخل ہوگیا، جہاں ڈاکٹروں کی خصوصی توجہ رہی۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی۔ تین دن ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰ رجنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپسی ہوئی۔ الحمد للہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہورہا ہوں۔ خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں ہم تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں۔ ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں۔ اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہیے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہیے۔

دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

اسعد مدنی

اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

Ph. (01336) 222429-Fax: 222768　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　E-mail: darululoom_deoband@yahoo.com

دارالعُلوم دیوبَند

Darul-Uloom, Deoband U. P. India

التاریخ : ....　　باسمہ تعالیٰ　　حوالہ ....

حضرت المخدوم جناب مولانا محمد سالم صاحب قاسمی۔ زید مجدہم السامی!

مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ نامہ گرامی شرف صدور لایا۔ جناب کے بلا تکلف اور براہ راست خطاب و تخاطب سے بے حد مسرت ہوئی۔

خدام دارالعلوم دیوبند اور معزز ارکان مجلس شوریٰ، ان جذبات کی قدر کرتے ہیں جو جناب نے ظاہر کئے ہیں کہ دونوں اداروں کے درمیان پرخلوص گفتگو اور ہم آہنگی فکر کی بنیاد پر مقدمات کو ختم کرنے کے سلسلہ میں جو اقدامات آپ کر رہے ہیں، اس میں مزید پیش رفت ہو۔ اور یہ تعاون و تفاہم دونوں اداروں کے خدام داراکین اور سارے قوم ہی ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے لاکھوں وابستگان جماعت کیلئے سکون قلب اور قرۃ العیون کا ذریعہ بنے۔

جناب نے پنجاب نیشنل بینک میں موجود کل رقم مع جملہ حقوق ملکیت بحساب دارالعلوم دیوبند جمع کرانے کا جو پیشکش فرمائی ہے، ارکان عاملہ دارالعلوم دیوبند نے اس کو انتہائی مستحسن قدم قرار دیتے ہوئے اس پیشکش کو منظور کر لیا ہے اور مجلس نے محسوس کیا کہ جناب کا یہ اقدام جناب کی خاندانی علمی و فکری وراثت اور جذبات ایثار کا آئینہ دار ہے۔ اور اس اقدام کیلئے جناب والا بجا طور پر مستحق شکریہ و تحسین ہیں۔

ان شاء اللہ اس خط کو مقدمات کے آئینی اختتام کیلئے شامل کارروائی مقدمہ کر لیا جائے گا۔

مرغوب الرحمن عفی عنہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۹/۷/۱۴۲۶ھ

وفات

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سب ہی آئے ہیں مرنے کے لئے

دنیا آنی جانی ہے اور اس کی ہر شئے فانی ہے۔ دائم، لافانی اور جاودانی صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ معلّٰی صفات ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام اس خاک دانِ ارضی سے روزانہ نہ معلوم کتنے انسان عالمِ آخرت کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں، جن میں کچھ وہ ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کی زندگی عالمِ انسانیت کی زندگی اور جن کی موت ایک عالم کی موت ہوتی ہے، ایک دور اور ایک عہد کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ان کی موت پر ایک فرد، ایک خاندان، ایک جماعت اور مخصوص خطہ ماتم کناں نہیں ہوتا بلکہ زمانہ افسوس کرتا ہے، تاریخ اشک بار اور عالم سوگوار ہوتا ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی بھی ان شخصیات میں سے ایک تھی، حکیم الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علمی وانتظامی معمولات کی پابندی، دینی ودعوتی اسفار کی مصروفیت اور تقویٰ وطہارت کی بدولت جسمانی تندرستی سے بھی نوازا تھا۔ معمولی عوارض کے علاوہ کبھی کسی تشویشناک عارضہ میں مبتلا نہیں ہوئے، جب کہ عمر مبارک کی ۸۵ر منزلیں طے کرچکے تھے، آخری وقت تک چلتے پھرتے اور اپنے سارے معمولات ہشاش بشاش انجام دیتے رہے۔ عمر مبارک میں کبھی معذوری کی صورت سے دوچار نہیں ہوئے، انتقال سے پہلے طبیعت کچھ ناساز چل رہی تھی اور دیوبند کے مشہور حکیم جناب سید محمود علی صاحب ابن سید محفوظ علی صاحبؒ کا علاج چل رہا تھا۔

۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار وفات سے ٹھیک تین گھنٹے قبل اپنے پوتے مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند جن سے حضرتؒ کو بے حد خصوصی تعلق تھا اور اکثر وبیشتر اپنے ہمراہ سفر میں بھی لے کر جاتے تھے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء تواتر کے ساتھ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن کریم بھی سنا، اس روز صبح ۸ر بجے حسب معمول اپنے ساتھ ناشتہ کے لئے بلایا اور ناشتہ کے بعد فرمایا کہ سفیان! آج میں تمہیں ایک ہدیہ دے رہا ہوں، اس کے بعد اپنی الماری سے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک کاپی

عنایت فرمائی جس میں اہل خاندان واہل قرابت کے متعلق نظموں کے ساتھ مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب سے متعلق دعائیہ نظم ''میاں سفیان اور مالشِ سر'' بھی درج ہے، اس کے علاوہ ''سفر نامۂ کشمیر'' اور ''نسبت قاسمی'' کے عنوان سے طویل ترین نظمیں بھی ہیں۔ فرمایا کہ یہ خاص تمہارے لئے ہی رکھی تھی، پتہ نہیں اس کے بعد موقع ملے یا نہ ملے۔

آخری لمحات میں حکیم صاحب کے آنے سے پہلے آپ آرام سے سوئے ہوئے تھے، جب حکیم صاحب آئے تو فرمایا: ''آپ مقامی ہو کر بھی غیر مقامی ہوئے'' چوں کہ حکیم صاحب کئی روز کے بعد آئے تھے، اس لئے یہ جملہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے حکیم صاحب کو اپنی بیماری کی کیفیت بتلائی، حکیم صاحب نے آپ کی باتیں سننے کے بعد آپ کے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ حکیم الاسلامؒ نے چند سانس لئے، چند منٹ تنفس کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد عالم فانی سے عالم جاودانی میں پہنچ گئے جہاں لَهُمْ مَّايَشَاؤُنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے مرتبہ پر فائز رَاضِيَةً مَّرْضِيَّة کے خلعت سے سرفراز اور لَهُمْ مَّايَشَاؤُنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْد کے انعامات سے مالا مال۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

نہ کسی قسم کی گھبراہٹ، نہ بے چینی، نہ تکلیف کا اظہار ع

ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں

آخری وقت میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، مولانا مفتی سید احمد علی سعیدؒ، مولانا محمد اسحاق صاحبؒ مالک کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، جناب ڈاکٹر شمیم احمد سعیدی صاحبؒ بانی جامعہ طبیہ دیوبند اور حفیدِ حکیم الاسلامؒ حافظ محمد عاصم قاسمی صاحب موجود تھے۔

۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء صبح ۱۱ر بج کر ۱۰ر منٹ کا واقعہ ہے، ساڑھے گیارہ بجے دن میں دیوبند کی جامع مسجد سے انتقال کا اعلان ہوا، تھوڑی ہی دیر میں ہر جگہ خبر پھیل گئی اور مقامی وغیر مقامی لوگوں کا سیلِ رواں دولت خانہ کا رخ کرنے لگا۔ آل انڈیا ریڈیو کے کئی نشریوں میں وقفہ وقفہ سے انتقال پر ملال کی خبر دی جاتی رہی، جس کی وجہ سے ملک وبیرون ملک آپ کے سانحہ وفات کی اطلاع ہوتی چلی گئی، گرمی شباب پر تھی، اچانک موسم خوشگوار ہوتا چلا گیا، ہلکی پھلکی ہوا اور ٹھنڈی ہوا کا سلسلہ شروع ہو گیا، بعد نمازِ عشاء احاطۂ دارالعلوم میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے پڑھائی۔ دیوبند میں نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد شاید کسی نے دیکھی نہ سنی۔ احاطۂ مولسری سے لے کر

دیوان دروازہ تک تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، جنازہ کو کاندھا دینے کے لئے بندگانِ خدا کا سیلاب امنڈ پڑا، چار پائی میں لمبی لمبی بلیاں باندھی گئیں تھیں اور ایک ساتھ کئی کئی آدمی کاندھا دے رہے تھے، اس کے باوجود بھیڑ کے ہاتھوں قبرستان قاسمی تک پہنچتے پہنچتے خاصا وقت لگ گیا۔ تدفین تک موسم میں اتنی خنکی آ گئی تھی کہ رات کے وقت رضائیاں اوڑھنے کی نوبت آئی، جس کو اہلِ دیوبند کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

قبرستانِ قاسمی

سبحان اللہ! کیسے کیسے اساطینِ علم اور اقلیمِ معرفت وکمال کے شاہانِ بے کلاہ، اس فردوسِ ارضی میں آسودۂ خواب ہیں۔ حکیم الاسلامؒ کی آخری فرودگاہ بھی یہی ''قبرستان قاسمی'' ہے۔ سوانح قاسمی کے مؤلف مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ بزرگانِ دیوبند کی اسی آخری آرام گاہ کی منظر کشی کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ سہ پہر پیما گنبدوں، فلک بوس قبّوں میں بھی آج شاید سکینت وطمانیت کی خنکیاں مشکل ہی سے میسر آ سکتی ہیں، جو ان کچی، خام اور سادہ قبروں والوں کو اس قبرستان میں میسر ہے۔''

اس خطۂ صالحین میں سب سے پہلے حکیم الاسلامؒ کے جد امجد، دارالعلوم دیوبند اور فکرِ دیوبند کے مؤسس، حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہٗ آسودۂ خواب ہوئے، انہیں کی وجہ سے سرزمینِ دیوبند کی نامی گرامی شخصیت اور حضرت نانوتویؒ کے عقیدت مند ومعالج جناب حکیم مشتاق احمد صاحبؒ نے یہ خطۂ زمین بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے خانوادہ کے لئے وقف کیا۔ خانوادۂ قاسمی کے اسلاف نے اپنی خاندانی وسعتِ فکری کی بنیاد پر اس قطعۂ اراضی کو عمومیت عطا کر کے سلاطین علم وعمل کی آخری آماجگاہ بنا دیا، آج بھی اس ''قاسمی قبرستان'' کی تولیت اسی خاندان کے فردِ فرید مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کے پاس ہے۔

پھر یکے بعد دیگرے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام المنقول والمعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسی بلند پایہ علمی شخصیات حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے جوار میں مدفون ہوتی رہیں، خدا معلوم کہ اس خاک میں اب تک کیسے کیسے جبالِ علوم سما چکے ہیں، کتنے ہی اہلِ کمال کو جوارِ قاسمی کی سعادت میسر آئے گی اور کتنے ہی اس شہر خموشاں سے حشر میں اٹھیں گے؟ یہاں لوحِ مزار کے سوا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نظر بھی کیوں آئے؟ یہاں خاکساری و تواضع کے پیکر اور عبودیت وتقویٰ کے مجسّم، زمین کی چادر اوڑھے محوِ خواب ہیں۔ سیکڑوں، ہزاروں کی تعداد

میں ان بزرگوں کی علمی وروحانی ذریت صبح وشام حاضری اور دعا کواپنے لئے سعادتِ روحانی اور سکون کا ذریعہ تصور کرتی ہے، ہروقت نور کی بارش اور اللہ کی رحمت برستی ہے۔ فلک بوس گنبدوں، پختہ قبروں اور حریرو دیباج کی ہری چادروں میں ملفوف اونچی اونچی قبروں کا کیا کام؟

حکیم الاسلامؒ اپنے جدامجد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

الفاظِ مزار پر نگاہ ڈالتے ہی ہرزائر وصادر کی زبان پر بے اختیار آجاتا ہے: اللہ اکبر! کیا لوگ تھے، کیا علمی دبدبہ، جاہ وجلال، کیا فضل وکمال، کیا تقویٰ وطہارت کے پیکر زیرخاک ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ اپنے عہد کی ایک زریں تاریخ، ایک پاکیزہ نظریہ کے بانی، ایک نسل کے مربی، مصلح محسن، فضل وکمال کی ایک وسیع کائنات کے تاجدار اور علم ومعرفت کی اقلیم کے یہ شہنشاہ، دوگز زمین کو بچھونا بنائے ہوئے محوخواب ہیں اور پس مرگ بھی خود زندہ اور زندوں کے لئے روحانی طمانیت اور قلبی سکینت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

دن کے اجالوں میں جایئے یا شب کے اندھیروں میں، نہ وحشت، نہ دہشت، سکون ہی سکون، راحت ہی راحت، قبرستان قاسمی میں میسر آتا ہے۔

اپنے اُن جدامجد کے پہلو میں جن کے مزارِ مبارک پر پُرنم آنکھوں سے مشتِ خاک ڈالتے ہوئے نامی گرامی اور روقت کے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے بے اختیار یہ شعر پڑھا تھا ؎

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ گنجِ زر نہیں

اپنے دور میں مرزا غالبؔ نے سرزمینِ دہلی کے بارے میں یہ شعر کہا تھا، جواب یہاں پر اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ منطبق ہورہا ہے ؎

چپہ چپہ پہ ہیں یہاں گوہرِ غلطاں تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

حکیم الاسلامؒ دنیا کی تمام رعنائیوں، برنائیوں اور عارضی رونقوں کو چھوڑ کر یہاں آسودۂ خواب ہیں ؎

وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہئے
آسودگی رکھے ہے بہت گوشۂ مزار

............❖............

منظوم و منثور تعزیتی پیغامات

حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات پر ملک بھر سے علمی حلقوں، ملّی اداروں، مشاہیر شخصیات اور نامور علماء کے تعزیتی خطوط اور پیغامات کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا، ان تمام پیغامات کو اگر جمع کیا جائے تو ایک دفتر بن جاتا۔ تاہم کچھ اہم پیغامات اتفاق سے محفوظ رہے، جن میں سے چند اہم منظوم و منثور پیغامات کو نذر قارئین کیا جارہے ہیں۔

آہ! مولانا محمد طیب صاحبؒ

پیکرِ صدق و صداقت تھے حکیم الاسلامؒ — آئینہ دارِ بصیرت تھے حکیم الاسلامؒ
منبعِ رشد و ہدایت تھے حکیم الاسلامؒ — عاشقِ نورِ رسالت تھے حکیم الاسلامؒ
فائق و نکتہ رس و نکتہ شناس و حق بیں — مخزنِ گوہرِ حکمت تھے حکیم الاسلامؒ
بٹتی جاتی تھی تو اور بڑھ جاتی تھی — ایسی اک علم کی دولت تھے حکیم الاسلامؒ
آپ سے مل کے ہر اک دل کو قرار آتا تھا — نیک دل نیک طبیعت تھے حکیم الاسلامؒ
اہلِ ہند آپ کی ہستی پہ کریں ناز نہ کیوں — صاحب فہم و فراست تھے حکیم الاسلامؒ
نیّرؔ خستہ نوا حلقہ بگوش آپ کا تھا — اس پہ مائل بہ عنایت تھے حکیم الاسلامؒ

مولانا نیر ربانی، مدرسہ دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور

تاریخ وفات منظوم
قطعہ بتواریخ

۱۴۰۳ھ

قاریٔ طیبؒ زعیم باصفا — عالِم دیں ہادیٔ راہِ خدا

مہتمم دارالعلوم دیوبند رشد و تقویٰ را امینِ باوفا
سنگ میلِ مدرسہ دارالعلوم ماہرِ اسرارِ دینِ مصطفیٰ
شیخِ وقت و ہم مجازِ تھانویؒ صوفیٔ حق کیش راہِ حق نما
ماہِ تاباں بود در ہر انجمن تشنگانِ علم را بحرِ سخا
ہند را سحباں، امیرِ کارواں واعظِ شیریں بیاں شیریں نوا
بود ذاتش منفرد در انجمن اہلِ علم و فضل را ہم مقتدا
ماہِ انور داخلِ جنت بود از دلم سالِ وفات آید ندا
۱۴۰۳ھ
ہاتف از عثماں سراجِ دین گفت رحلتش ہم طیّب و ہم پُر ضیا
۱۹۸۳ء

(مولانا محمد عثمان صاحب معروفی)

قطعات تاریخ

واعظ شیریں بیاں کی گم ہوئی آواز خوش بجھ گئے ممتاز اندازِ خطابت کے دیئے
دینِ حق ،قرآن وسنت کی اشاعت کے طفیل ''آج آغوشِ محمدؐ'' واہے طیب کے لیے(۵۸)
۱۴۰۳ھ

(مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاؔط عثمانیؒ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)

بڑے پاکیزہ رُو پاکیزہ سیرت صاحبِ باطن رشیؔدو قاسؔم و محمودؔ کے جلووں کی تابانی
تواضع ،حلم ،شفقت اور ثبات وصبر کے پیکر کریں گے یاد ہر دم مظہرِ ''اخلاقِ عثمانی''
۱۴۰۳ھ
اُف یہ فرقت عظیم عالم کی دل پہ گذری ہے کیا دمِ رحلت
حادثوں کی اذیتوں میں نشاؔط ''سب پہ بھاری ہے اب غمِ رحلت''
۱۹۸۳ء

ذکرِ طیب

ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں — فلک کی راہ پر وہ جنتی قالین بچھاتے ہیں
عجب انداز سے وہ ہشت جنت کو سجاتے ہیں — کھڑی ہے کہکشاں اور ماہ وانجم مسکراتے ہیں
یہ فخرِ خاندانِ قاسمی دنیا سے جاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

کہا قاسمؒ نے آکر اے مرے نور نظر آجا — وہ آئی روح والد اور کہا لختِ جگر آجا
کہا محمودؒ واشرفؒ نے ہمارے لال ادھر آجا — شبِ رنج ومحن کا ہو گیا وقتِ سحر آجا
تجھے اب گردشِ ایام سے ہم لینے آتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

ہمارے باغ کو تم نے کیا ہے ہر طرح شاداب — بڑی محنت سے تا عمرِ دراز اس کو کیا سیراب
جوارِ رحمتِ حق میں رہے گا اب سے محوِ خواب — دلِ اسلاف تیرے دردوغم سے ہیں بڑے بیتاب
اسے کیا فکر جس کا غم جہاں کے لوگ کھاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

دلِ مسلم سے تا عرشِ الٰہی آہ جاتی ہے — صدائے نالۂ وفریاد ہر مسکن سے آتی ہے
زمینِ ہند و پاکستان و بنگلہ تھر تھراتی ہے — بگڑ کر ہم سے میرِ کارواں کی روح جاتی ہے
خدا خود اپنے قربِ خاص میں ان کو بلاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

مدیرِ جامعہ دارالعلوم و جانِ جاں طیبؒ — وہ فخرِ دیوبند و یوسفِ ہندوستاں طیبؒ
وہ مردِ باخدا شیریں سخن جادو بیاں طیبؒ — علومِ قاسمی کے وہ امین و ترجماں طیبؒ
وہ جس کو دیکھ کر ہر غنچۂ وگل مسکراتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

زباں پر جس کی بہتا ہوا حکمت کا دریا تھا وہ جس کی ذات سے اسلام کا بھی بول بالا تھا
جہاں میں ہر طرف جس کی ضیاؤں کا اجالا تھا صحابی تو نہیں لیکن صحابہ کا نمونہ تھا
وہ جس کی نقل و حرکت میں دروسِ عشق پاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

ولایت کو شرف ہے تاجدارِ اولیا تم تھے لباسِ زہد نازاں ہے کہ زاہد با صفا تم تھے
یہ ملت فخر کرتی ہے کہ اس کے مقتدا تم تھے ہے ناز اپنی جماعت کو مبصّر رہنما تم تھے
تری اِک اِک ادا پر ہم یہ اشکِ خوں بہاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

کہوں اب الوداع اے زینتِ ہر بزم ایمانی ہمیں رہ رہ کے یاد آئی تری اک ایک قربانی
کرے خود ربِّ عالم تیرے گلشن کی نگہبانی ترے مرقد پہ دائم ہو فلک کی شبنم افشانی
خدا رحمت کا دریا ایسے پیاروں پر بہاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

الٰہی اس جماعت کا نہ شیرازہ بکھر جائے نہ جانے قافلہ جنگل میں ٹکرا کر کدھر جائے
تری رحمت سے رفتہ رفتہ حال اس کا سدھر جائے بڑھا دستِ کرم زلف پریشاں اب سنور جائے
غضب ہے آج ہم کیا گوہر یکتا گنواتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

یہ کیسے شیرِ ملت آج زیرِ خاک سوتے ہیں یہ کیسے بلبلِ نغمہ سرا خاموش ہوتے ہیں
نہ ہوگا حق ادا خونِ جگر سے بھی جو روتے ہیں سفینۂ علم و حکمت کا بھنور میں آج کھوتے ہیں
غلط ہے ذوقؔ اس دنیا سے جو ہم کو لگاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہرِ استقبال آتے ہیں

(مولانا محمد سلطان ذوقؔ صاحب
استاذ حدیث و ادب جامعہ اسلامیہ چاٹگام بنگلہ دیش)

ہدیۂ عقیدت

ہادیٔ دیں ، شیخ دوراں، صاحبِ فضل و کمال
آنکہ در ذاتِ رفیعش بے نظیر و بے مثال

در تصانیف و خطابت شہرۂ آفاق گشت
رتبۂ ممدوح بالا از حدِ اوراق گشت

مرکزِ ارباب ِ تقویٰ، مرجعِ اہلِ ضمیر
آفتابِ علم ودانش صاحبِ خیر کثیر

بحرِ شفقت ، جوئے رافت ، حاملِ فیضِ عظیم
وارثِ علم نبوت، پرتوِ خلقِ عظیم

آیۂ اخلاق کامل طیب و پاکیزہ رو
زینتِ گلزارِ قاسمؒ جامعِ صد رنگ و بو

فخرِ ملت، شمعِ حکمت، مقتدائے ما، امام
لائق مدح و ستائش صاحبِ حسنِ نظام

جانشینِ شیخ انورؒ شاہ، تلمیذِ رشید
حاملِ انوارِ اشرفؒ در جہاں دُرِّفرید

آں کہ از اوصافِ عالی نازشِ دوراں شدہ
دعوتِ آں باعثِ عزّ و نشاطِ جاں شدہ

(مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ عثمانیؒ ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)

جا بسا خلدِ بریں میں تاجدارِ دیوبند

آج تاریکی میں کیوں ڈوبا ہے شہرِ دیوبند
چھپ گیا اے دوستو! شاید کہ مہرِ دیوبند

چھپ گیا ہاں آج وہ خورشید تاباں چھپ گیا
جس کی کرنوں سے درخشاں تھا گلستاں چھپ گیا

جس کی نورانی شُعاعوں سے منور تھا چمن
ہو گیا ہے حکمتوں کا مہرِ تاباں وہ گہن

جس نے خونِ دل سے سینچا تھا گلستانِ علوم
آسمانِ علم پر جس نے سجائے تھے نجوم

جس نے سکھلائے زمانے کو شریعت کے رموز
نیز اسرارِ طریقت اور حقیقت کے رموز

جس کے آگے دم بخود رہتے زباں آور تمام
دل سے ہر چھوٹا بڑا کرتا تھا جس کا احترام

جس کی گفتارِ مسلسل موتیوں کی تھی لڑی
حکمتوں سے پُر تھی جس کی بات ہر چھوٹی بڑی

غازیٔ گفتار تھا اور صاحبِ کردار بھی
شاہ بے تاج و نگیں، دیں کا علم بردار بھی

ترجمانِ مسلکِ حق آہ! رخصت ہو گیا
پاسبانِ مسلکِ حق آہ! رخصت ہو گیا

”حجۃ اللہ“ کا وہ یکتا ترجماں جاتا رہا
حجۃ الاسلامؒ و احمدؒ کا نشاں جاتا رہا

جس کے نیک اوصاف دنیا میں رہے ضرب المثل
علم وعرفاں تھی سراپا جس کی ذاتِ بے بدل

جس نے سلجھائیں ہمیشہ علم وفن کی گتھیاں
جس نے سمجھائیں جہاں کو دینِ حق کی خوبیاں

جس کی اخلاقِ معلّی سے مجلّی تھی سرشت
عاجزی کے نور سے تاباں تھیں گفتار نشست

جس کا شیوہ پاک دامانی و خود داری تھی خو
قاسمؒ واحمدؒ کے وارث میں تھے ان کے رنگ وبو

پیکرِ صبر و رضا تھا، خوگرِ تسلیم تھا
وہ امام علم و حکمت رہبرِ تعلیم تھا

صاحب حلم وحیا تھا زاہد و اہلِ غنا
وہ امین و باصفا تھا ، صاحبِ صدق و وفا

عشقِ حق کی آگ تھی سینے میں جس کے مشتعل
عشقِ پیغمبر سے تھے لبریز جس کے جان و دل

جس کی صورت بھی حسیں تھی اور سیرت بھی حسیں
اہلِ دل کا دلبر و دلدار تھا وہ مہ جبیں

ہو گیا رخصت جہاں سے وہ نگارِ دیوبند
جا بسا خلدِ بریں میں تاجدارِ دیوبند

آہ دنیا سے ہوا رخصت امامِ روزگار
وہ سراپا حلم و بحر علم اور کوہِ وقار

فیض شیخ الہندؒ سے معمور جب سینہ ہوا
نورِ انور شاہؒ سے پرنور جب سینہ ہوا

درگہِ اشرف علیؒ کے فیض سے احمدؒ کا لال
قاسمِ ثانی بنا وہ صاحبِ فضل و کمال

بن گیا فخر الاماثل علم و فن کا آفتاب
راہِ عرفان وتصوف کا درخشاں ماہتاب

ہو گیا مشہور وہ اسلام کا یکتا حکیم
ہو گیا صدر الافاضل قوم مسلم کا زعیم

اہلِ حق نے اس کو مانا اپنے مسلک کا امام
کر دیا اس کے حوالہ دیوبند کا اہتمام

اس کے شایاں تھا یقیناً دیوبند کا اہتمام
اس کی ابرو کا اشارہ بس تھا بہرِ انتظام

فیض طیبؔ سے ہوا سیراب جب وہ گلستاں
ہوگئی ہر شاخ اس کی پُر بہار و گل فشاں

دیوبند کا مدرسہ تھا بن گیا دارالعلوم
تشنگانِ علم و فن کا ہو گیا اس پر ہجوم

باغباں نے ہر روش اس کی سجائی خوب تر
بھر دیے دامن میں اس کے بے بہا لعل و گہر

اس کا اٹھاون برس چمکا ہے دور اہتمام
لائقِ صد آفریں تھا اس کا حسنِ انتظام

جس نے چمکایا جہاں میں خوب نامِ دیوبند
زخمی دل لے کر گیا ہے وہ امام دیوبند

شکر و صبرِ بیکراں کے لوٹ کر سب مرتبے
سو گیا وہ رحمتِ رحمٰن کے سائے تلے

رحمتِ حق نے بلایا اس کو باغِ خلد میں
مل گیا رحمت کا سایہ اس کو باغِ خلد میں

جب چلا خلدِ بریں کو نازنینِ دیوبند
بن گئی ماتم کدہ اُف سر زمینِ دیوبند

گلستانِ علم و فن کی ہیں بہاریں سوگوار
اب کہاں ہے ایسا یکتا باغبانِ نامدار

جس کا سب خورد وکلاں کرتے تھے دل سے احترام
وہ حکیم اسلام کا تھا دلربائے خاص و عام
صاحبِ اوصافِ گونا گوں، زعیم نیک نام
پاک طینت، پاک دامن، پارساؤں کا امام
عابدو زاہد خطیبِ نکتہ دان و خوش کلام
علم و عرفاں کا پلا تا تھا زمانے کو وہ جام
پیکرِ صبر و رضا وہ اہل دل کا دلربا
حق پہ جو ثابت رہا وہ راہ حق کا پیشوا

مولانانسیم احمد صاحب غازیؔ مظاہری، شیخ الحدیث جامع الہدیٰ مرادآباد (یوپی)

تجویزِ تعزیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

۷/۸/۹ رصفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۳/۱۴/۱۵ /نومبر ۱۹۸۳ء: دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس دارالعلوم کے سابق مہتمم اور عالم اسلام کے ممتاز و بلند پایہ عالم حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ وفات پر انتہائی رنج وغم اور درد والم کا اظہار کرتا ہے، مرحوم ومغفور کو اللہ تعالیٰ نے لاتعداد محاسن ومناقب اور فضائل ومکارم سے نوازا تھا، علوم ظاہری میں وہ امام العصر علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے بلند پایہ مایہ ناز تلمیذ رشید تھے اور علوم باطنی میں ان کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے عظیم المرتبت شیخ کی خلافت حاصل تھی، انہوں نے اپنے سرچشمۂ فیض سے درس وتدریس، موعظت ودعوت اور رشد وصحبت کے مختلف ذرائع سے اپنی طویل عمر میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کو سیراب کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن تقریر کی بے بہا دولت سے نوازا تھا، اپنے جدامجد حضرت نانوتویؒ کے علوم حکمیہ پر ان کی گہری نظر تھی، اسی لیے وہ جب بڑے بڑے اجتماعات میں علم وحکمت کے موتی بکھیرتے تو ’’**كأن علىٰ رؤسهم الطيور** ‘‘ کا منظر سامنے آجاتا اور سامعین مسحور ہوکر رہ جاتے۔

علوم ظاہری و باطنی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن صورت اور حسن سیرت کے محاسن سے بھی نوازا تھا، محبت وشفقت، شیریں زبانی، ہمدردی، دل جوئی، انسانیت ومروت کے جذبات ان کو قدرت نے فراخ دلی سے عطا کیے تھے، ہرشخص کے کام آنا اور ہرایک کی ضرورت کو پورا کرنا ان کا مزاج بن گیا تھا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کا انتقال ملت اسلامیہ کا عموماً، اس عظیم ادارہ کا خصوصاً ناقابل تلافی نقصان ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں مقام عالی عطافرمائے، انبیاء وشہداوصالحین کے زمرے میں شامل کرے اور ان کے اہل خاندان خصوصاً ان کے تینوں صاحبزادوں مولانا محمد سالم، مولانا محمد اسلم اور مولوی محمد اعظم قاسمی اور صاحبزادیوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطافرمائے۔ آمین

’’**رحمه الله تعالىٰ رحمةً واسعةً كاملةً شاملةً**‘‘

عالی جناب گیانی ذیل سنگھ صاحب صدر جمہوریۂ ہند:

حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات پر صدر جمہوریۂ ہند نے اپنے غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ ہندوستان نے ایک مسلمان عالم دین اور محقق کھودیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی پیغام نبویؐ اور حضورؐ کی تعلیمات عام کرنے میں ایک خطیب اور مبلغ کی حیثیت سے گذاری۔

............❖............

محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ، وزیر اعظم ہند:

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اسلامی علوم کے میدان کی ایک نمایاں علامت تھے ان کی یادگار ان کے زیر اہتمام دارالعلوم دیوبند خود ہے۔

............❖............

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ربانی ندوۃ المصنّفین دہلی:

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ ممتاز عالم دین اور خطیب تھے، انھوں نے اسلامی دعوت اور تعلیمات کو منبر ومحراب سے عام کرنے میں اپنی زندگی وقف کر دی اور دار العلوم دیوبند کو ترقیات کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیا۔

............❖............

امیر جماعت اسلامی ہند:

امیر جماعت اسلامی حضرت مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی نے تعزیتی ٹیلی گرام میں حکیم الاسلامؒ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ ان کے درجات جنت میں بلند فرمائے۔

............❖............

میر واعظ مولوی محمد فاروقؒ/سرینگر کشمیر:

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ عالم دین اور اسلاف کے نمونہ تھے، ان کی وفات سے ہندوستانی مسلمانوں کا ایک نمایاں عہد ختم ہوگیا۔

نصف صدی سے زائد عرصے تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے انھوں نے دعوت وتبلیغ، اصلاح معاشرہ اور اسلامی تعلیمات عام کرنے کی نمایاں خدمات انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و بردباری، زہد وتقویٰ اور قوت گویائی وحکمت کی بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔

............❖............

حکیم عبدالحمید صاحب ہمدرد نگر، دہلی:

مکرمی مولانا محمد سالم صاحب قاسمی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا طیب صاحبؒ کے انتقال سے جو جگہ خالی ہوئی وہ پر ہونی مشکل ہے، ان کی بعد کی علالت کی مجھے خبر نہیں ہوئی، انہوں نے مسلمانوں کی اور دارالعلوم کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ دعا ہے خدا ان کے درجات کو وہاں بھی بلند فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل دے۔

............❖............

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ، بانی جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ:

مکرم جناب مولانا محمد سالم صاحب.................................دام کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج چوتھا دن ہے احقر اہلیہ کے علاج کے لیے بمبئی حاضر ہوا ہے، کل اچانک حادثۂ جانکاہ کی اطلاع ملی لیکن یقین نہیں آیا اس لیے کہ شام ہی کو جناب غازی صاحب سے حضرت کی خیریت معلوم ہوئی تھی اور اطمینان تھا، بارش بہت تیز ہو رہی تھی، آمد و رفت کے راستے بند تھے، کئی جگہ ٹیلیفون ملایا، سب جگہ لاعلمی کا جواب آیا، محمد بھائی سے رابطہ قائم کیا مگر وہ دوسری جگہ تھے بعد میں خبر ملی اور ریڈیو سے بھی معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے دلی صدمہ پہنچا، جس نے بھی سنا سب پر ایک سکتہ طاری رہا۔

ہائے افسوس کہ اللہ پاک نے ایک نایاب موتی عطا کیا تھا لیکن امت نے قدر نہ کی جس کا وبال ہے کہ اللہ نے یہ نعمت چھین لی اب ہاتھ ملنے سے کیا ہوتا ہے، اللہ پاک حضرتؒ کے درجات بلند فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور تمام پسماندگان ومتوسلین کو صبر جمیل اور امت پر رحم فرما کر اپنی قدرت کاملہ سے صحیح رہنما مرحمت فرمائے۔

آج ایک تار بھی کیا ہے یہاں سے فراغت کے بعد انشاء اللہ احقر حضرتؒ کے مزار پر حاضری دے گا۔

............❖............

مولانا مظفر حسین مظاہری، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور:

جناب مولانا محمد اسلم صاحب اور جناب محمد اعظم صاحب کی خدمت میں سلام مسنون
۶ رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ رجولائی ۱۹۸۳ء یک شنبہ کو تمام عالم اسلام پر عموماً اور ملت اسلامیہ ہند پر خصوصاً اک ایسا عظیم سانحہ گذر گیا کہ عوام وخواص سب ہی گہرے رنج وغم میں ڈوب گئے، وہ حادثہ اسلام کے مفکر عظیم، ممتاز ونمایاں عالم علوم دینیہ کی بین الاقوامی درسگاہ کے معمار وتزئین کار حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے وصال کا ہے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین ومنتسبین کی کیفیات نا قابل بیان ہیں اور مستقبل میں بہت دور تک ایک عمیق اور تاریک خلا مزید گھیرا دے رہا ہے، یقیناً اس اندوہناک حادثہ پر ان کا غیر معمولی تاثر ایک فطری امر ہے، ہم خدام بھی اس روح فرسا سانحہ فاجعہ پر غم والم کی سخت وشدید مضطربانہ کیفیات محسوس کرتے ہیں اور تعزیت کناں ہیں، یہ الفاظ ہمارے تاثرات کا شکستہ اظہار ہیں، ہم بارگاہ خداوندی میں بصمیم قلب دعا گو ہیں کہ حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں اور متعلقین و منتسبین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائیں، یہ تاثرات صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب کی خدمت میں اور ان کے حسن توسط سے سب ہی متلقین کی خدمت میں پیش ہیں۔

............❖............

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی:

محبّ ومکرم، محترم مولانا محمد سالم صاحب! السلام علیکم

میں سفر میں تھا، کل دہلی پہنچا تو حادثہ فاجعہ کا علم ہوا، سن کر سخت صدمہ اور رنج ہوا، یہ حادثہ صرف ایک خاندان یا ایک ادارہ، یا کسی ایک ملک کا حادثہ نہیں ہے، بلکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی وفات کے بعد تمام عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ ہے، حضرتؒ کی وفات پر دیو بندی مکتبۂ فکر کا ایک اہم دور ختم ہو گیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون .

''ماہنامہ برہان'' اس سلسلہ میں اپنا فرض ادا کرے گا، چار پانچ دن میں میں خود ہی حاضر ہوں گا، سر دست آپ، مولانا محمد اسلم، میاں اعظم اور دوسرے اعزا واقربا میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام جلیل عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا ہو۔ آمین

............❖............

مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی، یوپی:

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہٗ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کی خبر اخبار کے ذریعہ ملی، بہت ہی افسوس ہوا، خبر ملتے ہی خدام مدرسہ کو حضرت موصوف کے لیے دعائے مغفرت وترقی درجات اور آپ سب کے لیے صبر جمیل کی توفیق ملی، ایصال ثواب کے لیے تلقین کی گئی ہے کہ اپنے اپنے حلقہ میں کریں، احقر کو بھی یہ سعادت ملی۔

جس قدر رصدمہ وغم اس حادثۂ جانکاہ پر ہو کم ہے، اس نوع کے جانکاہ حوادث میں ہم سب کا امتحان ہوتا ہے صبر وتحمل واستقامت ہی سے کامیابی نصیب ہوتی ہے، **رزقنا اللّٰه و اياكم بذٰلك.**

محض **تعميلاً للحكم و تحصيلاً للثواب** چند کلمات عرض کرنے کا داعیہ پیدا ہوا چنانچہ عرض ہے۔

(۱)انا للّٰه و انا اليه راجعون (۲)إن للّٰه ما أخذ و للّٰه ما اعطىٰ و كل عنده بأجلٍ مسمىٰ فلتصبر و لتحتسب .

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک بدوی بزرگ نے جو کلمات تعزیت پیش کیے تھے ان کے عرض کرنے کا بھی داعیہ ہو رہا ہے

وخير من العباس اجرك بعدهٗ   واللّٰه خير منك للعباس

............❖............

مولانا محمد انعام الحسن، بنگلہ والی مسجد، دہلی:

مکرم ومحترم مولانا محمد سالم صاحب، مولانا محمد اسلم صاحب وعزیزی اعظم صاحب
زیدت عنایاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل ظہر کے وقت بعض احباب کے فون سے سانحہ کا علم ہوا، دفعۃً خبر ملنے سے جو اثر ہونا چاہیے تھا وہ ہوا، تدفین میں شرکت کی غرض سے مغرب تک سواری کی کوشش و انتظار میں وقت گذر گیا، لیکن مقدر کہ مہیا نہ ہوسکی اور تدفین میں شرکت سے محرومی رہی۔

یہ سانحہ صرف کسی ایک خاندان ہی کا نقصان نہیں پوری امت کا نقصان ہے، لیکن تقدیر خداوندی پر راضی برضا کے علاوہ چارہ کیا ہے، بس اب سوائے اناللّٰہ وانا الیہ راجعون، اللّٰھم أجر نی فی مصیبتی و اخلف لی خیراً منھا کے اور کیا کہیں۔ متعلقین کی خدمات میں بعد سلام مسنون تعزیت فرمائیں، عزیزان مولانا محمد طلحہ و مولوی شاہد بھی کل سے یہیں آئے ہوئے ہیں، وہ بھی سلام مسنون فرماتے ہیں، ان کو حادثہ کا علم یہاں پہونچ کر ہی ہوا۔

............❖............

مولانا عبدالجبار الاعظمی، مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد:

ذوالمجد والکرم مولانا محمد سالم قاسمی صاحب زید مجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الاسلامؒ کے وصال سے بے حد صدمہ ہوا، خبر بہت تاخیر سے ہوئی اس لیے جنازہ میں شرکت سے محرومی رہی جس کا بے حد افسوس ہے، بیشک یہ حادثہ فاجعہ نہایت اندوہناک ہے اس پر جتنا صدمہ ہو کم ہے، حضرت مرحوم کے کمالات اظہر من الشمس ہیں، اس وقت ان کی وفات سے اتنا بڑا عظیم نقصان ہوا جس کی تلافی بظاہر دشوار ہے لیکن **لله مااخذ و له ما اعطی** صبر سے بہتر کوئی دوا نہیں، تسلیم و رضا سے اچھا کوئی نسخہ نہیں، ایک مومن کا یہی شیوہ ہے اور اسی پر **نعم العد لان و نعم العلاوۃ** کی بشارت ہے، زیادہ غم سے اپنی صحت کو نقصان ہوتا ہے اس لیے اس کا علاج صرف **انا للہ و انا الیہ راجعون** ہے، خبر ملتے ہی مدرسہ شاہی میں دوروز دعائے مغفرت ہوئی ایصال ثواب کیا گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائیں اور اپنے شایاشان ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ **نور اللہ مرقدہٗ و برد مضجعہٗ، طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ .**

لوگ کہتے ہیں بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں لیکن ناکارہ کہتا ہے بڑی ہی خوبیاں تھیں جانے والے میں ایسے لوگ مرتے کہاں ہیں، زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر، اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا۔

بوقت نزع آئی تجلی روئے جاناں کی نظر موت سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا

بس اسی پر بات ختم کرتا ہوں مادح خورشید مداح خود است

اللہ تعالیٰ ہم سب پسماندگان کو عموماً اور اہل خاندان کو خصوصاً صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

پہلے خیال تھا کہ کیا لکھوں آپ کو خط دیکھنے کی بھی فرصت نہ ہوگی مگر بے اختیار یہ چند سطور لکھی گئیں۔

............❖............

ضیاء الدین اصلاحیؔ، دار المصنّفین شبلی اکادمی، اعظم گڑھ:

مکرمی ومحترمی جناب مولانا محمد سالم صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والد بزرگوار کے حادثہ فاجعہ کی خبر نے پورے دار المصنّفین کی فضا کو سوگوار اور مغموم بنا دیا ہے اطلاع ملنے کے بعد ہی ناظم دار المصنّفین جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے آپ کے نام ایک تعزیتی پیغام ارسال کیا تھا، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی موت نے پوری قوم وملت کی عمارت متزلزل کردی ہے۔

وما کان قیس هلکه هلك واحد و لکنه بنیان قوم تهد ما

یہ سچ مچ دار العلوم دیوبند کی جو بے مثال اور عظیم الشان خدمات عمر بھر انجام دی ہیں اس کا انجام اتنا ہی شاندار ہونا چاہیے تھا مگر ان کے ساتھ آخر میں جو ہوا اس کے لیے کس کی اور کس سے شکایت کی جائے: والی الله المشتکی.

آپ حضرات کے والد محترم تھے اور بڑے ہی شفیق والد محترم تھے، آپ لوگوں کے غم و اندوہ کا کون اندازہ کرسکتا ہے، یہ تنہا آپ کے لیے سانحہ نہیں ہے، ہم سب کے لیے اور پوری ملت اسلامیہ کے لیے سانحہ ہے، میں اپنی طرف سے اور دار المصنفین کے ایک ایک فرد کی طرف سے تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے برائے کرم میری جانب سے پورے اہل خانہ کو بھی تعزیت پیش کریں اللہ تعالیٰ اس علم و دین کے خادم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

............❖............

حضرت مولانا عبداللہ عباس الندوی، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ:

فاضل گرامی مولانا محمد سالم صاحب قاسمی حفظہ اللہ وجعلہ خیر خلف لخیر سلف، آمین

عالم اسلام کی مخدوم ومتبرک شخصیت کے روپوش ہو جانے کی خبر باعث صدرنج والم ہوئی **طیب الله ثراه، و برد مضجعه و حشر مع الصالحين من انه سيدنا محمد صلى الله عليه و سلم.**

حضرت مغفور کی وفات صرف آپ کے خاندان کا حادثہ نہیں ہے، یہ پورے برصغیر کی علمی دنیا کا المیہ ہے، ہر عالم دین تعزیت کا مستحق ہے، ہر دینی مدرسہ اپنے روحانی سرپرست سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ جناب کو قدرت وعزیمت عطا فرمائے اور آپ کے تمام افراد خاندان کو صبر جمیل کا اجر حسن عطا فرمائے، بے شک آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، اب حضرت مرحوم کے وابستگانِ دامن کے لیے آپ مصدر خیر اور مرجع برکات ہیں۔

برائے کرم میری تعزیت قبول فرمائیں اور جناب مولانا محمد اسلم صاحب، مولانا غازی حامد الانصاری صاحب اور صاحبزادوں کی خدمت میں پیش فرمائیں۔

............❖............

محمد تقی امینی، ناظم سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

مخلصم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حادثۂ فاجعہ کی خبر ''قومی آواز'' سے ابھی ملی، کل ریڈیو سے نہ معلوم ہوسکی تھی، ورنہ بہت ممکن تھا کہ تجہیز وتکفین میں شریک ہوجاتا، اس محرومی کا غم ہمیشہ رہے گا، کن الفاظ میں تعزیتی کلمات کی تعبیر کروں جو بھی الفاظ منتخب کروں گا وہ اس کے لیے کم تر درجہ کے ہوں گے، مذہبی شخصیت بڑی مشکل اور قربانیوں سے وجود میں آتی ہے جس کے بعد عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے، بس اللہ ہی بدل عطا فرمائے آمین، مسئلہ آپ حضرات کا نہیں ہے بلکہ پوری ملت کا ہے، مجھے ہمیشہ ان کے مذہبی تشخص کے تحفظ کی فکر رہی، الگ تھلگ رہنے کے باوجود لوگوں سے ہمیشہ اصرار کرتا رہا کہ شخصیت نہ مجروح ہونے پائے، اللہ ہی نے محفوظ رکھا۔

آپ حضرات خوش نصیب تھے کہ اتنے دنوں تک ایسے عظیم باپ کا سایہ قائم رہا، آہ! اب اس سایہ سے ہمیشہ کے لیے محرومی ہوگی، مدتوں امت ان کی خوبیوں کو یاد کر کے روتی رہے گی، اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ حضرات کو صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔

............❖............

سیدعبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری، گجرات:

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد سالم صاحب ومولانا محمد اسلم صاحب

الهمك الله صبراً جميلاً و أجراً جزيلاً

بعد سلام مسنون! رمضان المبارک میں عشرہ اخیرہ سے بیمار ہوں، سورتی موٹا کے یہاں آتے ہوئے فون سے حضرت والا بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات کا علم ہوا، **انا للّٰه و انا اليه راجعون، ما شاء اللّٰه كان و ما لا يشاء لا يكون**، اس عظیم حادثہ سے طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی بہت زیادہ صدمہ ہوا، سب ہی متعلقین و منتسبین غمگین ہیں اور دست بدعا ہیں، حق تعالیٰ حضرت اقدسؒ کو غریق رحمت کرے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرماوے۔

مو ت التقى حياة لا نغادلها قد ما ت قوم و هم فى الناس احياء

وفات کی اطلاع ظہر کے وقت ملی، نماز کے بعد راندیر کی تمام مساجد میں دعاء مغفرت کی گئی اور احقر نے اپنے ''مدرسہ رحیمیہ تجوید القرآن'' اور اپنے زیر اہتمام چلنے والے مدرسے، مدرسہ انجمن اسلام راندیر اور مدرسہ دینیات کنارہ اسٹریٹ میں قرآن خوانی کے بعد دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کے بعد تعطیل کردی، حق تعالیٰ قبول فرماوے اور حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے درجات بلند فرماوے اور پسماندوں کو خصوصاً جناب کو اور برادر عزیز مولانا اسلم صاحب اور مولانا غازی انصاری صاحب وغیرہ جملہ چھوٹے بڑے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرماوے اور اجر جزیل سے نوازے اور حضرت اقدسؒ کے صدقہ میں احقر کو حسن عمل وحسن خاتمہ نصیب فرماوے آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ۔

............❖............

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاذ تفسیر والحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:

"ان ما تحذرين قد وقع"

مخدوم گرامی جناب مولا محمد سالم صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل قبیل عصر ایک ندوہ کے طالب علم نے وہ روح فرسا خبر ریڈیو کے حوالہ سے سنائی جو اگرچہ غیر متوقع تو نہ تھی مگر ابھی کان اس کے سننے کے لیے تیار نہ تھے اور دل وزبان برابر دعائیں کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس متاع گراں مایہ کو تادیر امت کی فیض رسانی کے لیے باقی رکھے اور اس کے دریائے فیض سے مستفیض ہوتے رہنے کا مزید مدت مدید تک موقع عنایت فرماتا رہے، مگر قضا نے ان دعاؤں کو بارآور ہونے کا اور قبولیت کا شرف حاصل کرنے کی مہلت نہ دی، فانا للہ وانا الیہ راجعون، اب تو اس موقع پر وہی کہنے اور کرنے کی سعادت کی توفیق خداوند سے مانگنے کی دعا کیجئے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مواقع کے لیے بیان فرمائی ہے، **"ان القلب يحزن والعين تد مع وما نقول الا ما ير ضیٰ به ربنا"**

آپ جیسے فاضل کو اس بارے میں کچھ لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے یا لقمان کو حکمت سکھانے کے مترادف ہے، بس شدت تاثر سے یہ چند سطریں قلم سے نکل گئیں، اللہ سے دعا ہے کہ آپ سب کو خاص طور پر اور پوری امت مسلمہ، بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کو صبر جمیل کی دولت ارزاں کرے کہ یہ غم تنہا کسی ایک فرد یا خاندان کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا ہے اور یقیناً ہر ہوشمند سوگوار ہوگا۔ نیز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عالی مقام کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے، برادر محترم ورفیق معظم مولوی محمد اسلم صاحب ودیگر اخوان ذوی الاحترام اور اعزہ کی خدمت میں بھی سلام تعزیت عرض ہے۔

............❖............

مولانا محمد برہان الدین، خادم تدریس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:

برادر محترم و رفیق معظم مولوی محمد اسلم صاحب زید کرمکم و ادام اللہ مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل اچانک عصر کی نماز سے تھوڑی دیر قبل ندوۃ العلماء کے ایک طالب علم نے وہ ہوش ربا اور روح فرسا خبر سنائی جس کے سننے کے لیے طبیعت کسی طرح آمادہ نہ تھی کہ ان کی زندگی میں برکت اور فیض رسانی کے وصف کے تادیر باقی رہنے کی برابر زبان و دل دعاء کرر ہے تھے اور طبیعت کے بگڑ بگڑ کر سنبھل جانے کی اطلاعیں یہ مژدہ سنارہی تھیں کہ یہ دریائے فیض ابھی اور سیراب کرتا رہے گا، مگر قضاء وقدر کے فیصلے نہ تمناؤں سے بدلتے نہ دعاؤں سے وہ تو ”**یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید**“ جس کی صفت ہے اسی کے پابند احکام ہیں اس لیے ہم جو سب کے سب اسی کے بندے ہیں اس کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اظہار چاہے بادل ناخواستہ سہی کر کے بندگی کا ثبوت کیوں نہ دیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہ مفید ہے نہ مؤثر اور وہی کہیں جو صاحب اسوۂ حسنہ نے ہمیں بتایا اور سنایا ہے یعنی ”**ان العین و القلب یحزن و ما نقول الا ما یرضی به ربنا**“ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آں عالی مقام کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور سب کو صبر جمیل کی دولت ارزانی ہو۔

برادر محترم! یہ غم تنہا آپ کا یا آپ کے نسبی اقرباء کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور اس کے ہر باشعور فرد کا ہے، اس لیے تعزیت کا مستحق اس وقت ہر ایسا شخص ہے جسے نور ایمان اور بصیرت سے کچھ بھی حصہ ملا ہو، خبر سنتے ہی جی چاہا کہ خط کے ذریعہ تعزیت کرنے کے بجائے خود حاضر ہو کر اپنے قلبی سکون کا سامان کروں مگر آج ہی رات میں ”الجزائر“ کا طویل سفر درپیش ہے جہاں کل سے شروع ہونے والی ایک علمی اسلامی کانفرنس میں شرکت کرنا ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت یہ سفر پورا کرائے۔ اسی سفر کی وجہ سے رات ہی لکھنؤ سے چل کر آج صبح دہلی پہنچا اور دہلی سے یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔

............❖............

حضرت مولانا عبدالحلیم جونپوریؒ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

برادرگرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حادثۂ جانکاہ کی اطلاع نے نہ پوچھئے دل ودماغ پر کیا اثر کیا، حضرت مہتمم صاحبؒ سے آپ کا تو خیر روحانی وجسمانی رشتہ تھا، اس کا بیان ہی غیر ضروری ہے، لیکن ان کی جو شفقتیں اور عنایتیں تاحال اس حقیر پر رہیں ان کے پیش نظر میں اسے سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ میں بھی اپنے باپ کے ظل عاطفت سے محروم ہوگیا، ابھی لکھنؤ کے آخری سفر میں محرم الحرام ۱۴۰۳ھ میں میری درخواست پر غریب خانہ بھی تشریف لائے تھے اور اس طرح کہ کئی دوسرے قریبی لوگ بھی حضرتؒ کے اس وقت کے خواہش مند تھے مگر سب کو نظر انداز کر کے حضرت والا نے اس حقیر ہی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

دارالعلوم کے کربناک حالات نے حضرتؒ کو بے چین کر دیا تھا جس کے نمایاں اثرات ان کی صحت پر بھی پڑے تھے، افسوس ہے کہ آخری دنوں میں ان کو ایسی ذہنی اذیتوں سے گذرنا پڑا جس سے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے، انشاء اللہ یہ سب کچھ ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا، حسرت تو ہم خوردوں پر ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کے بعد کوئی بھی تو ایسا نہ بچا جسے اپنا سرمایہ اور اپنے مسلک کا نقیب قرار دے سکیں۔

میری طرف سے برادران عزیز ومحترم مولانا محمد اسلم صاحب ومولوی محمد اعظم صاحب نیز دیگر متعلقین خاندان کی خدمت میں بھی تعزیت مسنونہ پیش کر دیں، نور چشم مولوی عبدالولی سلمہ بھی رمضان المبارک سے مسلسل بیمار ہیں بلکہ رمضان میں تو ان کی علالت نے بڑی پیچیدگی اختیار کر لی تھی وہ بھی خدمت والا میں سلام گذار ہیں وہ علیحدہ خط بھی لکھ رہے ہیں، نیز اپنے رسالہ ''البدر'' میں بھی حضرت مہتممؒ کے سلسلہ میں لکھ رہے ہیں، ان کی صحت وعافیت کے لیے آپ سے خصوصی دعا کی درخواست ہے، خدا کرے مزاج سامی مع جملہ متعلقین بعافیت ہو۔

............❖............

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی:

مکرمی حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی السلام علیکم

میں سفر سے واپس آیا تو دہلی پہونچ کر حضرت مخدوم کی وفات کی خبر سنی، دلی قلق اور صدمہ پہنچا، آخری شمع تھی جو گل ہوگئی، یادگار سلف تھے اور علماء کے سرخیل، دعا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ ان کے مراتب بلند فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، میری طرف سے جملہ خاندان کی تعزیت فرمادیں۔

............❖............

مولانا احمد علی قاسمی رجنرل سکریٹری کل ہند مسلم مجلس مشاورت:

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد سالم قاسمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ صبر وطمانیت نصیب فرمائے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، میں رات ہی وطن سے واپس ہوا، حضرت حکیم الاسلامؒ کے وصال کی اطلاع ملی اور ساتھ ہی یہ بھی اطلاع ملی کہ تجہیز وتکفین بعد نماز عشاء ہوگی، یقیناً پہنچنے کی کوئی شکل تھی ہی نہیں۔

انشاء اللہ حاضر ہوکر تعزیت کی سعی کروں گا، اللہ ہم سبھوں کو صبر وسکون نصیب فرمائے اور حضرتؒ کی روح کو راحت اور درجات بلند فرمائے۔ آمین، مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی کی خدمت میں بھی سلام عرض اور تمام پسماندگان کی خدمت میں بھی، نیز سبھوں سے اظہار تعزیت، دعا کی درخواست۔

............❖............

مولانا حکیم محمد زماں حسینی، سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند:

گرامی قدر مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا محمد اسلم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اخبارات سے علم ہوا کہ مخدوم ومطاع حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مالک حقیقی سے جا ملے۔

ان کی جدائی پوری ملت اسلامیہ اور نیازمندوں اور گھر والوں کے لیے کس قدر جاں گسل ہے وہ بیان سے باہر ہے اللہ ہی صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین! میری جانب سے اور میرے اہل خانہ کی طرف سے کلمات تعزیت قبول فرمایئے، اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں، آمین!

............❖............

سید احمد ہاشمی ممبر پارلیمنٹ (راجیہ سبھا):

مکرمی گرامی قدر حضرت مولانا محمد سالم صاحب سلام مسنون!

میں ان دنوں اپنے وطن غازی پور ہوں، رات میں ریڈیو سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع ملی، انتہائی صدمہ ہوا، حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد علم و فضل کی آغوش خالی ہوگئی اور اب بظاہر اس دور محرومی میں اس کی تلافی ممکن نہیں معلوم ہوتی، اللہ تعالیٰ آپ سب کو، پورے خاندان کو اور ہندوستان اور عالم اسلام کو اس جانکاہی کے تحمل کی توفیق عطا کرے۔ میری طرف سے تمام پسماندگان تک تعزیت پہونچا دیجئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا کرے۔ آمین

............❖............

سیداحمد ہاشمی:

مکرمی گرامی قدر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب زید مجدکم سلام مسنون!

رات ریڈیو کے ذریعہ اس سانحۂ المناک کی اطلاع ملی، جو حضرت حکیم الاسلامؒ کی طویل علالت کی بناپر متوقع تو تھا لیکن امید کی شعاعیں روشن تھیں۔

یقیناً حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کا انتقال ملت کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ اور دل خراش المیہ ہے، دل ودماغ پر اس المناک سانحہ کا برااثر ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات صرف برصغیر کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے علم وفضل کی ایک علامت تھی۔ آج وہ شخصیت، وہ ذات ہم میں نہیں رہی۔

غم بے پناہ ہے، مگر صبر وشکر ہی اس بے پناہی میں ہمارے لیے زادراہ ہے۔

میں آپ کے تمام برادران، پسماندگان اور غازی صاحب کے غم میں اپنے کو شریک کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے والد اور عالم اسلام کے اس دینی مفکر کی قبر کو نور سے بھر دے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔

میں نے ایک ٹیلی گرام بھی ارسال کیا ہے مل گیا ہوگا۔ افسوس رہے گا کہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی تدفین میں مسافت کی دوری کے باعث شریک نہ ہوسکا۔

............❖............

مولانا عبدالقدوس رومی مفتی شہر شاہی مسجد، آگرہ، یوپی

مکرمی ومحترمی مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۴رشوال جمعہ کو بخار میں مبتلا ہوگیا، صاحب فراش ہی تھا کہ اتوار کو قومی آواز سے حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کے سانحہ کا علم ہوا، اپنی طبیعت اس وقت بہت زیادہ خراب تھی کہ سانحہ پر اظہار غم و رنج بھی کرنا قدرت میں نہ تھا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. **ان ﷲ ما أخذ و اعطی و کل شیءٍ عنده أجل مسمی فلتصطبر و لتحتسب.**

و خیر من العباس أجرك بعده والله خیر منك للعباس

احقر کو اپنے والد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات پر اس شعر سے بہت قلبی سکون ملا تھا، خدا کرے آپ بھی اس سے صبر وسکون محسوس فرمائیں۔

حضرت مہتمم صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت ہم جیسے نااہلوں اور نکموں کی تعزیت اور مرثیہ سے بلند اور مستغنی ہے، ان کی وفات سے شاید خیر القرون کا عہد بھی ختم ہوگیا۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم الخ بہت دنوں تک اسلاف واکابر کے لیے دہرایا گیا، اس کا آخری مصداق بھی رخصت ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

طبیعت ابھی پوری طرح صحیح نہیں ہوئی ہے، علاج و پرہیز جاری ہے، ورنہ خود حاضر ہوتا، ویسے بھی امسال انشاء اللہ تعالیٰ حج کا ارادہ ہے، اس لیے دو تین ماہ تک تو حاضری مشکل ہے، زندگی رہی تو واپسی پر حاضری کی کوشش کروں گا۔

مولانا نجم الدین اصلاحی، راجہ پور سکرور اعظم گڑھ سابق مقیم سدھاری:

بندہ نواز مولانا! اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سبھوں کو حضرت مہتمم صاحبؒ کے وصال سے جو صدمہ پہنچا ہے صبر وجمیل بخشے اور مرحوم کے درجات میں بیش از بیش اضافہ فرمائے۔ آمین

میں رمضان کے قبل سے زیر علاج ہوں، ارادہ تھا اور ہے کہ حکیم الاسلامؒ پر ایک مضمون لکھ کر رسمی خراج عقیدت نہیں بلکہ حضرت نانوتوی قدس سرہ کے عروج کی صحیح ترجمانی بطریق نزول جو مہتمم صاحب مرحوم ہی کا حصہ تھا اس پر بھی روشنی ڈالوں، کیونکہ حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ آخری اور صحیح ترجمان رہ گئے تھے جو بہت بڑا علمی نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن، یہ ناکارہ اس سانحہ عظمیٰ پر آپ کے ساتھ برابر کا شریک ہے اور روح پرفتوح پر نذرانۂ عقیدت ذیل پیش کرتا ہوا رخصت ہو رہا ہے ؎

فعليك مني الف الف تحية تغشى ضريحك يا قرين الفرقد

............❖............

مولانا نجم الحسن مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر، یو پی:

مکرمی و محترمی مولانا محمد سالم صاحب زیدت معالیہم سلام مسنون مع اخلاص مقرون

حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات حسرت آیات ہم سب کے لیے موجب قلق اور باعث رنج ہے۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ،ان للہ مااخذ و اعطی و کل شیءٍ عندہ اجل مسمی** جناب کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے، تعزیت کے مستحق تو ہم سب ہیں۔

آپ کو صبر و استقلال کی تلقین کرنا گویا لقمان کو حکمت کا درس دینا ہے، اللہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کے ساتھ رحمت و غفران و رفع درجات کا معاملہ فرمائے۔ آمین ؎

مثل تلچھٹ رہ گئے ہم خاک پر جو تھے نوری رہ گئے افلاک پر

ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا سلسلہ جاری ہے۔

............❖............

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین، مفتی دار العلوم دیوبند:

حضرت المحترم زید مجدکم		السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار عید کی نماز پڑھ کر دیوبند سے وطن آگیا تھا، ایک ضروری کام کے لیے یہ سفر ناگزیر ہوگیا تھا۔

یہیں دوشنبہ ۷؍شوال کا دن گذار کر رات میں یہ خبر دل گداز ملی کہ علم وعمل کا آفتاب روپوش ہوگیا، خانوادۂ قاسمی کا چشم وچراغ جو ساٹھ پینسٹھ سال سے دار العلوم کی خدمت کر رہا تھا اور ملک وملت جس کے فیوض وبرکات سے سیراب ہو رہا تھا، چل بسا، جماعت علماء کے امیر کارواں نے اس دنیا فانی سے کوچ فرمایا اور جس کے وعظ وتبلیغ سے پوری دنیا پُر آشوب تھی اور جس کی صدائے دل نواز اب بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے، داغ مفارقت دے گیا، علماء دیوبند ہی نہیں، عالم اسلام کے علماء اپنے دور کے حکیم الاسلامؒ سے محروم ہوگئے، ملت اسلامیہ کا محسن اٹھ گیا، قال اللہ و قال الرسول کا شیوۂ بیان جاتا رہا، **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**، دنیائے علم وعمل میں صف ماتم بچھ گئی، عالم انسانیت سر بہ گریباں ہے اس کا محسن جاتا رہا، خواص وعوام ایک بڑی دولت سے محروم ہوگئے۔ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی علمی مجالس اور ان کی ذات ستودہ صفات سے ہم سب کی تشنگی جاتی رہتی تھی، آہ! اب وہ ہم میں نہیں رہے، موجودہ دور میں اپنی جماعت کے سید الطائفہ تھے اور دنیائے علم وحکمت کے راز داں، اس ذات اقدس کے اٹھ جانے پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے، نمود ونمائش سے قطعاً پاک وصاف تھے، مخلص، ولی کامل اور سراپا علم وعمل تھے، اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور تا قیامت آپ کی قبر پر رحمت کی بارش برساتا رہے۔

یہ غم اولاً آپ کے خاندان کا غم ہے، لیکن دراصل یہ ساری ملت اسلامیہ کا غم ہے اس غم میں سارے مسلمان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات انسانی آپ کے ساتھ ہے، رب العالمین آپ حضرات کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے اور پھر سارے مسلمانوں کو صبر کی توفیق عطا کرے، ہم سب کو بھی صبر عطا کرے۔

............❖............

مولانا غلام قادر صاحب، مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم، جموں وکشمیر:

واجب الاحترام استاذ المکرّم حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اللہ کرے کہ آپ حضرات بخیر ہوں۔

بذریعہ ریڈیو یہ سن کر کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پوری ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہوا، دراصل حضرتؒ اسلاف کی دور حاضر میں جیتی جاگتی تصویر تھے۔ کس طرح آپ نے اس صدمہ کو برداشت کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے، حضرتؒ کو بندہ کے ساتھ اور مدرسہ کے ساتھ گہری دلچسپی تھی، حضرتؒ کی ہی دعاؤں کی بناء پر یہ مدرسہ پروان چڑھا اور ترقی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ موصوفؒ کو جنت الفردوس میں عالی مقام نصیب فرمائے اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے، ہم تمام خدام مدرسہ ضیاء العلوم حضرتؒ کی ہی ذات سے وابستہ تھے، کوئی حکم ہمارے لائق ہو تو ہم حاضر ہیں۔

............❖............

مولانا حکیم محمد عبداللہ صاحب، مہتمم مدرسہ اسلامیہ گلزار حسینیہ، اجراڑہ، ضلع میرٹھ:

گرامی قدر جناب عالی! حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد اسلم قاسمی مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! تاجدار اسلاف واکابر قائد ملت اسلامیہ ہند، سلف صالحین حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر پورے مدرسہ اور علاقہ بھر میں ایک حزن و ملال، رنج والم کی گھٹائیں ماحول پر چھا گئیں، درحقیقت عالم اسلام بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایسا عظیم نقصان واقع ہوا ہے کہ جس کی تلافی بظاہر کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

حضرت مرحوم و مغفور اس ادارہ کے سرپرست تھے، آج یہ ادارہ آپ کی سرپرستی سے محروم ہوگیا ہے، خداوند قدوس اس ادارہ کو آں محترم جیسا سرپرست عطا فرمائے۔ آمین، یہ خبر سنتے ہی مدرسہ کے اراکین اساتذہ کرام اور طلباء نے مل کر قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا، ایک تعزیتی جلسہ فوقانی مسجد میں منعقد ہوا۔

اس تعزیتی جلسہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی زندگی بھر کی خدمات پر تفصیلات کے ساتھ روشنی ڈالی گئی اور ان کی ملی، دینی، تعلیمی، تصنیفی خدمات کا اعتراف کیا گیا، ایک تعزیتی قرارداد میں آپ حضرات اور تمام وابستگان و پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا، خداوند قدوس حضرتؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، مشیت باری تعالیٰ میں کس کی مجال ہے۔ ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

............❖............

مولانا ارشاد احمد صاحب، مبلغ دارالعلوم دیوبند:

مکرمی ومخدومی دامت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی اچانک حضرت مہتمم صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع موصول ہوئی، رنج وافسوس کے گہرے اثر سے گویا اعصاب پر رعشہ طاری ہوگیا، دل ودماغ اس خبر کے یقین پر کسی طرح آمادہ نہیں ہورہے تھے، لیکن فطری طور پر اس عالم کا نقشہ ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں کی زندگی کے بعد موت یقینی امر ہے کہ اس میں شخصیتیں آتی رہتی ہیں اور اپنے کمال کی جلوہ نمائیاں کر کے آغوش رحمت میں پناہ گزیں ہو جاتی ہیں، حضرت مہتمم صاحبؒ کو اپنے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ سے جو باطنی قرب حاصل تھا۔ اس کا تقاضہ ہے کہ قرطاس کو آنسوؤں سے تر کروں، تاہم اس سیاہی کو بھی اشکہائے غم ہی تصور کیا جائے، حضرت مہتمم صاحبؒ کی رحلت سے ہمارے پورے حلقہ میں ایک مایوسی کی کیفیت پیدا ہوگئی، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو سکون دیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائیں، ہم جملہ ایں خانقاہ کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

............❖............

مولانا محمد عثمان غنی قاسمیؒ، مظاہر علوم وقف سہارنپور:

مخدوم ومطاع استاذ نا المحترم السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی۔آہ! ہم لوگ آج یتیم ہو گئے، سترہ جولائی دنیائے اسلام کے لیے بڑا اندوہناک، المناک یوم ثابت ہوا کہ علوم نانوتویؒ کا امین، اسلاف کا یادگار، تھانویؒ زہد وتقویٰ وورع کا نمونہ، متانت وسنجیدگی کا پیکر علم وفضل کا بحر بیکراں، تحمل کا کوہ وقار، علم وعمل کا سنگم، یعقوبؑ کا صبر، ابراہیمؑ کا تسلیم ورضا، احقاق حق کے لیے حضرت حکیم کا جلال، حضرت زکریاؑ کی طرح مستجاب الدعوات، یحییٰؑ کا اخلاص، حال و قال میں یکسانیت، گفتار وکردار میں مطابقت، شریعت وسنت کا عامل وترجمان، عاشق سید المرسلین فخر الاماثل دنیائے رنگ وبو میں نہ رہے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، رحمة الله عليه رحمة واسعة، اعلى الله درجة كاملة. اب مسند خطابت کو کون زینت بخشے گا؟ رموز تصوف کو کون سمجھائے گا؟ اسرار دین کی گتھیوں کو کون سلجھائے گا؟ علم وفضل کی سوتیں کہاں پھوٹیں گی؟ حقائق ومعارف کا دریا کون بہائے گا؟ حق تعالیٰ آں ممدوح کے کارہائے نمایاں وکارہائے لائقہ کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ دے، آمین اور درجات بلند فرمائے۔آمین

میرے کرم فرما حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ! آنکھیں اشکبار ہیں، دل بے قابو ہے، دنیا تاریک ہوگئی، اہل علم یتیم ہو گئے، خانقاہ کی رونق ختم ہوگئی، تھانویؒ کا چہیتا جدا ہو گیا، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا جگر گوشہ رخصت ہوگیا۔ بلیاویؒ کے دلدار نے رخت سفر باندھ لیا، علامہ کشمیریؒ کا پیارا اپنے قافلہ والوں سے جاملا۔

کیا کیجئے گا! اس دنیا کی ریت یہی ہے، ضابطۂ الوہی بھی یہی ہے۔وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَإِنْ مِّتَّ، رب کریم آپ پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال کرے، آمین۔

............❖............

مولانا عتیق احمد قاسمی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:

مخدوم مکرم جناب حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ جناب والاصحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے۔

اوائل شوال میں اپنے وطن بستی میں تھا، دیہات میں ہونے کی وجہ سے چندروز بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے المناک حادثہ کی اطلاع ملی، دل ودماغ کی دنیا تہہ وبالا ہوگئی، آپ حضرات کے دلوں پر اس سانحہ سے جو گذری ہو کم ہے لیکن ہم سب کے لیے جو ان کی روحانی اولاد اوران کے گلستانِ علم وفضل کے خوشہ چیں ہیں، صبر اور رضا بالقضاء کے سوا چارہ ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند درجات سے نوازے۔

مرحوم اس آخری دور میں اسلاف اور اکابر دارالعلوم دیوبند کے مسلک اور روایات کے واحد محافظ وامین تھے، مدت العمر انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی اور مسلک دیوبند کی نشر واشاعت کے سلسلے میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں انہیں انصاف پسند مورخ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

ہم سب فضلاء ومنتسبین دارالعلوم پر مرحوم کا حق ہے کہ ان کے لیے بیش از بیش ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں اوران کا نام وکام زندہ رکھیں، میں نے ایک قرآن تلاوت کرکے ان کے لیے ایصال ثواب کیا۔

حضرتؒ کی سوانح کی ترتیب کا کام ابھی جلد از جلد خوش سلیقگی سے ہوجانا چاہئے تاکہ ان کی شخصیت آنے والی نسلوں کے لیے بھی مینارۂ نور کا کام دے، اس سلسلے میں اگر میرے لائق کوئی خدمت ہوتو میں اس کی انجام دہی اپنے لیے سعادت تصور کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

............❖............

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی، خادم تدریس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:

مخدوم ومکرم جناب حضرت مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم

امید کہ جناب والا صحت و عافیت کے ساتھ ہوں گے۔اوائل شوال میں اپنے وطن بستی میں تھا، دیہات ہونے کی وجہ سے اخبار ورسائل وہاں نہیں پہنچتے ہیں اس لیے چندروز بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی وفات کے اندوہناک سانحہ کی اطلاع ملی، دل و دماغ پر اچانک جیسے بجلی آ گری ہو، آپ حضرات کے دل و دماغ پر اس حادثہ کا جو اثر ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، اس سانحہ پر آپ کی تعزیت کیا کریں، حقیقت یہ ہے کہ ہم فضلاء دار العلوم دیوبند خود تعزیت وتسلی کے محتاج اور مستحق ہیں، لیکن ہم سب کے لیے جوان کی روحانی اولاد اوران کے گلستان علم وفضل کے خوشہ چیں ہیں، صبر اور رضا بالقضا کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس آخری دور میں اسلاف و اکابر دار العلوم دیوبند کے مسلک اور روایات کے واحد محافظ و امین تھے، مدت العمر انہوں نے دار العلوم دیوبند کی تعمیر وترقی اور مسلک دیوبند کی نشر واشاعت کے سلسلے میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں انہیں انصاف پسند مؤرخ کبھی فراموش نہیں کرسکتا، وہ حلقہ علماء ومشائخ کے گل سرسبد، دار العلوم دیوبند کی آبرو اور تمام اہل حق کے متفقہ دینی رہنما تھے۔

ہم سب فضلاء و منتسبین دار العلوم دیوبند پر ان کا حق ہے کہ ان کے لیے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں اوران کا نام اور کام زندہ رکھیں۔

حضرتؒ کی سوانح کی ترتیب کا کام ابھی جلد از جلد خوش سلیقگی سے ہوجانا چاہئے، تا کہ ان کی شخصیت آنے والی نسلوں کے لیے بھی مینارۂ نور کا کام دے، اس سلسلے میں اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اس کی انجام دہی اپنے لیے سعادت تصور کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

............❖............

مولانا شمس تبریز خاں، نیا بھوجپور، آرہ، بہار:

مشفق محترم زید مجدہم و لطفہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آج کل وطن آیا ہوا ہوں، جہاں ۱۷ر جولائی کو ریڈیو سے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سنی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایتھا النفس اجملی جزعا ☆ فان ما تحذرین قد وقعا

ادھر کچھ عرصہ سے علالت کی خبروں سے یہ اندیشہ لگا ہوا تھا، پھر بھی اللہ کی ذات سے امید تھی کہ حضرت والا مرحوم ابھی ہمارے درمیان رہیں گے مگر۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

خاندان قاسمی پر اس حادثے سے جو گذر رہی ہوگی اور ہم تمام محبان خانوادۂ قاسمی کے دلوں پر جو گذر رہی ہے اس کا اندازہ (ایک ہی علمی خاندان کے افراد ہونے کے سبب) ہم سب کر سکتے ہیں۔

دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلامؒ وغیرہ کے بارے میں بہت سی ناگفتنی و ناشنیدنی سنتا رہا مگر دل کو ان باتوں کا کبھی یقین نہیں آیا اور حضرت سے عقیدت ومحبت برقرار رہی اور دل ان کی نسبت گرامی، علوئے نسب وحسب، شرافتِ طبعی وعالی ظرفی اور بے مثال صبر وتحمل، وسیع وعمیق علم، عالمانہ وحکیمانہ فکر ونظر، دارالعلوم کی نصف صدی سے زائد پرخلوص خدمت اور مسلکِ دارالعلوم کی حفاظت و اشاعت کا ہمیشہ معترف رہا۔ قلب وجگر خصوصاً اس صدمہ سے شق ہو رہے ہیں کہ علوم قاسمیہ کا وارث وامین نہیں رہا اور مسلک دارالعلوم و دیوبندیت اور علوم اسلامیہ کا حکیم نکتہ داں، ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، جس نے نئے حالات میں برابر زمانے کی رہنمائی کی اور مسلک حق کو واضح اور روشن رکھا۔

خبر سنتے ہی ایصال ثواب کیا اور انشاء اللہ حسب توفیق آئندہ بھی کرتا رہوں گا، حضرت مرحوم سے مجھے شرف تلمذ بھی حاصل ہے، میں نے ان سے حجۃ اللہ البالغۃ کا درس لیا تھا۔

............❖............

مولانا وقار علی صاحب مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور:

مکرم ومحترم جناب الحاج مولانا سالم صاحب ومولانا محمد اسلم صاحب- مدظلہما العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سلسلے میں کلکتہ آیا ہوا ہوں اور چہار شنبہ کو واپسی کا ارادہ ہے، میں چندہ وصول کرتا ہوا لور چت پور سے گذر رہا تھا کہ مدرسہ کے معاون سے جو آسنسول کے رہنے والے ہیں وہ کلکتہ آئے ہوئے ہیں، ان سے ملاقات ہوئی وہ ''اخبار مشرق'' کا مطالعہ کر رہے تھے، مجھے خبر دی کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کا انتقال ہوگیا سن کر طبیعت نے گوارا نہیں کیا اور اندر ہی اندر سوچتا رہا کہ یہ خبر غلط ہوگی کہ اچانک انہوں نے ''اخبار مشرق'' پیش کر دیا جس میں حضرتؒ کے انتقال کی خبر شائع ہوئی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے مغفرۃ کلیہ اور حضرتؒ کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے، میں کتنا بڑا بدقسمت ہوں کہ وطن سے اتنی دور پڑا ہوں کہ حضرت کی تجہیز وتکفین میں بھی شرکت نہ کرسکا، معلوم نہیں مدرسہ مظاہر علوم کی جانب سے بھی حضرات نے شرکت فرمائی یا نہیں، اگر وقت پر ان حضرات کو اطلاع ہوگئی ہوگی تو ضرور شرکت کی ہوگی، آپ حضرات پر کیا گذر رہی ہوگی اللہ تعالیٰ زائد بہتر جانتا ہے، صبر کیجئے میری جانب سے آپ اور حضرت کے جملہ رشتہ دار تعزیت قبول فرمائیں، سہارنپور حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں گا، والدین کا وجود اولاد کے لیے وہ نعمت ہے جس کا بدل نصیب نہیں ہوسکتا، حضرت اپنے اکابر کے سچے جانشین تھے اور امت مسلمہ کے لیے بہت بڑے ستون اور سہارا تھے، اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں اپنی شایان شان اونچا مقام نصیب فرمائے، میں جس دوکان پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا ہوں ان کا نام جاوید ہے، دہلی کے رہنے والے ہیں، وہ بھی حضرت کے انتقال کی خبر سے غمگین ہیں، سلام عرض کرتے ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے۔ آمین

............❖............

مولانا محمد باقر حسین قاسمی صاحبؒ دار العلوم الاسلامیہ بستی یوپی:

صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الاسلامؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر لوگوں پر صاعقہ بن کر گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ! آج ہم حضرت نانوتویؒ کے علوم کے جانشین، خطیب وقت، بین الاقوامی علمی شخصیت، مجموعۂ کمالات اور عصر حاضر میں مسلک دیوبند کے ممتاز ترین ترجمان اور ایک گوہر نایاب سے محروم ہوگئے۔

اس حادثۂ فاجعہ کی خبر ملتے ہی ختم قرآن پاک کرا کر ایصال ثواب کیا گیا، ختم قرآن کریم کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اس عظیم سانحہ میں ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اپنے آپ کو مستحق تعزیت سمجھتے ہیں۔ انتقال کی خبر ملتے ہی ہم آپ کی خدمت میں ایک رقعہ بھی ارسال کر چکے ہیں، امید کہ ملا ہوگا، دعا ہے کہ خداوند قدوس آپ اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت حکیم الاسلامؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔

............❖............

تعزیتی قرارداد دارالعلوم الاسلامیہ بستی:

حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں مجلس دعائے مغفرت اور تعزیتی پروگرام:

یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ حصرت حکیم الاسلام جناب مولانا محمد طیب صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال صرف ایک خاندان، ایک ضلع ایک صوبہ اور ایک ملک کا حادثہ نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا حادثہ ہے، اس المناک حادثہ سے خصوصاً تمام علمی و دینی حلقوں اور مدارس و جامعات میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ہر جگہ کی فضا سوگوار ہو گئی۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی جو مشرقی یو پی کا ایک ابھرتا ہوا عظیم ادارہ ہے، یہاں کے اساتذہ وطلباء کو جوں ہی معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الاسلامؒ رحلت فرما گئے تو تمام لوگ مبتلائے رنج وغم ہو گئے اور دارالعلوم کے ذرے ذرے سوگوار ہو گئے، اس لیے کہ اس ادارے کی ابتدا و تاسیس میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی پرزور تائید اور نیک دعاؤں کا زبردست ہاتھ ہے۔

دارالعلوم بستی میں مسلسل کئی روز حضرت حکیم الاسلامؒ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی، پھر بتاریخ ۱۳؍شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۴؍جولائی با قاعدہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا اور ایک تعزیتی پروگرام و مجلس دعائے مغفرت منعقد کی گئی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ وطلبا کے علاوہ شہر کے اور دوسرے علما و معزز لوگوں نے شرکت کی اور اظہار رنج وغم کیا۔

تعزیتی پروگرام میں دارالعلوم کے استاذ جناب مولانا حکیم محمد ساجد صاحب قاسمی اور جناب مولانا ابوالعاص صاحب قاسمی وحیدی نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے اوصاف و کمالات اور علمی و دینی خصوصیات پر مفصل روشنی ڈالی۔

مولانا حکیم محمد ساجد صاحب نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کا مکمل اور جامع جائزہ لیا اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت حکیم الاسلامؒ کو بہت سی علمی و ادبی اور اجتماعی و

انتظامی خصوصیات عطا کی تھیں، حضرتؒ ایک اعلیٰ منتظم و مدبر تھے جس کی دلیل نصف صدی سے زائد تک بڑے ہی حسن انتظام کے ساتھ منصب اہتمام پر فائز رہے، وہ ایک عظیم خطیب و واعظ، اچھے ادیب وشاعر اور باکمال مصنف تھے، جن کے قلم زرنگار نے تقریباً پانچ (۵۰۰) سو کتابیں تصنیف کیں، وہ ایک بہترین معلم و مدرس اور مختلف علوم وفنون کے جامع تھے، اسی طرح وہ ایک روحانی مصلح و مربی اور عظیم پیرومرشد بھی تھے اور خصوصاً وہ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔

آخر میں موصوف نے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران کو مشورہ دیا کہ انہیں چاہیئے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی مکمل سوانح حیات مرتب کرائیں، جس میں خاص طور پر ان کی ۵۴ رسالہ علمی و دینی اور اصلاحی و انتظامی خدمات کا مکمل جائزہ وتعارف کرایا جائے۔

مولانا ابوالعاص صاحب وحیدی نے کہا کہ حضرت الاستاذ حکیم الاسلامؒ کی شخصیت ایک پوری جماعت اور ایک بڑی انجمن تھی، دیکھنے کو تو وہ ایک تھے لیکن ان کے اندر مدبر و منتظم، معلم و مدرس، ادیب وشاعر، حکیم ودانشور، مصنف ومؤلف، خطیب ومقرر اور خدا جانے نہ معلوم کون کون سی شخصیتیں پوشیدہ تھیں، اس طرح حکیم الاسلامؒ اس دنیائے فانی سے کیا منتقل ہوئے علوم وفنون کا ایک قافلہ اور فکر وفن کی ایک پوری انجمن دنیا سے کوچ کر گئی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے تمام اوصاف وکمالات میں ان کی علمی وسعت و گہرائی اور حکمت و دانشمندی نمایاں ترین صفت تھی، ان کا حکیمانہ اسلوب ان کے تمام علمی وادبی کمالات وخصوصیات میں جلوہ گر تھا، اسی لیے عالم اسلام نے انہیں حکیم الاسلامؒ کے لقب سے نوازا۔

آخر میں موصوف نے اس حقیقت کو مفصل طور پر واضح کیا کہ اسلاف واکابر کی اصل یاد یہ ہے کہ ان کے کارنامے زندہ کیے جائیں، ان کے اوصاف وخصوصیات کو اپنایا جائے، اللہ تعالیٰ ہم تمام متعلّمین کو اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پھر پروگرام ختم ہوا اور زبانوں پر یہ دعائیہ کلمات تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الاسلامؒ پر اپنے فضل وکرم کی بارش کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت اسلامیہ کو تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔ آمین! تقبل یا ربَّ العٰلمین.

............❖............

حضرت مولانا امام علی دانش قاسمی، مدرسہ رئیس العلوم اہل سنت کھیری:

مولانا المحترم والمکرّم عمت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ریڈیو سے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال کی خبر سن کر یہاں والوں کو صدمہ پہونچا، نماز عشاء کے بعد تعزیتی اجتماع جامع مسجد میں ہوا جس میں حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت وترقی درجات کی گئی، صبح بعد نماز فجر قرآن خوانی کی گئی، ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ تعالیٰ صبر جمیل بخشے اور نعم البدل عنایت فرمائے۔ آمین۔

............❖............

حضرت مولانا حکیم عبد القوی دریابادی، مدیر صدق جدید (ہفتہ واری) لکھنؤ:

محترم ومکرم السلام علیکم

حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے حادثہ ارتحال کی خبر ملی، سخت صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم عالم اسلام کی ایک اہم شخصیت اور شریعت وطریقت کے مجمع البحرین کی حیثیت رکھتے تھے۔ انشاء اللہ آپ کی تعزیت صدق جدید کے اگلے پرچہ میں تفصیل سے درج ہوگی۔

اس حادثہ عظیم میں میری اور میرے خاندان والوں کی طرف سے مخلصانہ تعزیت آپ کی، آپ کے بھائیوں اور دوسرے اقرباء کی خدمت میں پیش ہے۔

............❖............

جناب عتیق احمد صدیقی، شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

بھائی سالم صاحب السلام علیکم

کل اخبار سے اس سانحہ عظیم کی اطلاع ملی جو آپ کے، ہمارے لیے ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اگرچہ قبلہؒ کافی دن سے علیل تھے، لیکن اس صورت حال کے لیے دل ودماغ آمادہ نہیں تھے، دل چاہتا تھا کہ ان کا سایہ ہم لوگوں کے سروں پر تادیر رہے اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے رہیں، قضاوقدر کے فیصلوں کے سامنے کس کو مجال دم زدن ہے، لکھی ہوئی ساعت ٹل نہیں سکتی، لیکن گذشتہ دوتین سال کے حالات نے مرحوم کو جس کرب میں مبتلا رکھا، اس کا بھی ان کی شخصیت پر برا اثر پڑا اور جس تحمل کے ساتھ وہ ان حالات سے عہدہ برآ ہوتے رہے وہ ان کی شخصیت کی عظمت کی دلیل ہے، ان کا تقدس، ان کی علمیت، ان کی علمی اور دینی خدمات، ان کا محبت ورافت کا سلوک، ان کی صلۂ رحمی اور ایسی ہی متعدد صفات حمیدہ، ان کے لیے جن درجات عالیہ کی ضمانت بنے ہوں گے، ہم تو ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، **جزا هم عند ربهم جنة الخ** کی مصداق ایسے ہی حضرات کی شخصیات تو ہوتی ہیں، گھر میں یہ خبر معلوم ہوئی تو پہلا جملہ یہ تھا کہ ''دیوبند کی آخری بزرگ ذات بھی رخصت ہوئی'' سچ یہ ہے کہ ان کے لیے دعا کرنے کو زبان نہیں اٹھتی کہ چھوٹا منہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سعادت میں شامل ہونے کے لیے اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ انہیں ابرار کبار میں شامل فرمائے۔

خاندان کی، دارالعلوم کی، اس مشن کی جو ساری زندگی مرحوم کو عزیز رہا، ساری ذمہ داریاں اب آپ پر ہیں، خدا کرے آپ ان کو بوجوہ احسن پورا کریں، ان کو پورا کرنے کے لیے جس تحمل اور تدبر کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے نوازا ہے، اب تک مرحوم کے سایۂ عاطفت میں ان سے کام لیتے رہے، اب خود پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کو روبہ کار لانا ہے، اللہ آپ کو استقلال عطا فرمائے۔

............❖............

مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند:

حامداً و مصلیا و سلاماً

مخدوم گرامی قدر دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۱۷؍جولائی ۸۳ءکو بمبئی پہونچا یہاں آکر حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی کے ذریعہ حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ہوئی، فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ خبر حضرت والا کے خدام اور متوسلین کے لیے کس درجہ اندوہناک ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ افسوس عالم اسلام ایک نہایت عظیم المرتبت شخصیت سے محروم ہوگیا، علم وتقویٰ کا آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا، ہندوستان کے مسلمان یتیم ہوگئے، دارالعلوم دیوبند کی عزت وآبرو اٹھ گئی، اس عظیم حادثہ کو کن الفاظ سے تعبیر کیا جائے لغت ایسے الفاظ سے قاصر ہے۔

اللہ پاک حضرت والا پر اپنے خاص انعامات فرمائے اور درجات عالیہ بلند فرمائے، کاش میں اس وقت لکھنؤ میں ہوتا اور کسی طرح آپ تک پہنچ کر شریک غم ہوجاتا لیکن یہ میری بدنصیبی ہے کہ ہزاروں میل دور بمبئی میں ہوں، انشاء اللہ بہت جلد دیوبند حاضر ہوکر خدمت والا میں حاضر ہوں گا۔

میری طرف سے خانوادہ عامرہ کے ہر ہر فرد کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش فرمادیں۔ اللہ پاک ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے اور حضرت کے فیوض و برکات عام فرمائے۔ بمبئی میں مقیم لکھنؤ کے بہت احباب سلام نیاز کے بعد کلمات تعزیت پیش کرتے ہیں۔

............❖............

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب بجنوری:

مکرم و محترم مولانا محمد سالم و مولانا محمد اسلم صاحب دام فیوضکم السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

پرسوں شام بعد عصر حادثہ فاجعہ وفات حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ کی خبر ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون، وقت تدفین کا اعلان نہ تھا ورنہ رات کو پہنچ سکتا تھا۔ پھر یہاں برخورداری سعدیہ سلمہا کے پرسوں ہی بچہ تولد ہوا اس کی وجہ سے بھی سفر بہت دشوار تھا، انشاء اللہ جلد حاضر ہوں گا۔ ملت مرحومہ ایسے وقت ایک نہایت عظیم القدر شخصیت سے محروم ہوئی کہ ان کی نہایت احتیاج تھی، خدا کی مرضی میں کیا چارہ ہے؟ **ولا نقول الا ما یرضیٰ ربنا.**

............❖............

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مدنی دار التالیف بجنور:

محترم المقام زید مجدکم سلام مسنون

مزاج گرامی! حضرت مہتمم صاحب قدس سرہٗ کے وصال کے بعد میں نے ایک مضمون الجمعیۃ اخبار کو بھیجا تھا، افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکا، جس کا افسوس ہوا اور نہ معلوم کتنے مضامین اور خبریں ہوں گی جو انہوں نے شائع نہیں کیں، بہر حال یہ ان کے اختیار کی بات تھی لیکن اس کے نتائج خدا کے اختیار میں تھے جو غالباً ان کے لئے مفید ثابت نہ ہوں گے۔ اب اگر آپ ان کے لیے یعنی حضرت مہتمم صاحب قدس سرہٗ کے لیے کوئی چیز شائع کرنا چاہتے ہوں تو اس کی اطلاع دیں تا کہ میں بھی کچھ لکھ کر بھیج دوں، حضرتؒ کے لیے دعا اور ایصال ثواب یہ ان کا ہمارے اوپر حق ہے، دعائے خیر کا طالب ہوں۔

............❖............

تعزیتی قرارداد، باشندگان نگینہ، ضلع بجنور:

نگینہ ضلع بجنور میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب ؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر باشندگان نگینہ کا ایک عظیم الشان تعزیتی اجلاس جامع مسجد میں تمام پارٹیز پر مشتمل زیر صدارت حکیم محمد عارف صاحب، مفتی جلیل احمد سابق۔ ایم۔ ایل۔ اے۔ وحاجی راشد ضمیر کے انتظام میں منعقد کیا گیا جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے حضرت مولانا محمد طیب مرحوم کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی عظیم اسلامی خدمات اور دارالعلوم دیوبند کے دوراہتمام کی کامیابیوں کا تذکرہ کیا اور موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مقررین میں (۱) مفتی جلیل احمد صاحب سابق ایم۔ ایل اے (۲) عزیز الرحمٰن صاحب ایم۔ ایل۔ اے کانگریس آئی (۳) ذکاوت حسین صاحب ایڈوکیٹ نمائندہ مسلم مجلس (۴) قاضی مسعود علی جمعیۃ علماء (۵) ماسٹر اختر زیدی جماعت اسلامی (٦) مولانا محمد عارف صاحب لوک دل (۷) خورشید احمد نمائندہ تنظیم طلباء (۸) مولانا سعید احمد صاحب نمائندہ مدارس اسلامیہ (۹) مولوی محمود الحسن صاحب نمائندہ دارالعلوم دیوبند ہیں، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔

مولوی خلیل احمد صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور ایک تعزیتی نظم انیس احمد نے پیش کی اور مندرجہ ذیل تجویز تعزیت منظور کی گئی۔

باشندگان نگینہ کا یہ عظیم اجلاس حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب ؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور عالم اسلام کا ایک عظیم ناقابل تلافی نقصان محسوس کرتا ہے۔

بلاشبہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب ؒ کی پوری زندگی علم دین کی اور حدیث کی خدمت کرتے ہوئے گذری اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت ان کی زندگی کا لازم حصہ بن کر گذرا نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کے علمی کارنامے مشعل راہ ثابت ہوتے رہیں گے۔

مرحوم نے دار العلوم دیو بند کے ۵۸/ سالہ دورِ اہتمام میں اپنے کارہائے نمایاں سے علمی دنیا میں ہندوستان کا سر اونچا کیا ہے اور ایک درسگاہ کو اپنی خدمات سے ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی کی شکل میں دار العلوم کو وجود دیا مرحوم کے دورِ اہتمام میں دار العلوم دیو بند کا جشن صد سالہ پوری دنیا میں ایک تاریخ بنا، بہر حال حضرت مولاناؒ کے وصال سے علمی دنیا سوگوار ہوگئی، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، نگینہ کا یہ عظیم اجلاس مرحوم کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ عالمی تحریک تحفظ مساجد کے سلسلہ میں جو کام حضرت حکیم الاسلامؒ نے انجام دیا ہے عالم اسلام ان کا احسان مند ہے۔

............❖............

مولانا محمد حامد صاحب، خطیب شاہی مسجد حیدرآباد:

محترمی ومخلصی مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دام ظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتہائی گہرے صدمہ کے ساتھ عالم اسلام کے اس عظیم نقصان پر جس قدر بھی صدمہ کیا جائے وہ بہت کم ہے، حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حدیث شریف کی رو سے ''موت العالم موت العالم'' ہے واقعی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال ہستی تھی۔ حضرت کے جو احسانات اور لطف وکرم اس خاکسار پر تھے، اس کو یاد کر کے کلیجہ اوپر کو آتا ہے، ماشاء اللہ آپ خود علامہ ہیں مگر یہ صدمہ اتنا عظیم ہے کہ آپ سب کو دوہرا شدید صدمہ پہنچا ہوگا۔ ہم سب خدام آپ کے صدمہ میں شریک ہیں، آج صبح سے اپنے اس مدرسہ عربیہ تنویر نسواں میں پہلے جلسہ تعزیت منعقد ہوا اور اب ختم قرآن مجید کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، کل ریڈیو سے ۲ / بجے خبر نشر ہوئی اور آج یہاں پر تمام اخباروں میں بڑی سرخیوں سے یہ خبریں شائع ہوئی ہیں۔

یہاں پر کل تعزیتی جلسہ اور ختم قرآن مجید کا شہر میں اہتمام کیا جا رہا ہے۔

میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے تین روز قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ حضرت قبلہ ایک موٹر پر تشریف لا رہے ہیں مگر کرتا پہنے ہوئے ہیں اور کرتے میں سے کاندھے کی پوری ہڈیاں نظر آرہی ہیں، میں ایک دم دوڑا ہوا موٹر کے قریب گیا تو حضرت قبلہؒ نے مصافحہ کا موقعہ عطا فرمایا، میں نے فرط محبت سے دستِ مبارک سر پر رکھ لیا حضرت قبلہؒ نے بہت ہی تپاک سے برتاؤ فرمایا۔

اب ہم سب سوگوار ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، حضرت قبلہؒ کو اپنے جوارِ خاص میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین

سب برادرانِ محترم سے اور متوسلین سے بھی ہم خدام کا سلام

............❖............

حضرت مولانا احمد اشرف صاحب، مہتمم دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر سورت گجرات:

محترم المقام مولانا الحاج محمد سالم صاحب زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام و عافیت کے والد ماجدؒ ہمارے بہت قدیم مشفق تھے اور ہمارا قدیم تعلق تھا، مرحوم کی وفات کی خبر سن کر از حد صدمہ ہوا، فون سے خبر سنتے ہی آپ پر ٹیلیگرام کیا تھا جو ملا ہوگا اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں احقر کی صدارت میں تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں مرحوم ومغفور کی وفات پر اظہار غم کیا گیا۔

تمام اساتذہ وطلبا نے قرآن کریم کی تلاوت کر کے مولانا مرحوم کو ایصال ثواب کیا اور شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مولانا الحاج محمد رضا اجمیری صاحب دامت فیوضہم نے حضرت والا کے مختصر حالات وکمالات بیان کیے۔

بعد ازاں مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور آپ تمام پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی توفیق کی دعا کی گئی، خدا پاک قبول کرے۔ آمین ثم آمین۔

............❖............

مولانا اسماعیل صاحب، حافظ احمد صاحب، جامعہ حسینیہ محمدیہ عربیہ اسلامیہ حسینیہ، راندیر، سورت:

مکرم ومحترم مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! آج یہ غمناک اور روح فرسا خبر بذریعہ ٹیلی فون معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، افسوس علم وعرفان کی شمع فروزاں، فضل وکمال کا نیر تاباں اور علم ودانش کا آفتاب غروب ہوگیا؛ امت اپنے ایک عالم جلیل، حکیم الاسلام، پیر طریقت اور ہنماء دین سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئی، حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے بظاہر اس کا پورا ہونا ممکن نظر نہیں آتا، آپ کا سانحۂ ارتحال پوری علمی دنیا کا نقصان ہے۔

فما کان قیس هلکه هلکة واحد و لکنهٗ بنیان قوم قدتهدما

حضرت والاؒ کو جامعہ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اسی وجہ سے ہمیشہ جامعہ کے سالانہ اجلاس میں تشریف لاتے رہے ہیں، گذشتہ سال میں خود جلسہ کی دعوت کے لیے حاضر ہوا تھا۔

اس سال بھی دعوت پیش کی تھی مگر بیماری کی وجہ سے حضرتؒ کی طرف سے آپ ہی نے اپنے قلم سے معذرت پیش کی تھی۔

میں اور اہل مدرسہ آپ کو، مولانا محمد اسلم صاحب کو اور جمیع متعلقین کو بایں الفاظ تعزیت پیش کرتے ہیں۔

ولو کان فی الدنیا لساکن لکان رسول اللهﷺ فیها مخلداً

وما کان احد ینجوه الموت سالما و سهم المتایا قد اصاب محمداً

ہم آپ کے غم میں برابر شریک ہیں، اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ خداوند کریم حضرتؒ والا کو جنت الفردوس میں بلند درجات مرحمت فرماویں اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کریں۔

............❖............

تعزیتی قرارداد، جامعہ حسینیہ راندیر:

جامعہ حسینیہ راندیر سورت، گجرات میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس میں اراکین، اساتذہ، طلبہ کے علاوہ شہر کے ممتاز علماء وذی وقار حضرات نے بھی شرکت فرمائی، جلسہ میں حضرت موصوف کی وفات پر اپنے اپنے تاثرات اور جذباتِ غم کا اظہار کیا گیا اور آپ کی دینی وعلمی خدمات کا ذکر جمیل کر کے خراج عقیدت پیش کیا گیا، جلسہ کے تمام ہی شرکاء نے تلاوت قرآن کر کے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی، آخر میں تعزیتی تجویز پیش کی گئی، جو بالاتفاق منظور ہوئی تجویز کا متن حسب ذیل ہے۔

الحمد اللّٰہ الذی له البقاء و الدوام قال اللّٰہ تعالیٰ فی کل فان و یبقی وجه ربك ذو الجلال و الاکرام و صلی اللّٰہ علیٰ سید الانام.

تجویز (۱) جامعہ حسینیہ راندیر کا یہ تعزیتی جلسہ حضرت حکیم الاسلام فخر الاماثل حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے سانحۂ وفات پر اپنے قلبی غمناک تاثر کا اظہار کرتا ہے اور بعد تأسف اقرار کرتا ہے کہ آہ! فضل و کمال کا پیکر، حسن اخلاق زہد وتقویٰ کا مرقع، صبر وثبات کا مجسمہ اس دارِ فانی سے اٹھ گیا اور ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا پر ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا، یہ جلسہ آپ کے سانحۂ ارتحال کو پوری علمی دنیا کا نقصان تصور کرتا ہے نیز یہ جلسہ حضرت مرحوم کی خدمات دینیہ اور نمایاں کارکردگی کا اعتراف کرتا ہے۔

تجویز (۲) حضرت مرحوم کو جامعہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۰ء سے برابر جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے ہیں لہٰذا جامعہ بھی اس حادثہ جانکاہ کو اپنے لیے ناقابل تلافی نقصان عظیم سمجھتا ہے، اہل مدرسہ اور شرکاء جلسہ حضرت مرحوم کے اہل بیت و متعلقین خصوصاً مولانا سالم اور مولانا محمد اعظم کی خدمت میں تعزیت اور اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمادیں اور خصوصی رحمت ومغفرت سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

............❖............

مولانا عبدالعلی فاروقی ایڈیٹر ''البدر'' صدرالمدرسین دارالعلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ:

ذوالمجد والکرم حضرت استاذ محترم مدظلکم العالی　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بستر علالت پر حضرت اقدس مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ وفات کی اطلاع ملی، دل اس خبر کو سننے کے لیے قطعی آمادہ نہ تھا اور اب تو یک گونہ ڈھارس بندھ گئی تھی کیونکہ حضرت والد ماجد مدظلہ بمبئی سے یہ اطلاع لائے تھے کہ اب حضرت کے مزاج سامی پر سکون ہیں اور صحت اس درجہ اطمینان بخش ہو چکی ہے کہ حضرت کا جلد ہی بمبئی کا سفر ہونے والا ہے، جب اخبارات کے ذریعہ حضرتؒ کی تشویشناک علالت کی اطلاع ملی تھی، دل پکڑا سا رہتا تھا اور ہر وقت ایک اندیشہ لگا رہتا تھا مگر والد ماجد مدظلہ سے یہ تسلی بخش حالت سن کر دل کو کچھ اطمینان ہو گیا تھا کہ اچانک یہ اندوہناک خبر سننے کو ملی کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کی ضیابار شخصیت سے ہم سب لوگ محروم ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مجھ جیسے ناکارہ کی کیا بساط کہ اس حادثۂ عظمیٰ پر حضرت والا کی خدمت میں تعزیت پیش کر سکے لیکن ادائیگی نیت کے جذبہ کے ساتھ یہ عریضہ ارسال خدمت ہے حق تعالیٰ حضرتؒ کے اسوۂ حسنہ پر ہم سیاہ کاروں کو بھی چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)

یوں تو دنیا میں جو آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے مگر قلق اور افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ انجام آخرت سے لاپرواہ مفاد پرستوں نے ان کا کلیجہ چھلنی کر دیا تھا، آپ حضرات کو اس کا جس قدر بھی ملال ہو کم ہے، ویسے یہ تو یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ کلفتیں ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہوں گی، اس سلسلہ میں اپنے دلی جذبات کا قلم برداشتہ اظہار ''البدر'' کے تازہ شمارہ میں کیا ہے اگرچہ مسلسل علالت کی وجہ سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں لکھ سکا، یہ شمارہ حسب معمول طبع ہونے کے بعد انشاء اللہ خدمت والا میں بھی بھیجا جائے گا۔

دل تو یہ چاہتا تھا کہ اس غم آگیں موقع پر حاضر خدمت ہو کر کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا، شاید

اس طرح حضرت والا کی کچھ تسلی کا باعث بن سکتا مگر شروع رمضان سے مسلسل بیماری کا سلسلہ چل رہا ہے، بخار کی شکایت رہی جس نے آخر رمضان میں بہت شدت اختیار کر لی اور ۱۰۵ر سے ۱۰۶ تک بخار ہو گیا جس کی وجہ سے معالجین بھی تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے، مختلف قسم کی جانچ اور ایکسرے ہوئے جس کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ خون میں کچھ فساد پیدا ہو گیا ہے جس کی اصلاح کے لیے صبح دو پہر شام ۳ر انجکشن یومیہ لگتے رہے اب بحمد للہ بخار کا سلسلہ کم ہو گیا ہے مگر علاج جاری ہے اور کمزوری کافی آ گئی ہے، مدرسہ کھل چکا ہے مگر ابھی تک حاضری نہیں دے سکا ہوں۔

مخدو مان گرامی جناب مولانا محمد اسلم صاحب و محمد اعظم صاحب کی خدمات میں بھی تعزیت مسنونہ پیش کر دیں۔

............❖............

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب، مدرسہ فیض القرآن نگرہ جھانسی یو پی:

مخدومی قبلہ مولانا محمد سالم صاحب، زید مجدکم سلام مسنون!

کل شام ریڈیو سے یہ خبر جگر خراش سارے ملک نے انتہائی رنج وقلق سے سنی کہ ملک کی مایہ ناز ہستی حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی برّ اعظم ایشیاء میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی اور اپنے ظاہر و باطن اور جسم وروح کے اعتبار سے ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی تھی کہ جس کی نظیر اب صدیوں میں پیدا نہ ہو گی، حضرت شاہ ولی اللہؒ بلندیٔ فکر، شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدینؒ کی فراست قرآنیہ، شاہ عبدالعزیز کا علم و عرفان اور حضرت نانوتویؒ کی حکمت کسی انسانی قالب میں جاری وساری تھی تو وہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات گرامی ہی تھی، وہ یادگار سلف تھے، حکیم الامت تھے، وہ عصر نو میں سراج راہِ ہدایت تھے وہ ایک ہی وقت میں مفسر قرآن، محدث زماں، فقیہ امت، مورخ دوراں، دانائے رموز معرفت وحقیقت امام راہ طریقت سب کچھ تھے اقتصادیات ومعاشیات، معادیات واخلاقیات، اجتماعیات اور دیگر علوم وفنون کا وہ کون سا گوشہ تھا جس میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی رائے اور آپ کے قلم حکمت رقم سے بکھرے ہوئے جواہر ریزے حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتے ہوں، شریعت مصطفویؐ کو دلیل و برہان کے حکیمانہ پیراہنوں میں آراستہ کر کے جس طرح آپ نے پیش کیا وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، ان سب کی دلیل خود دارالعلوم ہے جو آج سوگوار و آبدیدہ ہے، شریعت وطریقت، علم وعرفان کی بزم سونی ہو گئی، سلوک وتصوف کی خانقاہ اجڑ گئی، عزم واستقلال کے مینارے زمیں دوز ہو گئے، غرضیکہ ہدایت کا مینار، عزم وہمت کا سنگ میل گمراہی کی گھٹاؤں میں بدر منیر، اہل حق پر رحمت کا سایہ، حسن وتقویٰ اور طہارت کا مجسمہ آج ہم سے رخصت ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے جدا۔ ؎

رحمتوں کے پھول برسیں تیری تربت پر مدام خلد میں حاصل تجھے ہو ارفع واعلیٰ مقام

جہاں پوری دنیا آج اس رنج وغم میں آپ کے برابر کی شریک ہے، وہیں یہ پورا شہر جھانسی بھی اس

رنج وغم میں شریک ہوکرادارے میں جمع ہے،طلبا واساتذہ اوراہالیان شہرقرآن خوانی اورکلمہ طیبہ سے ایصال ثواب کررہے ہیں،حق تعالیٰ قبول فرمائے اورحضرت علیہ الرحمہ کواعلیٰ مقام عنایت فرمائے،آمین۔

خادم اورتمام حضرات کی جانب سے مولوی محمد اسلم صاحب اورمولوی محمد اعظم صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کیجئے۔

............❖............

محترم جناب شوکت علی فہمی صاحب، ایڈیٹر دین دنیا، جامع مسجد:

محترمی مولوی محمد اسلم صاحب السلام علیکم

ریڈیواوراخبارات سے یہ معلوم کر کے انتہائی قلق ہوا کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ ہم سے جدا ہو گئے، یہ حادثہ صرف آپ کے لیے اور آپ کے خاندان ہی کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ نہیں ہے، بلکہ مسلمانانِ ہند کا بھی ایک ایسا نقصان عظیم ہے جس کی شاید زمانہ دراز تک تلافی نہیں ہو سکے گی۔

ہمارے ملک میں یوں تو پہلے ہی قحط الرجال ہے اوراب اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا، اس میں ذرا بھی شک نہیں ہمارا ملک ایک ایسے عالم بے بدل، سحر بیان مقرر اور مجسم اخلاق سے محروم ہو گیا ہے، جسے کہ بری طرح سے محسوس کیا جائے گا، مجھے بھی اس حادثہ عظیم میں اپنا شریک غم تصور کیجئے اور میری جانب سے سب ہی متعلقین سے تعزیت فرما دیجئے۔

مولانا ابرار احمد قاسمی دیو بندی:

محترم بھائی اسلم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

انتہائی صدمہ اور رنج ہوا اس بات کو سن کر کہ بھائی جی رحلت فرما گئے، اس جانکاہ حادثہ سے ایسی حالت ہوگئی بیان نہیں کرسکتا یقین نہیں آتا تھا، ریڈیو میں جب اناؤنس ہوا دل پھٹ گیا، کئی روز سے خط لکھنے بیٹھتا ہوں نہ دماغ کام کرتا ہے نہ ہی قلم چلنے کو تیار ہے اور یہ سوچتا تھا کہ اپنے بھائی اسلم کو کن الفاظ میں تعزیت پیش کروں، بخدا اس وقت بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس اندوہناک حادثہ کی برداشت کہاں، اللہ رب العزت حضرت مولاناؒ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرما کر جنت الفردوس عطا فرماوے آمین، ہم ہر وقت دعا کرتے ہیں، اہلیہ ابرار احمد ارشاد احمد اور تمام بچے سب کو بہت ہی افسوس اور صدمہ و ملال ہے، سب دعا کرتے ہیں اے اللہ تو اپنی رحمت کاملہ کے صدقہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو کروٹ کروٹ چین و راحت نصیب فرما، یا اللہ بال بال مغفرت فرما، یا اللہ تو اپنے فضل وکرم سے خاندان قاسمی کے ہر فرد کو صبر جمیل عطا فرما، تمام متعلقین کو صبر کی دولت سے مالا مال فرما، بھائی اسلم صبر سے کام لینا ہم سب تمہارے سب کے غم میں برابر شریک ہیں، تفصیل معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں، کسی کا خط تفصیل لے کر نہیں آتا کہ آخر میں کیسی طبیعت ہوگئی تھی نماز کس نے پڑھائی کتنے آدمی جنازہ میں شریک ہوئے، بھائی طاقت پرواز نہیں ورنہ اڑ کر تمہارے سے مل کر اپنے غم کو ہلکا کر لیتا، جب بھائی جیؒ کا خیال آجاتا ہے تو کیسا دماغ ہو جاتا ہے، گھر و دیوار بھی روتے ہی ہوں گے، آہ ثم آہ۔ ؎

آہ گل چینِ اجل تجھ سے نادانی ہوئی پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر عطا فرما، بھائی جان سے بھی تعزیت پیش کرنا، اعظم آگئے ہوں گے حمیرہ آپا کہاں ہیں، ذرا فرصت ملنے پر دو لفظ لکھ دو گے، مجھے بھی تسلی ہو جاوے گی، اہلیہ سے اور بچوں سے سلام و دعا کہنا، میں اور اہلیہ اور سب بچے آپ کے غم میں برابر شریک ہیں۔ آج کل جامع مسجد میں امامت کے منصب پر ہوں۔

گذشتہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے بھری مسجد میں تمام مصلیان مسجد کو اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع دی اور حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور علمی دینی وتدریسی تحریری تقریری خدمات پر تقریر کی اور بعد نماز حضرتؒ کے لیے ایصال ثواب کیا، تمام ہی نمازی شریک رہے، بسمل شاہجہاں پوری بھی تھے، انہوں نے بھی حضرتؒ کے اوصاف بیان فرمائے۔

اللہ رب العزت حضرتؒ کے درجات میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب مدیر ماہنامہ ''نصرۃ الاسلام'' سرینگر کشمیر:

حضرت الاستاذ گرامی مدظلہ العالی سلام مسنون نیاز مقرون

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے ارتحال کی خبر آل انڈیا ریڈیو سے سن کر پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور خاکسار پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ بے شبہ دور حاضر میں ملت کا عظیم سرمایہ تھے، مرحوم کے وصال سے جو روحانی، عرفانی اور علمی فضا میں خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا اب بظاہر ناممکن ہے۔ ع

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

انجمن نصرۃ الاسلام کے تحت چلنے والے اداروں اور انجمن اوقاف کے اہتمام سے تعزیتی جلسے اور ایصال ثواب کی مجلسیں منعقد کی گئیں۔

خاکسار عنقریب خود حاضر خدمت ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق، آں محترم سے تعزیت کیا کروں، خود تعزیت کا مستحق ہوں۔

............❖............

مولانا عبدالجمیل صاحب خطیب باقوی وانمباڑی مدراس:

عزیز محترم مولانا محمد اسلم صاحب زادحبۂ خلف الرشید حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ

سلام مسنون

کسی کی بھی موت کی خبر سن کر ایک دین دار مسلمان کی زبان سے **انا للہ و انا الیہ راجعون** نکلتا ہے مگر میری حقیر گنہ گار زبان اس عظیم سانحہ کو سن کر اس کے ساتھ ہی **اِنَّكَ مَيِّتٌ** کا جملہ نکلا نبی کریم ﷺ کو اللہ نے مادی حیات کے بعد روحانی لباس موت کے اعزاز سے مشرف فرما کر آخرت کی زندگی پر یقین رکھنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کے لیے قرآنی دعوت کو عام کرنے والوں کے دل کو تسلی دیتے ہوئے یہ جملہ **اِنَّكَ مَيِّتٌ** کے بعد **وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ** پھر **ثُمَّ اِنَّ بَعدَ ذٰلك يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ** نازل کیا۔

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی رحلت پر تعزیتی الفاظ میں فرمایا تھا کہ یہ ایسا سانحہ ہے جس کی تعزیت ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کرے، پوری ملت اسلامیہ عالمی کے دل پر حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کا اثر ناگزیر ہے، دارالعلوم دیوبند کی عالمی شہرت کے وکیل اصلی حضرت ہی کی ذات اقدس تھی، جگہ خالی ہے اور قیامت تک خالی رہے گی دارالعلوم کے درو دیوار کنکریاں تک حضرت کی یاد میں اپنے انداز میں دعا گو رہیں گی۔

اللّٰهم اغفر له و قارب اللّٰه ثراه و جعل الجنة مثواه

اللہ تعالیٰ اس سانحہ عظمیٰ پوری امت کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کا نعم البدل نصیب کرے۔

............❖............

مولانا محمد ابوبکر صاحب، مکتبہ اثریہ، قاسمی منزل، غازی پوری:

محترم المقام جناب مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شب ریڈیو سے حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کے حادثہ رحلت کی جانکاہ خبر ملی اوردل ودماغ پر صاعقہ اثر بن کر گری، حضرت رحمہ اللہ اگر چہ اپنی عمر طبعی کو پہونچ چکے تھے مگر یہ توقع نہ تھی کہ علم وعمل اور فضل وکمال کی یہ گراں قدر شخصیت اتنی جلد ہم سے رخصت ہوجائے گی، یہ حادثہ صرف ہم وابستگان دارالعلوم ہی کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ایک زبردست حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور خصوصاً حضرت کے متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

افسوس اس دورانحطاط میں یہ ساری باکمال ہستیاں ہم سے ایک ایک کر کے رخصت ہوتی چلی جارہی ہیں اور دنیائے علم وفضل سونی ہوتی چلی جارہی ہے، خدا کرے حضرت کے علوم کی حفاظت کا کوئی بندوبست ہوسکے، اس کی کوشش ہم سب کا دینی فریضہ ہے، یہ میرے کلمات تعزیت گھر کے افراد کو آپ پہنچادیں۔

مولانا علی احمد بلیاوی، استاد مدرسہ دارالعلوم چھاپی:

محترم المقام حضرت الاستاذ صاحب دامت برکاتہم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت الاستاذ حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال حادثۂ فاجعہ کی اطلاع بذریعہ ریڈیو معلوم کر کے انتہائی کرب واضطراب ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جنت کروٹ کروٹ نصیب فرمائے اور جنت میں اعلیٰ علیین میں مراتب عالیہ مرحمت فرمائے آمین اور پس ماندگان اولاد واحفاد، اعزہ واقارب کو اجر جزیل وصبر جمیل مرحمت فرمائے۔ آمین۔ آپ حضرات کو صبر وتسلیم ورضا کے سلسلے میں کچھ لکھنا لقمان کو حکمت کی باتیں تلقین کرنے کے مرادف ہے۔ البتہ تعزیت مسنونہ ارسال ہے۔ **ان للّٰہ ما أخذ و له ما أعطی و کل شیء عنده بأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب** حضرت والا کا سانحۂ ارتحال ملت مسلمہ کے لیے عظیم نقصان ہے جو ناقابل تلافی ہے۔

حضرت والا نے جن نامناسب حالات میں دارالعلوم کی خون جگر سے آبیاری کر کے بام عروج پر پہنچا ہے اور زندگی کا مقصد حیات دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ کی علمی واخلاقی زلفیں سنوارنا ہی تھا، اس انتھک محنت نے دارالعلوم کا علمی روحانی معیار عالم میں بلند کیا، ملک بیرون ملک علماء مشائخ کی کھیپ کی کھیپ تیار کی، ان کی خدمات جلیلہ کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے خراج وتحسین پیش کرتے ہیں اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے جنت میں درجات عالیہ میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ حضرت والا کی دو عظیم الشان یادگار ہیں۔ دارالعلوم دیوبند، مسلم پرسنل لاء بورڈ۔ احقر نے انفرادی ختم قرآن وغیرہ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ چند روز میں منجانب مدرسہ ایصال ثواب کا اہتمام انشاء اللہ ہونے والا ہے تمام طلبہ کے جمع ہونے کے بعد۔ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم چھاپی سلام مسنون اور تعزیت مسنونہ عرض کرتے ہیں۔

............❖............

مولانا محمد عطاء الرحمٰن ابن محمود حسن صاحب، وارد حال کڑے کل شیموگہ، کرناٹک:

حضرت خطیب الاسلام مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ حضرت والا ودیگر اہل بیت بخیر وعافیت ہوں گے۔

۷؍شوال کو جب میرے کان میں یہ خبر پہنچی کہ مرشدی ومولائی حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا سایہ اقدس اس عالم فانی سے عالم باقی کی طرف اٹھ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دن سے میں بغیر ماں باپ کے یتیم ہوگیا، اس تاریخ سے میں اپنے میں ایسا محسوس کرر ہا ہوں کہ میرا اس دنیائے فانی میں میرے مربی میرے مشفق شیخ میرے مشفق مرشد کے بغیر رہنا بیکار ہے، ایک قسم کا پریشان حال ہوگیا ہوں، یہ غم ایسا ہے کہ جیسا اپنے والدین کے رحلت پر ہوتا ہے بلکہ کہیں اس سے زیادہ بڑھ کر ہے، جب مجھے اتنا غم والم ہے تو حضرت آپ تو حضرت مرشدی ومولائی کے چشم وچراغ نور نظر لختِ جگر ہیں، آپ کے غم والم کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور دیگر اہل بیت بھی بہت مغموم ہوں گے، حضرت خدا کی جو مرضی تھی وہ ہوگیا اس دنیا میں انبیاء بھی نہیں رہے، اللہ تعالیٰ آپ تمام اہل بیت کو صبر وسکون عطا فرمائے اور حضرت والاؒ کو جنت النعیم میں اعلیٰ مراتب ودرجات پر فائز فرمائیں۔ آمین

ہمارے والدین بھی بہت مغموم ہیں، ہمارے گھر میں ایصال ثواب کیا گیا اور ہمارے شہر شیموگہ میں ہر مسجد میں ایصال ثواب کیا گیا اور سارے شہر میں غم والم کا سیلاب بہہ گیا اور شافعیؒ مذہب کے مساجد میں جمعہ کے دن حضرت کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مجھے اتنا اور اس وجہ سے غم ہے کہ آخر میں حضرت کا دیدار نہ کرسکا محروم القسمت ہوکر رہ گیا۔ انشاء اللہ میں پندرہ اگست کو دیوبند آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا اور ساتھ چھوٹا بھائی بھی آرہا ہے امید ہے کہ آپ نے اور تمام گھر والوں نے گذشتہ سال محبت وشفقت سے اپنے مکان میں کمرہ دیا تھا، امید کہ امسال بھی ان شفقتوں کو زندہ فرمائیں گے امی جان صاحبہ اور تمام گھر والوں کی شفقتیں مجھے یاد آرہی ہیں۔ زیادہ احترامات تمام اہل بیت کو سلام عرض ہے اور دعا کی درخواست، کچھ گستاخی ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔

مولانا ابوزاہد محمد یونس قاسمی، سلک پیراڈائزوارانسی:

بخدمت اقدس حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم

بعد تحیہ مسنونہ بحمد اللہ بعافیت ہوں۔ خدا کرے آپ جملہ حضرات بخیر ہوں، عرض دیگر یہ کہ حضرت مہتمم صاحب قبلہ نوراللہ مرقدہ کی وفات بذریعہ ریڈیو معلوم ہوئی، سن کر بے حد رنج وغم میں ڈوب گیا اور بڑی بے چینی سے دیوبند پہنچنے کی خواہش ہوئی۔ افسوس کہ کوئی شکل دیوبند پہونچنے کی نہ نکل سکی کہ تدفین میں شرکت کرسکوں۔ ٹیلی گرام ارسال کرنے کے سوا اور کوئی بات میرے سامنے نہ تھی، جہاں تک ہوسکا مدرسہ اور محلّہ کی مساجد میں قرآن خوانی وغیرہ کرادی۔ اللہ سے دعا ہے کہ حضرتؒ کے بال بال کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور آپ جملہ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے، انشاء اللہ جلد سے جلد دیوبند حاضری کی کوشش کررہا ہوں، پھر بھی حضرتؒ کی بیماری اور آخری دور کے حالات کا بڑی بے چینی سے اشتیاق ہے، اگر ممکن ہوسکے تو خود اپنے دست مبارک سے کسی خادم سے ہی بس مختصر حالات لکھوادیں، تاکہ جانکاری ہوسکے۔

............❖............

حضرت مولانا محمد رشید بزرگ صاحب، سملک ڈابھیل:

مخدوم محترم زید مجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف! بعد یہ کہ ریڈیو اور اخبار کے ذریعہ والد محترم کی وفات کی اطلاع پا کر دلی رنج ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، احقر مولانا مرحوم ومغفور کے دور اہتمام میں سات سال سے زائد دارالعلوم میں رہا ہے، یقیناً ان کی وفات امت محمدیہؐ کے لیے نقصان عظیم کا درجہ رکھتی ہے، دعا ہے کہ حق جل مجدہ مولاناؒ کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرماویں اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمادیں اور امت کو اس کا بہترین بدل عطا فرماویں۔ آمین اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر ان کی ہر طرح سے مدد فرماویں، احقر اس خط کے ذریعے جملہ پسماندگان قاسمی برادری کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

............❖............

جناب کریم الاحسانی صاحب حسن پور لوہاری مظفر نگر:

محترم المقام حضرت مولانا محمد سالم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس صدی کے اس عظیم سانحۂ ارتحال پر قلبی وروحانی دکھ ہوا، میں اس عظیم غم میں آپ کا برابر کا شریک ہوں، یہ سانحۂ عظیم ملک ووطن کے لیے جہاں بڑا المیہ ہے وہاں ممالک اسلامیہ کے لیے بھی عظیم سانحہ ہے خدا مرحوم کو جنت الفردوس اور سکون ابدی نصیب کرے۔ آمین

ریڈیو واخبارات کی روش سے بڑا دکھ ہوا کچھ لوگوں کا لاکھ اختلاف سہی لیکن اس عظیم المرتبت ہستی کے لیے اخبارات کے کالم (کم از کم) یا صفحات سیاہ ہونے چاہئیں تھے، لیکن یہاں ایسا نظر نہیں آیا، میں نے پرسوں شب میں جو خبریں سنی ہیں ان میں مرحوم کا قطعاً نام نہیں لیا گیا جب کہ جوش ملیح آبادی پر رات میں تبصرہ بھی سنایا گیا تھا اور کیا ستم ہے کہ جوش غیر ملکی بھی تھے اور کس قدر افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ حکیم الاسلامؒ کے بارے میں اس قسم کا کوئی فیچر یا تبصرہ نہیں تھا، کیا کوئی ایم۔ پی (غیرت منداور حق گو) پارلیمنٹ میں اس مسئلہ کو پیش کرنے کی جرأت اور سعادت حاصل کرسکتا ہے؟ یہ بات کھٹکی تھی اس لیے تحریر کررہا ہوں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیے گا۔

............❖............

مولانا عبدالحفیظ رحمانی صاحب، استاد مولانا آزاد کالج، قادر آباد ضلع بستی:

محترم المقام مولانا محمد سالم صاحب زادمجدہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد اللہ بعافیت ہوں، کل ریڈیو پر حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سن کر مبہوت ہوگیا، یقیناً حضرت والا ان نابغۂ روزگار شخصیتوں میں سے تھے جن کے لیے زمانہ برسوں سے اپنی آنکھیں بچھائے رہتا ہے، مولانا مرحوم ایسی جامع شخصیت کم ازکم اس دور میں تو نظر نہیں آتی، بلاشبہ حضرت کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو تا دیر پر نہیں ہوسکے گا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ ملت ابراہیمی کے مرد حکیم، وسیع النظر محدث، ژرف نگاہ فقیہ، بے مثال خطیب، دیدہ ور مصنف اور اسلاف کے علمی و عملی کارناموں کے امین تھے جن خوش نصیبوں کو حضرت والا سے حجۃ اللہ البالغۃ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ تادم آخر مرحوم کی باریک نظری اور وسعت علم کی داد دیتے رہیں گے۔

ایسی عظیم شخصیت تو ہزاروں کو سوگوار بنا دیتی ہے چہ جائیکہ اولاد اور اہل خاندان کو، ان کے دکھ کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے، لیکن اس منزل کو عبور کر کے حضرت والا کو رفیق اعلیٰ سے ملنا تھا وہ جاملے، اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائیں۔

ضرورت ہے کہ حضرت کے نصف صدی کے علمی و تصنیفی کارناموں کو فروغ دینے کے لیے بطور یادگار (حکیم الاسلام اکیڈمی) قائم کی جائے اور حضرت کی تابناک زندگی کو مشعل راہ بنادیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

............❖............

مولانا محمد عزیز الحسن صاحب صدیقی، مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور:

محترم المقام مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ رات ریڈیو نے حادثہ جانکاہ کی خبر سنائی، دل کسی طرح اس خبر کو صحیح ماننے پر تیار نہ تھا، مگر واقعہ جب پیش آچکا ہو تو اس کو صحیح ماننا ہی پڑتا ہے، کاش یہ خبر وحشت اثر کچھ دن اور سننے کو نہ ملتی۔

دعا ہے کہ خداوند کریم حضرت حکیم الاسلامؒ کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ نصیب فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل نصیب ہو۔

میں اس الم انگیز حادثہ پر اپنی طرف سے اور ادارۂ دینیہ کی طرف سے تعزیت پیش کرتا ہوں۔

............❖............

مولانا امین صاحب، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ:

حضرت مولانا المکرّم زید مجدکم واطال اللہ بقاءکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نادرۃ العصر حکیم الاسلامؒ قدس سرہ کی رحلت کی اطلاع ریڈیو کے ذریعہ ملی، اطلاع کیا تھی ایک صاعقہ تھی جو آئی اور ہوش وخرد کو کچھ دیر کے لیے لے گئی، یوں تو حضرت والا کی علالت کی خبریں دہلی وغیرہ سے برابر آ رہی تھیں، مگر اس کے باوجود اس قدر جلد روپوش ہو جانے کا یقین نہیں تھا۔

حضرتؒ کی ذات اپنے موجودہ ہمعصروں میں علوم اسلامیہ کی جامعیت میں یکتا و منفرد تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو بصیرت وتعمق اور حکمت عطا فرمائی تھی وہ اوروں کو نہ ملی تھی، اس حادثۂ فاجعہ پر خداوند قدوس تمام اہل خانہ اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے ذریعہ وہ خلا پر ہو، تمام کارکنان دفتر اس غم میں شریک ہیں۔

............❖............

مولانا محمد اکرام علی صاحب بھاگلپوری، استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو:

مخدوم زادہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! استاذ نا المکرّم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات علمی حلقہ میں غیر معمولی سانحہ پر صرف آپ اور آپ کے برادران ہی نہیں بلکہ ہم تمام فرزندان قاسمی یتیم ہو گئے، مرحوم کے علمی، دینی خدمات ان کی ترقیٔ درجات کے لیے مکمل ضمانت ہیں، انشاء اللہ، افسوس اس کا نہیں کہ حضرت مرحوم دنیا سے رحلت فرما گئے کل نفسٍ الآیۃ کے تحت ایک دن تو ان کو کوچ کرنا ہی تھا بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت مرحوم نے اپنے پیچھے جو خلا چھوڑا ہے اس کا پر ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے، حق تعالیٰ ان کے مراتب کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کا سچا جانشین بنادے، آمین۔ جو صدمہ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پہنچا ہے اس میں ناچیز برابر کا شریک ہے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین، ہم سبھوں کی تسلی کے لیے ایک اعرابی کا درج ذیل شعر کافی ہے، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا ؎

اصبر تکن بك صابرین و انما صبر الرعیة عند صبر الرأس

خیر من العباس صبرك بعده واللّٰه خیر منك للعباس

جس روز حضرت مرحوم کی وفات ہوئی حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب مدظلہٗ، چمپانگر بھاگل پور میں میرے یہاں تشریف فرما تھے، عین جلسہ کے دوران میں وفات کی خبر ملی، جلسہ میں تعزیتی تقریر ہوئی اور ان کی ترقی درجات کے لیے دعا ہوئی، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کی دعاؤں کو ان کے حق میں قبول فرمائے، آمین۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، الحمد للہ اچھا ہوں۔ دعا کر رہا ہوں دعا چاہتا ہوں۔

............❖............

جناب اخلاق حسین صاحب، ڈِپارٹمنٹ آف فلاسفی، اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ:

محترم اعظم صاحب السلام علیکم

ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپکے والد محترم حکیم الاسلام کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ سن کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ حکیم الاسلامؒ کی وفات سے مسلم قوم اور علمائے اسلام دونوں کو نقصان ہوا ہے، مرحوم نے مدتوں تک عالم اسلام کے لئے خدمات انجام دیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کرے کہ آپ ان کے مقصد کو آگے بڑھا سکیں، تا کہ مرحوم کی روح کو سکون ملے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سبھی کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

مولانا احمد نصر صاحب بنارسی، مہتمم مدرسہ عربیہ امدایہ برنا پل بنارس:

حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے وصال پرملال کی خبرسن کر یہاں کا ایک ایک فرد رنجیدہ ہوگیا۔

آسماں راحق بود گرخون ببارد برزمین بروفات شیخ طیب صاحب حق الیقین

وہ خود اوران کی زندگی کی جد وجہد ایک مسلّم ومکمل تاریخ ہے۔

۵۸ سال تک مسلسل از ہرہند دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر فائز رہے، وہ اور دارالعلوم کا ذکر گویا لازم وملزوم ہے، کوئی ان دونوں کو علیحدہ کر کے دارالعلوم کی تاریخ ہرگز کبھی بھی نہ لکھ سکے گا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ بانی دارالعلوم مولانا قاسمؒ نانوتوی کے پوتے تھے، علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے، حضرت مہتمم صاحبؒ اپنی خصوصی صفات نیز علم وعمل، صلاح وفلاح، تقویٰ، دیانت، امانت، صبر وتحمل، مرنجا مرنج مزاج کی وجہ سے سب کے نزدیک قابل احترام اور غیرمتنازع شخصیت تھے۔

بے مثال خطابت کی وجہ سے محبوب خلائق تھے، تواضع عاجزی انکساری خاکساری ان کی خمیر میں تھا، نسبی وروحانی شرافت کی وجہ سے علماء کے محبوب تھے۔ وہ دنیا سے چلے گئے مگر اپنے اخلاف میں صلبی اولاد کے علاوہ لاکھوں سے متجاوز تلامذہ مریدین خلفاء چھوڑ گئے، حق تعالی حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

............❖............

مولانا محمد ابراہیم قاسمی، مدرسہ ناشر العلوم پانڈولی ضلع سہارنپور:

مخدومنا المکرّم حضرت استاذنا المحترم جناب مولانا محمد سالم صاحب زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ افسوس صد افسوس آج ڈیڑھ بجے شام حضرت سیدی ومرشدی قبلہ، محترم حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی اچانک خبر اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف چلے جانے کی ملی، یہ خبر سنتے ہی زمین پیر تلے سے نکل گئی اور آنکھ سے آنسوؤں کا قطرات موجزن ہوکر بے تحاشہ جاری ہونے لگے۔ عالم اسلام کا منور وروشن چراغ آہ آج ہمیشہ کیلئے گل ہوگیا، ایسا حلیم الطبع ومتحمل المزاج شخص ہم نا اہلوں کو چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جاملا، یہ خبر ملنے کے بعد فی الوقت جتنے طلباء مدرسہ میں موجود تھے قرآن شریف پڑھوا کر حضرت مرحوم کیلئے ایصال ثواب کرا کر پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعاء کرادی گئی۔ اللہ رب العزت حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر اعلی علیین میں ہمیشہ ہمیش کیلئے جگہ عطاء فرماوے۔ آمین ثم آمین

............❖............

مولانا محمد اقبال قاسمی، خادم مدرسہ اسلامیہ احسن العلوم، موضع جڑودہ ڈاکخانہ خاص، ضلع میرٹھ، یوپی:

گرامی قدر جناب حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدکم سلام مسنون

بخدمت اقدس: عرض خدمت اقدس یہ ہے کہ اچانک حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، قلب وجگر کو پارہ پارہ کر دیا، آپ کی وفات پورے عالم کی وفات ہے، ہم آپ کے اس انتہائی رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں، خداوند تعالیٰ آپ کو اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہم جملہ اہلیان بستی نے قرآن پاک ختم کرا کر حضرتؒ کو ایصال ثواب کر دیا ہے، خدا کرے کہ آپ کے مزاج عالی بخیر ہوں، دعا کی درخواست ہے۔

............❖............

معاذ الاسلام صاحب، دیپا سرائے، سنبھل، ضلع مرادآباد:

مخدومی حضرت مولانا محمد سالم صاحب زیدت معالیکم   سلام مسنون

حضرت اقدسؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع اگرچہ ریڈیو وغیرہ پر دن میں ہی آچکی تھی مگر مجھے بعد المغرب اطلاع ہوئی۔ تدفین میں عدم شرکت کا بڑا افسوس ہے۔

حضرت اقدسؒ کی رحلت ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک عہد اور دارالعلوم کی صد سالہ تاریخ کا خاتمہ ہے۔ حضرت کی جدائی ہم سب کے لئے ایک عظیم اور ناقابل تلافی سانحہ ہے۔

علم وعمل، حقائق ومعارف کا عدیم المثال ایک جامع اور آخری آفتاب تھا جو سرزمین دیوبند میں ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ حضرتؒ کی جدائی سے جو زخم لگے ہیں اس سے صرف آپ کے نہیں بلکہ ہم سب خدام کے قلوب زخمی ہیں، یہ صرف آپ کا غم نہیں، بلکہ پوری ملت وقوم کا غم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ حضرت کیلئے قرآن پاک کا ختم کرایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔

............❖............

این ایچ جعفری صاحب، ڈپارٹمنٹ، جامعہ ملیہ، دہلی:

محبی ومکرمی برادرم اعظم صاحب

حضرت قبلہؒ کے انتقال کی خبر اخبار میں دیکھی۔ پروردگار ان کے ساتھ بہترین معاملہ کرے اور صدیقین اور شہدا کے ساتھ انکو روز حساب اٹھائے۔ ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے ساتھ ایک عظیم روایت ختم ہوئی اور پورا ایک عہد تمام ہوا۔ اس وقت جبکہ پوری دنیا ایک بڑے عالم اور عہد ساز شخصیت کے دنیا سے رخصت ہونے کا ماتم کررہی ہے، میں آپ سے کسی طرح تعزیت کروں؟ آپ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا، میرے خیال میں کوئی بھی غم اس سے بڑا نہیں ہوسکتا۔ میں اس غم کو اسی حد تک محسوس کرسکتا ہوں۔ چونکہ میں غم کی اس منزل سے گزر چکا ہوں۔ جیسے کوئی بہت گھنا اور سایہ دار درخت ایکبارگی ٹوٹ کر گرے اور ہم اپنے آپ کو دھوپ میں کھڑا پائیں یا جیسے کسی گھر کی چھت گر پڑے اور دیواریں ننگی نظر آئیں لیکن شاید کوئی بھی مثال اس غم کی کیفیت کو بیان نہیں کرسکتی۔

میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت انسان نہیں دیکھا جیسا کہ آپ کے نامور والد ماجدؒ تھے۔ اس قدر نرم خو اور اخلاق کریمانہ کے پیکر۔ مجھے آپ کے طفیل کئی باران کے ساتھ شریک طعام ہونے کا موقعہ ملا اور انکی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ لگتا تھا کہ کسی شیشے کے گھر میں بیٹھا ہوں جہاں تیز ہوا کا چلنا بھی گستاخی کے مترادف ہوگا۔ کچھ خنکی اور چاندنی اور شبنم کی ملی جلی کیفیت سی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس عہد کے لئے پیدا نہیں کئے گئے تھے جس آب وگل سے ان کو بنایا گیا تھا اسکی خوشبو اس دنیا کی نہ تھی۔ جشن صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں جو ہوا اس دور کے مزاج کے مطابق تھا۔ سازش، ڈھونگ، مذہبی جذبات کا استحصال، رعونت اور آخر میں شب خون۔ لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ افسوسناک اور عبرت انگیز اور شرمناک وہ واقعہ تھا جس دن ہندوستان کے ائمہ اور مشائخ اور علماء نے لکھنؤ میں بیٹھ کر ایک اٹھاسی سالہ بوڑھے کو مہتمم کے عہدہ سے برطرف کیا۔

پروردگار آپ کو اور مولانا محمد سالم صاحب کو اور مولانا محمد اسلم صاحب کو صبر دے بعدہٗ عائشہ صاحبہ بھی اس سانحہ سے بے انتہاء متاثر ہوں گی،۔ ان کو اور احمد فرید سلمہٗ کو بھی اللہ صبر کی تلقین دے۔

............❖............

وحیدالدین ملک صاحب، وائس چانسلر یونیورسٹی آف کشمیر سری نگر، واختر ملک:

محترم المقام جناب غازی صاحب و بہن نازلی صاحبہ!

پرسوں ٹی وی اور ریڈیو پر معزز ومحترم بزرگوار جناب مولانا محمد طیب صاحبؒ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ آمین!

وہ آپ ہی کے نہیں ہمارے بھی بزرگوار محترم تھے اور مدینہ منزل کی وساطت سے ہم بھی ان کے اتنے ہی معتقدین میں سے تھے جتنے کہ مرحوم مولوی مجید حسن صاحب۔

آپ لوگوں پر جو صدمہ جانکاہ گزر گیا، اس کا اندازہ تو نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر بھی اس حادثہ فاجعہ میں ہم دونوں آپ لوگوں کے برابر کے شریک ہیں اور خداوند کریم سے دست بدعا ہیں کہ آپ سب پسماندگان کو صبر جمیل اور مرحوم کو جنت الفردوس عطا ہو، آمین نیز دینی علوم کے میدان میں جو بھاری خلاء پیدا ہو گیا ہے اس کو پُر کرنے کیلئے جلد کوئی دوسرا نعم البدل عطاء فرمائے۔ آمین

............❖............

بدرالدین صاحب، لکچرار عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی:

برادر محترم جناب مولانا محمد اسلم رمزی قاسمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۷ر جولائی ۸۳ء کو عید کے بعد میں مرادآباد سے دہلی واپس پہنچا تو سہ پہر میں حضرت مہتمم صاحب مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی، دل میں فوراً یہی خیال آیا، افسوس یہ ایک عالم دین کی یا ایک بزرگ کے وصال کی اطلاع نہیں ہے بلکہ ہندوستان، ایشیا اور عالم اسلام کے ایک لاثانی مقرر کی رحلت کی خبر ہے جس کے بعد اب ایشیا ایک متبحر عالم ایک بے مثال خطیب اور حکیم الاسلامؒ سے یکسر خالی ہو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کو جو شہرت اور عظمت حضرت مہتمم صاحبؒ سے حاصل ہوئی وہ اس سے قبل کبھی بھی نہ تھی۔ آج حضرت مرحوم کی رحلت سے صرف آپ لوگ ایک مشفق باپ کی سرپرستی سے محروم نہیں ہوئے ہم سب ہی اپنے روحانی مربی سے محروم ہو گئے ہیں۔ مگر یہ دن تو سب کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور حضرت مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔

برادر بزرگوار حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ ارسال کر رہا ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس جانکاہ حادثہ سے جو ہم سب کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے وہ سب ہی کے لئے ایک دوسرے سے تعزیت کرنے کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین

............❖............

مولانا ذوالفقار احمد صاحب، مہتمم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات:

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت فیوضکم سلام مسنون!

۱۸/جولائی کو ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ برکت العصر فخر الاماثل بقیۃ السلف حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی المناک خبر ملی، ہر شخص غم میں ڈوبا ہوا نظر آنے لگا، مرحوم کا سانحہ ارتحال کسی ایک خاندان اور گھرانے کا صدمہ نہیں ہے بلکہ پوری مسلم قوم کا صدمہ ہے، ایک عالم کی موت عالم کی موت ہے، خداوند قدوس نے مغفور کو جن کمالات اور خصوصیات سے نوازا تھا ایسی ہستیاں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرحوم نے زندگی بھر اسلام کی جس حکیمانہ انداز میں ترجمانی فرمائی اور دارالعلوم جیسے دینی ادارے کی جو نصف صدی سے زیادہ خدمت کی اسکا حقیقی صلہ دنیا کیا دے گی، اس کا صلہ تو خداوند قدوس ہی عطا فرمائیں گے۔ انشاءاللہ

ہم اس موقع پر آپ کو کیا تسلی دیں، درحقیقت آج ہر دیندار مسلمان انکی جدائی پر تسلی کا محتاج ہے، اللہ تعالی ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلی مراتب سے نوازے، دارالعلوم فلاح دارین کے طلبہ، مدرسین وکارکنان نے مدرسہ کھلتے ہی آج قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور تعزیتی تجویز پاس کی اور دعائے مغفرت مانگی، مرحوم کو دارالعلوم فلاح دارین کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور محبت تھی اسکو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

ہم اس موقع پر آپکے غم میں برابر کے شریک ہیں، ہماری طرف سے اپنے سب ہی بھائی بہنوں کی تعزیت کرنے کی درخواست ہے۔

ترکیسر کی جامع مسجد میں عوام کی طرف سے بھی ایک تعزیتی اجلاس کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

احتشام بن حسن صاحب، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

برادراعظم صاحب سلام مسنون

محترم والد صاحبؒ کے ارتحال کی خبر اچانک ملی، بے حد افسوس وملال ہوا، انکی ذات والا صفات ہم سب کیلئے ایک مشفق، بزرگ اور سرپرست کی تھی۔ اللہ تعالی ان کو عالی درجات سے نوازے، آمین۔ انھوں نے ساری زندگی تبلیغ اسلام اور خدمت دین کا اہم فریضہ انجام دیا، عالم اسلام میں انکی عظمت، شہرت اور علمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے، ساری زندگی تعمیری امور انجام دیتے رہے، یقیناً وہ دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران رہے آپ کو ان کی جدائی کا جو صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، اس غم کے موقع پر مجھے بھی اپنا شریک غم کرلیں، خدا حافظ۔

............❖............

ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل:

مکرم جناب مولانا محمد سالم صاحب و برادران دیوبند　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے انتقال پر ملال پر اہلیان بھٹکل نہایت محزون ہیں، حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات پر جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے بھی بڑا درد و تکلیف محسوس کیا، یہ خبر آتے ہی پہلے جمعہ کو شہر کی چاروں جامع مسجدوں میں جمعہ کی نماز کے بعد غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر بعد جامع مسجد قدیم بھٹکل میں مرحوم کی ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ہوئی اور دعائیں کی گئیں۔
جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی مجلس شوری کا یہ اجلاس مفکر اسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے انتقال پر ملال پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے، حضرت مولاناؒ نصف صدی سے زیادہ کا حصہ اسلام کے ایک زبردست خادم عالم دین کے شیدائی اور ایک مجاہد کی حیثیت سے گذارا، ایشیا کی سب سے بڑی دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند بحیثیت مہتمم کے آپ کا علم آپ کی فراست اور آپ کی خدمت حاصل تھی، آپ علم دین کے ایک بے مثال خادم تھے، آپ کی ذات گرامی لاکھوں انسانوں کیلئے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہی، بھٹکل اور اہلیان بھٹکل سے بھی آپ کا گہرا لگاؤ تھا آپ اپنی زندگی میں دو مرتبہ بھٹکل تشریف لا کر دو ہفتے گزارے ہیں اور آپ کے خیر و برکت علم دین کا پرتو آج بھی بھٹکل میں موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی اور زندگی کے ساتھ اسلام کی قدریں اور علم دین کی شمعیں روشن تھیں، اللہ مسلمانوں کو حضرت مولاناؒ کا بدل عطا کرے آمین۔ حق تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں داخل فرما کر جنت الفردوس کا اعلی مقام عطا فرمائے، آپ کی لغزشوں کو درگزر فرمائے اور دنیا میں آپ کے فیض کو عام کرے۔
جامعہ کا یہ اجلاس حضرت مولانا مرحوم کے خاندان کے ایک ایک فرد اور دارالعلوم دیوبند سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ مولانا مرحوم کے جدائی کے غم میں جامعہ اسلامیہ کا ایک ایک رکن شریک ہے، اللہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

............❖............

سید محمد صدر الحق، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ:

مورخہ ۲۴؍جولائی ۱۹۸۳ء مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ہال میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت مولانا سید محمد صدر الحق صاحب پرنسپل مدرسہ منعقد ہوا، قاری محمد اکرم حسین کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کا انتقال ''موت العالم موت العالم'' کے مصداق ہے، انکی وفات کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک خلاء پیدا ہوگیا ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند عالم اسلام کے ایک متبحر عالم، مفکر، خطیب، حکیم، عظیم مصنف اور منارہ رشد و ہدایت تھے۔ وہ حضرت نانوتویؒ کے فلسفہ اور حضرت تھانویؒ کے دعوت وارشاد دونوں ہی کے جامع تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کو بام عروج پر پہنچایا۔ یہ ان کے دور اہتمام کا روشن کارنامہ ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ جید عالم، زہد وتقویٰ اور رشد وہدایت دونوں ہی کے جامع تھے، انکی زندگی مکمل تاریخ ہے وہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے، یہی نہیں بلکہ وہ تاریخ عالم اسلام کے ایک گوہر نایاب تھے، ان کے تذکرہ کے بغیر تاریخ عالم اسلامی کا ایک باب نامکمل ہے، دعا ہے اللہ ہمیں بدل عطا کرے اور ان کے درجات بلند کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل اور ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کو رکاوٹ سے محفوظ رکھے اور شب وروز اس کی ترقی عطا کرے۔

............❖............

مولانا موسیٰ آدم صاحب، مہتمم مدرسہ سراج العلوم مقام مٹواڑ، پوسٹ کھاریل وایا نوساری ضلع بلساڑ گجرات:

محترم ومکرم استاذ حدیث وواعظ وقت حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں پر خیر وعافیت سے ہیں اور آنجناب کے مزاج عالی بھی بخیر ہوں گے، دیگر عرض یہ ہے کہ چند روز پہلے ہم کو ایک خبر نے بے انتہا حسرت میں ڈال دیا اور افسوس اور غموں کے دریا میں ڈبو دیا اور وہ خبر ہے حکیم الاسلام فخر الاماثل مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کا اس درفانی سے دار بقاء کی جانب تشریف لے جانا اور ان کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے سارے عالم کے احساس رکھنے والے انسانوں کو افسوس ہوا ہوگا، کیونکہ حضرت کی خدمت اور حضرت کا فیض شرق وغرب میں پھیلا ہوا ہے، اس خبر سے ہم کو بھی بہت زیادہ افسوس ہوا اور ہم مدرسہ سراج العلوم کے اراکین وطلباء نے مل کر ختم کلام پاک کر کے ایصال ثواب کیا اور دعا کی کہ خدا موصوف کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور موصوف کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین یارب العالمین

............❖............

مولانا محمد عمر صاحب، نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد:

مکرم ومحترم جناب حضرت مولانا سالم صاحب دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔کل بعد نماز ظہر حضرت مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی۔فوراً ہی طلباء اور اساتذہ اور شہری حضرات نے مل کر قرآن کریم کی تلاوت کے بعد ایصال ثواب کیا اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی نے حضرت والد محترمؒ کے مختصر حالات وکمالات بیان کئے،اس کے بعد دعاء مغفرت کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ کل صبح آٹھ بجے قرآن خوانی کے بعد ایصال ثواب کیا جائے گا اور جلسہ تعزیت ہوگا چنانچہ آج وقت مقررہ پر تلاوت کے بعد ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی گئی اور جلسہ تعزیت ہوا، یہ حادثہ آپ اور ہم سب متوسلین کے لئے بڑا ہے، اللہ تعالی آپ اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت موصوف کو اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

............❖............

مولانا ابوالقاسم نعمانی، بنارس

بنارس ۱۸ر جولائی آج بعد نماز عشاء محمود منزل مدن پورہ میں انجمن محمود المدارس (جامعہ اسلامیہ) مدن پورہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مختلف مقررین نے موصوف کی تبحر علمی، ذکاوت وذہانت، تقویٰ وطہارت تواضع وانکساری اور تقریر وتحریر نیز درس وتدریس کے ذریعہ دین وملت کی خدمات کا ذکر جمیل کیا اور ان کو خراج عقدت پیش کیا۔

جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور اختتام دعائے مغفرت اور ایصال ثواب پر، آخر میں ایک تعزیتی تجویز پیش کی گئی جو بالاتفاق منظور ہوئی۔

تجویز کا متن درج ذیل ہے:

تجویز انجمن محمود المدارس (جامعہ اسلامیہ) مدن پورہ وارانسی کا یہ تعزیتی جلسہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے سانحہ ارتحال پر اپنے قلبی غمناک تأثر کا اظہار کرتا ہے۔

جلسہ حضرت مرحوم کی طویل ترین دینی ملی خدمات کا بالعموم اور دار العلوم دیوبند کے مسند اہتمام کے تعلق سے موصوف کی نمایاں کارکردگی کا بالخصوص اعتراف کرتا ہے:

جلسہ موصوف کے انتقال کو پوری ملت اسلامیہ ہند و پاک کے لئے اور خصوصاً منتسبین دار العلوم دیوبند کے لئے عظیم اور نا قابل تلافی سانحہ قرار دیتا ہے۔

یہ جلسہ مرحوم کے جملہ اہل خانہ متعلقین منتسبین اور تلامذہ کی خدمت میں جذبات تعزیت پیش کرتا ہے، اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ مولائے کریم مرحوم کو انکی خدمات کا اجر جزیل مرحمت فرمائے اور خصوصی رحمت اور مغفرت سے نوازے۔

مولانا محمد ازہر صاحب، مہتمم مدرسہ حسینیہ، حسین آباد کڈ رو، رانچی، بہار:

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد للہ بعافیت ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا حادثہ جانکاہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی رحلت کی خبر ممبئی میں ملی، دل پر بڑا گہرا صدمہ ہوا سننے کے بعد چند لمحے تک ذہن سن سا ہوکر رہ گیا تھا۔ میں نے اسی وقت تہیہ کرلیا تھا کہ مدرسہ پہنچ کر تعزیتی جلسہ اور تمام طلبہ واساتذہ سے مل کر ختم کلام پاک اور دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کروں گا۔ ۱۸؍شوال کو مدرسہ آیا، داخلہ شروع ہوگیا اب ۲۹؍شوال ۱۴۰۳ھ کو مدرسہ میں قرآن خوانی ہوئی تقریباً ایک سودو ختم کلام پاک پڑھے گئے پھر تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، مرحوم کی روح پاک کو ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کی بال بال مغفرت فرمائے انکی قبر کو اپنے انوار سے بھر دے جوار رحمت میں جگہ دے۔ حضرت آقا ﷺ کا قرب نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو خصوصا سارے عالم عموما صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آپ کو آپ کے متعلقین کو مرحوم ومغفور کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین

ہم تمام لوگ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ پرسان احوال ودیگر متعلقین اور بچوں سے سلام مسنون عرض ہے اور دعاء کی درخواست ہے۔

............❖............

اولاد واحفاد

- حضرت حکیم الاسلامؒ
  - حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ
    - جناب محمد سلمان قاسمی
    - مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
    - جناب محمد عدنان قاسمی
    - جناب حافظ محمد عاصم قاسمی
  - مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ
    - مولانا محمد فاروق قاسمی
    - محمد ہشام قاسمی
  - جناب حافظ محمد عاصم قاسمیؒ
  - جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد اعظم صاحب قاسمی
    - جناب احمد فرید قاسمی
    - جناب قاسم رشید صاحب

(۱) حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ

ولادت: ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ، وفات: ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء

حضرت حکیم الاسلامؒ کی نگرانی وتربیت میں پرورش پائی۔ ۱۳۵۱ء میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ناظرہ وحفظ قرآن کریم کی تکمیل جناب پیر جی شریف صاحب گنگوہی کے یہاں ہوئی۔ فارسی کا چار سالہ نصاب مکمل کیا، آپ کے فارسی کے اساتذہ میں خلیفہ عاقل صاحبؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ، مولانا سید حسن صاحبؒ۔ ۱۳۶۲ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زبانِ مبارک سے میزان پڑھی، یہ عظیم سعادت اس وقت پوری دنیا میں آپ ہی کو حاصل ہے، آپ کے علاوہ حکیم الامتؒ کے تلامذہ میں کوئی موجود نہیں ہے۔ علوم فنون کی کتابوں میں کنز الدقائق حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ سے، میبذی قاری اصغر صاحبؒ سے، مختصر المعانی وسلّم العلوم حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے، ہدایہ حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ سے پڑھی۔ آپ نے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ کے دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ ہیں۔

فراغت کے فوراً بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔ ابتداءً نور الایضاح، ترجمۂ قرآن کریم زیر درس رہا، بعد میں بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرح عقائد

وغیرہ آپ سے متعلق رہیں اوراس وقت بخاری شریف میں آپ سے استفادہ جاری ہے۔

آپ جملہ علوم وفنون میں ممتاز صلاحیتوں کے مالک، بالغ نظر، بلند فکر اور اعلم بہ زمانہ متصف رہے۔ علوم قاسمی کی تشریح وتفہیم میں حکیم الاسلامؒ کے بعد شاید ہی آپ کا کوئی ہم پلّہ ہو۔ ہمیشہ علمی کاموں کے محرک رہے۔ زمانۂ تدریس میں دارالعلوم دیوبند ایک تحقیقی شعبہ مرکز المعارف کا قیام عمل میں آیا اوراس کے ذمہ دار بنائے گئے۔ ۱۹۶۶ء میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر اسلامی علوم ومعارف کو جدید جامعات میں مصروف تعلیم طلباء وطالبات کے لئے آسان وقابل حصول بنانے کی غرض سے جامعہ دینیات دیوبند قائم فرمایا جو کہ اس دور کا جدید ترین طریقۂ تعلیم تھا۔ آپ نے قرآن کریم پر ایک خاص جہت سے کام کا آغاز کیا۔ افسوس کہ یہ عظیم فاضلانہ علمی کام شورشِ دارالعلوم کی نذر ہوگیا۔ آپ کے عالمانہ وحکیمانہ خطاب کا شہرہ عہد شباب ہی میں ملک کی سرحدوں کو پار کر کے یورپ اور عالم عرب میں پہنچ چکا تھا۔ علم میں گہرائی، فکر میں گیرائی، مطالعہ میں وسعت، مزاج میں شرافت اور باقاعدگی، زبان سے نکلا ہوا ہر جملہ فکر وبصیرت سے منور، حکمت وفلسفہ کے رنگ میں کتاب وسنت کی بے مثال تشریح وتفہیم کا ملکہ۔ مدلل اسلوب میں گفتگو، صائب الرائے، کذب، غیبت، عیاری اور چالاکی جیسے رائج الوقت امراض سے محفوظ، ماضی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے دستِ راست اوراس کے باوقار رکن، تاحیات اُس کے سینئر نائب صدر، بہت سے ملّی اداروں، دینی مدرسوں کے سرپرست، طلبہ، اساتذہ علماء مشائخ، سب کے محترم، قیامِ دارالعلوم وقف دیوبند سے لے کر تاحیات اس کے متفق علیہ مہتمم وسرپرست، مسند حدیث کی شان، اپنے عہد کی ایک معتبر، مسلّم اور پُرکشش دینی شخصیت رہے۔ رحمه الله رحمة واسعة.

(۲) حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ، ولادت ۳؍جون ۱۹۳۸ء، م: ۱۳؍نومبر ۲۰۱۷ء

از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم وتربیت کے مراحل طے ہوئے۔ ناظرہ قرآن جناب قاری محمد کامل صاحبؒ کے یہاں مکمل ہوا۔ فارسی کا چار سالہ نصاب مولانا بشیر صاحب دیوبندیؒ، مولانا مشفع صاحب دیوبندیؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ دیوبندی۔

عربی درجات کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ مرادآبادی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ دیوبندی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۵۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا اور مختلف

انتظامی شعبوں سے وابستہ رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے تفسیر کبیر للرازی کے ترجمہ کا کام شروع کیا جس کے ابتدائی کچھ پاروں کی تفسیر منظر عام پر آئی، جو اپنے آپ میں ایک معیاری خدمت ہے۔ سیرت حلبیہ کا مکمل ترجمہ سیرت پاک کے نام سے سیرت کے موضوع پر ایک اہم مجموعہ آپ کے قلم سے نکلا۔ آپ بے مثال خطیب، انفرادی شان کے مدرس، بلند پایہ مصنف، سحر طراز صاحب قلم و ادیب، بلند فکر شاعر، کثیر المطالعہ قدیم اور جدید کے پختہ عالم، گوناگوں صلاحیتوں کے حامل، خاموش طبیعت، متین، پر وقار اور بردبار، یورپی ممالک میں حکیم الاسلامؒ کے رفیق سفر اور حکیمانہ خطاب کے ترجمان، اجلاسِ صد سالہ کے ناظم وروحِ رواں، دارالعلوم وقف دیوبند کے محدث، صدر المدرسین اور ناظم مجلس تعلیمی، اپنی بے مثال خطابت کے حوالے سے ملک و بیرونِ ملک مقبول و مشہور شخصیت تھے۔

جناب ڈاکٹر محمد اعظم صاحب قاسمی، ولادت ۷/ مارچ ۱۹۴۲ء

ذی علم، صاحبِ بصیرت، ان کا چہرہ شائستگی، وقار اور علمی عظمت کا گواہ، سیرت و اخلاق خاندانی شرافتوں کا نمائندہ، اسلامیات میں گہرے علوم کے ساتھ عصری علوم سے آگاہ۔ انگریزی میں عبور حاصل، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی فکر کے ایک خاص گوشے پر فاضلانہ مقالے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور پھر وہیں شعبہ اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ تا حال مستقل اقامت علی گڑھ ہی میں ہے۔ بڑے فاضل، صاحبِ فکر اور رنگارنگ خوبیوں کے انسان۔

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب، ولادت ۲۶/ ستمبر ۱۹۵۴ء

صحیح معنی میں اپنے والد مکرم کے خلف الرشید، دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کے بعد جامعہ ازہر مصر سے علومِ شرعیہ میں نمایاں حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ دینی علوم میں امتیازی صلاحیتوں کے ساتھ عصری علوم میں طاق، ماضی میں جامعہ دینیات جیسے معتبر ادارہ کے ذمہ دار، ذہانت، فراست، ذوقِ مطالعہ اور عالمانہ بذلہ سنجی میں خانوادۂ قاسمی کے فردِ جلیل۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام سے لے کر اب تک تدریسی خدمات کے ساتھ اہم انتظامی امور سے وابستہ۔ جوان ہمت، بلند حوصلہ، وسیع الظرف، شریف النفس، نستعلیق، باوقار، خاندانی روایتوں کے حامل اور بے شمار خوبیوں سے آراستہ، اس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کے اہتمام کے منصب پر فائز اور ادارہ کی ہمہ جہت تعلیمی و تعمیری ترقی کے لئے سرگرم عمل، موصوف کی شبانہ روز مساعی اور انتظامی حکمت عملیوں کے نتیجے میں دارالعلوم وقف دیوبند الحمدللہ ہر طرح سے مستحکم اور ترقی کی راہ

پر گامزن ہے۔ أطال اللّٰہ حیاتہٗ و أیدہٗ بنصرہٖ.

مولانا محمد فاروق قاسمی، ولادت ۸/ جنوری ۱۹۶۴ء

دارالعلوم وقف دیوبند کے باصلاحیت مدرّس، نیک نہاد، سنجیدہ مزاج اور باوقار عالم، بچپن میں جد امجد حضرت حکیم الاسلامؒ سے خوب استفادہ کیا۔ ''معارف حکیم الاسلام'' کے نام سے ایک مجموعہ موصوف ہی کی محنت سے منظر عام پر آ چکا۔

فہرست خلفاء حضرت حکیم الاسلامؒ

- ...... حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
- ...... مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند
- ...... علامہ رفیق احمد صاحبؒ بھیسانی
- ...... مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ، مہتمم مدرسہ نورالاسلام، میرٹھ
- ...... مولانا معین الدین صاحب، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ، بیڑ، دکن
- ...... مولانا انوار الحسن صاحبؒ، مبلغ دارالعلوم دیوبند
- ...... مولانا حکیم عبدالقدوس صاحبؒ، دیوبند
- ...... مولانا عبیداللہ صاحب، ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، لاہور (پاکستان)
- ...... جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب، بمبئی
- ...... مولانا ابرار احمد صاحب، صدر مدرس مدرسہ ترکیسر، ضلع سورت، گجرات
- ...... مولانا محمد حامد صاحب صدیقی، پروفیسر عثمانیہ کالج، حیدرآباد، دکن
- ...... مولانا محمد زید صاحب، پروفیسر اسلامیہ کالج، لائل پور (پاکستان)
- ...... مولانا حفظ الکبیر صاحب، جلال آباد
- ...... مولانا عبدالحق صاحب قاسمی نواکھالی (بنگلہ دیش)
- ...... ابوبکر احمد صاحب، بمبئی
- ...... مولانا شیخ اخلاق احمد صاحب دیوبندی، مقیم کراچی (پاکستان)
- ...... جناب اسماعیل صاحب بزرگ مجاز صحبت، بمبئی

- ...... مولوی قاری حفظ الرحمٰن صاحب ابن قاری محمد شریف صاحب دیو بندی، مقیم دہلی
- ...... مولوی عبدالحق صاحب، سلہٹ، (بنگلہ دیش)
- ...... مولانا قمر الزماں صاحب بنگالی، خطیب جامع مسجد کرلا، بمبئی
- ...... مولانا یوسف شرقی صاحب، بنگلور
- ...... مولانا منصور الحق صاحب، بردوان
- ...... مولانا محمود صاحب گیورائی
- ...... مولانا انوار الحسن صاحب، بردوان
- ...... مولانا محمد عثمان میمن صاحب، کراچی (پاکستان)
- ...... جناب شیخ عبدالرحمٰن نورولی، مکہ مکرمہ
- ...... جناب محمد علی صاحب ایڈوکیٹ، حیدر آباد
- ...... مولانا عبدالقدوس حماد صاحب وارانسی
- ...... مولانا محمد زید صاحب، فیصل آباد (پاکستان)

............❖............

تاسیسِ دارالعلوم وقف دیوبند

سقوط دارالعلوم کے بعد حکیم الاسلامؒ کے ساتھ طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور قدیم ترین ملازمین جنہوں نے جوانی کے بہترین لمحات، جسمانی قوتیں اور ذہنی صلاحیتیں دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں صرف کی تھیں دارالعلوم سے باہر آ گئیں۔ قدرت کو منظور تھا کہ دیوبند کی قدیم مرکزی جامع مسجد سے بھی قاسمیت کا وہ علمی فیضان جاری ہو جس کی حفاظت وصیانت کے لئے حکیم الاسلامؒ جاں گسل حوادث سے گذرے۔

حکیم الاسلامؒ کی ایماء پر ۱۹۸۳ء میں از اول تا دورہ حدیث شریف کی باضابطہ تعلیم کا آغاز ہوا اور ملازمین جامع مسجد کے حجروں میں بیٹھ کر دفتری امور کی انجام دہی میں مصروف ہوئے۔ خدائے علیم وخبیر ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ مرحلہ کتنا کٹھن اور مشکلات سے پر تھا۔ قدم قدم پر مسائل، وسائل ناپید، نہ درس گاہیں، نہ کتابیں، نہ چٹائیاں، نہ تپائیاں، دفاتر کے لئے کاغذ، نہ قلم، کوئی بھی چیز میسر نہ تھی۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ جیسے فخر روزگار اساتذہ جن کی تدریس دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز، علمی کمالات ضرب المثل اور شہرت و نیک نامی ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں تھی اور دیوبندی مکتبہ فکر کے بیشتر نامور علماء مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور ملی تنظیموں کے سربراہان کو ان کے شرف تلمذ پر ناز اور ان کی شخصیات پر ہمیشہ فخر رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے ایسے قدیم الخدمت، مخلص اور تجربہ کار اساتذہ بے سروسامانی کے عالم میں دیوبند کی مرکزی جامع مسجد کے کھلے فرش پر بیٹھ کر خلوص وللّٰہیت اور شوق و ذوق سے درس دیتے جو دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کے جم غفیر کے درمیان ان کی پہچان بنا ہوا تھا۔ ان حضرات کے دل و دماغ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد کے درمیان علم وحکمت کے موتی بکھیرنے والے چند لٹے پٹے غریب الوطن طلبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، جنہیں نہ ایک وقت کا کھانا نصیب، نہ سر چھپانے کی جگہ میسر، نہ کتابوں کی سہولت، حتیٰ کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی کلیتاً محروم۔ ایک طویل عرصہ تک ایک کتاب میں کئی کئی طلبہ شریک ہوتے اور ہر قسم کی بے سروسامانی اور مشکلات کے باوجود اپنا سارا وقت

تعلیم و مطالعہ میں صرف کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان طلبہ اور ان بے یار و مددگار ملازمین کے دل میں اخلاصِ نیت اور حکیم الاسلامؒ کے موقف اور شخصیت سے گہری محبت اور تعلق نہ ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی مشکلات کے اس طوفان کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ اہل شہر میں سے چند مخلص احباب کی توجہ کے نتیجہ میں کچھ عرصہ کے بعد طلبہ کے کھانے کا کچھ سر و سامان ہوا، شہر میں طلبہ کی رہائش کے لئے کرائے کے مکانات حاصل کئے گئے اور دیوبند کے کتب خانوں کی اعانت سے درسی کتابوں کی فراہمی بھی ہوئی۔

مولانا اسحاق صاحب مرحوم مالک کتب خانہ رحیمیہ اور مولانا شوکت صاحب مالک کتب خانہ ہاشمیہ نے درسی کتابوں کی فراہمی کے ساتھ ہر بار انعامیہ جلسوں کے موقع پر اچھے نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کی نقد انعامات سے حوصلہ افزائی فرمائی اور گراں قدر کتابوں سے بھی نوازتے رہے۔ علاوہ ازیں دیوبند کے تقریباً سبھی کتب خانہ والوں نے کتابوں کی فراہمی میں مخلصانہ تعاون دیا اور از روز اول تا حال ان کی ہمدردیاں دارالعلوم وقف دیوبند کے ساتھ وابستہ ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند ان کا بیحد شکر گزار ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کے بعد متفقہ طور پر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین و ناظم مجلس تعلیمی، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ شیخ الحدیث اور حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ نیابت اہتمام کے لئے مقرر ہوئے۔ ان ممتاز شخصیات کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم و نامور اساتذہ حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری، حضرت مولانا خالد حسین بلیاوی، حضرت مولانا فیض الحسین صاحب کشمیری، مولانا محمد حسن باندوی، قاری سعید عالم صاحب تدریس کے کاموں میں مصروف رہے۔ مولانا مفتی شکیل احمد صاحب کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن میں کسی بڑے مدرسہ کے مہتمم ہوئے اور دارالعلوم وقف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مولانا خالد حسین بلیاوی پاکستان ہجرت کر گئے۔ اس کے بعد مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں بحیثیت شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات وہیں پر تدریس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا فیض الحسین کشمیری قیام دارالعلوم وقف کے بعد دوسرے سال اپنے وطن میں انتقال کر گئے۔ اس طرح تین فائق الاستعداد اساتذہ کے چلے جانے سے ایک خلا پیدا ہوا مگر اللہ کی ذات بڑی کارساز ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا علامہ رفیق احمد بھیسانوی سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد، حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی، مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی، مولانا قمر عثمانی، مولانا محمد حنیف صاحب مظفرنگری، مولانا مفتی محمد واصف صاحب عثمانی سابق مبلغ دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمد عمران صاحب دیوبندی،

مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنی، مولانا اسماعیل خان دیوبندی، مفتی الیاس صاحب گونڈوی سابق رکن افتاء دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد سفیان قاسمی، مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری، ڈاکٹر مولانا انیس الاسلام قاسمی، مولانا غلام رسول کشمیری تدریسی خدمت کے لئے مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مولانا غلام نبی صاحب کشمیری، مفتی انوار الحق صاحب دربھنگویؒ و دیگر نوجوان فضلاء تدریسی قافلہ میں شامل ہوئے۔

بخاری شریف کے اسباق حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ سے متعلق رہے جبکہ کچھ اسباق محدود وقت کے لئے حضرت مولانا رفیق احمد صاحبؒ سے بھی متعلق رہے۔ دارالافتاء کا شعبہ دارالعلوم دیوبند کے تجربہ کار مفتی حضرت مولانا سید احمد علی سعید صاحب کی سربراہی میں سرگرم عمل رہا۔ تکمیل ادب کے شعبہ کو مولانا محمد اسلام صاحب، شعبہ تجوید قاری سعید عالم صاحب، شعبۂ حفظ و ناظرہ جناب حافظ محمد انور صاحب دیوبندی، شعبۂ دینیات جناب ماسٹر موسیٰ صاحب، شعبۂ خوش خطی کو جناب منشی امتیاز صاحب کی نگرانی اور خدمات حاصل رہیں اور ان حضرات نے پوری لگن کے ساتھ معیار تعلیم کو بلند کیا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ انتظامی اور تدریسی خدمات کے ساتھ فراہمی سرمایہ اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مالی استحکام کے لئے سرگرم عمل بھی رہے۔ حکیم الاسلامؒ اور ان کی جماعت کے ساتھ ملک و بیرون ملک جو غلط فہمیاں پائی جارہی تھیں اور جس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ابتداءً ان حضرات کو بڑی مشکلات کا سامنا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی مسلسل محنت، اخلاصِ نیت اور مسلکِ دیوبند کی حفاظت کے تئیں کمر بستہ رہنے کی وجہ سے ان مشکلات کو سہولیات میں تبدیل فرما دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد جو مشکلات اٹھائیں، جن سختیوں کا سامنا کیا اور جو بے بنیاد تہمتیں اور الزامات اپنے سر لے کر دارالعلوم وقف کی نشو ونما، استحکام اور ترقی کے لئے حوصلہ دکھایا وہ ان حضرات کی اولوالعزمی اور عزیمت کا ایک روشن باب ہے اور انشاء اللہ آخرت میں ان حضرات کی یہ بے لوث خدمات اجر عظیم کا باعث ہوں گی۔

جن طلبہ نے ان روح فرسا ایام میں دارالعلوم وقف دیوبند سے کسب فیض کیا ان کے سامنے وہ تمام واقعات اور حقائق جو طلب علم کی خاطر کتابوں میں درج ہیں اور انہیں پڑھ کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئے اور ان کی صداقت ان کے دلوں میں یقین بن کر اتر گئی۔

اداروں اور تحریکوں کی زندگی میں نشیب وفراز ضرور آتے ہیں، مگر وہ ادارے جو ایک مبنی برحقیقت فکر کی اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہوئے ہوں ان کے حصہ میں مشکلات کچھ زیادہ ہی آئی ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند اس سیاق وسباق میں ایک ادارہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک عالمی فکر کا ترجمان تھا تو ظاہر ہے کہ وہ تمام مشکلات اس کا مقدر بنیں جو انفرادی طور پر تحریکوں کا بنتی ہیں۔ بایں ہمہ ادارہ سے وابستہ جماعت نہ صرف ثابت قدم رہی بلکہ صبر واستقامت کے تابندہ نقوش صفحات دہر پر ثبت کئے۔

۹رشعبان ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند طویل علالت کے بعد امریکہ میں انتقال کر گئے، حضرت مولانا مرحوم انتہائی باصلاحیت، تجربہ کار، امورِ تدریس کے ماہر، نظم وضبط کے پابند، کام کے دھنی، خاموش مزاج، بزرگانہ روایات کے حامل، خالص مدرس قسم کے انسان تھے، قیامِ دارالعلوم وقف سے لے کر آخری وقت تک بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آپ سے متعلق رہے اور کئی کئی گھنٹے ایک نشست پر بے تکان درس دیتے رہے۔ رجب کے مہینے میں طویل سے طویل اسباق کو مقررہ نصاب تک پہنچا دیتے۔ ہمیشہ کتاب پر نظر رہتی اور اپنے مخصوص انداز میں بڑی بڑی تفصیلات کو سمیٹ کر رکھ دیتے۔ درسی کتابوں کو درس کے انداز میں پڑھانے اور سہل وبامحاورہ ترجمہ اور تشریح میں قدرت نے ایک خاص ملکہ انہیں عطا فرمایا تھا۔ ان کے معیار تدریس سے اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ دارالعلوم دیوبند جیسی عالمی دانش گاہ کے لئے کیسے مثالی اساتذہ کا انتخاب ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے نظامتِ تعلیمات کے عہدہ پر بھی فائز رہے اور ان کے ذریعہ بڑی مفید اصلاحات وجود میں آئیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مرحوم کی وفات سے دارالعلوم وقف دیوبند ایک قدآور شخصیت کے فیضان سے محروم ہوگیا۔ حضرت مرحوم ومغفور کے بعد فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ حلقۂ دیوبند سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو قدرت نے تدریس، تحریر، تقریر تینوں صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور تینوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے متعلق جو اسباق رہے ان کو جس آن بان اور شان کے ساتھ پڑھایا ان کے عہد زریں میں وہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک درخشاں باب رہا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں شاہ صاحبؒ سے متعلق دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف، کتاب المغازی کا درس متعلق ہوا تو ان کے البیلے اندازِ تدریس، منفرد لب ولہجہ، کثرتِ معلومات اور بے نظیر تحقیقات سے دورۂ حدیث کے طلبہ کے ساتھ دوسری جماعتوں کے طلبہ بھی محظوظ ہوتے اور واردین و صادرین بھی۔ قیامِ دارالعلوم وقف دیوبند کے بعد مرکزی جامع مسجد میں جب دورۂ حدیث میں درس دینے

لگے تو خیال تھا کہ قضیۂ دارالعلوم کے زخموں سے چور حالات کی سنگینی سے رنجور اور بے سروسامانی کے عالم میں جامع مسجد کے فرش پر پڑے ہوئے ایک شکستہ دل قافلہ کا یہ فرد اپنی آب وتاب کھو چکا ہوگا اور شاید اس عندلیب خوش نوا کی وہ نغمہ سنجی حالات کی نظر ہو چکی ہوگی جو ہزاروں کے لئے سامعہ نواز ہوتی تھی مگر دیکھنے والوں نے دیکھا، اس نامانوس جگہ پر بھی چند ستم رسیدہ غریبانِ وطن کے سامنے اسی شان وشوکت سے بولتے اور علم وحکمت کے موتی رولتے رہے۔ کبھی اپنے لب ولہجہ اور اپنے شاہانہ انداز میں تبدیلی نہیں آنے دی، غیرت وحمیت کو داغ دار نہیں ہونے دیا، نازک سے نازک مرحلوں پر اور مشکل سے مشکل احوال میں اپنا بھرم قائم رکھا، لوگ دور دراز سے ان کے درسِ بخاری میں شریک ہوتے، خود طلبہ دارالعلوم کی ایک بڑی تعداد پابندی سے ان کے درس میں شریک ہوتی اور ان کے مخصوص اندازِ تدریس سے محظوظ ہوتی، اختتامِ سال پر ختم بخاری جس شان سے کراتے اور جتنا مجمع ان کے سامنے ہوتا اس کا تعلق دیکھنے سے ہوتا، ختم بخاری کا یہ مثالی انداز تاوفات قائم رہا۔ بے شک شاہ صاحبؒ حلقۂ دیوبند میں اپنی طرز کی ایک مثالی شخصیت تھے۔ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/۲۶؍اپریل ۲۰۰۸ء میں مختصر علالت کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ بَرَّدَ اللّٰہ مضجعهٗ.

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے صحیح معنی میں ایک حادثۂ فاجعہ اور سانحۂ کبریٰ ثابت ہوئی، جس سے دارالعلوم وقف دیوبند کی نہیں، پوری علمی دنیا میں ایک ناقابل تلافی خسارہ محسوس کیا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین اور مایہ ناز استاذ حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ بڑے پختہ کار، سنجیدہ اور مثالی استاذ تھے۔ دارالعلوم میں بھی ان کی مقبولیت کا شہرہ رہا۔ دارالعلوم میں شرحِ عقائد اور مسلم شریف کے اسباق ان سے متعلق رہے اور نیابتِ تعلیمات کے منصب پر بھی فائز رہے۔ قضیۂ دارالعلوم کے بعد جامع مسجد میں دارالعلوم وقف کے نیابت اہتمام کے عہدہ پر فائز ہوئے اور طویل مدت تک بڑی خوش اسلوبی اور حسنِ تدبیر سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔ پریشان ملازمین جب ان سے الجھتے تو بڑی متانت اور بردباری سے کام لیتے، یہ کارکنوں کا دکھ درد بانٹنے، حوصلہ دینے اور جمائے رکھنے میں حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کا کردار کتنا نمایاں ہے اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مسلم شریف کا درس بھی دیتے رہے، جچے تلے اور منظّم انداز میں بولتے، متعینہ وقت میں جتنا پڑھانا ہوتا اتنے ہی حصہ کی عبارت بھی پڑھواتے، ادھر مضمون ختم، اُدھر گھنٹہ تمام۔ مسلم شریف کا مقدمہ جتنا دقیق اور مشکل ہے اس کو اتنا ہی سہل اور

خوشگوار انداز میں سمجھاتے۔ ایمانیات اور عقائد پر ان کی درسی تقریریں بڑی تحقیقی اور معیاری سمجھی جاتی تھیں۔ جسمانی عوارض کے باوجود تدریسی ذمہ داریوں کی پابندی ان کا ہمیشہ امتیاز رہا۔ ۱۴؍ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ/۷؍فروری ۲۰۱۱ء میں مختصر علالت کے بعد حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ **اللھم اغفر وارحم۔**

حضرت شاہ صاحبؒ نظامتِ تعلیمات اور صدرالمدرسین کے عہدے پر بھی فائز تھے، ان کی رحلت کے بعد نظامت تعلیمات اور صدارتِ تدریس کے منصب پر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی رحمہ اللہ اور نیابت تعلیمات کے منصب پر حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کے فرزند جلیل مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی فائز ہوئے۔ دونوں حضرات گوناگوں علمی صلاحیتوں سے متمتع، ذہن وفراست سے بہرہ ور اور شرافتِ نفس کے پیکر۔ ان حضرات نے تدریسی خدمات کے ساتھ امور تعلیم کو احسن طریقہ سے انجام دیا۔ حضرت مولانا اسلم صاحب قاسمیؒ کی شخصیت کئی پہلوؤں سے بے نظیر، آپ بہترین مدرس، مقبول مقرر، سنجیدہ اور صاحب طرز مصنف وادیب، ہر قسم کی معلومات کا خزانۂ عامرہ، قدیم وجدید علوم کے ماہر، صاحب فکر، خاموش طبیعت، سادہ مزاج اور متانت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تو مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب اپنے جدِّ امجد حضرت علامہ کشمیریؒ کا مثنیٰ، سحر انگیز طرز تکلم اور خطابت میں اپنے والد گرامی کا عکس۔ شرافت ومروت میں خانوادۂ شاہی کی آبرو، خوش مزاجی وخوش اخلاقی اور خوش معاملگی میں اپنی مثال آپ۔

حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کی رحلت کے بعد مشیخت حدیث کے منصب پر آپ کو فائز کیا گیا تو حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کے مثالی طرز پر ان کا درسِ بخاری طلبہ میں ان کی وجہ امتیاز اور ان کی خاص پہچان بنا ہوا ہے۔

۲۰۰۰ء میں جسمانی عوارض کی وجہ سے جب حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ سبکدوش ہوئے تو صاحبزادہ خطیب الاسلام مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی نیابت اہتمام کے منصب پر باضابطہ فائز ہوئے۔ اس سے پہلے دارالعلوم وقف دیوبند کی تاسیس میں مولانا موصوف اور مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب کشمیری کا جو فعال کردار رہا وہ تاریخ دارالعلوم وقف دیوبند کا ایک جلی باب ہے۔

وابستگی سے پہلے جامعہ دینیات، دیوبند جیسے عظیم الشان ادارہ کے ایک بیدار دماغ ذمہ دار رہ چکے تھے۔ مولانا موصوف خانوادۂ قاسمی کے سنجیدہ، باصلاحیت اور صالح فکر فاضل ہونے کے ساتھ خاندانی بزرگوں کی علمی صحبتوں وخاص نہج پر علمی واخلاقی تربیتوں سے مالا مال اور خداداد ذہن وفراست، انتظام و

انصرام ومعاملہ فہمی کے جوہر سے آراستہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم وقف دیوبند کے نیابت اہتمام کے منصب پر رہ کر دارالعلوم وقف دیوبند کی تعمیر وترقی اور استحکام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ ادارہ کو کئی نازک اور کٹھن مراحل سے نکالنے میں کامیاب ثابت ہوئے، ان کے نیابت اہتمام میں دارالعلوم وقف دیوبند نے تعلیم و تعمیر دونوں سطحوں پر نمایاں ترقی کی۔ ان کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں کارکنان کو بروقت مشاہرہ دیئے جانے کا ایک مضبوط نظام قائم ہوا، جب کہ اس سے پہلے صورت حال یکسر مختلف تھی۔ طلبہ کی امدادِ طعام کا عدد بڑھا، دفاتر کے نظم وضبط میں بہتری، تنظیم وترقی کی کارکردگی میں انضباط، مطبخ کے اخراجات اور بھاری بھرکم مصارف کی تکمیل کے لئے ملک و بیرونِ ملک پیہم اسفاران کے نیابتِ اہتمام کی برکات اور ان کے روشن کارناموں کا حصہ ہے۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی کمزوری وعلالت کے پیش نظر ۳ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند نے اتفاقِ رائے سے حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کو مہتمم دارالعلوم وقف منتخب کیا، جب کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کو صدر مہتمم بنایا گیا۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے مشکل حالات کے حوالے سے مفتی انوارالحق صاحبؒ قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم نے آڑے وقت میں ادارہ کی ہر خدمت انجام دی، خود کو ہر وقت ہر خدمت کے لئے وقف کئے رکھا۔ ایک بے ضرر، بے عذر، بے نفس، محنتی، کارگزار اور شریف النفس انسان تھے۔ شروع میں ابتدائی کتابوں کے ساتھ دارالافتاء اور سالِ ہفتم میں ہمیشہ سراجی کا درس دیا۔ سراجی میں انہیں اتنی مہارت حاصل تھی شاید آنکھیں بند کر کے بھی پڑھا لیتے۔ آخر میں ہدایہ آخرین اور ابوداؤد شریف جیسی اہم کتابیں ان سے متعلق رہیں۔ ۱۰ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ میں اچانک انتقال کر گئے۔ خدا تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے۔

۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ/۲۰ر فروری ۱۹۸۵ء میں مولانا عبدالحق غازی پوری انتقال کر گئے۔ مرحوم حکیم الاسلامؒ کے عہد اہتمام کے باوقار پیشکار اور معتقد ومعتمد خاص تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ جب حکیم الاسلامؒ کا ذکر کرتے تو بے اختیار رو پڑتے اور بے حال ہو جاتے۔ ان کی رحلت کے بعد مولانا سید عبدالرؤف عالی پیشکار کے منصب پر فائز ہوئے اور پندرہ روزہ ندائے دارالعلوم کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد رہیں۔ مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فرزند مولانا عبدالحق صاحب پیشکار) اور مولانا نسیم اختر شاہ قیصر (فرزند مولانا سید ازہر شاہ قیصر، سابق مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند) ندائے دارالعلوم کی ادارت اور اشاعت میں ان کے معاون رہے۔ ان تینوں حضرات نے ندائے دارالعلوم کی اشاعت کو ایک

خاص معیار اور وقار کے ساتھ قائم رکھا۔۲۳/نومبر ۲۰۰۹ء میں مولانا سید عبدالرؤف عالی کا انتقال ہوگیا تو ندائے دارالعلوم کی ادارت کی ذمہ داری مولانا عبداللہ جاوید اور مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کے سپرد ہوئی اور پیشکار کے منصب پر مولانا معین صاحب حیدرآبادی مقرر ہوئے۔۱۲/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ میں مولانا معین الدین حیدرآبادی کا انتقال ہوگیا تو ان کے بعد مولانا دلشاد احمد قاسمی ناظم تنظیم وترقی کے ساتھ پیشکار بھی منتخب ہوئے۔موصوف تا حال ان دونوں ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

شعبہ تبلیغ کو مولانا سید ابوالکلام صاحب اور مفتی محمد واصف عثمانی جیسے دارالعلوم کے قدیم اور منجھے ہوئے مبلغین کی خدمات حاصل رہی۔ یہ دونوں حضرات اپنی بے نظیر خطابت کی وجہ سے ہمیشہ دینی حلقوں میں مقبول رہے اور عوامی و دینی مدارس کے جلسوں میں ان حضرات کی موجودگی کو کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا رہا۔مولانا مفتی محمد واصف عثمانی سے متعلق مشکوٰۃ شریف اور ابن ماجہ شریف جیسے اہم اسباق بھی رہے اور فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی۔

۱۷/ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ/۱۵/اگست ۱۹۹۵ء میں کانپور میں سیرت کے ایک جلسہ سے لوٹ رہے تھے کار پیڑ سے ٹکرا گئی اور شہید ہوگئے۔اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند کرے۔

شعبہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین اور فن فتاویٰ نویسی کے ماہر حضرت مولانا مفتی احمد علی سعیدؒ کی نگرانی میں مصروفِ کار رہا۔مفتی صاحبؒ دارالافتاء کے اکثر اسباق خود ہی پڑھاتے،دن میں کئی کئی استفتاءات کے جوابات بھی لکھتے اور دوسرے مفتیان حضرات کے لکھے گئے فتاویٰ پر نظر ثانی اور ترمیم واضافہ کی خدمات بھی انجام دیتے۔ایک عرصہ تک دورۂ حدیث میں ابوداؤد شریف کا سبق بھی آپ سے متعلق رہا،خالص فقہ وفتاویٰ کی زبان بولتے اور خوب تحقیق اور حوالوں کے ساتھ پڑھاتے،۲۶/رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء میں مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا تو صدر مفتی کے منصب پر حضرت مولانا خورشید عالم صاحب فائز کئے گئے اور دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری بھی آپ کے حوالہ تھی،جس کو انہوں نے آخری وقت تک نبھایا۔

دارالافتاء کی طرح شعبۂ تکمیل ادب بھی شروع سے ہی سرگرم عمل رہا،جس کی نگرانی مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی (استاذ حدیث و ادب دارالعلوم وقف دیوبند) کے سپرد رہی۔مولانا محمد اسلام صاحب عربی زبان و ادب میں خصوصی مہارت کے ساتھ دیگر علوم وفنون بھی امتیازی صلاحیت کے حامل رہے ہیں،تکمیل ادب کی اکثر کتابوں کے ساتھ شروع میں دورۂ حدیث میں شمائل ترمذی کا درس بھی مولانا موصوف سے متعلق رہا اور رابطۂ عامہ کی ذمہ داری بھی انجام دیتے رہے۔شعبۂ خوش خطی کی نگرانی جناب منشی امتیاز احمد صاحب مرحوم،

شعبۂ تجوید کی جناب قاری سعید عالم صاحب اور شعبہ تحفیظ القرآن الکریم، ناظرہ اور دینیات کی ذمہ داری جناب حافظ محمد انور صاحب انجام دیتے۔

سینکڑوں نظریاتی اختلافات کے باوجود اگر کوئی شخصیت علماء کے درمیان مقبول اور مسلّم نظر آئے اور ہر صاحب شعور اور شریف انسان ہر حالت میں اس کے احترام کو لازم ادب وتہذیب اور جزو اخلاق ومروت سمجھے تو یقین کیجئے کہ وہ شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں ہوتی، اس میں کچھ ایسے امتیازی اوصاف اور اعلیٰ صفات ضروری ہوں گے جو ہر انسان کو اخلاقی طور پر اس کے ادب واحترام پر مجبور اور اس سے دلی محبت اور قلبی تعلق پر آمادہ کرتے ہیں۔ خدا کی اس وسیع کائنات اور لاتعداد انسانوں میں ایسی معیاری شخصیات نہ جانے کتنی ہوں گی مگر حلقۂ دیوبند جن شخصیات کو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ان میں ایک شخصیت حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی بھی رہی ہے۔ جماعتِ علماء میں راسخ فی العلم، زمرۂ اساتذہ میں مخصوص صلاحیتوں کے حامل، طلباء میں علم وفضل کا کوہِ گراں، خطابت میں حکیمانہ اسلوب سے متعارف، اہل دانش میں بصیرت کے جوہر سے آراستہ، اربابِ نظر میں وسعتِ نظر سے مزین، اہل قلم میں اپنے انداز کی ایک البیلی شخصیت، سنجیدگی کا مرقع، متانت کا پیکر، ذہانت کا آئینہ، فراست کا سرمایہ، احتیاطِ کامل کی تفسیر، شرافت کی تصویر، لفظ لفظ علم وبصیرت کا ترجمان، جملہ جملہ حکمت وکلام کا دیوان، گفتگو میں آبشاروں کی روانی، بارانِ رحمت کا تسلسل، معلومات وسیع، دلائل ٹھوس اور کتاب وسنت سے سیراب، قوت استنباط مدہش، قوت استنتاج زرخیز، اصول کے پکّے، قول کے سچے، وقت کے پابند، معمولات پر کاربند، چھل فریب کی لغت سے ناواقف، مؤمنانہ سیرت وکردار کے مالک، سفر میں ہوں تو رفقاءِ سفر کے لئے دلچسپیوں کا سامان، حضر میں ہوں تو ماتحتوں کے لئے راحتِ جان، مسند درس پر ہوں تو طلباء کے لئے ابرنیسان، مجلس وعظ میں ہوں تو سننے والوں کے لئے سرمایۂ یقین وایمان، کسی بھی رخ سے دیکھئے ایک معیاری، مثالی اور قاعدے وضابطے کے انسان، ان کی زیارت دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے موہبت ربانی، اساتذہ وطلباء کے لئے باعث برکت، کارکنان کے لئے موجب رحمت، دارالعلوم وقف دیوبند کے اہتمام، دینی مدارس کی سرپرستی، عالم اسلام میں دین کی بے لوث ترجمانی، ملّی قیادت اور صالح افکار سے علماء کی رہنمائی قدرت کی جانب سے ان کے حصہ میں آئی۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

دارالعلوم وقف دیوبند کی عماراتِ جدیدہ کا سنگ بنیاد

تقریباً تیس سال قبل جب حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اور ان کے مخلص ساتھیوں پر

دارالعلوم دیوبند میں پرسکون اور باوقار تعلیمی و انتظامی خدمات کا دروازہ بند کردیا گیا تو حضرتؒ نے اپنے اکابر کے انداز میں دارالعلوم کے ان امتیازات وخصوصیات کو باقی رکھنے کے لئے جس سے دارالعلوم کی شہرت ہے دارالعلوم وقف دیوبند کے نام سے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کام شروع کیا تھا، قدم قدم پر مشکلات اور ہر ہر مرحلہ پر حوصلہ شکن واقعات کے باوجود یہ کارواں بدستور آگے بڑھتا رہا۔ چند سالوں کے مختصر عرصہ میں یہ بے برگ و بار پودہ اللہ کے فضل وکرم سے ایک شجر سایہ دار بن گیا اور جامع مسجد کی وسعتیں اس ادارہ کی ہمہ جہت رفعتوں کو سمیٹنے سے قاصر ہوگئیں، طلبہ کی رہائش گاہیں منتشر ہونے کی بناپر ذمہ دارانِ ادارہ اخلاق و تربیت کے وہ پہلو اجاگر نہیں کر پا رہے تھے جو کہ دینی درسگاہوں کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کے مسلسل کرفیو نے اپنی عمارت کی ضرورت کو اور زیادہ باور کروایا، چنانچہ اللہ کے فضل وکرم اور مخیّر حضرات کی مخلصانہ معاونت اور خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ وفخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کی شب وروز محنت سے ایک وسیع قطعۂ اراضی شہر سے باہر مدرسہ کے لئے خرید لی گئی۔

۲۴ر جون ۱۹۹۴ء بروز جمعہ فقیہ الامت حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ، حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند نے سینکڑوں علماء، طلبہ اور اپنے وقت کے صلحاء و مشائخ کی موجودگی میں اپنے دستِ مبارک سے عمارت کی پہلی اینٹ اس زمین پر رکھی، جس کا نام ہے ''دارالعلوم وقف دیوبند''

دارالعلوم وقف دیوبند اکابر کی نظر میں

☆ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا:

''آپ دارالعلوم وقف کو معمولی درسگاہ نہ سمجھئے۔ جس سطح پر ہندوستان و پاکستان کی عظیم درسگاہوں کا عالمی تعارف ہے دارالعلوم وقف بھی اب انہی بلندیوں میں پرواز کررہا ہے۔ میں غیر ملکی سفر سے آرہا ہوں، ہر جگہ میں نے دارالعلوم وقف دیوبند کا ذکر خیر سنا۔ میں دارالعلوم وقف کو ہی اصل دارالعلوم دیوبند باور کرتا ہوں۔ اصل چیز روایات ہیں، عمارات نہیں۔''

☆ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا:

''خدا تعالیٰ آپ کے مدرسہ کا فیض جاری و مستمر فرمائے۔ خدا تعالیٰ درس گاہ کو خصوصی مقبولیت عطا فرمائے، آپ کی درسگاہ دن دونی رات چوگنی ترقیات حاصل کرے، آپ جو دینی و تعلیمی کام کر رہے ہیں اس کی تفصیلات سن کر روح کو سکون ملتا ہے۔''

سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مدرسہ تعمیر کیجئے، مدرسہ کا فیض جاری ہو چکا ہے''

☆ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے فرمایا:

''اللہ دارالعلوم وقف کو بامِ عروج پر پہنچائے، اس کا علمی و دینی فیضان مستمر ہو، اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہ ہو، آسمانِ علم پر آفتاب کی طرح چمکے۔''

☆ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

''الحمدللہ! اللہ آپ کی کوششوں کو کامیاب فرمائے، اسے علم دین کا سب سے بڑا مرکز بنائے۔ آپ سب کو خلوص کی دولتِ بے کراں عنایت فرمائے۔''

ارکانِ عمل کمیٹی کا عماراتِ جدیدہ کی تکمیل میں قابل ستائش کردار

دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے خرید کردہ زمین پر تعمیر کا سلسلہ ارکانِ عمل کمیٹی کی نگرانی میں دارالاقامہ سے شروع ہوا۔ جس کے روح رواں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی (مہتمم و استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند) ومولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم وقف دیوبند) تھے۔ دارالاقامہ کی تعمیر جوں جوں آگے بڑھتی رہی شہر سے کرائے کے مکانات سے طلبہ کو دارالاقامہ میں منتقل کیا جاتا رہا۔ درس گاہوں کے لئے عارضی طور پر ٹین کے شیڈ کا نظم کیا گیا، گرمی کی شدت میں جب یہ ٹین شیڈ گرم ہو جاتا تو طلبہ واساتذہ پسینے میں شرابور ہو جاتے۔ اسی حالت میں ایک عرصہ تک تعلیم جاری رہی، اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی کہا جا سکتا ہے کہ گرمی کی شدت کے باوجود نہ کوئی بیمار پڑا اور نہ تعلیمی سلسلہ کے انقطاع کی نوبت آئی۔ جب دارالحدیث اور درسگاہوں کی باضابطہ تعمیر ہوگئی تو طلبہ واساتذہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تعمیرات کی تکمیل میں مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی اور مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے بڑی جگر سوزی، محنت اور ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ وسائل کی قلت کی بنا پر بہت سے کٹھن مرحلے ایسے بھی آئے کہ تعمیری کام موقوف ہوتا رہا مگر ان حضرات نے ہمت نہیں ہاری اور پوری لگن کے

ساتھ تعمیری سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور آج بھی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کی قیادت میں ادارہ ترقی اور نیک نامی کے مدارج طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، جہاں ایک جانب تعمیری مرحلہ مکمل کیا وہیں دارالعلوم وقف دیوبند علمی و تحقیقی دنیا میں بھی اپنی نمایاں خدمات پیش کررہا ہے اور حضرات اکابرین کی دعاؤں اور حضرت مہتمم صاحب کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں طلبہ و اساتذہ اور عملۂ دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے یکسوئی اور اطمینان کی فضا میسر ہورہی ہے۔ **فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء.**

ملکی وغیر ملکی طلبائے فارغین دارالعلوم وقف دیوبند (۱۴۰۲ھ تا ۱۴۳۴ھ)

۱۴۰۲ھ......۳۳	۱۴۰۳ھ......۴۸	۱۴۰۴ھ......۷۹	۱۴۰۵ھ......۱۱۴	۱۴۰۶ھ......۱۴۶
۱۴۰۷ھ......۱۸۹	۱۴۰۸ھ......۱۷۵	۱۴۰۹ھ......۱۹۷	۱۴۱۰ھ......۲۵۴	۱۴۱۱ھ......۱۹۸
۱۴۱۲ھ......۲۱۳	۱۴۱۳ھ......۲۶۲	۱۴۱۴ھ......۲۸۶	۱۴۱۵ھ......۳۲۹	۱۴۱۶ھ......۲۷۴
۱۴۱۷ھ......۳۳۲	۱۴۱۸ھ......۳۲۷	۱۴۱۹ھ......۳۴۴	۱۴۲۰ھ......۳۶۲	۱۴۲۱ھ......۳۷۴
۱۴۲۲ھ......۲۱۲	۱۴۲۳ھ......۳۷۴	۱۴۲۴ھ......۳۶۱	۱۴۲۵ھ......۴۰۱	۱۴۲۶ھ......۳۹۷
۱۴۲۷ھ......۴۱۹	۱۴۲۸ھ......۴۷۶	۱۴۲۹ھ......۴۵۱	۱۴۳۰ھ......۴۸۵	۱۴۳۱ھ......۵۹۴
۱۴۳۲ھ......۲۰۶	۱۴۳۳ھ......۸۳۳	۱۴۳۴ھ......۷۴۹	کل تعداد ۱۰۴۹۴	

یہ سال بہ سال دورۂ حدیث شریف کے فارغین کی تعداد ہے۔ جب کہ تکمیل ادب، افتاء، خوشخطی، حفظ، دینیات، تجوید وغیرہ شعبوں سے فارغ طلبہ کی تعداد اس سے الگ ہے۔ (۳۴)

............❖............

اخلاق، عادات، صفات

سراپا

قدنخل ثمر دار، نہ کوتاہ نہ دراز، احسنِ تقویم کا طغرۂ حسین، چہرہ علم وحکمت کی کتاب، آنکھیں فضل وکمال کی محراب، پیشانی چاند کی طرح روشن، نشانِ سجدہ شقِّ قمر کا نمونہ، بھنویں شرافت وکرامت کا آئینہ، رخسار گلِ پُر بہار، بنی شرافت کی آئینہ دار، سرخوبصورت گولائی لئے ہوئے اوراس پر چوڑی باڑ کی دوپلّی ٹوپی بزرگانہ روایتوں کی نقیب، داڑھی مشرع سنتِ رسول کا اعلان کرتی ہوئی، کاندھے انکساری، خاکساری اور ذمہ داری کا نقشِ جمیل، ہتھیلیاں ریشم سے زیادہ نرم، ہمہ وقت بیگانہ وخویش کی اعانت میں سرگرم، دل صحیفۂ ابرار، دماغ ذہانتوں کا محرم اسرار، چال ڈھال وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا کی تفسیر، گفتار میں گہرائی، مزاج میں صفائی، طبیعت میں سچائی، فطرت میں رہنمائی، مجموعی ہیئت میں رعب دبدبہ، عظمت ووقار، سنجیدگی اور ایک اعلیٰ معیار، جلالِ علم کے ساتھ جمالِ حلم، لطافت کے ساتھ نظافت، شجاعت کے ساتھ شرافت اور کرامت۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ سرو قد، آتش بہ رخسار، نفیس پوشاک میں ملبوس دارالعلوم کے دفتر اہتمام کے زینے پر لپک کر چڑھ رہے ہیں، آہستہ خرام بلکہ محوِخرام کا انداز رفتار تو کبھی نہیں دیکھنے میں آیا بلکہ ایک بھرپور نوجوان کی تصویر بنے ہوئے تقریباً دوڑ کر چلنے کے عادی تھے، سر پر ریشم سے زیادہ نرم بال، سیاہ گھنی داڑھی، سفید چہرہ پر گویا کہ چاند کے اردگرد ہالہ، معصومیت کا پیکر، لطیف المزاج، اس قدر نفیس کہ انشاء کے اس شعر کے واقعی مصداق ۔

نزاکت اس گلِ رعناء کی دیکھو انشاء
نسیمِ صبح جو چھوجائے رنگ ہو میلا''

حضرت مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلامؒ کی گفتار، رفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں ایک نفاست جھلکتی تھی، گفتگو کرنے میں نہ آواز بہت بلند ہوتی تھی اور نہ اتنی پست کہ سنائی نہ دے، نہایت شیریں لب ولہجہ میں ایک ایک لفظ علیحدہ علیحدہ موتیوں کی طرح جگمگاتے الفاظ معلوم ہوتے تھے، آواز کا زیرو بم بھی بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا، قد بہت موزوں تھا نہ بہت لمبا تھا اور نہ پست، جسم نہ موٹا اور بھدا اور نہ اتنا دبلا پتلا بلکہ موزوں اور متناسب جسم تھا، لباس عالمانہ اور باوقار ہوتا تھا، دوپلی ٹوپی ذرا اونچی باڑ کی جوان کی اٹھی ہوئی پیشانی پر بہت زیب دیتی تھی، نشست میں تواضع جھلکتی تھی''۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ چہرہ انسان کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے، حضرت حکیم الاسلامؒ کا چہرہ معصوم بھی تھا اور پرنور بھی، خدوخال باوقار، لب ولہجہ سبک جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، چہرے کی طرح ان کا دل بھی ایسا معصوم تھا''

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

هَيِّنُوْنَ لَيِنُوْنَ أيسارٌ ذُوو كَرَمٍ سُوَّاسُ مَكْرُمَةٍ أبناءُ أيسارِ

''خندہ جبیں وشگفتہ، نرم گفتگو اور نرم خو، حلیم وبردبار، متواضع ومنکسر المزاج پھر ظاہری حسن وجاہت بھی ایسی کہ ہزاروں میں ایک نظر آتے تھے''

حضرت مولانا شاہین جمالی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ لکھتے ہیں:

''گداز دودھیا بدن حسنِ یوسفؑ کی طرح جلوہ فگن، متوسط قد وقامت جسمانی وروحانی ودانش کی دو گہری جھیلیں آنکھوں کے حلقوں پر سیاہ سفید بھوؤں کی کمان، تیرگی شام میں نمودِ سحر کا اعلان، چوڑی تابناک پیشانی خدا کے حضور سربسجود رہنے کی نشانی، روشن چہرہ بدر وہلال نہیں آفتاب وماہتاب، چہرے کے دائرے پر مشرع سفید داڑھی آئینۂ جمال پر بزرگانہ جلال کی میناکاری، سر پر عالمانہ ہیئت کے کٹے ہوئے سفید بال اور اس پر اونچی دیوار کی دوپلی طیب کیپ گویا:

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامْ:

بدن پر موسم کے مطابق سرد وگرم فسٹ کلر کی شیروانی، نزاکت ونفاست کی کہانی، بیش قیمت کپڑے کا لمبا کرتہ اور گول موری کا پاجامہ، تراش وخراش اور لباس میں بزرگی کا خبرنامہ، اس قلمی خاکے کی عظیم شخصیت کو دیوبند کے عوام وخواص مہتمم صاحب اور باہر کی دنیا میں لوگ ''حکیم الاسلام'' کے بلند لقب سے پکارتے تھے''۔

معصومیت

معصومیت کا لفظ حکیم الاسلامؒ کے خدوخال، چال وڈھال، سیرت واحوال اور اخلاق واعمال سبھی پر یکساں طور پر صادق آتا ہے۔ جن حضرات کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ جسم وجاں کا ایک گلشن صد رنگ اور قلب وروح کی ایک نفیس ولطیف فردوس بریں، ہزاروں دلوں کی طمانیت اور بے چین روحوں کی تسکین کا سامان لئے ہوئے معصومیت کے پیکر میں جلوہ گر تھے۔

اس قدر سادہ و پرکار کہیں دیکھا ہے؟
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے؟

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب ان کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں صاحب نے ان سے آ کر غلط بیانی کی ہے تو فرماتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ کوئی مسلمان جھوٹ بھی بول سکتا ہے، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے قلم سے کسی کو الگ نہیں کیا، کیا شائستگی، شرافت، نرم روی اور سب سے بڑھ کر خداترسی جیسے ان کے مزاج کا حصہ بن گئی تھی، وہ دوسروں کی تکلیف سے دکھی تو ہوتے تھے مگر خود کبھی دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔'' (۳۵)

نفاست

نفاست کسی ایک چیز میں نہیں جسم و جاں، عقیدہ و ایمان، قلب ووجدان، اعمال و احوال، لباس و پوشاک، سفر وحضر، خلوت وجلوت، تحریر وتقریر، گفتگو ومجلس، معاملات، معمولات، معاشرت وسلوک، ذکر وفکر، احساس وجذبات سب میں رچی بسی۔ ع

نزاکت اس کے مکھڑے کی دیکھو انشاء
نسیم صبح بھی چھو جائے تو رنگ ہو میلا

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ نہایت نفیس الطبع انسان تھے، ان کی طبعی نفاست جو لباس میں، گفتگو میں، نشست وبرخاست میں ہر چیز میں جھلکتی تھی اس کی وجہ سے بچپن سے ہی حضرت حکیم الاسلامؒ کے ساتھ بڑی انسیت محسوس ہوتی تھی اور وہی انسیت شعور کے بعد نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق میں بدل گئی، حقیقت یہ ہے کہ میں دیوبند کے بزرگوں کے بارے میں جو تصور کرتا تھا حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

مجھے اس کی تصویر نظر آتے تھے، حلم، بردباری اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے چھوٹوں کی دلداری، وہ کوئی بات ایسی نہ کرتے تھے نہ کہتے تھے جس سے کسی کی دل شکنی ہوتی ہو۔''

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مولانا انظر شاہ صاحبؒ رقمطراز ہیں کہ:

''نفاست ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر گئی تھی، خود نفیس، پوشاک نفیس، گفتگو نفیس، وعظ نفیس، تحریر نفیس، گویا کہ سراپا نفاست، کھانے میں پسندیدہ امر یہ تھا کہ دسترخوان لگا دیا جائے، انہیں جو چیز پسند ہوگی خود ہی اٹھالیں گے، اگر میزبان زبردستی کھلانا چاہتا ہے تو قدرے ترش ہو کر فرماتے کہ بھائی کھانے کا تعلق رغبت سے ہے ترغیب سے نہیں۔

ایک دعوت میں مولانا فخر الحسن صاحب مرحوم بار بار رائتہ اٹھا کر پیش کرتے اور کہتے کہ: ''رائتہ، فرمایا کہ جی ہاں رأیتہٗ، غالباً رائتہ مرغوب نہ تھا۔'' (۳۶)

لقب حکیم الاسلامؒ کی معنویت

لفظ حکیم الاسلامؒ نے کھینچ تان کے ناروا سلوک سے نیم دم ہو کر امام غزالیؒ کے بعد اگر کسی موزوں شخصیت کے نام کے سابقہ نے دم لیا یقین کیجئے کہ وہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ ہی تھے۔ اس پر بھی حاسدین نے یہ احمقانہ اعتراض جڑ دیا کہ کیا اسلام بیمار ہے کہ ''حکیم الاسلام'' ٹھہرے، یا للاسف مدت العمر پڑھتے پڑھاتے گزری، کیا اتنا ہی پڑھا اور پڑھایا کہ حکیم کے معنی بقول حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ ''حکیم گل بنفشہ نویس ومصروف ھوالشافی'' ہی سمجھا کئے۔ اس کے کوئی اور معنی ہی نہیں، بایں عقل و دانش بباید گریخت۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین عظام کے حالات میں ایک جملہ تواتر کے ساتھ نقل ہوتا آیا ہے، **کان محسودا بین الناس** بس حکیم الاسلامؒ اپنے عہد میں اسی کا مصداق تھے اور سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ جملہ سیاق مدح میں بیان ہوا ہے، جس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ وہ صاحب کمال اور اپنی علمی عظمتوں کی بنا پر مشہور بین العوام والخواص تھے اور یہی وہ چیز ہے جو حریفوں کے لئے وجہ حسد بنی ہے۔

اعتراض کرنے والے اپنے زعم میں نہ جانے کیا کیا تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ حاسدین کے سوا کچھ بھی نہ تھے، جو حکیم الاسلامؒ کے پورے عہد زریں میں ہزار نوازشوں کے باوجود وہی کاروبار کرتے رہے جس کا حاصل جمع حسد۔

خانگی زندگی

حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی نواسی محترمہ شہناز غازی صاحبہ کی یہ تحریر حضرت حکیم الاسلامؒ کی خانگی زندگی، اخلاق و عادات اور شخصیت کے بعض گوشوں کو اجاگر کرتی ہے:

''صبح آنکھ کھلتی تو امی جان (ہماری نانی محترمہ) نماز کے تخت پر فجر کی نماز کے بعد مناجات مقبول بڑے عمدہ لحن سے پڑھتی ہوئی ہوتی تھیں، ابا جی قبلہؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے اسلیئے وہ علی الصبح مدرسہ جاتے ہوئے نظر آتے، چھوٹے ماموں صاحبان طالب علم تھے، مدرسہ کا گھنٹہ ہوتا اور وہ بھی روانہ ہو جاتے، سب سے بڑے ماموں محترم مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ کا شمار مدرسے کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔

ابا جیؒ کا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ مغرب کے بعد عشاء تک کشادہ اور وسیع صحن میں ٹہلتے ہوئے کلام پاک پڑھتے تھے، روزانہ ایک پارہ، ہم سارے بچے ان کے ساتھ ساتھ اس چہل قدمی میں شامل رہتے، کبھی ریس لگتی کبھی یونہی دوڑتے رہتے، ابا جی تیز قدموں سے ٹہلتے تھے، ان سے کچھ پوچھتے تو جواب نہ ملتا، ایک بار میں نے معلوم کیا کہ آپ صحن میں ٹہلتے ہوئے ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتے، ان کے جواب نے مجھے حیران بھی کیا اور والدین کی محبت کا شدید احساس بھی دیا، فرمایا میرے والد صاحب قبلہؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ سارے علوم جو تم نے حاصل کئے ہیں وہ تمہارے ہیں مگر قرآن کریم جو حفظ کروایا ہے وہ میرے لئے ہے، اس کے ذریعہ تم مجھے یاد رکھنا، لہٰذا والد کے انتقال کے بعد میرا معمول ہے کہ مغرب سے عشاء کے درمیان ٹہلتا ہوں اور ایک پارہ روز پڑھتا ہوں اور اب اماں جی (ان کی والدہ) کی رحلت کے بعد ان کو بھی شامل کر لیا ہے، دونوں کو بخشتا ہوں، نئی نسل کے لئے ایک نصیحت اور اولاد کا بہترین عمل، یہ وہ تربیت ہے جو ہمارے علماء اپنی نئی نسل کے ذریعہ ہر بچے کو دیتے رہے ہیں یہ وہ اعمال صالحہ ہیں جو انسان کو اس کے کردار، علم، عمل، فرائض اور حقوق کی دینی آگہی دیتے ہیں، جو ایک صالح معاشرے کی اساس ہوتی ہے۔

کہتے ہیں تعلیم بغیر تربیت کے اپنے جوہر نہیں کھولتی، ہمارے علمائے کرام نے ہر دور میں اس تربیت کے لئے خود کو وقف رکھا اور ایسے نقش قدم چھوڑے جو انسان کو معراج کا مفہوم سمجھاتے ہیں، عروج کی منزل دکھاتے ہیں۔

ابا جیؒ کو اپنی والدہ سے غیر معمولی تعلق اور انس تھا، یہ وہ مائیں تھیں جنھوں نے اکثر اصولوں پر ممتا کو قربان کیا اور ایسے کردار اس دنیا کو دیئے جنھوں نے رہبری اور راہ نمائی کے لئے اصول وضع کئے، ابا جیؒ اور ان کی والدہ ایسی ہی اولاد اور ماں رہے۔

ایک باران کی والدہ (جو سارے خاندان کی ''اماں جی'' تھیں) ان سے کسی بات پر خفا ہوگئیں، ابا جیؒ کو احساس ہوگیا کہ ماں کا دل رنجیدہ ہے، ایک صبح وہ مدرسہ سے لوٹے حسب عادت سیدھے اماں بی کے کمرے میں پہنچے اور پلنگ کی پٹی کے نیچے زمین پر بیٹھ کران کے دونوں پیر پکڑ لئے اور سر جھکا لیا، ماں نے بیٹے کی معذرت اوران کا عمل دیکھا اور خفگی سے منھ دوسری طرف پھیر لیا، ابا جی نے خفگی کی شدت کو بھی محسوس کیا اوران کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا، بیٹے کی آنکھیں اشکبار تھیں، ماں کے قدموں میں ان کی جنت تھی وہ ان ہی قدموں میں بیٹھے تھے، یہ واقعہ والدہ مرحومہ کا چشم دید ہے جوانھوں نے ہمیں سنایا، اس وقت ابا جیؒ خود ناتی پوتوں والے تھے، کسی بزرگ خاتون نے کہا ''بس معاف کردو'' کچھ دیر بعد ماں کی ناراضگی دور ہوئی تو ابا جی کے چہرے پر طمانیت قلب کا گہرا اثر تھا، یہ بھی ہمارے بزرگوں کا ناصحانہ عمل تھا اپنے چھوٹوں کے لئے کیوں کہ ہر اصلاحی کام اپنے گھر سے شروع ہوتا ہے۔

ابا جیؒ بیحد نرم مزاج تھے، ان کو ڈانٹنا آتا ہی نہیں تھا، قیام دیوبند میں ہم کھیل کود کے ساتھ شرارتیں بھی کرتے تھے، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ابا جی نے ہمیں سرزنش کی ہو یا شرارتوں سے روکا ہو، بلکہ اکثر وہ ہمارے ساتھ کھیل میں شامل ہوجاتے تھے، ایک کرسی پر بیٹھ جاتے ایک گیند ان کے پاس ہوتی، ہم سارے بچے دوڑ دوڑ کران کی پھینکی گیند کو اٹھاتے اور جا کر دیتے جیسے ہی بچہ بھاگتا وہ اس گیند کو اس کی پیٹھ پر مارتے، اب بچوں کو اس گیند سے خود کو بچانا بھی ہوتا اور دوبارہ گیند حاصل کرنا بھی، یہ واقعہ امریکہ میں مقیم میری خالہ زاد بہن اور ابا جیؒ کی نواسی (ان کی سب سے بڑی بیٹی محترمہ فاطمہ رشید فریدی مرحومہ) سلمٰی ریاض نے سنایا، دوسرا واقعہ یہ سنایا کہ ابا جیؒ کے مکان ''طیب منزل'' میں صحن میں آمنے سامنے پہلی منزل پر دو یکساں انداز کے کمرے ہیں جو بنگلے کہلاتے ہیں ان میں سے ایک حصہ ابا جیؒ کی اسٹڈی کے لئے مخصوص تھا، تصنیفی کام وہیں بیٹھ کر کرتے تھے، اس میں اندر کی طرف ایک کوٹھری تھی، اس سے ملحق غسل خانہ تھا، کوٹھری میں دو صندوق تھے، سارے بچے متجسس کہ ان میں کیا ہے، طے یہ ہوا کہ جب ابا جی مدرسے چلے جائیں گے تب اوپر جا کر صندوق کا جائزہ لیا جائے گا، حسب پروگرام کوٹھری میں پہنچ کر صندوق کھولے گئے، سب بچوں کے سر اور ہاتھ صندوق کے اندر تھے، اس میں رکھی چیزوں کا جائزہ لیا جارہا تھا، ٹارچ، قلم، پینسلیں، دواتیں وغیرہ تھیں، ان چیزوں کو دیکھنے میں سب بچے مشغول ومستغرق تھے۔ بے خبری کا یہ عالم کہ باہر ہونے والی آہٹ پر دھیان نہیں دیا، جب قدموں کی چاپ بالکل پشت پر سنائی دی تو دو ایک نے سر صندوق سے باہر نکالا ابا جی ان کے سامنے کھڑے تھے اور بغور دیکھ رہے تھے، آہستہ آہستہ سب کے سر باہر نکلے، سکتہ کی سی

کیفیت میں خوف زدہ سے بچے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے، اچانک اباجیؒ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور یہ کہتے ہوئے واپسی کے لئے مڑ گئے ''نامعقول کہیں کے۔''

گرمیوں میں آم کے موسم میں وہ بچوں کے ساتھ صحن میں بیٹھ کر آم کھاتے اور اسی دوران کسی بھی بچے کی طرف آم کی پچکاری چھوڑتے، بس پھر کیا تھا سارے بچے ایک دوسرے پر آم کے رس کی یہ میٹھی پچکاریاں چھوڑتے، لیکن کسی بچے میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان پر یہ رس بھری پھوار چھوڑتا، مگر وہ بچوں کو کھیل میں لگا کر خوب محظوظ ہوتے تھے، کشادہ صحن میں پہلے آم اور پھر پانی سے کھیل ہوتا جس میں بچوں کے ساتھ بڑے بھی شامل ہو جاتے، گرمیوں کی چھٹیوں میں اباجی کی بیٹیاں اور نواسے نواسیاں آئے ہوئے ہوتے تو وہ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر شام کو یا رات کو ہمارے ساتھ وقت گزارنا ضروری سمجھتے تھے، ہمیں بیٹھا کر باتیں کرتے، ہمارے دینی معلومات کے لئے کئے سوالات کے جواب دیتے، اپنے سفر کے بعض دلچسپ واقعات سناتے، کس موضوع پر ان کا وعظ تھا وہ بھی بتاتے، پھر ہم سے نعتیں، غزلیں، نظمیں سنتے درمیان میں ادبی لطائف بھی سنائے جاتے اور ہماری آپس میں شوخیاں چھیڑ چھاڑ بھی جاری رہتی، اباجی دیکھتے اور مسکراتے رہتے، گرمیوں کی چھٹیوں میں اباجی کی شفقتیں بچوں کے لئے ان کی مجلسیں نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بہترین زمانہ ہوتا تھا۔

قبلہ اباجیؒ اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ کتنے مشفقانہ اور دوستانہ انداز سے رہتے تھے۔ ذیل میں ''مالشِ سر کی داستان اور میاں سفیان'' کے عنوان سے ۶۳ر اشعار پر مشتمل حضرتؒ کی طویل نظم ملاحظہ فرمایئے، جو حضرتؒ نے اپنے قلم مبارک سے ڈائری پر تحریر فرمائے اور رحلت سے تین گھنٹے پہلے یہ بیاض جس میں دیگر موضوعات پر بھی حضرتؒ کا منظوم کلام ہے اور نہایت خوش خط انداز سے تحریر فرمودہ ہے میرے ماموں زاد بھائی عزیزم محمد سفیان قاسمی کے حوالے فرمائی:

خوشا وہ وقت کہ میرٹھ کا تھا سفر درپیش	اسی مہم میں تھے مصروف سب یگانۂ وخویش
سفر کے سارے حوائج تھے منتشر گھر میں	اسی کا نظم بنانے میں سب تھے گردوپیش
یکا یک حضرت سفیان کو خدمتوں کی لگی	کہ جس سے راحت وآرام پائے یہ درویش
کھڑے ہوئے کہ کریں سر پہ تیل کی مالش	کہ نیند آئے سہانی جو ہے دماغ کا عیش
یہ جانتے ہوئے کم رہ گیا ہے ریل میں وقت	خموش ہوگئے ہم بھی کہ نہ ہوں دل ریش
جھکا دیا سرِ تسلیم سامنے ان کے	کہ سر پہ جو بھی کریں مشق حسب خاطر خویش

کھٹک ضرور تھی لیکن یہی مقدر تھا
کہ بات اونچی ہو ان کی اور آئے از بس پیش

اٹھے بجوشِ عقیدت، بجذبۂ خدمت
بخامِ کارئ طفلی بعقل نا اندیش

اٹھائی تیل کی بوتل نظر تھی دوسری سمت
رخِ نگاہ بہ پشت و دہاں شیشہ بہ پیش

تو کج رخی سے یہ بوتل اونڈیل دی ساری
بجائے مالشِ سر، غسل سر ہوا در پیش

وہ سارے تیل کا دریا نکل کے بوتل سے
بہا جو سر پہ تو بوتل میں کچھ نہ تھا کم و بیش

امنڈ کے سر سے جو سیلاب تیل کا آیا
نہا گئے سر وگردن ، بہ سینہ تا دل ریش

لباس تیل کی تھا نہر، تن تھا تیل کا حوض
اور اس میں تیر رہا تھا یہ جثۂ دوں کیش

نہ ایک سر ہی رہا تیل کے تموج میں
شریک اس میں تھی آنکھیں بھی باغم درپیش

تھی ایک دھار تو کانوں میں ،ایک آنکھوں میں
کہ اشکبار تھیں آنکھیں تو کان کلفت کیش

تھی سر سے تیل کی بارش اور آنکھ میں دریا
کہاں کی نیند؟ سر پے ہی بہہ گیا سب عیش

لگیں جو آنکھ میں مرچیں تو ہم اس صدمہ سے
کھڑے ہوئے وہیں بے چین ہوئے باغم خویش

کلن تھی سر میں جو بڑھتی ہی جاتی تھی دم دم
جلن تھی آنکھ کی لمحہ بلمحہ بیش از بیش

اب ان کے ہاتھ میں تھا سر ہمارا عقل سمیت
رہے وہ مالک سر اور ہم نرے درویش

سفر تو کیا وہ حضر بھی ہوا سقر صورت
کہ تن بدن میں ہمارے سما گیا غم و طیش

بپا تھا سر میں یہ طوفاں عجب تلاطم تھا
تھا بھاگ دوڑ میں گھر کا ہر اک یگانۂ وخویش

رہی کسی کو نہ سر کی خبر نہ پاؤں کی
کہ اضطراب کے پیکر تھے سب محبت کیش

ہر اک زباں پہ تھا لاؤ پانی اور صابن
معالجے میں تھے مصروف سارے خیر اندیش

ادھر تو ریل کا وقت اور اُدھر یہ درد سری
عجب ضیق تھی جس سے تھے سب مصیبت کیش

اُدھر تو حضرت سفیان پہ برہمی سب کی
کہ تم بلید ہو احمق ہو اور نااندیش

یہ ٹک ہی کیا تھی کہ مالش ہو ایسی ساعت میں
کہ ریل کی بھی آمد ہو اس گھڑی درپیش

یہ عین ریل کا وقت اور مالشِ سروپا؟
یہ کیسے سمجھیں کہ تم کچھ بھی ہو مآل اندیش

تمھیں نے آج یہ ڈالا ہے ضیق میں سب کو
تمھیں ہو جس نے ملایا ہے نوش میں یہ نیش

نہ تھی تمہاری یہ حرکت بہ معنیٔ خدمت
عجب ہے کیا کوئی کہہ دے کہ تم ہو بداندیش

کہا کسی نے تم ہی ہو سید الحمقاء
نہ ہوشمند ہو تم اور نہ عاقبت اندیش

کہا کسی نے کہ تم لائقِ ملامت ہو
ہو احمقوں کی حماقت کا گویا تم پردیش

غرض یہ خدمتِ مالش ہی بن گئی جھگڑا
کہ طعن اور ملامت ہی جس کے تھے پس وپیش

ملامتوں کی تھی بوچھار سر پہ سفیان کے
ندامتوں سے تھے سفیان سرخم ودل ریش

کھڑے تھے حضرت سفیان چور کی مانند
نظر نہ آتا تھا مخلص کہیں بھی گرد و پیش

بڑھی جب حد سے ملامت تو بڑھ گیا جھگڑا
بڑھا جو جوش تو یہ جوش بن گیا اک جیش

بالآخر ہم پہ ہی آکر کے فیصلہ ٹھہرا
کہ کون ان میں ہے دانا، ہے کون نااندیش؟

ملامتیں ہیں صحیح یا ندامتیں برحق
یہ خجلت ایک کی سچی ہے یا سبھوں کا یہ طیش

ہوا ہماری طرف سے یہ فیصلہ آخر
نہ جھول جس میں ذرا تھا نہ تھا وہ کچھ کم وبیش

کہ یہ نہیں کوئی جھگڑا دلی خصومت کا
نہ یہ ہے آتش جنات کا توہم و طیش

کھلی ہوئی ہے محبت ہر ایک کے دل میں
نہیں ہے رنج وعداوت کے زہر کا کوئی نیش

نہ ان میں کوئی ہے مفسد، نہ کوئی جھگڑالو
نہ ان کی جیب میں تھا اضطراب کا کوئی کیش

حمیت ایک طرف ہے، محبت ایک طرف
اسی کا سارا یہ جھگڑا تھا آگیا در پیش

مگر محبت طبعی ہے اندھی اور بہری
کہ اس میں ہوتی نہیں عقل تام پیش از پیش

نہ کچھ محل ملامت ہیں حضرتِ سفیان
نہ ملزم اس میں ملامت کنندگان کا جیش

نہ بدنیت ہیں یہ طاعن نہ بدنیت مطعون
وہ سادگی میں یہ بچپن میں کیا ہوں دوراندیش

وہ غرق بحر محبت، یہ بچپنے میں مگن
نہ یہ گناہ نہ وہ دونوں ہیں صحیح اُپدیش

سوال یہ ہے کہ جھگڑا بنا یہ کیوں آخر؟
نزاع کس کی حماقت سے آگیا درپیش

حماقتوں کی جو تنقیح ہو توحق یہ ہے
کہ ان میں کوئی بھی احمق نہیں نہ بداندیش

نہ اہل خانہ ہیں احمق نہ ہیں میاں سفیان
ہم ہی تھے احمق وناداں، ہم ہی تھے نااندیش

ہم ہی نے خیر سے بچوں کی بات میں آکر
اس اضطراب سے کتنوں کو کردیا دل ریش

حماقت اس کی جو بچوں کے ہاتھ میں کھیلے
خصوص جب کہ ہو بوڑھا بھی اور دوراندیش

اگرچہ منشاء دل پہلے ہوچکا تھا عیاں
خموشی بعد کی دلداریوں کا تھا سندیش

قرین عقل ہی منشا کی پاس داری تھی
نہیں ہوئی تو یہ جھگڑا ہی آنا تھا درپیش

بسا کہ بوڑھوں کے منشا سے ہٹ کے بچوں کو
اٹھانی پڑتی ہے بوڑھوں سمیت کلفت عیش

سبق ہے اس میں نصیحت کا نوجوانوں کو
کہ خودسری سے نہ بوڑھوں کے ہوں مقابل پیش
اگر ہو تجربہ کاروں کا سامنے منشاء
تو خود سری نہ دکھائیں بخام عقلیٔ خویش
ہے سمع وطاعتِ پیراں ہی میں صلاح وفلاح
نہ خودسری میں نہ ضد میں جو ہومرضیٔ خویش
دعا ہے سب کے لیے اور خصوص سفیان کے
نہ ہوں کبھی بھی یہ دل تنگ اور نہ ہوں دلریش
الٰہی اپنے مکارم سے میرے سفیان کو
بعافیت بہدایت ہمیشہ رکھ خوش عیش
تری اطاعتِ مطلق سے سرفراز رہے
تری غلامی سے سرتاجِ سروراں ہو ہمیش
تری رضا ہی میں اس کی ہوں مرضیات فانی
ہو بامراد مرادوں میں حسب مرضیٔ خویش
ترے کرم سے بزرگوں کا جانشین بنے
نبوتوں کی وراثت ہو اس کے دل کا کیش

محمد طیب
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۳۹۴ھ

ہم نے پہلی بار مولانا الطاف حسین حالؔی کی طویل نظم ''مدوجزر اسلام'' مسدس حالؔی ان ہی سے سنی، وہ ایک خاص لحن میں پڑھتے تھے، انداز ایسا دل پذیر ہوتا کہ سارے بچے ذوق وشوق سے سنتے اور پھر سارے وقت اسے گنگناتے رہتے، مولانا حالؔی نے مسدس حالؔی میں مسلمانوں کے عروج وزوال کا احوال بڑے اثر انگیز انداز سے بیان کیا ہے، اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں
تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں

زوال شدہ قوم کا مرض اس کی جہالت، بے علمی، رسومات قبیحہ میں مبتلا ہونا تھا، دین کی اصلی تعلیم سے بے خبری نے اور بری حالت کر رکھی تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان معاشی، معاشرتی اور علمی لحاظ سے کسمپرسی کے عالم میں تھے نہ داد تھی نہ فریاد۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی غرض سے ہوا تھا کہ مسلمانوں کو اس حالت سے باہر نکالا جائے اور علم وعمل کے ذریعہ عروج کا راستہ دکھایا جائے، ابا جیؒ کے دادا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے یہ ادارہ قائم کیا، ظاہر ہے مقصد زندگی ابا جیؒ کو اپنے بزرگوں سے ملا تھا، اس کی ترویج و

توسیع کے لئے ابا جیؒ ہمہ وقت مصروف رہتے۔

ابا جیؒ کا دستر خوان وسیع تھا اور گھر کا آنگن وسیع تر تمام رشتے داروں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا، ہم نے بچپن میں ایسی کتنی ہی خواتین کو اس گھر میں گھر والوں ہی کی طرح رہتے دیکھا، اگر کسی لحاظ سے کمزور ہیں تو قیام کا وقفہ بڑھتا رہتا، چار پانچ مہینے رہ کر واپسی کا ارادہ کرتیں تو امی جان (نانی صاحبہ) بہ اصرار روک لیتیں بلکہ اکثر تو ان کی ڈولی (سواری) کو آدھے راستے سے واپس بلوالیا جاتا، ابا جی اور امی جان کا گھر بھرا رہتا ان کے ساتھ عزت وقار اور محبت و تعلق کا اس طرح اظہار کیا جاتا جیسے اور خواتین کا اکرام ہوتا تھا، ابا جی اور امی جان کسی بھی لمحے یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ کسی پریشانی میں اس گھر میں مقیم ہیں، اس سلسلے میں امی جان اور ان کی بہویں (اہلیہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ و اہلیہ مولانا محمد اسلم قاسمیؒ) کا انداز بھی اپنے بزرگوں جیسا ہی رہا، ہر آنے والے کے لئے دل و نگاہ فرش راہ، ابا جی کے مکان (طیب منزل) کا مردانہ حصہ کہلاتا تھا، اس میں بھی درمیان میں صحن اور تین طرف برآمدے اور کمرے بنے ہوئے ہیں، ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں ابا جی کی شام کی مجلس ہوتی تھی، جس میں عموماً اساتذہ، طلباء اور احباب آکر بیٹھتے تھے، یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت ہوتا تھا وہاں کے دلچسپ واقعات ابا جی ہمیں سناتے تھے، باقی کمروں میں اسی طرح لوگ رہتے تھے، جیسے اندر زنان خانے میں خواتین تھیں۔ کچھ کمروں میں طلباء بھی رہتے، ان سب کے لئے صبح ناشتے سے لے کررات کے کھانے تک کا انتظام گھر سے ہوتا تھا۔

ابا جی کی زندگی میں ہم نے نظم و ضبط دیکھا، وقت کی قدر دیکھی، اور وہی چیز ہم نے اپنی والدہ میں دیکھی، ابا جی فجر کی نماز کے بعد اپنی اسٹڈی (بنگلے) میں پہنچ جاتے اور دو ڈھائی گھنٹے وہاں تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے، پھر مدرسے کے لئے روانہ ہوتے، دفتر اہتمام ان کا منتظر رہتا، ان کے دور اہتمام میں مدرسے نے غیر معمولی ترقی کی علمی اعتبار سے اساتذہ کا علمی شغف عروج پر تھا اور طلباء کا شوق حصول علم بے مثال، اس دور کے بڑے صاحبان علم و فضل جیّد علماء مدرسے کے اساتذہ میں شامل تھے۔

اس کے علاوہ نئی عمارات کا سلسلہ بھی جاری تھا، اسی دور میں مدرسہ اس لحاظ سے بھی خوبصورت، کشادگی اور تعمیری حسن کا منھ بولتا نمونہ بن گیا، جس پر کچھ مخلصین نے ابا جی کو اپنے دور کا شاہ جہاں کہا، ہم اکثر شام کو ابا جی کے ساتھ مدرسے جاتے خوب گھومتے، کھیلتے، بعض اوقات ابا جی سے اجازت لے کر ہماری امی (محترمہ ہاجرہ نازلی صاحبہ مرحومہ) اور ہماری ممانیاں، خالہ اور گھر کی کچھ اور رشتے دار خواتین بھی ہمارے ساتھ ہوتیں، ہماری والدہ کو مدرسے کے مطبخ کا کھانا بہت پسند تھا، جو عام طور پر آلو گوشت (شوربہ)

اوراڑد کی دُھلی دال پر مشتمل ہوتا، وہ کھانا جو مدرسے کے طلباء کے لئے مطبخ (باورچی خانہ) میں پکتا تھا، والدہ اباجی سے وہاں کے کھانے کی فرمائش کرتیں، اباجی فرماتے جس قدر سالن منگوانا ہے اسی قدر گھر کے سالن میں سے وہاں بھیجو، اس لئے کہ وہ کھانا طلباء کا حق ہے تمہارا نہیں، پھر امی جان سے کہتے ایک دیگچی میں گھر کے سالن میں سے بھیجد و اسی مقدار کا وہاں سے آجائے گا، ہاجرہ کا دل چاہ رہا ہے مطبخ کے کھانے کو ،امی جان کسی ملازم کے ہاتھ بھجوا دیتی اور وہاں سے آجاتا، بے حد مزیدار ہوتا تھا۔

امانت و دیانت کلیہ غیر معمولی انداز اپنی اولاد کے لئے بہترین عمل تھا، ورنہ ایک دیگچی سالن منگوانا بڑی بات نہیں تھی لیکن دینی اصلاحی و اخلاقی فکر کے تحت اباجی نے اس بات کو گوارا نہیں کیا، انسان کا چھوٹا عمل بھی بڑے نتائج دیتا ہے، مثال بن کر ہی بے مثال نئی نسل وجود میں آتی ہے اور ان کے سامنے تو ملت تھی، اباجی کی یہ تربیت گھر کے لئے تھی لیکن عالم دین عالمی طور پر لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، اباجی کے غیر ملکی اسفار سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ ان کو کتنی محبت، وارفتگی اور عقیدت سے بلاتے تھے، ذاتی فیض کا تعلق انسان کے بہترین اعمال سے ہے اور اباجی کی شخصیت مسلمانوں ہی نہیں غیر مسلموں کے لئے بھی باعث خیر تھی، باعث رشک تھی۔

اباجیؒ جب پہلی بار امریکہ گئے تو ان کو ایئرپورٹ پر لینے کے لئے برادر بزرگ محترم ڈاکٹر عابداللہ غازیؔ بھی پہنچے، ایئرپورٹ سے باہر آئے اباجی ان کے ہمراہ تھے تو ایک امریکن خاتون نے بھائی میاں (عابداللہ غازی) سے معلوم کیا یہ کون صاحب ہیں میں جہاز میں بھی ان کو دیکھ رہی تھی، میں نے ان کے چہرے پر روشنی کا ایک ہالہ دیکھا ”بھائی میاں“ نے اباجیؒ کا تعارف کروایا تو بولیں ”یقیناً یہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہیں“، ممکن ہے ان امریکن خاتون کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہو، قرآن کریم میں آتا ہے:

”انّ الذّینَ آمنوْ والذّینَ ھَا دوْا والنّصریٰ والصّابئِیْنَ مَنْ آمنَ باللّٰہ والْیومِ الاخر وَ عملِ صالحاً فلھُمْ اجْرھُمْ عِنْد ربّھمْ وَلَا خوْفٌ عَلیھمْ وَلَاھُمْ یحْزنوْن“

ترجمہ: یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ (عیسائی) اور فرقۂ صابئین (ان میں سے) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات اور صفات) پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے، ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس اور (وہاں جا کر) کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

اللہ کے یہ خاص بندے عوام کو اسی طرح متاثر کرتے رہے ہیں، اباجیؒ کا جو اخلاق تھا اس نے لاکھوں

لوگوں کے دلوں میں اسلام کی روشنی پہنچائی، یہاں میں اپنے ماموں صاحب خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے خطبات میں سے چند سطریں پیش کر کے اپنی بات پر دلیل دوں گی، جو سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں انھوں نے بیان فرمائی:

''پہلی بات یہ ہے کہ شخصیت اور ذات کو جان لیجئے جس کی سیرت سے آپ واقف ہونا چاہتے ہیں جب آپ ذات سے واقف ہوں گے تو پھر آپ اس کی بات سے واقف ہوں گے، بات کی عظمت ذات کی خصوصیت سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے جب شخصیت کا تعارف ہو جائے تبھی بات کی حقیقت سامنے آتی ہے اس لئے دونوں چیزوں کا تعارف ہونا ضروری ہے کہ آپ کی ذات کیا ہے اور بات کیا ہے، شخصیت کیا ہے اور کلام کیا ہے اور پیغام کیا ہے۔''

ابا جیؒ قبلہ علماء کی صف میں اس بلند مقام پر نظر آتے ہیں جہاں خانگی زندگی سے لے کر عالمی امور تک میں سیرت مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان دکھائی دیتا ہے او یہی بات ان کی شخصیت کا تعارف دیتی ہے۔

ابا جی اور امی جان (نانا، نانی صاحبان جنت مکان) میں آپس میں بڑا گہرا تعلق تھا، مزاج کی ہم آہنگی، موانست، حلاوت کی بناء پر ہمیں تو یہ رشتہ بڑا روحانی انداز کا لگتا تھا، ابا جی جب بھی سفر پر جاتے ہندوستان کا یا غیر ملکی سفر امی جان ہمیشہ شریک سفر ہوتی تھیں، وہ علمی مزاج رکھتی تھیں، تعلیم یافتہ تھیں، سنجیدہ تھیں، انداز گفتگو بیحد دل نشیں تھا، جہاں جہاں ابا جی کے ساتھ جاتیں خواتین میں وعظ و نصیحت کے ذریعہ دینی مسائل بتاتیں اور اصلاح کا کام کرتی تھیں، ممبئی میں ان کی علمی مجلسوں میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع ملا، خواتین ان سے متاثر ہوتی تھیں۔

ابا جیؒ نے ان کے انتقال کے بعد اپنے تاثرات لکھے تو اس میں ایک جملے میں سارے جذبات آ گئے۔ ''میں ان کی نیکی سے ہمیشہ متاثر رہا'' اسلامی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جو حقوق عورت کو عطا فرمائے ہیں وہ ہم نے ابا جی کی زندگی میں ہمیشہ محسوس کئے تھے اور دیکھئے امی جان مرحومہ ایک وزیر کی صاحبزادی تھی، ان کے والد اندر گڑھ کے راجہ کے یہاں وزیر اعلیٰ تھے، راجہ ان پر بہت اعتماد کرتا تھا، ابا جی جب اندر گڑھ جاتے تھے تو راجہ کا اپنا ذاتی سواری کو اسٹیشن بھیجا جاتا تھا داماد کو لانے کے لئے، امی جان کا بچپن راجہ کے محل میں گزرا تھا، راجہ کی اپنی بیٹی امی جان کی ہم عمر تھی دونوں ساتھ ساتھ کھیل کر بڑی ہوئی تھیں، امی جان فرماتی تھیں، رانی ماں بیحد سلیقہ شعار تھیں، امی جان کو گرہستی کے ہنر رانی نے ہی سکھائے (سلائی، بنائی، کڑھائی وغیرہ) چونکہ وہ ایک ہندو ریاست تھی اور وہیں کے محل میں امی جان کا بچپن اور نوعمری کا زمانہ

گزرا تھا، اس لئے وہ بڑے کا گوشت نہیں کھاتی تھیں، کہتی تھیں اس طرف دل مائل نہیں ہوتا، ابا جی نے ہمیشہ ان کے احساسات اور جذبات کا خیال رکھا اور بلا ناغہ امی جان کے لئے بکری کا گوشت آتا تھا، جن سے تعلق ہو محبت ہو ان کے جذبات واحساسات کی قدر کرنا ہم نے ابا جیؒ سے سیکھا، انسان کی ہر دل عزیزی کا تعلق دل دہی سے ہے خیر خواہی سے ہے، ایک مصلح، امام، رہبر، رہنما کے لئے تو یہ اصول بے حد ضروری ہے۔

ابا جیؒ کی ذات ہمارے لئے روشنی کا مینار تھی، بچپن سے ہم نے ان کے چہرے پر عزم واستقلال کے ساتھ ایک پرنور مسکراہٹ دیکھی، جس نے ہمیں حوصلہ مند بنایا، غیرت نفس کے ساتھ جینا سکھایا۔

مزاج کی فراخی، کشادگی، نرمی اور شفقت کا معیار مقرر کرنے کے لئے ابا جی کی ذات ہمارے لئے ایک مثال ہے اور میرے خیال میں وہ تمام حضرات جن کا ابا جیؒ سے واسطہ یا رابطہ رہا، جنھوں نے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہے مجھ سے متفق ہوں گے۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلافِ نیست

(بارش کہ کس کی فطرت میں لطافت وسودمندی ہے اس پر کسی کو اختلاف نہیں ہے)

خاندانی شرافت اور علمی ماحول

خاندانی شرافت ہزاروں صفحات سیاہ کرنے کے بعد بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہر شبہ سے بالاتر، ہر اختلاف سے ماوراء، ہر بحث سے مستثنیٰ، اور کیوں نہ ہو ہزاروں لاکھوں کو نسبت قاسمیہ نے کھرا سونا بنادیا، کیا اس سے اندازہ لگانا مشکل ہے کہ خود یہ نسبت اپنے آپ میں کتنی عظیم چیز ہے جو براہ راست حضرت حکیم الاسلامؒ کو حاصل ہے!

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جسے حسب ونسب کی شرافتیں، گھر کا پاکیزہ ماحول، شریف الطبع والدین، ظاہر وباطن کی تربیت، علم وتعلم کے لئے یگانۂ روزگار شخصیتیں ملی ہوں، واقعی اس سے بڑھ کر کوئی سعید اور جس کے حصہ میں یہ سب امتیازات ہوں اس سے بڑھ کر کوئی بخت آور نہیں۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو یہ سب سعادتیں لگے بندھے انداز میں نہیں بلکہ وافر میسر تھیں، ان کی دادھیال میں حضرت نانوتویؒ کا نام نامی کافی وافی ہے۔ نانیہال دیوبند کی ایک شریف بلکہ اشرف خانوادہ، گھر کا ماحول علمی، تعلیم اور تعلم کا سلسلہ فخر روزگار شخصیتوں تک پہنچتا ہے، روحانی تربیت کے لئے مجدد وقت سے وابستگی، خود طبعاً شریف، حلم کے پیکر، بزرگانہ اداؤں کا مرقع۔''

باکمال اساتذہ سے کسب فیض

ایک شفاف ابلتے ہوئے چشمے سے کتنی شفاف نہریں نکل کر سینکڑوں کشت زاروں اور چمنستانوں کی سرسبزی وشادابی اور شابی ورعنائی کا سامان بنتی ہیں۔ باکمال اساتذہ سے حکیم الاسلامؒ کے کسب فیض کے لیے یہ تمثیل اگر پوری طرح صحیح نہ ہو قریب قریب تو ہے ہی، سبحان اللہ! علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے جبال علم سے نہ صرف کسب فیض بلکہ ان کی نگاہ خاص وفیض خاص جن کے حصہ میں آیا وہ حضرت حکیم الاسلامؒ ہی تو تھے۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شعور نے آنکھ کھولی تو یہ عصر دارالعلوم کا خیر القرون تھا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی اگر چہ بینائی جاتی رہی تھی تاہم حیات تھے، بارہا اپنے سینہ بلکہ معرفت وعرفان کے گنجینہ سے مہتمم صاحبؒ کو مس کیا، شیخ الہندؒ کا دست شفقت سر پر رہا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے ابتدائی اسباق لئے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے بڑا وقت آپ کی تعلیم کے لئے صرف کیا اور پھر دارالعلوم جو اس وقت ممتاز شخصیتوں کا کہکشاں تھا ان میں سے ہر ایک افادہ کے لئے سرگرم گویا کہ:

میں چمن میں چاہے جہاں رہوں میرا حق ہے فصلِ بہار پر

آخر کار اپنے وقت کے محدث جلیل القدر ابن حجر اور ثانی ابن ہمام علامہ کشمیریؒ کے اتھاہ علم سے سیرابی کے لئے مستعد ہو گئے اور جم کر استفادہ کیا، تا آں کہ جس شب میں علامہ اس خاک دامنی ارضی کو چھوڑ رہے تھے عصر تا مغرب اپنی معروف کتاب ''مشاہیر امت'' کے لئے بسلسلۂ ابوالحسن کذاب استفادہ فرماتے رہے۔''

اخلاق

اخلاق عالیہ کی کھلی کتاب، زندگی کے ہر ہر شعبہ میں پاکیزہ اخلاق کی جھلکیاں، اعمال ان کی تصویر، احوال ان کی تفسیر، معاملات، معمولات ان کی شرح، پھر زبان وقلم گفتگو میں جاری اور جملہ احوال زندگی میں سرایت کئے ہوئے ایک مستقل ضخیم وکیم شخیم کتاب ''اسلام کا اخلاقی نظام'' پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ صاحب کتاب کی فکر وذہن اور علم ومطالعہ کا افق کتنا وسیع، کتنا عظیم الشان تھا۔ یہ تو ایک نمونہ ہے جولان گاہ شخصیت کے ایک زاویہ کا، ورنہ پوری شخصیت اس باب میں مثالی، نرالی اور دل کشا مناظر کا ایک صحیفہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

''حکیم الاسلامؒ نہایت متین، باوقار شخص اور تواضع واخلاق کا پیکر تھے،اسی کے ساتھ پرشکوہ اور باوقار بھی''۔

مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بے شمار محاسن و مکارم اور مناقب ومحامد کے ساتھ ان کی طبع لین، علم وفضل سے معمور، سیرت، معاملات ومعاشرت میں ستھرا، بے عیب متوازن کیریکٹر، جدال ومراء سے تنفر، غیر متصادم مزاج''۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلامؒ کے پیکر میں معصومیت، حسن اخلاق اور علم وعمل کے جونمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں، ان کے نقوش دل ودماغ سے محونہیں ہوسکتے''۔

مخصوص عادات

عفو ودرگذر، حلم و بردباری، خوردنوازی، خیرخواہی وہمدردی، بچوں کے ساتھ بچوں کی طرح معصوم اور شفیق، جوانوں میں بہترین ناصح، مصلح، خیر پسند، بوڑھوں میں تجربات ومشاہدات کی چلتی پھرتی کائنات، علماء میں علم ومطالعہ، حکمت ومعرفت کا تاج محل، عوام میں ایک دردمند دینی شخصیت، جس کی زبان سے دین وایمان کی تشریحات کے پھوٹتے ہوئے لاکھوں شفاف آبشار۔

مولانا سید ازہر شاہ قیصر صاحبؒ اپنے ایک طویل مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مرحوم ایک بے حد مصروف زندگی کے انسان تھے، مزاجاً بھی نفاست پسند تھے کہ ان کے اوپر کی کئی پیڑھیاں خوش حال زمین داروں اور قصباتی رئیسوں کی پیڑھیاں تھیں، اچھا لباس اور گھر کا اچھا ماحول پسند فرماتے تھے، مگر اسی نفاست پسندی کے ساتھ سخت کوش اور اوقات کے سخت پابند تھے، سفر میں ہر طرح کی صعوبت بآسانی برداشت کرتے تھے، سفر وحضر میں کھانا اگر معمول کے مطابق نہیں ملتا تھا تو کبھی ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے، غریب سے غریب انسان کے دسترخوان پر بیٹھ کر انہیں دال بھات کھانے میں کوئی عذر نہ تھا، ان کی خندہ روئی، چہرہ کی مسکراہٹ، لب ولہجہ کی شیرینی، بڑی نرمی اور آہستگی کے ساتھ اصلاحی اقدامات کو آگے بڑھانے کا طریقہ ان کے اردگرد کے لوگوں کو متاثر کرتا تھا، اصلاح کے لئے ان کا طریقہ سخت گیری کا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے ماحول میں اپنے اوقات کے انضباط اور اپنے اخلاق کی مضبوطی سے تغیر پیدا فرماتے تھے، غریبوں کی مالی مدد فرماتے تھے، مگر بہت پوشیدہ طور پر اس طرح کہ لینے اور دینے والے ہاتھ کے سوا اور کسی کو پتہ نہ چلے، امانت کی ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے، اگر کوئی شخص انہیں دس روپے بھی کسی دوسرے شخص کو پہنچانے کے لئے دیتا تھا تو پوری کوشش فرماتے تھے کہ جسے امانت دینی ہے اس تک

خود پہنچ کر امانت سپرد کر دیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی ادائیگی میں ان کا غیر معمولی شغف انتہائی طور پر حیرت انگیز تھا، مغرب کے بعد چند نوافل میں قرآن کریم کے ایک دو پاروں کی تلاوت ان کا معمول تھا اور اس معمول کو وہ ہوائی جہاز، ریل، ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر بھی پورا فرماتے تھے، مجلس کے اوقات متعین تھے، اس سے زائد وقت مجلس میں صرف نہیں فرماتے تھے، تحریر و تصنیف کی دنیا الگ تھی اور اس دنیا سے بھی ان کی وابستگی دائمی تھی، تقریر کی خوبیاں اور کمالات ان پر نازل ہوتی تھیں، سوتے سوتے بھی تقریر فرماتے تھے اور نیند کی یہ تقریریں بھی انتہائی مربوط، موثر اور منطقی لحاظ سے مکمل ہوتی تھیں، ان کی نیند کی تقریروں کی بہت سی کیسٹ لوگوں کے پاس موجود ہیں جنہیں سن کر قطعاً اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ بیداری کی تقریریں نہیں بلکہ نیند کی تقریریں ہیں، گھنٹہ گھنٹہ بھر کی پوری تقریر بلند آواز اپنے مخصوص لہجہ میں سوتے سوتے فرما دیتے تھے اور خود انہیں کوئی احساس نہ ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔''

ذوقِ عبادت وریاضت

جبینِ مبارک پر سجدہ کے نشانات، ذوق عبادت، شوق ریاضت کے غماز، چہرے کی نورانیت نالۂ نیم شبی وآ گاہ سحر گاہی کی علامت، آواز میں سوز و گداز خوف وخشیت کا آئینہ دار، معاملات میں احتیاط تقویٰ وطہارت کی دلیل، خیر خواہانہ جذبات عبادت بے ریا کا پتہ دیتے، انتظام وانصرام ومعمولات، لکھنے پڑھنے کے مشاغل اور اسفار کی مشغولیات کے ساتھ شب بیداری، ذکر وتلاوت کے معمولات سب سے بڑھ چڑھ کر۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رقمطراز ہیں:

''وہ عبادت وریاضت کے رسیا تھے، لگتا تھا کہ واقعی اسی کے لئے مخلوق ہوئے ہیں، سنن ونوافل اور قیام باللیل کی اسفار میں بھی ایسی پابندی تھی کہ جواں سال حوصلہ مند صالح جوانوں کی ہمت بھی اُس کے سامنے جواب دے دیتی تھی، مغرب کے بعد نوافل اور وقتِ تہجد کی نمازوں میں کئی کئی پارہ تلاوت کا معمول رہا، جس میں موت تک کبھی خلل نہیں پڑا۔ وہ عبادت وتلاوت میں انہماک کے حوالے سے بھی اپنے اسلاف کے امانت دار ووارث تھے۔ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارے کے اتنے طویل عرصے تک قیادت کے لئے جو باطنی جوہر، قلبی کیفیات اور روحانی وارادت درکار تھیں اُن کے معیار پر نہ صرف وہ مکمل طور پر اترتے تھے، بلکہ پوری جماعت کے لئے اس حوالے سے بھی قائد وداعی تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اس ادارے کی اس طویل دورانئے تک سربراہی کے لئے خدائے حکیم نے ہی اُنہیں بنایا اور منتخب کیا تھا۔ تاریخ

کے ہر طالب علم کا اس سچائی پر ایمان ہے کہ موزوں انسان جب جب کسی موزوں جگہ پر فائز رہا ہے، انسانی معاشرہ، فکر و عمل کے بے طرح نتائج سے مستفید ہوا ہے، جن کے برکات و ثمرات کا احاطہ بعض دفعہ بڑے بڑے بصیرت نگاہوں مورخ کے لئے ایک مشکل عمل ثابت ہوا ہے۔ اُس کے برعکس ہونے کی صورت میں انسانوں کو دیرپا اور دوررس نتائج بھگتنے پڑے ہیں۔ حکیم الاسلامؒ خدا کی تقدیر وانتخاب سے اس کے سربراہ ہوئے اور خدائے قدیر نے انہیں ان تمام خوبیوں سے نوازا جو اس الہامی ادارے کی کشتی کو صحیح سمت میں بہ سلامت کھینے کے لئے ناگزیر تھیں۔ (۳۷)

جامع الصفات

اسلاف دیوبند کی علمی، عملی، اخلاقی اور دینی خصوصیات اور امتیازات کو جاننے کے لئے اگر الگ الگ مطالعہ اور الگ الگ کتابوں کی ورق گردانی کی فرصت میسر نہ ہوتو مشورہ یہ ہے کہ صرف حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کو دیکھ لیجئے، سب کے اوصاف اس ایک شخصیت میں یکجا مل جائیں گے۔ع

بشر میں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہے

مولانا سید عبدالرؤف عالی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''بعض شخصیتیں اتنی جامع الصفات ہوتی ہیں کہ ان کے کارناموں اور کارگزاریوں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ زندگی کا کون سا پہلو ایسا ہے کہ جو اس شخصیت کے لئے وجہ امتیاز ہے اور جس کی چھاپ زندگی پر زیادہ ہے، کہیں تو ایسا ہوتا ہے کہ مختلف جہات میں جو کارنامے وجود پذیر ہوتے ہیں وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہوتے ہیں، اس لئے ان کی نشاندہی بہ آسانی کی جاسکتی ہے اور ان کی حدود کی تعیین بھی ممکن ہوتی ہے، لیکن بعض افراد ایسی گوناگوں صفات کے حامل اور اتنی مختلف النوع صلاحیتوں سے بہریاب ہوتے ہیں جن کو ایک دوسرے سے الگ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت بھی ان ناقابل فراموش افراد میں شامل ہے جو اپنی ذات سے ایک انجمن ہوتے ہیں اور جن کے فکر و عمل کے دائرے زندگی کے ہر گوشے تک پھیلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ خود ان کی ذات معاشرتی اور جماعتی زندگی سے ایسی مربوط ہوتی ہے کہ جب کبھی ان کی ذاتی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ ایک لحاظ سے

وقت کی تاریخ کا بھی ایک جائزہ ہوتا ہے، وہ ایک فرد ہی کی تاریخ نہیں ہوتی، بلکہ اس وقت کے معاشرے اور جماعت کی تاریخ کا بھی بہت کچھ عکس اس میں آجاتا ہے۔" (۳۸)

صبر وضبط

معمولی ناگواریوں اور تکلیفوں میں بھی صبر وضبط کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم ہے، مگر جاں گسل حالات اور حوصلوں کو پست کردینے والی مشکلات وحوادث میں صبر وضبط ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو انسان کو عظمت اور عزیمت کے مقام پر پہنچاتی ہے۔ تاریخ اسلام صبر آزما حالات اور دلدوز حادثات کی سچی داستانوں سے پُر ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ان حالات سے گزرنے والوں نے نہ صرف بے مثال صبر وضبط کا مظاہرہ کیا بلکہ اولوالعزمی کی ایک تاریخی رقم کی، جو بعد میں آنے والوں کے لئے راہِ حق میں مصائب جھیلنے اور صبر سے کام لینے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔

حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند جیسے عالمی دینی ادارہ کے طویل المدت مہتمم رہے، ایک منتظم اور ذمہ دار کتنا بھی نرم مزاج اور بردبار ہو، تب بھی ضروری نہیں کہ ماتحت ہمیشہ اس سے خوش رہیں یا اس کی عظمت و احترام میں فرق نہ آنے دیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ خود فرماتے تھے کہ اہتمام "تہم" سے بنا ہے گویا دردسر ہے۔ دورِ اہتمام میں ماتحتوں کی طرف سے یقیناً تکلیف بھی پہنچی ہوگی اور عمر کی آخری منزل میں انہیں جن تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا ان میں آپ کے صبر وضبط کا جوہر کھلا اور بدترین دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ حکیم الاسلامؒ واقعی صبر وضبط کا پیکر اور عزم واستقلال کا پہاڑ تھے۔ سخت سے سخت مرحلہ پر بھی اف تک نہیں کیا، دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔ قضیہ دارالعلوم دیوبند اس کی زندہ مثال ہے۔

مستقل مزاجی

آپ کی زندگی کے طویل عرصہ میں خدا جانے کتنے نشیب وفراز آئے، کتنے سنگلاخ آئے، ہفت خواں آئے، پہاڑوں سی رکاوٹیں کھڑی ہوئیں، طوفانوں نے قدم روکنا چاہا، فتنوں کے سیلاب اُمنڈے، مخالفتوں کا طوفان ابلا، عداوتوں کی آندھیاں چلیں، مخاصمتوں کے بگولے اڑے اور ایک وقت تو وہ آیا کہ از مبتدا تا خبر، از اول تا آخر۔ سوائے عداوت ومخالفت کے اور کچھ نہ رہا، لیکن یہ حلم کا پہاڑ، وقار کا بادشاہ، مکارم اخلاق کا خسرو، شرافت وانسانیت کا شہنشاہ، مروت ووفا کا تاجدار اپنی جگہ سے قطعاً نہیں ہلا، استقامت میں فرق نہیں آیا، طمانیت نے لڑکھڑانا نہ جانا، سب سنا، سب نے کہا، حریف دست گریباں ہوئے، چھوٹوں نے

ان کی دستار فضیلت سے کھلواڑ کیا، مگر مرحوم نے نہ کسی کو جواب دیا، نہ کوئی انتقامی کارروائی کی، نہ غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا، بلکہ غم کا ہمالہ اپنے دل پر لے کر اس دنیا و دوں سے منہ موڑ لیا۔

عزم مستحکم

عزم کے پکے، جو بات ذہن مبارک میں آئی وہ ذہن ہی کی امانت نہیں رہی، تمام حدود و قیود کو پھلانگتے ہوئے عمل کی دنیا تک پہنچی، جس بات کو صحیح سمجھا گیا، اس پر عمل کے عزم مصمم نے بڑوں بڑوں کو سبق سکھایا۔ جو اس تردد کا شکار رہتے۔ ع

ارادے باندھتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

اس ایک پختہ عزم اور مصمم ارادہ کو محسوس شکل میں کوئی دیکھ سکا ہے تو وہی شخص دیکھ سکا جس نے حکیم الاسلامؒ کو اپنے عہد میں دیکھا۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۸۰ء میں جب حضرت حکیم الاسلامؒ مالیر کوٹلہ تشریف لائے، میں نے ایک پروگرام کے متعلق درخواست کی اور اس کو آپ نے قبول فرما لیا، پورے پروگرام کے اشتہارات کی کتابت کروا کے میں دیوبند پہنچا تو دیکھا کہ دارالعلوم میں شورش کا آغاز ہو چکا ہے، یہ اسی شورش کا ایک سلسلہ تھا جس نے آخر سقوط دارالعلوم کی بدنما شکل اختیار کر لی اور جس حادثے سے آج بھی دل زخمی محسوس ہوتے ہیں۔

احاطۂ دارالعلوم میں نعرے بازیاں ہو رہی تھیں، میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے آپ کے پروگرام کے اشتہارات کتابت تو کروا لئے ہیں، ابھی چھپے نہیں ہیں اور یہاں حالات پراگندہ نظر آ رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ پروگرام منسوخ کرنا پڑے۔ حضرت نے پورے اعتماد اور سکون سے فرمایا کہ نہیں، میں انشاء اللہ وقت پر پہنچوں گا، تم اشتہارات چھپوالو، اس کے بعد دوسرے وقت میں پھر حاضر ہوا اور میں نے کچھ شک کا اظہار کیا کہ پتہ نہیں حالات کیسے ہوں اور آپ تشریف لا سکیں کہ نہیں، حضرت حکیم الاسلامؒ نے پورے سکون کے ساتھ فرمایا کہ نہیں میں پہلے ہی آ جاؤں گا، تم اشتہار چھپوالو اور اطمینان رکھو، چنانچہ یہی ہوا کہ حضرتؒ مقررہ تاریخ سے پہلے ہی تشریف لائے اور کئی روز تک یہاں بڑے اطمینان کے ساتھ قیام فرمایا۔'' (۳۸)

حلم وبردباری

مہتمم صاحبؒ مرحوم کے اوصاف خصوصی میں حلم تھا، جس کی نظیر ومثال صدیوں کے اربابِ انتظام میں نہیں ملتی، تصور کیجئے تین سو کا عملہ ان کے ساتھ تھا، جس میں اچھے بھی تھے، برے بھی تھے، فرض شناس بھی تھے اور لاابالی بھی، خیر بھی وجود میں آتا اور شر بھی، مگر کیا مجال کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کے حلم میں کوئی فرق پیدا ہو، مخالفتوں کا طوفان ہزاروں میل کی رفتار سے اٹھا اور ان سے مسلسل ٹکراتا رہا، مگر ان کے حلم میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی، ایک شقی نے جب کہ یہ پچاسی سال عمر سے گزر رہے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام کے لہجہ میں قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے ہڈیوں میں بھی گودا نہ رہا کا پیکر بنے ہوئے تھے) ایک بے سروپا نہیں بلکہ فحش داستان نہایت متعفن لب ولہجہ میں اپنے اخبار میں شائع کر کے شقاوت ازلی کا مظاہرہ کیا تو دیوبند کے دو نامور صحافی حضرت کے حلم کا امتحان لینے کے لئے یہ اخبار لے کر سیدھے ان کی خدمت میں پہنچے، اخبار ان کے ہاتھوں میں تھا، عادت یہ تھی کہ جو چیز پڑھنے کو ملتی تو اس کو پورا پڑھ لیتے، مصروفِ مطالعہ ہوگئے، پورا مضمون پڑھ ڈالا، صحافی ان کے چہرہ و بشرہ کا جائزہ لیتے رہے، مگر کیا مجال کہ چہرے پر آثارِ غضب نمایاں ہوں یا پیشانی پر تلخ احساسات کی کوئی لکیر پڑی ہو، مطالعہ سے فراغت پر گردن اٹھی اور لب ہائے نازک پر وہی دلنواز مسکراہٹ کھل گئی، دریافت فرمایا کہ یہ اخبار کچھ بک بھی جاتا ہے؟ دونوں نے عرض کیا کہ بکتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تشویش پیدا ہوئی آپ کی خدمت میں تردید کے لئے حاضر ہوئے، مگر دونوں کی توقعات پر نہ آنے والے جملہ ارشاد فرما کر برف کے تودے کے تودے گرادیئے۔

''بھائی یہ میری کتنی بڑی سعادت ہے کہ لوگ مجھے گالیاں دے کر اپنا پیٹ پال رہے ہیں اور مجھے مفت کا ثواب مل رہا ہے۔''

غیبت سے اجتناب

غیبت بدترین اخلاقی بیماری ہے، جو ہمیشہ اخلاقی جرأت کی کمی کے باعث وجود میں آتی ہے۔ اگر انسان حق گوئی اور صاف گوئی کی صفت سے آراستہ ہو تو غیبت جیسی اور بھی بہت سی اخلاقی بیماریاں انسان سے دور رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بلاخوفِ لومۃ لائم و بےلاگ اور ڈنکے کی چوٹ پر اپنی بات کہہ سکتا ہے اسے پیٹھ پیچھے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو شخص اس جرأت سے محروم ہو وہ ہمیشہ غیبت کا سہارا لیتا ہے۔

غیبت جس طرح اخلاقی جرأتوں کا خون کرتی ہے اسی طرح بزدلی، کم ہمتی، مداہنت فی الدین اور مصلحت بینی جیسے رذائل کو بھی جنم دیتی ہے۔

حکیم الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دیگر اخلاقِ عالیہ سے نوازا تھا، اسی طرح سے اخلاقی جرأت، صاف گوئی اور بے لاگ گفتگو کے جوہر سے بھی آراستہ کیا تھا۔ غیبت کرنا تو درکنار، انہیں غیبت سننا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والے یا ان کے مزاج سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ اس قسم کے رذائل سے پاک ہیں۔ اس لئے اولاً تو اس کی نوبت ہی نہ آتی تھی کہ آپ کی مجلس میں غیبت ہو۔ اگر کوئی نووارد یا آپ کے مزاج سے ناواقف ایسی گفتگو کرتا جس میں غیبت کا کوئی پہلو نکلتا تو اس پر سخت ناگواری کا احساس فرماتے اور بروقت تنبیہ بھی۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی مجلس میں غیبت کرے اور حکیم الاسلامؒ خاموشی سے سنتے رہیں، جیسے آج کے دور میں ہماری علمی مجلسیں بھی اس رذیلہ کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''غیبت کا ان کے یہاں پر دروازہ پوری قوت سے بند تھا، بہت کچھ کسی کے حق میں فرماتے تو یہ ''بھائی بڑا اچھا آدمی تھا، کاش کہ کسی مفید کام میں لگتا'' یا ''فلاں صاحب تو اپنے ہی ہیں خدا جانے ان کو کیا ہو گیا'' حالاں کہ کبھی کبھی ان کے متعلقین پر ان کا یہ انداز گراں گذرتا، وہ مصلحت وضرورت کا تقاضہ سمجھتے کہ حضرت کچھ تو جواب دیں، مگر یہاں لاکھوں کروڑوں تیروں کا ایک جواب ''نشانہ بننا'' تھا نہ کہ ''نشانہ لگانا''، صورتِ حال پر کبھی بہت ہی دل آزار ہوتے تو فتنہ کے طول وعرض کو واضح کرنے کے لئے فضاء میں اپنی انگشت شہادت گھماتے ہوئے فرماتے کہ ''بھائی یہ ہر وقت کی ہو ہو ہمیں تو اچھی نہیں لگتی، ہمارا تو لکھنا پڑھنا ہی ختم ہو گیا''۔ وقار اس طرح کوٹ کوٹ کر ان کی فطرت میں بھرا پڑا تھا کہ کبھی بے وقاری کا کوئی پر تو ان کی زندگی میں نہ نظر آیا''۔

مدح سرائی سے اجتناب

خودستائشی اور مدح سرائی بھی ایک بدترین اخلاقی مرض ہے جو بسا اوقات متعدی ہو جاتا ہے، جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں وہ نہ تو اپنی اصلاح کر سکتے ہیں نہ دوسرے ان سے کوئی مفید چیز سیکھ سکتے ہیں۔ اس مرض کا علاج تواضع اور للّٰہیت ہی ہے جو ہمارے حلقوں میں بدقسمتی سے اکثر مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ حکیم الاسلامؒ تواضع اور انکساری کے پیکر تھے، اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ''بھائی میں

اپنے بزرگوں کی جوتیوں کے صدقے میں اس قابل ہوا، میں دارالعلوم کے طلبہ کا ادنیٰ خادم ہوں''۔

جس شخص میں اس درجہ کی انکساری اور تواضع ہو اس کے یہاں مدح سرائی کا باب مغلق ہی نہیں مقفل ہوتا ہے۔ اس باب میں بھی حکیم الاسلامؒ اسلاف دیوبند کی بہترین مثال تھے۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''اگر کوئی ان کی تعریف کرتا اپنی فطری انکساری کی بناء پر ایک لطیف ترمیم کے ساتھ تعریفی جملہ کو اس طرح واپس فرما دیتے کہ سننے والے عش عش کر کے رہ جاتے، ایک بار سہارنپور میں تشریف فرما تھے، جسے حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو ایک شخص دوڑتا ہوا پہنچا، نشست گاہ بھر چکی تھی اور سامنے بھی آدمی کھڑے تھے، اتنے میں یوپی کے وزیر کابینہ لیش پال صاحب پہنچ گئے، انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر مجمع کی کثرت پر عرض کیا کہ ''حضرت جہاں شہد ہوتا ہے وہیں مکھیاں پہنچ جاتی ہیں'' برجستہ فرمایا کہ ''بھائی شہد کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں'' وزیر موصوف اس برجستگی اور بذلہ سنجی پر انگشت بدنداں رہ گئے''۔

عفوودرگزر

حکیم الاسلامؒ کے عفو و درگزر کی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی مگر قضیہ دارالعلوم میں اکثر ایسے منظر دیکھنے میں آئے جن کی مثال دوسری جگہ بہت کم ملتی ہے۔ ایک معاصر بزرگ نے خط لکھ کر معافی مانگی تو نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنی ندامت و پشیمانی کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

''انتقام ان کے مزاج میں ڈھونڈے سے نہ ملتا، ایک صاحب نے مجھ سے خود کہا کہ ''فلاں صاحب کی وفات کے بعد ہمیں یقین تھا کہ مہتمم صاحبؒ ہمارا تیا پانچہ کریں گے، مگر داد دیجئے اس شخص کے مزاج و اخلاق کی کہ منتقمانہ آنکھ بھی ہماری طرف نہ اٹھائی''۔

اعلیٰ ظرفی

چھوٹی موٹی باتوں کو ایک معمولی انسان بھی نظر انداز کر دیتا ہے مگر ایسی باتیں کہ جنہیں سن کر ایک عام آدمی کا پیمانۂ صبر لبریز، خون کی گردش تیز اور جذبات واحساسات کا درجۂ حرارت اپنی آخری حدود کو بھی پار کرنے لگے انہیں وہی لوگ نظر انداز کر سکتے ہیں جن کے حصہ میں صبر وتحمل کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا جوہر بھی آیا ہو۔

حکیم الاسلامؒ کی اخلاقی صفات میں ''اعلیٰ ظرفی'' کی صفت فطری اور موروثی تھی، اس لئے زندگی کے

ہر مرحلے اور زمانے کے گرم، سرد میں ہر لمحہ ایک پاسبان کی طرح ساتھ رہے۔ تجربات، مشاہدات اور علم و کمال کے نئے نئے سیر نے اعلیٰ ظرفی کی صفت کو اور مثالی بنا دیا تھا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی بھاری بھرکم ذمہ داری اور وہ بھی ایسے دور میں جب اساطین علم اربابِ بصیرت اور اصحابِ تقویٰ وطہارت سے دارالعلوم دیوبند کی فضا معمور اور ماحول معطر تھا۔ ہر اعتبار سے غیر معمولی شخصیت کا حصہ ہی ہوسکتی تھی۔ کیسے کیسے انقلاب رونما ہوئے اور کیسے ہائلے اور حادثے سامنے آئے۔ کہنے والوں نے کہنے کی انتہاء کردی، الزامات اور اتہامات الامان، الحفیظ! بدزبانیاں، بدکلامیاں اور بدگوئیاں الحذر! نہ نسبت کا خیال، نہ مرتبہ کا لحاظ، نہ خدمات وبے شمار احسانات کی رعایت، سب کچھ بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

یہ حکیم الاسلامؒ کا اعلیٰ ظرف ہی تھا کہ ان حالات میں بھی انہوں نے اف تک نہیں کیا۔ شکوہ اور شکایت تو درکنار، کوئی اگر ذکر بھی کرتا تو حالات سے زیادہ ان کے ذکر سے طبیعت مکدر ہوتی ؏

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟

ہر حال میں ایک ساکت اور خاموش بحر بیکراں، دیکھنے والا ان کے مزاج، گفتگو، طرزِ عمل اور کسی بھی ادا اور کسی بھی انداز سے ان کی اعلیٰ ظرفی کے معیار کو گرتا ہوا نہیں دیکھ سکا مگر ایسے فرشتہ سیرت شخصیت کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے والوں کی کم ظرفی کا مشاہدہ ایک دنیا نے کیا اور خود انہوں نے بھی۔ حتیٰ کہ کمزور سے کمزور نگاہ والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حکیم الاسلامؒ کا طریق بہر آئینہ مقابل ومعارض کی روش سے یکسر مختلف ؏

ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بہ کجا

ربِ کریم اپنی رحمتوں، آخرت کی نعمتوں اور بلند مرتبوں سے نوازے۔

اس باب میں آپ کے کن کن واقعات کو ذکر کیا جائے۔ لوگوں نے اپنے نامۂ اعمال کو عمداً وقصداً ان کی شخصیت کو داغ دار کرکے سیاہ کرلیا اور یہ فرشتہ سیرت انسان سب کی سن کر بلند درجات پا گئے۔ رب اغفر وارحم.

شگفتہ مزاجی

حکیم الاسلامؒ کی شخصیت باغ وبہار شخصیت تھی، مگر عالمانہ ظرافت غالب تھی، مبتذل اور عامیانہ قسم کی ظرافتوں کا آپ سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ایک بار اہل مجلس میں سے کسی نے آپ کا مزاج پوچھا، برجستہ فرمایا: ”بھائی بیماروں میں صحت مند ہوں اور صحت مندوں میں بیمار ہوں۔“

ایک مرتبہ دسترخوان پر جہاں بہت سے کھانے موجود تھے کسی عقیدت مند نے عرض کیا کہ حضرت یہ بھی تناول فرمایئے، یہ بھی تناول فرمایئے اور اٹھا اٹھا کر سامنے رکھنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: ”کھانے کا تعلق رغبت سے ہے، ترغیب سے نہیں۔“

آپ کو ایک سفر درپیش تھا، سوار کرانے کے لئے ایک صاحب اسٹیشن تک گئے، جب آپ گاڑی میں سوار ہو گئے تو ان صاحب نے آپ کو ٹکٹ دیا، آپ نے جیب میں رکھ لیا۔ گاڑی کچھ دور پہنچی، آپ نے ٹکٹ نکال کر دیکھا تو وہ پلیٹ فارم ٹکٹ تھا، جوان صاحب نے غلطی سے آپ کو دیدیا تھا، اصل ٹکٹ ان ہی کے پاس رہ گیا تھا۔ سفر سے واپسی پر غالباً ان ہی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”بھائی کچھ حضرات طبعاً مخلص ہوتے ہیں مگر عقلاً مفلس ہوتے ہیں۔“

انتظامی صلاحیت

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح ہمہ جہت صلاحیتوں، علمی عظمتوں اور بزرگانہ کمالات سے نوازا تھا، اسی طرح انتظامی صلاحیتوں، تدبیر تدبر اور حکمت عملیوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔

حضرت مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی آپ کی انتظامی صلاحیتوں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”علمی ذوق اور مزاج ہونے کے باوجود حضرت حکیم الاسلامؒ میں انتظامی صلاحیت کم نہ تھی، ایک ایسے ادارے کا نظام چلانا جس میں مختلف فکر و رجحان کے لوگ ہوں کوئی آسان بات نہیں ہے۔

مسلک دیوبند کی ترجمانی

حکیم الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے زبان وقلم کی جو حیرت انگیز صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، گزشتہ صفحات میں ان کا مختصر سا تذکرہ آچکا ہے، آپ نے ان صلاحیتوں کو ذاتی شہرت اور دنیاوی منافع کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا، چاہتے تو اپنی معرکۃ الآراء تصانیف کی رائلٹی لے کر اپنی معیشت کو طبقہ علماء میں سب سے زیادہ مضبوط بنا سکتے تھے، دنیا کا وہ کون سا خطہ ہے جہاں آپ کے قدم نہ پڑے ہوں، آپ کی بے مثال خطابت کی گونج ہر جگہ سنائی دی اور ایک عالم کو آپ نے مسحور کیا، چاہتے تو پیشہ ور مقررین کی طرح مصارف سفر اور

حبسِ وقت کے حیل حجتوں سے لاکھوں کروڑوں جمع کر لیتے مگر آپ جیسی عظیم المرتبت شخصیت سے اس کی توقع تو در کنار اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آپ نے اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کو دین مبین کی اشاعت، اساطین امت کے تعارف، مسلک دیو بند کی ترجمانی اور علمائے دیو بند کی تشریح وتفہیم میں صرف کیا اور جس وقت جس صلاحیت کو جس میدان میں آزمانے کی ضرورت پیش آئی اخلاص وللہیت اور حسن نیت کے ساتھ میدان میں اترے اور سرفرازی کے ساتھ لوٹے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمْ.

مسلک دیو بند کے تعارف اور علمائے دیو بند کے دینی موقف ومزاج کی وضاحت سے حکیم الاسلامؒ کی کوئی تقریب، کوئی تحریک اور کوئی گفتگو خالی نہیں رہی۔ مواعظ اور تصانیف میں ہر جگہ کہیں راستوں پر اور کہیں ضمناً مسلک دیو بند اور علماء دیو بند کا بھر پور تعارف کرایا۔ زندگی کے آخری ایام میں اس موضوع پر آپ کے حکیمانہ وعالمانہ قلم سے ''علمائے دیو بند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' ایک جامع اور شاہکار تصنیف وجود میں آئی۔ کتاب ہٰذا کا علمی وتحقیقی معیار کتنا بلند ہے؟ عالم اسلام کی معروف دینی شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی یہ شہادت اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے:

''جہاں تک اس کتاب کے مضامین کا تعلق ہے، اس کے بارے میں احقر ناکارہ کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے، اس سے زیادہ کچھ کہہ کر میں آپ کے اور کتاب کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا کہ کسی پڑھے لکھے مسلمان کو بالخصوص دینی مدارس کے کسی استاذ یا طالب علم کو اس کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہئے بلکہ دینی مدارس میں اس کتاب کے مطالعہ یا تدریس کو نصاب کا حصہ بننا چاہئے''۔(۳۹)

ذیل میں کتاب ہٰذا کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

''حاصل یہ نکلا کہ جس جماعت میں السنۃ اور الجماعۃ کے دونوں بنیادی عنصر موجود ہوں قرنِ نبوت سے تسلسل اور سندِ متصل کے ساتھ اس کا سلسلہ ملا ہوا ہو۔ نبی اکرمؐ سے سلسلہ بہ سلسلہ اس کی توثیق ہوتی آرہی ہو۔ صحابہ کی اس پر شہادت اور اشاعت کی مہر ثبت ہو تو وہی جماعت فرقۂ حقہ ہوگی اور اسی کو قدیم اور اصل کہا جائے گا، نہ کہ نوزائیدہ اور نومولود یا وقت کی پیداوار کو جوان دو عنصروں میں سے کسی ایک سے کٹی ہوئی ہوں اس لئے جو طبقہ اس سے کٹ جائے گا وہی اختلاف کنندہ شمار کیا جائے گا، نہ کہ اس جماعت کو جس کی اصل کسی اختلاف وشقاق کی زمین پر قائم نہیں بلکہ اصل پر قائم ہے۔ اس لئے اسے اختلاف کنندہ یا شقاق پر قائم شدہ نہیں کہا جائے گا''۔(۴۰)

مسلک دیو بند عقیدہ، فکر، علم، اخلاق، معاشرت، سیاست ہر ایک میں اعتدال کا نام ہے۔ حکیم الاسلامؒ اس کی وضاحت کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

پس مسلکِ علماء دیو بند نہ محض اصول پسندی کا نام ہے اور نہ شخصیت پرستی کا، نہ اُن کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی ہے نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ اور اپنا ذاتی ذہن وفکر کافی ہے اور نہ تنہا شخصیتوں کے اقوال وافعال پر اتّکال اور بھروسہ بلکہ اصول وقانون اور ذوات وشخصیات اور بالفاظ مختصر لٹریچر بشرط معیت وملازمتِ صدیقین اور باقاعدہ درس وتدریس سے اس مسلک کا مزاج بنا ہے جس میں کسی ایک کے بھی احترام سے قطع نظر جائز نہیں اور جبکہ جامعیت واعتدال اور احتیاط ومیانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی حجتوں میں قرآن وحدیث سے لے کر فقہ وکلام اور فنِ احسان اور فنِ اصول وغیرہ کی چھوٹی سے چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت واعتدال کے ساتھ اُسے مشعلِ راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے۔

اور ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیاء علیہم السلام سے لے کر ائمہ اجتہاد، علماء راسخین، عرفاء متقین، مشائخ عظام، صوفیاء کرام اور حکماء امت کی ذوات قدسیہ تک کے بارے میں افراط وتفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت ومتابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔

غور کیا جائے تو ان تمام دینی شعبوں کے اصول وقوانین اور علوم وفنون کا خلاصہ دو ہی چیزیں نکلتی ہیں، عقیدہ اور عمل جس کے لئے شریعت آئی اور ان شعبوں کو وضع کیا۔ باقی امور یا ان کے مبادی ولوازم ہیں یا آثار ونتائج ہیں جن سے ان فنون میں بحث ہوتی ہے۔ سو عقائد میں بنیادی عقیدہ بلکہ تمام عقائد کی اساس توحید ہے جو سارے انبیاء کا دین رہا ہے اور عمل میں سارے اعمال کی جڑ بنیاد اتباعِ سنت اور پیرویٔ اسوۂ حسنہ ہے۔ باقی تمام طرق عمل جو سند کے ساتھ منقول ہوں خواہ وہ پچھلوں کے ہوں یا اگلوں کے ان سنن نبویؐ کے مبادی ولوازم یا آثار ونتائج میں سے ہیں، اس لئے اس مسلک میں پہلی اصل توحیدِ خداوندی پر زور دینا ہے، جس کے ساتھ شریک یا موجبات شرک جمع نہ ہوسکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو لیکن ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل وکمال کو اس کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

پس نہ توحید میں لگ کر بے باکی اور جسارت اور ذوات کی عظمتوں سے بے نیازی مسلک ہے کہ یہ کمال توحید نہیں بلکہ توحید کا غلو یا حقیقت سے خلو اپنی ذات کا علو ہے اور ایسے ہی تعظیمِ شخصیات میں مبالغہ کرنا جس سے توحید میں خلل پڑتا ہو یا اس میں شرک کی آمیزش ہوتی ہو، یہ بھی مسلک نہیں کہ یہ تعظیم نہیں،

تعظیم کا غلو اور حقیقت توحید کی تبدیلی سے بنام تعظیم توہین ہے۔ پس تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ تعظیم اہل دل متاثر نہ ہو۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو مسلکِ علماء دیوبند ہے۔(۴۱)

علماء دیوبند اس عظمت وجلالت کے معیار سے صحابہؓ میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائق عداوت، کسی کی مدح میں رطب اللسان ہو کر اطرّ اء مادح پر اتر آئیں اور کسی کی مذمت میں غلو کر کے تبرائی بن جائیں یا تو انہیں سب وشتم کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھر اُن میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آجائیں۔ انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتی کہ اُن میں سے بعض میں حلولِ خداوندی ماننے لگیں۔

صحابہ کرامؓ کے دینی مرتبہ ومقام اور ان کی عظمت کے تئیں علماء دیوبند کا کیا نظریہ ہے، آگے اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

پس علماءِ دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضرات متقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں مگر نبی یا خدا نہیں بلکہ بشریت کی صفات سے متصف، لوازم بشریت اور ضروریاتِ بشری کے پابند ہیں مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں جو عام بشر تو بجائے خود ہیں، پوری امت کے اولیاء بھی اُن مقامات تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو صحابہؓ کے بارے میں علماء دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک تمام صحابہؓ شرفِ صحابیت اور صحابیت کی برگزیدگی میں یکساں ہیں، اس لئے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ ان میں باہم فرق مراتب بھی ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے لیکن یہ فرق چوں کہ نفس صحابیت کا فرق نہیں، اس لئے اس سے نفس صحابیت کی محبت وعقیدت میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ پس اس فرق میں **الصحابة کلهم عدول** (صحابہؓ سب کے سب عادل تھے) کا اصول کارفرما ہے جو اس دائرہ میں علماء دیوبند کے مسلک کا جو حقیقی معنی میں مسلک اہل السنّت والجماعت ہے اولین سنگِ بنیاد ہے۔(۴۲)

خوش الحانی اور جمال وکمال

جنہوں نے حکیم الاسلامؒ کے مخصوص لب ولہجہ میں قرآن کریم کی تلاوت سنی وہ گویا لحن داؤدی اور صوت سرمدی سن چکے سامعہ میں شکر وانگبین سے بڑھ کر عسل مصفی کے قطرے ٹپکانا کسے کہتے ہیں؟ تعریف وتعارف کے لیے حکیم الاسلامؒ کی خوش الحانی کو بلا تکلف پیش کیا جا سکتا ہے۔

مولانا حکیم عبدالرشید محمود لکھتے ہیں کہ:

''میرے والد صاحبؒ علیل ہوکر شفایاب ہوئے تھے، دیوبند سے ایک بڑا مجمع حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، علامہ ابراہیم صاحبؒ اور حضرت میاں سید اصغر حسین صاحبؒ وغیرہ مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ مولانا طیب صاحب ۲۵ رسالہ بھی ساتھ تھے، بعد مغرب کا وقت تھا، حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا طیب ایک رکوع سناؤ، یاد ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ الٰی آخرہٖ سنایا، سماں بندھ گیا، آنکھیں پرنم ہوگئیں، میرے کانوں نے یہ خوش لحنی عمر میں پہلی مرتبہ سنی تھی، ساز بھی سوز بھی، دل گداز بھی، نغمہائے دل کش سحاب اندر سحاب بھی، یہ پہلا نقش تھا جو آج بھی تازہ ہے۔''

اکابر دیوبند کا تذکرہ

اکابر دیوبند کا تذکرہ حکیم الاسلامؒ کی تحریر، تقریر، وعظ گفتگو، مجلس ہر ایک کا امتیاز، انہوں نے بہت سے بے ناموں اور گم ناموں کو اپنی تحریر و تقریر سے زندگی دی، اکابر دیوبند کے افکار، خدمات، کاموں اور کارناموں کو شہرۂ آفاق بنایا، ان کی پاکیزہ زندگیوں کے نصیحت آموز واقعات کو ملت اسلامیہ کے نوجوانوں، بچوں، بوڑھوں، خاص و عام اور ہر شعبۂ زندگی کے انسانوں کے لیے قابل استفادہ، قابل نصیحت، قابل درس بنا کر چھوڑا۔

اس باب میں وہ اپنی ذات میں اک انجمن کے صحیح مصداق تھے: **اللھم اغفرہ وارحم وارفع درجته فی جنة النعیم**

''حکیم الاسلامؒ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کو اپنے بزرگوں سے جو تعلق خاطر تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا انظر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''انہیں اپنے بزرگوں سے عشق تھا، وعظ ہو کہ تقریر، مجلس ہو کہ مستفیدین کا حلقہ ہر جگہ اکابر کا وقیع تذکرہ فرماتے۔''

ہندوستان کی حدوں کو توڑ کر دارالعلوم کا تعارف، بزرگوں کی معرفت ان کے انہی معمولات کا دل آویز ثمرہ ہے، بہت سے گمنام متعارف ہوگئے، بہت سے نامور جاوید بن گئے۔'' (۴۳)

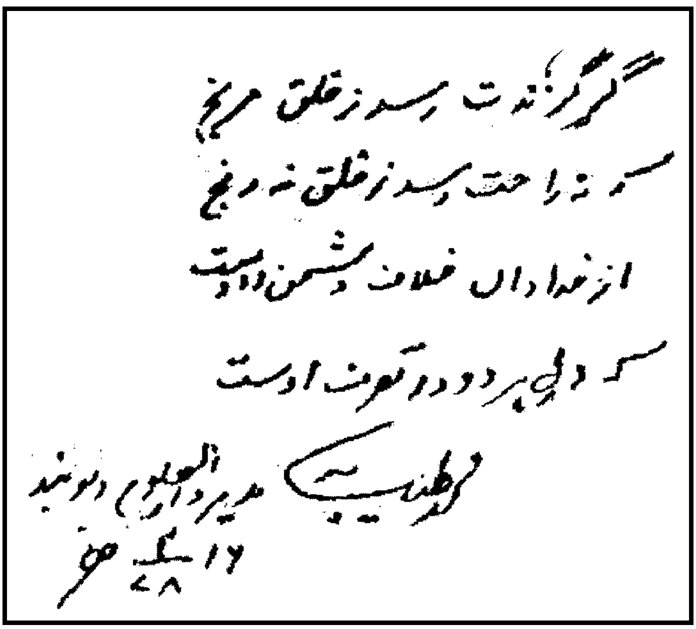
............❖............

باب دوم

نگاہِ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اخلاق وعادات، محاسن وامتیازات، علمی کمالات، تدریس وتعلیم، تقریر وخطابت، تصنیف وتالیف، مجالس، شعروشاعری، مجالس، ملفوظات، چندواقعات اوران سے مفید نتائج کا استنباط، مکتوبات، منثور ومنظوم سپاسنامے

حضرت حکیم الاسلامؒ کا عکس تحریر



گر گزندت رسد ز خلق مرنج
کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند
۱۶ مئی ۷۸ ھ

ملاحظہ

''حیات طیب'' کے اس باب میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے کمالات علمیہ کو آپ کی تصانیف، خطبات، مجلسی افادات، ملفوظات، منظوم کلام اور سپاس نامہ کی صورت میں اہل علم کے پیش کردہ خراج عقیدت کی روشنی میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کسی دینی شخصیت کے بارے میں خلق خدا کیا کہتی ہے؟ اور خواص کے تاثرات کیا ہیں؟ اس پہلو سے بھی اگرچہ شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے مگر شخصیت کے عملی کارنامے اس کی عظمت اور مرتبہ و مقام کو جاننے اور پرکھنے کے لئے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

جو کچھ اس زبان اور قلم سے نکلا ہے اور جو عملی اور علمی رہنمائی اس سے دوسروں کو ملی ہے وہ اپنی افادیت اور تاثیر میں کس درجہ کی حامل ہے؟ کسی خارجی تنقید، تحلیل اور تجزیہ کے بغیر بھی اس کا تعین شخصیت کے کارناموں سے خود بخود ہو جاتا ہے یا کم از کم عملی کارنامے، شخصیت کی پرکھ، پہچان اور معرفت کے لئے ایک پیمانہ ضرور دیتے ہیں۔

لفظیات سے تنقید کا کتنا ہی کمزور اور معمولی تعلق ہی کیوں نہ ہو، تاہم اس کو تو سبھی جانتے اور مانتے ہیں کہ الفاظ شخصیت کے فکری شعور اور پیغام کی معنویت کے غماز ہوتے ہیں، اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایک بلند فکر انسان اس زبان اور ان الفاظ کا بھی نباض ہوتا ہے جن میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے، وہ نہ صرف لفظوں کے ساختیاتی اور نامیاتی پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے بلکہ اس کا بھی کامل شعور رکھتا ہے کہ بسا اوقات معمولی لفظی فروگزاشت مضامین عالیہ کو اسفل السافلین میں پہنچا دیتی ہے اور معمولی سی لفظی کرشمہ کاری ایک معمولی فکر کو کس انداز میں پیش کر دیتی ہے۔ اس میں انفرادیت، بیان اور حسن بیان کے ساتھ وہ خلوص بھی شامل ہے یا نہیں جس کی حرارت پتھروں کو پگھلا کر موم کر دیتی ہے۔

تیسرا مرحلہ حکم اور فیصلہ کا آتا ہے جو کچھ کہا گیا یا لکھا گیا، جن مقدمات، واقعات اور شواہد و دلائل کی روشنی میں آپ کو پیش کیا گیا اس کے نتائج اپنی قوت اور تاثیر میں کس درجہ اور کس مرحلہ کے ہیں؟

حکیم الاسلامؒ کی شخصیت اپنی تخلیقات وتحریرات کے تناظر میں بہرصورت اس منصب کی مستحق ہے کہ انہیں مذکورہ تینوں دائروں میں ایک معیاری اور ممتاز شخصیت کہا جاسکے۔

ان کے الفاظ سادہ مگر پرکار، پرمعنی اور پرمغز، اسلوب، انفرادیت، حسنِ بیان، خلوص اور گہرے شعور کا نمائندہ، نتائج کشا اور رہنما، کہیں سے کہیں تک یہ احساس نہیں ہوتا کہ انہوں نے عقلی یا نقلی مسلمات کو نظر انداز کر کے کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے یا فیصلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

............❖............

درس وتدریس

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

تدریس وتعلیم کا منصب ایک باعظمت اور بھاری بھرکم منصب ہے اور معلم اپنے آپ میں اس تدریسی منصب کا بے تاج بادشاہ، اس منصب کی ذمہ داریوں کے احساس کی گرمی، بادشاہوں کے بھی پسینے چھڑا دیتی ہے، ایک بادشاہ اپنی رعیت کی سرکشی اور بغاوت کو فوجی طاقت اور شاہی خزانوں کے ذریعہ دبا سکتا ہے، مگر ایک معلم اپنی رعیت کی شرارت اور بغاوت پر صبر ہی کر سکتا ہے، جبر سے کام نہیں لے سکتا، اس کے پاس فوجی طاقت نہ شاہی خزانہ، اس کی اگر کوئی فوج ہو سکتی تھی تو وہ یہی طلباء تھے، اس کے پاس اگر کوئی خزانہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف استاذانہ عظمت اور بلندی کردار کا تھا اور یہ طاقت استاذ کی سلطنت کا شہ ستون ہیں، خدانخواستہ اس میں کوئی دراڑ پڑ گئی تو پھر سلطنت زیروزبر اور اس کا سلطانِ عالی شان دھڑام سے زمین پر، تاجِ افتخار سرنگوں اور لباسِ عظمت تار تار۔

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند نے پرائمری، متوسط اور اعلیٰ تعلیم پر کئی خطبات جامعہ اسلامیہ کے پلیٹ فارم سے دیئے۔ ایک جگہ اچھے استاذ اور حکمراں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حکمراں جبر کرتے ہیں، یہ صبر کرتا ہے، وہ مجبور کر کے راہ پر چلاتے ہیں، یہ آزاد چھوڑ کر ساتھ لیتا ہے، ایک کے وسائل میں تشدد اور زبردستی، دوسرے کے وسائل میں محبت اور خدمت، ایک کا کہنا ڈر سے مانا جاتا ہے، دوسرے کا شوق سے، ایک حکم دیتا ہے دوسرا مشورہ، یہ غلام بناتا ہے، یہ ساتھی، اچھے استاذ کی زندگی کی جڑیں محبت کے چشمے سے سیراب ہیں، اس لئے یہ وہاں امید رکھتا ہے جہاں دوسرے دل چھوڑ دیتے ہیں، وہاں تازہ دم رہتا ہے جہاں دوسرے تھک جاتے ہیں، اسے وہاں روشنی دکھائی دیتی ہے جہاں دوسرے اندھیرے کی شکایت کرتے ہیں، یہ زندگی کی پستیوں کو بھی دیکھتا ہے لیکن ان کی وجہ سے ان بلندیوں کو نہیں بھول جاتا۔'' (۴۴)

استاذ کے ادب و احترام کی فضا عصری دانش گاہوں میں کتنی مکدر ہے اور کیسی معطر، اس بحث کو چھوڑیئے، کہنا یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں کچھ اطمینان بخش نہیں ہے۔ معاف کیجئے اس کے ذمہ دار صرف طلباء ہی نہیں اساتذہ بھی ہیں، ایک وقت وہ تھا جب حضرت شیخ الہندؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانویؒ، حضرت علامہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے اکابر اساتذہ کی نورانی جماعت تھی، عالمانہ عظمت، استاذانہ وقار اور مربیانہ دبدبہ قائم تھا، ان سے استفادہ تو بہت بڑی سعادت تھی، ان کی زیارت بھی استفادہ کا ایک وسیع باب تھا۔ ان کے چہروں پر اتباع سنت کا نور، زندگی میں تقویٰ، اخلاص، تواضع و معرفت کا سرور تھا، دیکھنے والے ایک نظر میں ان سب کا اکتساب کرتے، ان کی بے داغ زندگی سے سبق لیتے، ان کے کردار و عمل اور اخلاق و سیرت سے متاثر ہوتے۔ مشہور ادیب اور عالم دین حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ اپنے استاذ محترم حضرت علامہ کشمیریؒ کا سراپا لکھتے ہیں:

''جسم نور کی چادر میں لپٹا ہوا، چہرہ چودھویں رات کا چاند، رنگ چاند کی چاندنی میں دھلا ہوا، پیشانی شاہی جامع مسجد کی محراب، آنکھ اکثر رکوع میں رہتیں، جب قیام کے لئے اٹھتیں تو نور یقین کی چمک سے چاندنی پھیل جاتی، چلتے تو راستہ بن جاتا، نظر اٹھتی تو ہجوم کے دو ٹکڑے ہوجاتے اور صراطِ مستقیم تیار ہوجاتی، ایسا معلوم ہوتا کہ جنت کے سبزہ زار سے کوئی فرشتہ زمین پر اتر آیا ہے، سچ ہے کہ کشمیر کی طرح جنت نظیر تھے۔'' (۴۵)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے علمی دبدبہ اور عالمانہ وقار کی روایتیں تواتر کے درجہ میں ہیں، بروایت استاذ محترم حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ جب احاطہ دارالعلوم میں چشمہ لگا کر قدم رکھتے تو طلبہ ادب و احترام میں سمٹ سمٹ جاتے۔ دارالعلوم میں علم و فضل کی جن مثالی ہستیوں کا اجتماع تھا وہاں ''ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است'' کا معاملہ تھا۔ آخر میں حکیم الاسلامؒ تو گویا فخرِ روزگار ہستیوں کا عکس جمیل لئے ہوئے۔ یوں سمجھئے کہ ''فرشتوں کی دنیا کا ایک انسان یا پھر انسانی دنیا کا ایک فرشتہ ہی تھے۔''

حکیم الاسلامؒ کے تدریسی امتیازات کے بارے میں سینکڑوں نہیں ہزاروں تلامذہ کی شہادتیں اگر جمع کی جائیں تو بیان و روایت کے اختلاف کے باوجود قدرِ مشترک وصف ''تدریسی کمال'' ہی سامنے آتا ہے۔

حکیم الاسلامؒ ہمہ جہت انتظامی، دعوتی، ملّی اور تصنیفی مصروفیتوں کے ساتھ تدریس کے میدان میں بھی ایک خاص ذہن اور صلاحیت لے کر آئے تھے، آج تو خیر مشکل ہی ہے، اس وقت بھی شاید ہی دنیا کا کوئی مہتمم اس شان کا رہا ہو کہ انتظامی بکھیڑوں کے ساتھ تدریس میں ایسا باکمال ثابت ہوا ہو، مشکوٰۃ شریف انہوں نے اپنے والد محترم فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے پڑھی تھی اور طویل زمانہ تک مشکوٰۃ ہی کا درس دیا، اندازِ تفہیم کس غضب کا تھا ذیل کے اس واقعہ سے اندازہ کیجئے، خود فرماتے ہیں کہ:

''میں مسجد میں مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہا تھا، چار پانچ آریہ مبلغ دارالعلوم دیکھنے آئے تھے، وہ دیکھتے دیکھتے مسجد میں بھی پہنچے اور درس میں آ کر بیٹھ گئے، اندازہ یہ ہے کہ میں کوئی کلامی مسئلہ بیان کر رہا تھا،

ذات وصفات کا اس میں تذکرہ تھا، وہ سنتے رہے، ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے سمع قبول سے سنا اور تقریر سے متأثر بھی ہوئے۔ ان میں تعصب نہیں محسوس ہوتا تھا، بیان کے بعد انہوں نے تناسخ کا مسئلہ چھیڑا اور مجھ سے سوال کیا کہ:

''دیکھئے یہ ایک طبعی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ظلم نہیں ہے، یہ مسلّمہ ہے، پھر بھی جب کسی کو دکھ آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دَور مابعد الدور بدلہ ہوگا، پھر اس میں جوان اور بالغ ہی نہیں بلکہ بچے بھی شامل ہیں، جنہوں نے کوئی گناہ اور برائی نہیں کی تو یقیناً یہ اس کی علامت ہے کہ پہلے کوئی وجود ہوا ہے کہ جس کے اندر غلطیاں اور گناہ سرزد ہوئے ہیں اور اس کا یہ ثمرہ ہے جو دکھ پہنچ رہا ہے ورنہ حق تعالیٰ ظالم نہیں ہیں، وہ ظلم سے بری ہیں، لہٰذا اس کا حل بجز تناسخ کے دوسرا نہیں ہوسکتا''۔

میں نے کہا کہ ''اس بارے میں پہلے الزامی بات عرض کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ کے عقیدے کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ مسئلہ تناسخ مبنی ہے شبہ کے اوپر اور اگر یہ شبہات نہ ہوں تو تناسخ کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو اور شبہ ایک قسم کی جہالت ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا عقیدہ جہالت پر مبنی ہے علم پر نہیں ہے، اصل عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اس پر کوئی شبہ نہ ہو کیوں کہ شبہات کا معاملہ بعد میں ہوتا ہے، مخلوق کو حقائق کے اترنے سے پہلے شبہات لاحق نہیں ہوتے کہ ان شبہات کے جواب میں حق تعالیٰ کوئی عقیدہ پیش فرمائیں۔ عقیدہ تو آدم علیہ السلام سے ہی چلا آرہا ہے اور نقل صحیح کے ساتھ سارے انبیاء علیہم السلام اس کو کہتے چلے آئے ہیں، لہٰذا اس کا حل یہ نکلا کہ آپ کا یہ مسئلہ تعلیم الٰہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان شبہات پر مبنی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اس سے شبہ لاحق ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے آدمی ظلم کرتے ہیں اور ان کو دکھ پہنچا ہے تو ممکن ہے پہلے سے وجود ہو، مگر یہ چھوٹے چھوٹے بچے کوئی گناہ اور ظلم نہیں کرتے، پھر بھی وہ بیماریوں میں اور مختلف قسم کی تکلیفوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بلوۂ عام ہو تو بچے قتل بھی کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جانور بھی قتل کئے جاتے ہیں اور سیلابوں میں بھی بہہ جاتے ہیں تو یقیناً کوئی پچھلا جنم ہوگا، جس میں انہوں نے ظلم اور زیادتی کی ہوگی جس کی وجہ سے اس جنم میں سزا دی جا رہی ہے۔ گویا آپ کا یہ شبہ ہے، میں نے کہا کہ اس شبہ کا معمولی سا حل یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ کو علم نہیں محض وہم اور قیاس سے ثابت کریں اس سے بہتر یہ ہے کہ ان تمام حوادث کو مادے کی خاصیت مانیں، اس لئے کہ ساری دنیا مادی ہے اور مادہ کی ذاتی کیفیت تغیر ہے، وہ ایک حالت پر ٹھہرتا نہیں، آج پتّے ہرے ہیں تو کل خشک ہوگئے، آج زمین میں خشکی ہے تو کل تری آگئی تو اشیاء عالم میں تغیر ہونا یہ مادے کی خصوصیات میں سے ہے اور جو مادے سے بالاتر ہیں وہ تغیرات سے پاک ہیں، البتہ جو چیز مادی بنے گی اس میں تغیرات کا ہونا لازمی ہے''۔

’’یہ دنیا متغیر ہے اور العالم متغیر کا قول فلاسفہ کے یہاں مسلمہ قول ہے تو جب ان تمام مصائب و آفات کا سبب قریب موجود ہے جو مادے کی خاصیت ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لاکھوں برس پہلے جنم درجنم مانتے رہیں نہ جس کی کوئی سند ہے اور نہ عقل ہی اس کا ساتھ دیتی ہے اور اس کو آپ عقیدہ بنائیں اور عقیدے کو جہالت پر مبنی کریں اور قیاسات سے عقیدہ بنائیں اور اس پر دنیا کو چلائیں تو یہ کوئی عقیدہ ہی نہیں جس کی بنیاد جہالت ہو۔

اب اگر یہ سوال کریں کہ سبب قریب میں تغیر کیوں ہے اور مادہ متغیر کیوں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مادے کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں تغیر ہو، جیسے روحانیت نوعیہ کا تقاضہ ہے کہ وہ دوامی اور ابدی ہو تو جب مادہ کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا ہی یہی ہے تو حق تعالیٰ نے اسے تغیر کے لئے پیدا ہی فرمایا ہے، اگر مادّے میں تغیر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کی خاصیت سلب کر لیتے تو مادہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتا کہ آپ نے مجھے پیدا کیا اور میری خاصیت سلب کر لی، مجھے اپنی خاصیت دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا، جیسے آگ کو پیدا کریں اور جلانے کی خاصیت کو سلب کر لیں تو آگ شکوہ کرے گی کہ میری ذاتی خاصیت کو سلب کیوں کر لیا؟ اسی طرح پانی کی ذاتی خاصیت ٹھنڈا کرنا ہے، اگر یہ خاصیت چھین کر جلانے کی خاصیت دی جائے تو پانی زبان حال سے بارگاہِ حق میں شکایت کرے گا کہ آپ تو مبداء فیاض ہیں، ہر چیز کو آپ اس کے مناسب حال وجود دیتے ہیں، مجھے وجود بھی دیا لیکن میرے اندر سے وہ چیز نکال دی جو میری ذاتی خاصیت تھی، تو فی الحقیقت ذاتی خاصیت ذات کا جز ہوتی ہے‘‘۔

’’جب کسی ذات کو پیدا کریں گے تو اس کے ساتھ اس کے خواص و آثار بھی ہوں گے، اگر یہ آثار و خواص نکال دیئے جائیں تو شئے اپنے خواص کو چھوڑ کر شئے ہی باقی رہے گی، لہٰذا شئے کو حق ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے شکایت کرے، لہٰذا جب مادہ پیدا ہوگا تو اس کے ساتھ تغیر بھی لازمی ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تغیر رکھا، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے یہاں مخلوقات کی دو نوعیں ہو گئیں۔ ایک یہ کہ وہ متغیر ہو، دوسرے یہ کہ وہ لاتبدیل ہو، تو متغیر کو لاتبدیل نہیں بنائیں گے اور لاتبدیل کو متغیر نہیں بنائیں گے ورنہ ہر ایک کو شکایت کا موقع ملے گا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ ظلم و ستم سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسا کام کریں جس سے ساری مخلوق شاکی ہو جائے، تو میں نے کہا کہ جب سببِ قریب موجود ہے تو آپ لاکھوں برس کا سبب بعید کیوں تلاش کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر آپ نے یہ تغیر مانا بھی اور اس میں تغیر ہوا اور اس سے پچھلے معنی اس تغیر کی پاداش میں ہوا اور پھر اس سے پیچھے ہو تو یہ تسلسل ہے جو خود محال ہے تو آپ تسلسل محال کے قائل

ہو گئے اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی تو عقیدہ خود ہی محال بن گیا، وہ کیسے رہا۔ اس پر وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے لیکن یہ بھی کہہ گئے کہ یہ تفصیل طلب بات ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ضرورت ہے اور یہ اس کا موقع نہیں، میں نے کہا کہ اس کو آپ جانیں میں نے تو چھیڑا نہیں تھا، آپ نے خود ہی اس مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ بہر حال نہ مناظرے کی عادت اور نہ سلیقہ ہے''۔(۴۶)

فہم حدیث کا کیسا ملکہ قدرت کی طرف سے ان پر فائض ہوا تھا، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

قاری عبداللہ صاحب نے سوال کیا کہ حضرت یہ جو حدیث میں فرمایا گیا ہے **حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ.** اس کا مطلب کیا ہے؟

حضرت حکیم الاسلامؒ نے فرمایا کہ:

''عبادت کے لئے سب سے بڑی چیز یکسوئی ہے، اگر یکسوئی نہیں ہے تو عبادت کی روح ختم ہو جاتی ہے، صرف ڈھانچہ رہ جاتا ہے، اسی لئے نماز میں اِدھر اُدھر نگاہ کرنے کی ممانعت ہے بلکہ ایک جگہ پر نگاہ رہے۔ حدیث شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے اندر اگر آنکھ کی پتلی پھیر کر کوئی چیز دیکھ لی تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑے گا، البتہ گردن پھیرنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور بدن کا حصہ ادھر ادھر پھیرنے سے عبد اور معبود کے درمیان جو رابطہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، اسی لئے عبادت کے لئے یکسوئی اور سکون قلب شرط ہے، اس کے متعلق فرمایا گیا: **وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.** اور نماز بے شک یقیناً بھاری ہے مگر سوائے خاشعین کے اور خشوع کے معنی سکون کے ہیں یعنی جو لوگ ساکن القلب اور یکسوئی والے ہیں ان پر نماز بھاری نہیں ہے، البتہ جن کے افکار میں تشکک ہے بے شک نماز ان پر بھاری ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب قلب میں سوءِ ظن ہوگا تو اس کے لئے تشکک لازم ہے اور شک ہی کی وجہ سے آدمی کو لوگوں سے بدظنی ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا حسنِ ظن عبادت ہے اور عبادت کا حسن مبنیٰ ہے یکسوئی پر اور یکسوئی حسن ظن پر حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے حسن ظن کے دلیل کی ضرورت نہیں ہے **ظُنّوا بالْمُؤْمِنِيْنَ خیرًا** فرمایا گیا یعنی ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھو اور بدظنی کے لئے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، جب تک آپ کے پاس دلیل نہ ہو اس وقت تک جائز نہیں ہے کہ آپ کسی کے ساتھ بدظنی قائم کریں۔ یورپ میں ہم نے اس کی عجیب مثال دیکھی ہے، وہ لوگ ہر شخص کو ایماندار سمجھتے ہیں، وہاں پر آرڈر یہ ہے کہ جب تک کوئی حجت نہ ہو یا گورنمنٹ کی طرف سے اشارہ نہ ہو اس وقت تک بلاوجہ تلاشی مت لو، یہاں تو کسٹموں پر ہر چیز کی تلاشی لیتے ہیں اور چھان بین کرتے ہیں مگر وہاں پر یہ بات نہیں ہے، صرف یہ پوچھ لیتے ہیں کہ کوئی بات قابل اعتراض تو نہیں، اگر کہہ دو کہ نہیں تو کہتے ہیں جاؤ، البتہ اگر کسی پر شبہ ہو جائے یا گورنمنٹ کا

اشارہ ہوتو پھر تلاشی کرتے ہیں، یہ حسن ظن ہی کا معاملہ ہے، لہٰذا ہر چیز کے اندر قلب کی یکسوئی بڑی نعمت ہے، آدمی کا سینہ آئینہ کے مانند ہو، اس میں کوئی کھوٹ نہ ہو تبھی عبادت کے اندر یکسوئی پیدا ہوسکتی ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر آپس میں جھگڑا ہوجائے تو تین دن کے اندر مصافحہ کرلو اور ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلے، اگر کسی سے غلطی ہوجائے تو وہ اپنی غلطی تسلیم کرلے، اگر لوگ ایسا کرلیا کریں تو بات ختم ہوجائے گی ورنہ آپس میں تشدد بڑھتا ہی رہے گا اور یہ قلب کے لئے مضر ہے تو عبادت کا حاصل وہ وسیلہ ہے جو عبد اور معبود کے درمیان قائم رہتا ہے اور وہ یکسوئی ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔''

حکیم الاسلامؒ نے بخاری کا بھی درس دیا ہے اور کیا کیفیت تھی۔ یہ جاننے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ حکیم الاسلامؒ نے بخاری شریف اپنے محبوب اور مخصوص استاذ علامہ کشمیریؒ سے پڑھی تھی، جو امتیازات شیخ کے تھے ان کا ترشح تلمیذ رشید کے انداز پر بھی، متن پر کلام، روایت اور سند پر بحث، رجال حدیث پر گفتگو، تراجم کی تشریح، مشکلات الحدیث کا حل، امام بخاریؒ کے تفقہ پر ارشادات، فقہ الحدیث کا تجزیہ، مسائل کی توضیح، حجۃ الاسلام امام نانوتویؒ کی روایتی و درایتی بصیرت کا جائزہ، مراجع و مآخذ کی نشاندہی، اپنے اساتذہ کے نقاط نظر کی وضاحت، سلوک و احسان کا تذکرہ، بزرگوں کے سیرت ساز واقعات کا ذکر، ان سے عمیق اور لطیف نتائج کا استنباط، حضرت نانوتویؒ کے علوم اور افکار کی وضاحت کا ملکہ تمام۔

مولانا اکبر شاہ بخاری لکھتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات طیبہ کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گذرا، جس طرح آپ فضل و کمال میں عدیل و مثیل نہ رکھتے تھے اسی طرح درس میں بھی آپ کی امتیازی شان تھی اور تدریس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ آپ کا درس پُر وقار اور شائستہ ہوتا تھا اور حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقۂ تدریس کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ زمانۂ تدریس کے آغاز میں منطق و فلسفہ اور اصول فقہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے اس کے بعد حدیث کی اعلیٰ کتابیں زیر درس رہیں اور ہزاروں افراد کو اپنی زندگی میں فیض یاب کیا۔''

حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی تھی۔ جس میں آپ کے حکیمانہ ذوق کے جوہر کھلتے اور پڑھنے والوں کی ان نادر تشریحات سے شریعت اسلامیہ کے مخفی پہلوؤں تک رسائی ہوتی، ابن ماجہ شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی برابر زیرِ درس رہیں، کئی سال تک شمائل ترمذی کا درس بھی دیا۔ (۴۷)

درسِ حدیث کی خصوصیات

حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں:

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تبلیغ وارشاد میں گزرا، جس طرح آپ فضل وکمال میں عدیل ومثیل نہ رکھتے تھے اسی طرح درس میں بھی آپ کی امتیازی شان تھی اور تدریس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ آپ کا درس پُر وقار اور شائستہ ہوتا تھا، اور حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقۂ تدریس کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ زمانۂ تدریس کے آغاز میں منطق و فلسفہ اور اصول فقہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے اس کے بعد حدیث کی اعلیٰ کتابیں زیرِ درس رہیں اور ہزاروں افراد کو اپنی زندگی میں فیض یاب کیا ہے۔

مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اسی مادرِ علمی میں درس دینا شروع کیا۔ اور اس عرصہ میں مختلف علوم وفنون کی اہم کتابوں کا درس دیتے رہے خصوصیت سے حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی تھی کہ جس میں آپ کے ذوق حکیمانہ کے جوہر واسرار کھلتے تھے اور پڑھنے والوں کی تشریحاتِ اسلامی کی ان مخفی پہلوؤں پر آپ کے درس گرامی سے وہ نذر ہو جاتی تھی جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی میسر آنا مشکل ہے حق یہ ہے کہ حکمت ولی اللّٰہی کے لئے جس فکری عروج کی ضرورت ہے وہ بدرجۂ اتم حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوۃ شریف بھی برابر زیرِ درس تھیں، آپ نے کئی سال شمائل ترمذی کا درس بھی دیا ہے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم ومعارف کے صحیح وارث تھے اور دوسری طرف براہ راست حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اس لئے آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم ومعارف کا فیضان رہتا تھا، چنانچہ آپ منقولات وتشریحاتِ اسلامی کو دلائل عقلیہ سے اس انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن مطمئن ہو سکے اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر اسی نہج سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا جن لوگوں نے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علوم قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا، حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے راقم کو مشکوۃ شریف

اورابن ماجہ شریف میں شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے۔

مشکوۃ شریف جس روز شروع ہوئی تو حضرت کے درس میں ابھی بسم اللہ بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ فنِ حدیث پر تقریر شروع کی، سچ کہتا ہوں کے علم وفضل کا ایک بحر بیکراں تھا جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا آرہا ہو حقائق ومعارف کا ایک دریا تھا جو بے اختیار امڈ رہا تھا، الفاظ کیا تھے حقانیت ومعارف کے موتی تھی جو بے تحاشا لٹائے جارہے تھے علم حدیث کی اہمیت پر استدلال، محدثین کے طبقات اہل قرآن پر اعتراضات اورانکے جوابات، گویا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو۔

بہرحال حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریریں تجر علمی، وسعتِ مطالعہ، دقت نظر، تحقیق مسائل کی بناء پر علمی حلقوں میں غایت احترام سے دیکھی جاتی ہیں اور ایک طالب علم درس میں بیٹھ کر علم وفضل کے اس خزانے سے اپنے دامنِ مراد کو بھر کر اٹھتا تھا۔ (الرشید ساہیوال ذی قعدہ ۱۴۰۳ء)

زیرِ درس کتب

حضرت حکیم الاسلامؒ کے زیر تدریس رہنے والی کتب کا اجمالی خاکہ سن وار ترتیب کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۳۷ھ : ایساغوجی، مرقات، تہذیب

۱۳۳۸ ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔

۱۳۳۹ ھ : ہدایۃ النحو، اصول الشاشی، نورالایضاح

۱۳۴۰ ھ : قدوری، ہدایۃ النحو، کافیہ، مرقات، تہذیب، شرح تہذیب

۱۳۴۱ ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔

۱۳۴۲ ھ : قطبی تصدیقات، اصول الشاشی

۱۳۴۳ھ : قدوری، اصول الشاشی

۱۳۴۴ ھ : ہدایہ اولین (جماعت رابعہ) مختصر المعانی مع تلخیص المفتاح، مفید الطالبین، نفحۃ الیمین

۱۳۴۵ ھ : اصول الشاشی، نورالانوار

۱۳۴۶ ھ : نورالانوار

۱۳۴۷ھ: قطبی تصدیقات، میر قطبی، ہدایہ اولین (جماعت ثانیہ) حسامی

۱۳۴۸ھ: جلالین شریف (جماعت ثانیہ) مع فوز الکبیر

۱۳۴۹ھ : ہدایہ اولین
۱۳۵۰ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۱ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۲ھ : جلالین شریف (جماعت اول) مع فوز الکبیر
۱۳۵۳ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۴ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۵ھ: ہدایہ اولین (جماعت اوّل)
۱۳۵۶ھ : مشکوٰۃ شریف مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۷ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۸ : مشکوٰۃ شریف (جماعت اول) مع نخبۃ الفکر
۱۳۵۹ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۶۰ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر
۱۳۶۱ھ : مشکوٰۃ شریف (جماعت ثانیہ) مع نخبۃ الفکر، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۶۲ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۶۳ھ : مشکوٰۃ شریف مع نخبۃ الفکر
۱۳۶۴ھ : ابن ماجہ شریف
۱۳۶۵ھ : حجۃ اللہ البالغہ، ابن ماجہ شریف
۱۳۶۶ھ : حجۃ اللہ البالغہ، جلالین شریف نصف ثانی
۱۳۶۷ھ : ابن ماجہ شریف
۱۳۶۸ھ : مشکوٰۃ شریف جلد اول مع نخبۃ الفکر
۱۳۶۹ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۷۰ھ : مشکوٰۃ شریف مع نخبۃ الفکر، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۷۱ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۷۲ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔

۱۳۷۳ھ : حجۃ اللہ البالغہ، شمائل ترمذی شریف
۱۳۷۴ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔
۱۳۷۵ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۷۶ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۷۷ھ : مشکوٰۃ شریف
۱۳۷۸ھ : ابن ماجہ شریف
۱۳۷۹ھ : موطا امام مالکؒ، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۸۰ھ : حجۃ اللہ البالغہ، موطا امام مالکؒ
۱۳۸۱ھ : مشکوٰۃ شریف
۱۳۸۲ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔
۱۳۸۳ھ : ابن ماجہ شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۸۴ھ : ابن ماجہ شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۸۵ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔
۱۳۸۶ھ : ابن ماجہ شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۸۷ھ : ابن ماجہ شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۸۸ھ : مشکوٰۃ شریف
۱۳۸۹ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۹۰ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۹۱ھ : حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۹۲ھ : بخاری شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۹۳ھ : بخاری شریف از ابتداء تاختم کتاب العلم و آخر صفحات، جلد ثانی
۱۳۹۴ھ : بخاری شریف ابتدائی حصہ
۱۳۹۵ھ : بخاری شریف ابتدائی حصہ
۱۳۹۶ھ : افتتاح بخاری شریف

۱۳۹۷ھ : افتتاح بخاری شریف، حجۃ اللہ البالغہ (ہفتم تکمیل دینیات)
۱۳۹۸ھ : افتتاح بخاری شریف، حجۃ اللہ البالغہ
۱۳۹۹ھ : اس سال کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔
۱۴۰۰ھ : افتتاح بخاری شریف

اسانید حضرت حکیم الاسلامؒ

حضرت حکیم الاسلامؒ کو متعدد مشائخ حدیث سے اجازت حاصل تھی، جن میں پانچ اسانید کا بطور خاص ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی مطبوعہ سند کا متن بھی افادۂ قارئین کے لئے ذیل میں پیش ہے:

الإجازة المسنده لسائر كتب الحديث المتداولة عن حكيم الإسلام مولانا الشيخ محمد طيب رئيس الجامعة الإسلامية دار العلوم ديوبند وأستاذ الحديث بها

بسم الله الرحمنِ الرحيمِ

الحمد لله الذى أرسل رسوله بالحق والهدى وأنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا والصلاة والسلام على سيدنا ومولانا محمد المبعوث إلى جميع الورى ، الذى بيَّن للناس ما نُزِّل إليهم بقوله وفعله وتقريره وهديه وسمته بكمال الصدق والأمانة والتقى وعلى الذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم، نقلوا دينه بالرواية وعقلوه بالدراية وعملوا به بالهمة والشجاعة ففازوا بالدرجات العلى وعلى جميع من تبعهم بإحسان وأتباع تابعيهم الذين اقتفوا بآثارهم واهتدوا بهديهم وساروا على طريقتهم المتوارثة المسلسلة كابرًا عن كابر لتجزى كل نفس بما تسعى فأمطر عليهم يارب شآبيب رحمتك ورضوانك أبدا أبدا وبعد فاقول: وأنا أضعف عباد الله أبو سالم محمد طيب بن أحمد بن قاسم الرئيس لدارالعلوم بديوبند غفر الله له ولجميع مشائخه وآبائه الأمجادِ: إن الأخ في الله...............أسعده الله بتقواه وأصلحه استجاز نى في رواية كتب الحديث المتداولة وما تيسر لى الإجازة به من أحاديث سيد المرسلين صلوات الله عليه وعلى اله واصحابه اجمعين فأجزته بالصحاح الست والمسانيد والمعاجم والجوامع وبكل مايجوز لى الإجازة به قراء ة أو سماعا أو إجازة حسبما أجازنى به مشائخى بأسانيدهم المتطرقة المتشعبة المتصلة إلى رسول الله صلى الله

عليه وسلم،(١) أجلهم في زمانه الإمام المحقق المدقق بحر العلوم الذى لاساحل له المحدث المير في الآفاقِ مدار المحدثينَ في وقته مولانا السيد محمد أنور شاه الكشميرى صدر المدرسينَ في دارالعلوم بديوبند رحمه الله عن العارف الكامل الأجل الأمجد المجاهد في سبيل اللّٰه شيخ الهند مولانا محمود الحسن العثماني الديوبندى قدس سره صدر المدرسين في الدار عن حجة الإسلام قدوة الأنام العالم باللّٰه العارف الربّاني والقطب الصمدانى حجة الإسلام جدّى الأمجد مولانا أبواحمد محمد قاسم الحنفى النانوتوى قدس سره مؤسس الدار بجميع أسانيده المذكورة في ثبته، المرقومة بقلمه الشريف المحفوظ عندى، أعلاها عن المحدث الكبير العالم الربانى صاحب الزهد والتقوى مولانا الشاه عبد الغنى المجددى الدهلوى ثم المدنى رحمه اللّٰه فأجازة وكتب الإجازة بقلم الشريف ووثقها يضرب خاتمه الذى نقشه ''واللّٰه الغنى وأنتم الفقراء'' وهى محفوظة عندى فى الثبت المذكور عن الشيخ الشهير في الآفاق الإمام الحجة الشاه محمد إسحق رحمه اللّٰه عن الفقيه المتبحر المفسر المحدث العارف الكامل مولانا الشاه عبدالعزيز رحمه اللّٰه عن الإمام الهمام حكيم الإسلام العارف بالله مسند الهند مولانا الشاه ولى اللّٰه الدهلوى قدس سره بأسانيده المتشعبة المتصلة إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم،(٢) وأجازنى والدى الماجد العالم المخلص مولانا الحافظ أبوالطاهر محمد أحمد رحمه اللّٰه قراءةً عليه عن فقيه الإسلام القطب الربانى العارف باللّٰه مولانا أبو مسعود رشيد احمد الحنفى الكنكوهى رحمه اللّٰه عن الشاه عبدالغنى عن الشاه محمد اسحق عن الشاه عبدالعزيز عن الشاه ولى اللّٰه، (٣)وحصل لى الإجازة بقرائة أوائل جيمع كتب الحديث المتداولة من الصحاح والمسانيد والمعاجم وطائفة من الأحاديث المسلسلة بقول أو فعل أو وصف أو غيرها لا سيما الحديث المسلسل بالماء والتمر مع الضيافة والمسلسل بالمصافحة قراءةً وعملاً به من الشيخ الأجل الأكمل شارح أبى داؤد صاحب البذل المجهود مولانا الشيخ خليل أحمد السهارنپورى رحمه اللّٰه بأسانيده المتطرقة المتصلة إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، أعلاها عن مولانا الشيخ عبد القيوم بڈھانوى عن الشيخ محمد

إسحق عن الشاه عبدالعزيز عن الشاه ولی اللّٰه رحمه اللّٰه بسنده إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم،(٤) وحصل لی الإجازة عن مولانا أبو محمد عبداللّٰه بسنده المتصل إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم (٥)وحصل لی الإجازة والقرائة عن شيخ الإسلام مرجع الأنام زبدة الكرام العالم الربانی والمجاهد الجليل مولانا السيد حسين أحمد المدنی رحمه اللّٰه صدر المدرسين في الدار فأجزت الأخ................ بجميع ما يجوز لی الإجازة به قراء ةً أو سماعًا أو وصية بتقوی اللّٰه تعالیٰ في السر والعلن وترك الفواحش ماظهر منها وما بطن وبالعض بالنواجذ علی ماكان عليه السلف الصالح أهل السنة والجماعة، وأن لا ينساني في دعواته الصالحة، وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خير خلقه سيدنا محمد وعلی اله واَصحابه أجمعينَ والحمد للّٰهِ أوَّلا وآخراً.

محمد طيب القاسمی

الرئيس وأستاذ الحديث بدارالعلوم ديوبند

المؤرَّخ........

............❖............

خطابت

لذت ترے کلام میں یہ آئی کہاں سے
پوچھیں گے جا کے حاؔلی جادو بیاں سے ہم

خطابت عطیۂ ربانی اور سنجیدہ خطابت اس کا لطف خاص، سحبان وائل کی خطابت ضرب المثل اور زبان زدِ خاص وعام، سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی خطابت، فصاحت و بلاغت، حسن معنی، حسن تعبیر وحسن اسلوب کی شاہکار۔ خیال فرمایئے کہ صاحب جوامع الکلم، حاملِ کتاب معظم، محمد عربی ﷺ کی خطابت مبارکہ کیسی ہوگی؟ یوں سمجھئے کہ ہر وصف اصول خطابت کا ایک گلشن صد رنگ، احکام ہوں تو ان کے مناسب تعبیرات، مناہی ہوں تو ان کے مطابق مضامین، نصائح ہوں تو ان کی مکمل رعایت، انذار ہو تو اس کے سیاق وسباق کا اہتمام، بشارت ہو تو اس کے لوازمات کا التزام، الفاظ مختصر، ان میں معانی کا ایک سمندر موجزن، عام خطاب میں استعارات، کنایات سے گریز، مخصوص خطابت، فصاحت عرب کی آئینہ دار، معجز بیانی کی شاہکار، لب ولہجہ کا حسن اور مواقع کی رعایت، تنبیہ کا انداز الگ، ترغیب کا جدا، ترہیب مختلف، جامعیت بڑھ چڑھ کر، احادیث مبارکہ کا جو ذخیرہ امت تک پہنچا اگر اس کو نبوت کے ۲۳ ر سالہ ایام وساعات پر تقسیم کیا جائے تو الفاظ کم مگر معانی ومفاہیم اس قدر کہ ابتداء کائنات سے آج تک جامع سے جامع کلام کرنے والے ہزاروں، لاکھوں کے کلام میں جو جامعیت، معنویت، اعجاز اور بلاغت ممکن ہوسکتی تھی، اس سے ہزار گنا آپ ﷺ کے ایک جملہ میں آ گئی۔ دنیا کے کسی ناصح، کسی واعظ اور خطیب کی خطابت کے وہ ۲۳ ر برس جو مکمل شعور وآگہی میں گزرے ہوں اگر اس کی بامعنی گفتگو، مخصوص تعلیم اور معیاری خطابت کو یکجا کیا جائے تو بھی دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں، ہر گھر میں کتابوں کے طومار اور انبار لگ جائیں، مگر آپ ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ کی تعداد گنی چنی اور ان میں خطبات کا حصہ محدود، یہ زندہ شہادت ہے ارشادات مبارکہ کی جامعیت اور بلاغت کی۔

اکابرین میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت مشہور، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، شورش کاشمیری کی سحر بیانی معروف، عہد حاضر میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد

سالم صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کا خطاب اپنی متانت، علمیت اور فکر وبصیرت میں زبان زد خاص و عام۔ حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کا خطابت کی دنیا میں اپنے منفرد لب ولہجہ اور مخصوص انداز کی وجہ سے نام، مگر حکیم الاسلامؒ کی بات ہی کچھ اور ۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے　　کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

حکیم الاسلامؒ کی خطابت اپنے عہد میں خطابت کی معراج اور خطابت کا اعجاز، نئے نئے مضامین، نئے نئے افکار کا مرقع، آیاتِ کریمہ، احادیث شریفہ، آثارِ مبارکہ کا عطر، ایمان افروز واقعات، بصیرت انگیز حقائق، علوم جدیدہ اور سائنسی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کی دلنشیں تشریح کا خزانہ، شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی روحانی و احسانی تعلیمات کا دفتر، دعوت وارشاد کے مضامین کا بحر بیکراں، حدیث وفقہ، فلسفہ وکلام، تاریخ وسیرت، اخلاقیات وآداب کا خزانۂ عامرہ، لہجہ شیریں، اسلوب پاکیزہ، پیرایۂ بیان مدلل، ڈھائی ڈھائی تین تین گھنٹے لگاتار بولتے اور مجمع لذتِ تقریر سے هَلْ مِنْ مَزِيْد کی تصویر بنا رہتا۔

مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہیؒ نے اپنے تعزیتی مکتوب میں وصفِ تقریر کی عکاسی کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ان کی شیریں زبانی، شگفتہ بیانی، صورت نورانی، ہوش مندی، فکرارجمندی، ذہن اور دردمندئ دل کو کون بھلا سکتا ہے، دوائر علمیہ ان کی جامعیت، علوم وافکار کا تنوع، ادبی ذوق، خوبی تعبیر، حسین و بدیع ترجمانی، حکمت ربانیہ بھی ولی اللّٰہی بھی، ابن جوزی کی سی سحر انگیزی بھی، کسی صاحبِ ذوق، جوہر شناس کورہ رہ کر کیسے یاد نہ آئے گی، **عجزت النساء ان یلدن مثل طیب** اب وہ کوہ کی بات کوہ کن کے ساتھ گئی، کس کس صفاتِ نادرہ پر تعجب کریں، زبان ایسی کہ سب سمجھیں، بیان ایسا کہ دل مانے، عقل کی پاسبانی بھی لیکن کہیں کہیں اسے تنہا بھی چھوڑ دے اور افکار بھی، دلائل عقلی بھی نقلی بھی، جدلِ عدل بھی، انفسی بھی آفاقی بھی اور حقائق ومعرفت آ گییں بھی۔'' (۴۸)

مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام وتفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں بلاتکلف خطاب فرماتے تھے۔ زبان ایسی صاف اور شُستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ حقائق و واقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہوکر

سامعین کے سامنے کھڑا ہے۔شریعت کے اسرار وحکم اور طریقت وحقیقت کے رموز ولطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم ومعرفت کا طوفان اُمڈ آیا ہے۔

حضرت مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے ہزاروں مرتبہ خطاب فرمائے ہوں گے اور بعض اوقات ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر وخطابت کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی ہر تقریر کا ہر موضوع منفرد ہوتا تھا اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف واسرار کے ایسے گل ولالہ بکھیرتے کہ حقائق ومعارف کے چمنستان میں نئی بہار آ جاتی، ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے، مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الاسلامؒ کو تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اگرچہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت بھی حضرتؒ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھی، حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو، لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ درس وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ چناں چہ آپ کی بہت سی تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں اور ان کے مطالعہ سے دین کی عظمت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔'' (۴۹)

مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات کے اہم ترین عناصر میں نہایت پرکشش پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ایک بے مثال واعظ اور خطیب تھے، حقیقت یہ ہے کہ وعظ وتقریر میں علماء اور واعظین کی صف میں آپ کا کوئی مثیل اور ثانی نہ تھا، آپ بلاشبہ امتیازی مقام کے حامل تھے، اس میں آپ کو ایسا ملکۂ راسخہ حاصل تھا جسے موہبت الٰہی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دورانِ تقریر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک چشمہ رواں ہے اور ایک ایسا آبشار ہے جو اوپر سے نیچے کی جانب نہایت یکسانیت اور سکون کے ساتھ اپنے جلو میں علوم ومعارف اور اسرار وحکم کو لئے بہہ رہا ہے۔''

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ لکھتے ہیں:

''حکیم الاسلامؒ ''علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل'' کے صحیح مصداق تھے، وہ گلستان محمدیؐ کا شگفتہ پھول تھے اور ہر طرف نبوت محمدیؐ کا رنگ ونور بکھیرتے پھرتے تھے یا پھر بقول اکبرؔ

محمدؐ پھول ہیں اور واعظ صبا ہیں   کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمدؐ

وہ مسند درس پر بیٹھے تو دنیائے تعلیم وتدریس پر اپنا سکہ بٹھا دیا، انھوں نے قلم ہاتھ میں لیا تو اسلام کی حکمتوں اور دین کی بصیرتوں کے موتی بکھیر دیئے اور خواص وعوام دونوں کو دین برحق کا شیدائی بنا دیا۔''

مولانا محمد حنیف ملیؒ صاحب لکھتے ہیں:

''بلاشبہ حضرت حکیم الاسلامؒ اپنے جد امجد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے علم لدنی کے جانشین تھے، جس کی جھلکیاں ان کے مواعظ حسنہ میں بکثرت دیکھی جاسکتی ہیں، انہوں نے زبان وقلم سے دین کی سچی اور بے مثال خدمت کی ہے جیسا کہ ان کی سینکڑوں وقیع تصنیفات سے اندازہ ہوتا ہے، اسی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی نے انہیں سارے عالم کے لئے ''حکیم الاسلام'' بنا دیا۔ خطابت ان کا خاص جوہر تھا، جس میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا، ان کی زبان میں بلا کی کشش تھی، حضرت کی تقریر کیا تھی ایک جادو تھا جو دل ودماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے، جملوں کی بندش، حکیمانہ اندازِ تفہیم، عربی فارسی اور اردو اشعار کا برمحل اور برجستگی سے استعمال، زبان کی شیرینی، حکایات وامثال کے ساتھ مقصد کی تشریح تو حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کا حصہ تھا، پھر دریا کی روانی کی طرح حضرت پہروں تقریر کرتے لیکن کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی، بلاشبہ سحبانِ وائل، قیس بن ساعدہ جیسے ممتاز مقررین کا دور حضرت کی تقریر سے تازہ ہو جاتا تھا۔''

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالیؒ لکھتے ہیں:

''ان کی تقریر علم وفن کی خشک زمین کے لئے برسات اور تحریر قاری کے دل پژمردہ کے واسطے آب حیات تھی، لفظ لفظ میں علم وحکمت کے گوہر جملے جملے میں معرفت کا سمندر پوشیدہ ہوتا تھا۔''

مولانا نور عالم خلیل امینیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلامؒ کی تقریروں کا انداز بالکل نرالا تھا، وہ کسی بھی موضوع پر بولتے، بات سے بات پیدا کرتے جاتے اور مرکزی موضوع متعدد ذیلی موضوعات پر اس طرح پھیل جاتا کہ ان کی تقریر کے دوران بیچ میں حاضرِ مجلس ہونے والا سامع بسا اوقات یہی سمجھتا تھا کہ حضرت فلاں موضوع پر گفتگو فرما رہے ہیں، حال آں کہ وہ کوئی ذیلی گوشہ ہوتا جس پر وہ اظہار خیال کر رہے ہوتے تھے۔ ان کی تقریر شاخ در شاخ ہو کر پھر مرکزی تنے سے اس طرح جڑتی چلی جاتی تھی کہ بہت کم مقرروں کے لئے، اس طرح کی لمبی لمبی

شاخوں کو مرکزی موضوع سے جوڑنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ نہ کبھی مرکز سے ہٹتے، نہ اصل موضوع کو بھولتے، جب کہ ذیلی موضوعات پر دراز کلامی سے عموماً مرکزی موضوع کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جایا کرتا ہے۔ وہ ہر ذیلی موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرتے اور پھر قرینے سے انہیں اصل موضوع سے جوڑ دیتے۔

تقریر کے دوران کتاب وسنت کے نصوص کو اصل عربی میں پڑھتے اور ان کا انتہائی سلیس اور مزے دار ترجمہ کرتے۔ اقوالِ سلف کو بھی ان کی اصل زبان میں ہی پیش فرماتے: عربی ہو یا فارسی یا اردو۔ دلچسپ لطیفوں، درس انگیز حکایات، عبرت خیز نکات، نازک اشارات، معنی ریز تشبیہات، عقل کشا واقعات، ذہن کو بیدار کرنے والے نت نئے خیالات و التفاتات اور سب سے بڑھ کر تجدیدِ ایمان و یقین کا سامانِ صد ہزار رکھنے والے ایسے حقائق حیات سے، ان کی تقریریں بھری پُری ہوتیں، جن سے دل کا ہر زنگ دور ہو جاتا، ہمتِ عمل پر سان چڑھتی، کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی ان گنت نشانیوں پر غور کرنے کا نہ ختم ہونے والا جذبہ بیدار ہوتا اور بہت سی مرتبہ گنہ گار آنکھوں کو غسل تطہیر کا سامان میسر آ جاتا اور آدمی سابقہ خطاؤں سے بالکلیہ توبہ کر لینے کی، ایسی توفیق لے کر اٹھتا کہ آئندہ زندگی میں اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھنے کی راہ پا جاتا۔'' (۵۰)

حکیم الاسلامؒ کے خطبات اتنے مربوط، مرتب ہوتے تھے کہ ان کو بعینہٖ ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے کتابی شکل دی جاسکتی تھی، کسی ترمیم کی ضرورت ہی نہ تھی، آپ کے اکثر خطبات ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مرتب ہوئے ہیں، خطبات کے چند ہی اقتباسات سے قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے گا کہ حکیم الاسلامؒ کی تقریر میں تحریر کی لذت اور تحریر کا لطف اٹھایا جاسکتا ہے، مضامین کی روانی، معانی کا بہاؤ اور نئے نئے زاویوں، گفتگو اور نئے نئے اسالیب میں ارشاد و افادہ دونوں جگہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ موجود ہے۔

انسانی فضیلت کا راز

انسانی فضیلت کا راز کیا ہے؟ اور وہ صفت یا وصف کون سا ہے جو انسانی فضیلت کی بنیاد بن سکے۔ حکیم الاسلامؒ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''ذی شعور مخلوق ملائکہ، جنات، حیوانات، انسان میں سے علم صرف انسان کو بخشا، باقی تین اقسام ملائکہ، جنات اور حیوانات کو یہ علم نصیب نہ ہوا، یا کسی قدر رہا تو انسان کے طفیل اور اس کے واسطے سے ہوا۔ سو اس میں اصل انسان ہی رہا، جس میں کوئی مخلوق اس کی ہمسری تو بجائے خود ہے شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے واضح ہوا کہ علوم طبعیہ، علوم وہمیہ، علوم خیالیہ، علوم عقلیہ وغیرہ انسان کی خصوصیت نہیں۔

یہ اور انواع کو بھی میسر ہیں کیوں کہ یہ تمام علوم اپنے اندر اندرونی قویٰ سے ابھرتے ہیں اور وہ قویٰ جانداروں میں کم وبیش رکھے گئے ہیں۔ عقل ہو یا خیال، وہم ہو یا طبیعت ہر ایک کی چیز ہے اس لئے ان کے ذریعہ جو تصور بھی جاندار کو بندھے گا۔ اس سے خود اس کے نفس کی مرضی و نامرضی اور خدا کے مطلوبہ کاموں کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ خدا کی پسند ناپسند اس کے اندر سے آئے ہوئے علم سے سمجھ آسکتی ہے اور وہی وحی کا علم ہے جو نبوت و رسالت کے ذریعہ آتا ہے اور یہ صرف انسان کو دیا گیا ہے اس سے نمایاں ہوگیا کہ انسان کی خصوصیت علوم طبعیہ، علوم وہمیہ، علوم خیالیہ، علوم شیطانیہ نہیں بلکہ علوم الٰہی ہیں، علوم نبوت اور علومِ رسالت ہیں جو انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اس لئے انسان اگر ساری مخلوقات پر برتری اور فضیلت کا دعویٰ کرسکتا ہے تو وہ علوم شرعیہ ہی کے ذریعہ کرسکتا ہے۔'' (۵۱)

معجزۂ علمی

حکیم الاسلامؒ کی زبان میں امتِ مسلمہ کا امتیازی وصف علم ہے:

فرمایا: ''ہر فن کے اندر اہل علم اور اہل کمال پیدا ہوئے اور ان کے ذریعہ علماء کے کمالات ظاہر ہوئے، وہ علوم لاکے رکھے کہ دنیا کی عقلیں عاجز آگئیں، یہ قرآن ہی کا فیض تو تھا کہ خود بھی معجزہ ہے اور معجزہ گر بھی ہے۔ مسلمانوں میں اس نے اعجازی قوت پیدا کی۔ اس کو چھوڑ کر ہم اعجازی قوت سے محروم ہوں گے۔ امت کی طاقت ختم ہوجائے گی، اس کی طرف لوٹیں گے، تبھی جاکر امت کی شوکت بازیاب ہوگی، ان کی قوت بازیاب ہوگی۔'' (۵۲)

رہنمائے انقلاب

قرآن کریم نے جو اصلاحی انقلاب برپا کیا ہے اس میں صحابہ کرامؓ کی جماعت سب سے پہلی صف میں ہے، جو اس انقلاب کی مثال بن سکتی ہے۔

فرمایا: ''صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ قرآن اخذ کیا، دل بدل گئے، روح بدل گئی، جذبات بدل گئے۔ پھر جہاں بھی یہ حضرات پہنچے وہاں بھی انقلاب برپا کردیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ خیر تخت الٹ دینا تو یہ ہے کہ ملک فتح کرلیا۔ قیصر کا ملک فتح ہوگیا، رومی ماتحت بن گئے، کسریٰ کا ملک فتح ہوگیا، ایران پر حکومت قائم ہوگئی، یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، مگر بڑی بات یہ ہے کہ جہاں بھی گئے ملک بدل دیا، تہذیب بدل دی، مذہب بدل دیا، زبان بدل دی، ساری چیزوں میں تبدیلی

پیدا ہوگئی۔ آج آپ ''ممالکِ عربیہ'' کہتے ہیں مصر کو، شام و عراق کو حالاں کہ یہ عرب ممالک نہیں تھے۔ عراق جو ہے وہ خراسان کا ملک تھا۔ اس میں اور زبان بولی جاتی تھی، عربی نہیں بولی جاتی تھی۔ مصر قبطیوں کا ملک تھا اس میں قبطی زبان بولی جاتی تھی، یہ صحابہؓ کی شان ہے کہ عراق میں پہنچے، مذہب بھی بدل دیا، زبان بھی بدل دی، مصر میں پہنچے مذہب بھی بدل دیا اور زبان عربی ہوگئی، تمدن تک بدل دیا، تہذیب تک بدل دی، تو یہ تبدیلی اور انقلاب کی شان صحابہؓ میں کہاں سے آئی؟ اس قرآن کے ذریعہ سے آئی۔ صحابہؓ اسی کو لے کر کھڑے ہوئے، اسی کو دستور العمل بنایا تو عالم کی کایا پلٹ دی۔'' (۵۳)

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟

سیرتِ نبویؐ کی بالکل صحیح تعریف کیا ہوسکتی ہے؟ ذیل میں حکیم الاسلامؒ کی یہ وضاحت ملاحظہ فرمائیے:

''۱۲؍ربیع الاوّل کو ایک ذاتِ مقدس کو اللہ تعالیٰ نے نمایاں کیا کہ اس سے زیادہ حسین وجمیل ذات نہ پہلے عالم میں پیدا ہوئی تھی نہ بعد میں پیدا ہوگی۔ ایک کامل نقشہ انسانیت کا ایسا پیش کیا گیا کہ اس سے زیادہ حسین وجمیل نقشہ دوسرا نہیں ہے اور یہ تو قاعدہ کی بات ہے کہ جیسا سانچہ ہوتا ہے ویسی ہی اس میں چیز ڈھلی ہوتی ہے، سانچہ مکمل ہے تو جو چیز ڈھلے گی وہ بھی مکمل ہوگی، سانچہ اگر بے پیندہ کا ہے تو جو اس میں ڈھالو گے وہ بھی بے پیندہ کا ہوگا تو جب سراپا قد وقامت اور نقشہ، قالب مکمل تھا تو حقیقت بھی تو اتنی ہی مکمل آنی چاہئے تھی، اس لئے جیسا جمال بے نظیر تھا، ویسا ہی کمال جو اس میں بھرا ہوا تھا، وہ بھی بے نظیر تھا۔ اس کمال ہی کا نام سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسی کمال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل پیدا ہوئے تو ایک ہے شمائل، شمائل کہتے ہیں ظاہری خصائل کو اور خصائل کہتے ہیں باطنی خصلتوں کو، یعنی اخلاق کو، عادات کو، کمالات کو، تو جب شمائل اعلیٰ ہوں گے تو خصائل بھی اعلیٰ ہوں گے، نقشہ بے نظیر تھا تو جو چیز ڈھلی ہوئی تھی وہ بھی بے نظیر تھی، تو جیسے صورت اعلیٰ تھی، سیرت بھی اعلیٰ تھی، اس واسطے میں نے عرض کیا صورت خود مقصود نہیں ہوتی، صورت سیرت کے دکھلانے کا آئینہ ہوتی ہے، صورت پہچاننے کا ذریعہ ہوتی ہے، کسی شخص کو دیکھ کر جب آپ پہچانتے ہیں تو صورت دیکھ کر ہی پہچانتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے یعنی اس کی حقیقت کیسی؟ اس کی باتیں کیسی؟ تو پہلا ذریعہ پہچاننے کا صورت ہے تو ذریعۂ تعارف ہے صورت، حقیقت میں جو چیز پہچاننے کی ہے، وہ ہے جو صورت کے اندر ڈھلی ہوتی ہے، اس کا نام سیرت ہے تو صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے کا وسیلہ بنی، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ولادتِ جسمانی ذریعہ بنی، ولادتِ روحانی

پہچاننے کا کہ اس ذات کو ظاہر کیا جائے، اس ذات سے دنیا کے لئے پھر کمالات نمایاں ہوں تا کہ دنیا ان کمالات پر چل کر خود سعادت حاصل کرے''۔(۵۴)

تعلیمِ جدید

حکیم الاسلامؒ اور اسلامیۃ المعرفہ، ایک دل نشیں تشریح کہ تمام علوم کی اساس اور بنیاد اور اسی طرح ان کا منتہی یہ سب کا سب مبنی بر توحید ہو اور خدا کی معرفت کی غرض سے، اس سلسلہ میں ذیل کا اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''کالج کے اندر جہاں اس کی ضرورت ہے کہ کائناتی اشیاء کو سمجھا جائے، وہیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس کا ''آخری نقطہ خدا کی معرفت ہو'' اسلام نے ان چیزوں کی طرف توجہ محض ''عیش و عشرت'' کرنے کے لئے نہیں دلائی۔ عیش و عشرت کوئی دوامی چیز نہیں، یہ تو چند روزہ قصہ ہے۔ آدمی دنیا میں آیا ہے مسافر کی طرح سے، اس کو ایک ''بڑی منزل'' تک جانا ہے۔ اگر وہ ''اصل منزل'' کو گنوا بیٹھا تو اس نے کائنات کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ یہ تو راستہ اور رہ گزر ہے مگر چوں کہ راستے کے نشیب و فراز کا جاننا ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر آدمی راستہ پر نہیں چل سکتا اور نہ ہی آدمی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے دنیا کے ''عجائبات'' کا دیکھنا اور سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ وہی تو راستہ ہے جس پر چل کر آدمی اپنے خدا کی معرفت تک پہنچتا ہے۔''(۵۵)

فن سیاست بھی حیوانات میں سے ہے

حکیمانہ نکتہ آفرینیوں کا ایک حیرت انگیز نمونہ ملاحظہ کیجئے:

''پھر اگر یہ کہیں کہ طب نہ سہی فن سیاست سہی، ہم سیاست جانتے ہیں اور اپنی ملّت کا نظم کر سکتے ہیں اور سیاسی نظام قائم کر کے قوم کی منظّم خدمت کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس بارے میں جانوروں پر فضیلت رکھتے ہیں تو میرے خیال میں یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فن سیاست بھی انسانی خاصہ نہیں بلکہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ شہد کی مکھی بھی ملت کی سیاسی اور انتظامی تنظیم کر سکتی ہے۔ شہد کی مکھیاں جب شہد کا چھتہ بناتی ہیں اور بے نظیر انداز سے اس میں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر گویا اپنا یہ قلعہ تیار کر لیتی ہیں تو اس کے نظام کی تشکیل اس طرح ہوتی ہے کہ پہلے تو وہ اپنا امیر منتخب کرتی ہیں، جس کا نام عربی زبان میں ''یعسوب'' ہوتا ہے۔ یہ امیر اس چھتہ پر ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے۔ ساری مکھیاں اس امیر

کی اطاعت کرتی ہیں۔ اندرون قلعہ کی انتظامی تقسیم یہ ہوتی ہے کہ اس چھتہ کے ایک حصہ میں تو شہد بھرا جاتا ہے، ایک حصہ میں ان کے بچے ان خانوں میں پلتے ہیں۔ ایک حصہ میں بڑی مکھیاں رہتی ہیں اور امیر ان سب کی نگرانی کرتا ہے حتی کہ اگر کسی مکھی سے قوم کے خلاف کوئی غداری ہو جائے تو وہ اس مکھی کی گردن قلم کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھتے کے نیچے ہر طرف کچھ مکھیاں سر کٹی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی پڑی رہتی ہیں، کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اس کا زہریلا مادہ لے کر آتی ہے۔ جس سے بنے ہوئے شہد میں سمیّت سرایت کر جانا یقینی ہوتا ہے تو وہ یعسوب اسے فوراً محسوس کرتا ہے کہ زہریلا مادہ لے کر آئی ہے اور اس مکھی کی گردن توڑ کر اسے فوراً مار گراتا ہے کہ وہ اس چھتہ کے اندر نہ گھسنے پائے تا کہ اس کے زہریلے مادہ سے قوم کے دوسرے افراد کی جانیں ضائع نہ ہوں، گویا وہ سمجھتا ہے کہ ایک کی جان لے کر پوری قوم کو بچا لیا جائے تو کوئی جرم نہیں یعنی اس کی سیاست اسے یہ اصول سمجھاتی ہے کہ: "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ" (۵۶)

دنیا میں جنت کی شکل آیاتِ قرآنیہ ہیں

الفاظ کے سمندر میں حکمت آفرینی کی موجِ تہ نشیں کا ایک جیتا جاگتا نمونہ:

"جب کہ جنت اسی کلام کا مجموعہ ہے اور انہی آیات قرآنیہ کو جنت کہا گیا ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں اس جنت کی شکل آیتوں کی ہے اور وہاں جا کر باغ و بہار ہو جائے گی، تو چیز ایک ہوئی لیکن جہانوں کے بدلنے سے ہیئت بدل جائے گی، اس دنیا میں وہ الفاظ و معنی ہیں اس دنیا میں جا کر وہ بہترین صورتیں اور بہترین نعمتیں اور بہترین لذتیں بن جائیں گی اور باغ و بہار ہو جائیں گی اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں کہ ایک چیز ایک عالم میں ایک لباس پہنے ہوئے ہو اور دوسرے عالم میں دوسرا لباس پہن لے، وطن کی خصوصیت سے صورتیں، شکلیں بدل جاتی ہیں جیسے ایک انجینئر کوٹھی کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں بناتا ہے جو اس کے تصور میں ہوتا ہے، پھر اسی نقشہ کو وہ کاغذ پر اتارتا ہے اور پھر اسی کاغذی نقشہ کے مطابق وہ کوٹھی کی تعمیر زمین پر کرتا ہے، پس اصل کوٹھی وہی ہے جو اس کے ذہن میں تھی، وہی کوٹھی کاغذ پر آئی اور پھر وہی ذہنی کوٹھی آخر کار زمین پر کھڑی ہوئی چیز ایک ہی ہے، مگر ہر وطن میں پہنچ کر اس نے لباس اختیار کیا، چیز ایک ہی ہے مگر وطنوں کے بدلنے سے لباس بدلتا رہا، ذہن میں تھی تو وہاں نہ روشنائی تھی نہ کاغذ تھا، کاغذ پر آئی تو وہاں نہ اینٹ تھی نہ پتھر تھا، زمین پر آئی تو وہاں مادی چیز تھی، غرض ہر جگہ اس وطن کے مناسب یہ کوٹھی لباس اختیا کرتی رہی"۔ (۵۷)

انسانی دل ایک عجیب کائنات ہے

انسانی دل کی ماہیت وآثار وکیفیات کی عارفانہ منظر کشی، ملاحظہ کیجئے:

’’قلب کو ایک عجیب کائنات بنایا اللہ تعالیٰ نے، اس قلب کے اندر محققین لکھتے ہیں کہ دو دروازے ہیں قلب کے ایک نیچے کی طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے، ایک قلب میں اوپر کی طرف، اوپر کی کھڑکی کھلتی ہے تو عالم غیب کے مشاہدات کرتا ہے۔ وحی اور الہام ربانی اور جمالات اور کمالاتِ خداوندی کو دیکھتا ہے، عالم غیب منکشف ہوتا ہے اور نیچے کی کھڑکی سے دیکھتا ہے تو محسوسات نظر پڑتے ہیں، دریا اور پہاڑ اور جنگل تو محسوسات کو نیچے کے سوراخ سے دیکھتا ہے اور مغیبات کو اوپر کے سوراخ سے دیکھتا ہے، قلب ایک ہی ہے لیکن اس میں بینائیاں دو قسم کی رکھیں، ایک اوپر کے دیکھنے کی، ایک نیچے کی دیکھنے کی۔ ایک ظاہری چیزیں دیکھنے کی، ایک باطنی چیزیں دیکھنے کی، ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لئے آلات بنائے، قلب کے لئے آنکھ بنائی تا کہ شکلیں اور صورتیں دیکھے، کان بنائے تا کہ آوازوں کو سنے، زبانیں دیں تا کہ ذائقوں کو چکھیں، ناک دی تا کہ خوشبو اور بدبو کو سونگھے، تو شئے کی صورت بھی دیکھتا ہے انسان شئے کی خوشبو، بدبو کا بھی ادراک کرتا ہے، شئے کی آوازیں بھی سنتا ہے۔ آوازیں سن کر بچاؤ بھی کرتا ہے۔ اپنے کام بھی نکالتا ہے، اگر شیر کی دہاڑ سنی تو بچنے کی کوشش کرتا ہے تو کان ذریعہ بنتے ہیں بچنے کا اور اگر آواز سن لی کسی اچھے خوشنما پرندے کی تو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ گھر کی زینت بناؤں گا تو کان ذریعہ بنا منافع حاصل کرنے کا بھی اور مضار یعنی مضرتوں سے بچنے کا بھی۔ اسی طرح سے آنکھ ذریعہ بنتی ہے چیزوں کے لینے کا بھی اور چیزوں سے بچنے کا بھی۔ اگر صورت دیکھ لے سانپ کی تو بھاگتا ہے آدمی، اگر صورت دیکھ لی کسی اچھے، خوشنما پتھر کی، سونے چاندی کی دوڑتا ہے اس کے اٹھانے کے لئے، اگر آنکھ نہ ہوتی تو نفع حاصل کر سکتا نہ مضرت سے بچ سکتا تو آنکھ کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا دور سے دیکھ کر منافع حاصل کرنے کا اور مضرتوں سے بچنے کا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ سامنے نہیں ہیں، ان کی آواز بھی نہیں آتی، لیکن ان کی بدبو اور خوشبو سے سمجھ لیتا ہے کہ یہاں فلاں چیز موجود ہے۔ شیر کے منہ میں بدبو ہوتی ہے، اگر وہ سامنے بھی نہیں تو اس کے منہ کی بدبو دور تک سونگھ سکتا ہے، آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہاں شیر موجود ہے بھاگتا ہے وہاں سے، اور اگر دوسرا جانور ہے اس کی بو آئی اور وہ استعمال کا ہے تو شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ناک ذریعہ بنتی ہے بہت سی چیزوں سے بچنے کا اور بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کا، اسی طرح سے ذائقہ بعضی چیزوں کو چکھ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ مضر ہوں گی، اس کا ذائقہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضر ہے، بعض جو فرحت بخشتے ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (۵۸)

اس دنیا کے حالات اور اس کی اشیاء پر جہاں تک ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز یہاں مرکب ہے۔ ایک حصہ اس میں نمایاں ہے جس کو آپ جسم یا صورت کہہ دیں اور ایک حصہ مخفی ہے جس کو آپ روح یا جان کہہ دیں۔ غرض یہاں کی ہر چیز روح اور جسم سے مرکب ہے۔ اس جہان میں نہ جسم محض ہے نہ روح محض ہے جسم محض ہو تو اس کا انجام گلنا پھولنا، پھٹنا سڑنا ہے۔ وہ بغیر روح کے باقی نہیں رہ سکتا اور روحِ بلا جسم کے نمایاں نہیں ہوسکتی، وہ مخفی کی مخفی رہ جائے گی۔ اسی لئے دنیا میں جب بھی کوئی چیز آئے گی تو وہ اپنا کوئی پیکر یا ہیئت لے کر آئے گی۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ جب بھی کوئی غیبی حقیقت ظاہر ہوگی وہ کوئی نہ کوئی پیکر یا پیراہن ضرور اختیار کرے گی اور وہ پیراہن اسی کے مناسب حال ہوگا جو اللہ نے اس کے لئے تجویز کیا ہے۔ مثلاً گلاب کی خوشبو ایک غیبی حقیقت ہے، وہ جب نمایاں ہوگی یہ نہیں ہے کہ وہ کیکر کے پتوں میں نمایاں ہو جائے، اپنے ہی مناسب صورت اختیار کرے گی۔ خربوزہ ہے اس کا ایک ذائقہ ہے، جب بھی اسے آپ تلاش کریں گے تو خربوزے کی ہیئت میں تلاش کریں گے، یہ نہیں کہ آپ آم کی ہیئت میں خربوزہ کا مزا ڈھونڈنے لگیں۔ اس لئے اس ذائقہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی کے مناسب شکل دی ہے۔ وہ غیر شکل میں نمایاں نہیں ہوسکتا۔

انسان کو حق تعالیٰ شانہٗ نے حقیقت جامعہ بنایا ہے جس میں ساری ظاہری اور باطنی کمالات رکھے ہیں۔ اس کے مناسب حال یہی صورت ہے جو آپ کی صورت نوعیہ ہے۔ یہ حقیقت کسی جانور کی شکل میں ظاہر ہو نہیں ہوسکتی۔ اسی انسانی پیکر میں ظاہر ہوگی تو ہر حقیقت قدرۃً چاہتی ہے کہ میرے مناسب صورت ہو۔ ہر صورت چاہتی ہے کہ میرے مناسب اس میں حقیقت ڈالی جائے۔ اللہ کے یہاں کوئی بے جوڑ قصہ نہیں ہے کہ حقیقت کوئی سی ہو اور شکل کوئی سی ہو، ہر صورت کے مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کے مناسب صورت ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ: **التمسوا الخير فی حسان الوجوه.**

خوبصورت چہروں میں خیر تلاش کرو۔ یعنی اگر چہرہ مہرہ اچھا ہے تو اندر بھی خیر ہی ہوگی، چہرہ مہرہ خراب ہے تو اس خیر کے درجے کی نہیں ہوگی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قادرِ مطلق ہیں۔ وہ پابند نہیں ہیں، وہ چاہیں تو بہتر سے بہتر صورت میں بری حقیقت ڈال دیں اور بری سے بری صورت میں بہترین حقیقت ڈال دیں۔ درحقیقت ان کے قبضۂ قدرت کی بات ہے لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ جیسا پیکر ہوگا ویسی حقیقت ظاہر ہوگی۔

تو یہ حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اچھی صورت میں بری حقیقت اور بری صورت میں اچھی حقیقت ڈال

دیں مگر سنت اللہ یہی ہے کہ اچھی صورتیں ہوں گی تو اچھی حقیقتیں ہوں گی اور بری صورت ہوگی تو حقیقت بھی اسی درجے کی ہوگی۔ اس لئے حدیث میں فرمایا گیا: ''**التمسوا الخیر فی حسان الوجوہ**'' اچھی حقیقتوں کو پاکیزہ چہروں میں تلاش کرو، اس قسم کی تکوینی چیزیں اکثر ہی ہوتی ہیں، کلیہ نہیں ہوتیں، کوئی نہ کوئی جز ان سے نکلتا رہتا ہے''۔(۵۹)

بعثتِ نبیؐ امی کا پسِ منظر

نہایت سادہ اور سہل انداز بھی حکیم الاسلامؒ کی زبان سے کتنا پرکشش بن جاتا ہے، اس کی ایک مثال دیکھئے:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع العلوم بنایا گیا۔ ہر ذہنیت آپ کی شریعت میں موجود ہے کہ اسی ذہن کے مطابق تربیت دی جائے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو علمِ اسماء دیا گیا، فرمایا گیا: **وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ** تو حدیث میں ہے کہ **علمت الاسماء کلھا کما علم آدم الاسماء کلھا.**

''آدم علیہ السلام کو سب نام سکھلا دیئے گئے تو وہی علم مجھے بھی عطا کیا گیا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل تعبیر خواب کا علم تھا، تعبیر خواب کے اصول بیان کرنا کہ جس سے فن بن جائے اور ہزاروں معبّر پیدا ہو جائیں تو انبیاء علیہم السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم دیا گیا تھا لیکن حضور علیہ السلام کو تعبیر خواب کے اصول بتلائے گئے جو قرآن وحدیث میں بکھرے ہوئے ہیں جس کے ذریعے سے یہ ایک فن بنا اور اس فن کے بڑے بڑے امام اس امت کے اندر پیدا ہوئے جنہوں نے انہی اصول وقواعد کے مطابق تعبیرات دیں، تو جزئی علم نہیں دیا گیا بلکہ کلی طور پر علم دیا گیا۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا حکم دیا گیا یعنی جزئی خواب جو آتے تو وہ ان کی تعبیر بتلا دیتے تھے مگر وہ اصول وقواعد جن سے تعبیر دینے کا طریقہ معلوم ہو جائے یہ فنی صورت نہیں تھی، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قواعد منکشف ہوگئے جن کو کتابوں میں نقل کیا گیا اور فنِ مستقل بن گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے خواب ذکر کیا جاتا تو جو تعبیر ان کے قلب میں القاء کی جاتی وہ ارشاد فرماتے اور واقعہ سامنے آجاتا مگر جناب رسول اللہ ﷺ جو تعبیرات فرماتے ان کے دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ علماء نے ان کو منضبط اور جمع کر کے ایک فن کی صورت دیدی۔

تعبیر خواب کا علم، علوم ِمقصودہ میں سے نہیں ہے۔ علوم ِمقصودہ میں تو احکام ہیں جن پر چل کر آدمی سعادتِ ابدی حاصل کرے اور اخروی نجات حاصل کرے۔ اگر عمر بھر کسی کو خواب کی تعبیر نہ معلوم ہو یا کوئی فن نہ جانے تو قیامت کے دن یہ سوال تھوڑا ہی ہوگا کہ تم نے تعبیر خواب کا علم کیوں نہ حاصل کیا؟ تو علوم ِمقصودہ میں سے نہیں مگر اس کے باوجود قرآن کریم اور احادیث سے ایسے علوم کی بنیاد بھی نکلتی ہے جو مقاصد نہیں ہیں مگر قرآن وحدیث نے ان کو ایک فن کی صورت دیدی ہے اور علماء نے اپنے فہم کے مطابق اس فن کو ترتیب دیدیا ہے۔ (۶۰)

علم اور مال میں فرق

مال تو خزانہ ہے، سب جانتے ہیں مگر علم اس سے بڑھ کر ایک قیمتی خزانہ ہے۔ ان دونوں میں یہ فرق کیوں ہے؟ اس بات کو تھوڑا عنوان بدل کر حکیم الاسلامؒ کی زبان سے سنئے:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اور مال میں فرق ہے، وہ یہ کہ مال جتنا خرچ کرو، گھٹتا ہے، علم کو جتنا خرچ کرو بڑھتا ہے۔ اگر علم کہیں گھٹ جایا کرتا تو جو حافظ قرآن شریف پڑھانے بیٹھتا ہے تو جتنی آیتیں بچوں کو سکھلایا کرتا، خود بھول جایا کرتا۔ اس کا علم دوسرے کے پاس منتقل ہو جایا کرتا، حالاں کہ جتنا پڑھاتا ہے تو استاذ پرانا ہو جاتا ہے۔ اس کا علم ترقی کر جاتا ہے۔ غرض علم کو جتنا خرچ کرو، بڑھتا ہے، دولت کو جتنا خرچ کرو گھٹتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مال کی حفاظت مالک کو کرنی پڑتی ہے۔ چار پیسے ہوں گے تو آپ کو فکر ہے کہیں چور نہ لے جائے۔ تالا لگاؤں، تجوری میں رکھوں، گھر کی کوٹھری میں رکھوں اور سو رہے ہیں تو فکر ہے کہ رات کو کوئی چور نہ آئے گا، تو آپ کو خود مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم عالم کی حفاظت کرتا ہے، عالم کو ضرورت نہیں۔ علم خود بتلائے گا کہ یہ خطرے کا راستہ ہے، یہ نجات کا۔ تو علم اپنے عالم کی خود حفاظت کرتا ہے مگر مال اپنے مالک کی حفاظت نہیں کرتا، مالک کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ مال آئے گا تو سو مصیبتیں ساتھ لے کر آئے گا کہ حفاظت کرو چور سے اور اس سے وغیرہ وغیرہ اور علم آئے گا تو وہ احسان جتلاتا ہوا آئے گا کہ میں تیرا محافظ ہوں، میں تیری خدمت کروں گا، میں تجھے نجات کا راستہ بتلاؤں گا، تو علم جیسی چیز اگر کوئی سکھلائے تو وہ سب سے بڑا محسن ہے کہ اس نے دنیا اور آخرت کا راستہ کھول دیا ہے۔'' (۶۱)

''حقیقت یہ ہے کہ: **العلم عز لا ذل فیه یحصل بذل لا عز فیه** یہ امام ابو یوسف کا مقولہ ہے

کہ علم ایک ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا نشان نہیں، مگر ایسی ذلت سے حاصل ہوتا ہے جس میں عزت کا نشان نہیں۔ غلامی محض کرنی پڑتی ہے۔ اساتذہ کے آگے جھکنا پڑتا ہے، اڑی کڑی جھیلنی پڑتی ہے، تب جا کر چار حرف آتے ہیں۔

ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ یہ اتنا بڑا علم آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ تو فرمایا: ''**بلسان سئوول و قلب عقول**'' سوال کرنے والی زبان اور عقل مند قلب کے ذریعہ حاصل ہوا۔ میں نے سوال کرنے میں کبھی عار نہیں کیا۔ اگر مسئلہ معلوم نہیں ہوا اپنے چھوٹوں سے سوال کر لیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ ذہن میں اٹکا، تو حضرت زید بن ثابتؓ، جو کاتب وحی ہیں حضرت ابن عباسؓ کے استاذ ہیں۔ ضرورت پڑی کہ ان سے تحقیق کی جائے تو بارہ بجے دوپہر کو یہ سوال ذہن میں آیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دہلیز پر بیٹھ گئے جہاں جلتا ہوا پتھر ہے۔ دھوپ پڑ رہی ہے، یہ خیال کیا کہ جب ظہر کی نماز کے لئے نکلیں گے تو سوال کروں گا، اگر مسجد میں پہنچ گئے تو درس شروع ہو جائے گا، سوال کا موقع نہیں رہے گا، تو ساری دوپہر دھوپ میں دہلیز پر بیٹھ کر گزارا۔ جب اچانک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نکلے، فرمایا:

اے ابن عم رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ عرض کیا: حضرت ایک مسئلہ اٹک رہا تھا، اس کی تحقیق کرنی ہے۔ فرمایا: پھر آجاتے۔

عرض کیا: سوال تو دل میں ابھی کھٹکا تھا، پھر آنے کا کون سا وقت ہے؟ جب سوال ذہن میں آیا تو جب ہی حاضر ہو گیا۔

اس سے شدتِ طلب معلوم ہوئی اور شدتِ طلب کے ساتھ ساتھ کسرِ نفس بھی واضح ہوا کہ علم کے حاصل کرنے میں نہ کسی وقار کا سوال، نہ کسی خودداری کا سوال، غلاموں اور خادموں کی طرح جا کر دہلیز کے اوپر بیٹھ گئے۔ اس طرح سے علم حاصل ہوتا ہے۔ (۶۲)

مزاجِ نبوت وملوکیت میں فرق

مزاجِ نبوت اور مزاجِ ملوکیت میں بہت سے فروق ہیں، مگر سب سے بڑا فرق کیا ہے، ذیل میں اس کا جواب مل جائے گا:

''ان دونوں کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ نبوت کا بھی ایک مزاج ہے اور بادشاہت وملوکیت کا بھی۔ دنیا میں جب بادشاہت غالب آتی ہے تو اس کا مزاج کچھ اور ہے۔ ان دونوں مزاجوں کا قرآن کریم نے تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ بادشاہ جب کسی ملک پر غالب آتے اور اقتدار پاتے ہیں اور فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو

وہ کیا کرتے ہیں:

”اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً. وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ.

جب کوئی بادشاہ کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے اس شہر کو اس طرح سے فاسد کرتا ہے کہ عزت والوں کو پست کرتا ہے، ذلت والوں کو اونچا کرتا ہے۔ انقلاب عظیم برپا کرتا ہے۔

اس لئے کہ جواب تک عزت والے تھے، ان سے عزت چھیننی ہے کیوں کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ پھر برسرِ اقتدار نہ آجائیں، اس لئے انہیں کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کے اقتدار کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ وہ نشانات مٹائے جاتے ہیں جو کسی قوم کے اقتدار کے ہوتے ہیں۔ کاغذوں سے وہ نام محو کئے جاتے ہیں تاکہ خیال بھی ادھر نہ جائے، اس لئے کہ اگر ان کا اقتدار کسی درجہ میں بھی رہ گیا تو ہمارا اقتدار قائم نہیں ہوگا۔

وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. یہ سلاطین کا طریقہ ہے، بادشاہت اور ملوکیت کی تاریخ دیکھی جائے تو الٹی ہی نظر آئے گی۔

اور ایک انبیاء علیہم السلام کا مزاج ہے۔ جب نبوت کا اقتدار غالب ہوتا ہے تو وہ امن کا اعلان کرتے ہیں، عزت والوں کو عزت کی داشت کرتے ہیں اور جو پست ہیں ان کو ابھارتے ہیں تاکہ سب عزت میں شریک ہوجائیں اور کسی کی تذلیل اور رسوائی نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ دس برس کی زندگی کے بعد جب مدینہ طیبہ سے تشریف لائے اور فاتحانہ مکہ کے اندر داخل ہوئے تو دس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر ساتھ تھا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہیں، بادشاہ ایسے موقع پر اقتدار کو جتلاتا ہوا اور اینٹھتا ہوا داخل ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ داخل ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ تواضع اور خاکساری کی وجہ سے گردن مبارک اونٹنی کی گردن پر جھکی ہوئی تھی، چوں کہ عزت کے ساتھ داخلہ ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عزت پیش نظر تھی، اس لئے غایتِ تواضع اور انکساری کی وجہ سے سر مبارک اتنا جھک گیا تھا کہ اونٹنی کے سر سے آملا تھا۔

ع نہد شاخ پر زمیوہ سر برزمین

درخت کا پھل جب بڑھ جاتا ہے تو شاخیں زمین کی طرف جھک جاتی ہیں، یہ نہیں ہے کہ درخت جب پھل دار ہو تو اوپر کو اٹھنے لگے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے ساری دولتیں لے کر آتے ہیں، ان میں تواضع بڑھتی رہتی ہے لیکن مادی دولت جوں جوں بڑھتی رہتی ہے اس سے نخوت بڑھتی رہتی ہے۔“ (۶۳)

جامع اضداد زندگی

اس عنوان کے تحت صحابہ کرامؓ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایمان افروز تجزیہ ملاحظہ فرمائیے:

''صحابہ کرامؓ کی اس اعلیٰ ترین زندگی کا نور، تیز بھی ہے اور پیغمبر ﷺ سے اقرب تر اور اشبہ تر بھی ہے کہ اس نے نبوت کی زندگی سے متصل رہ کر اس کی شعاعوں کا نور قبول کیا ہے اس لئے یہ زندگی نہ صرف عزیمتوں کی زندگی اور اولوالعزمانہ زندگی ہے کہ جائزات کی آڑ لئے بغیر عمل کے اعلیٰ ترین حصہ ہی کو اپنالیا جائے اور نفس کی راحت طلبیوں کو خیر باد کہہ کر عملی مجاہدہ وریاضت ہی کو زندگی بنالیا جائے بلکہ یہ زندگی جامع اضداد بھی ہے جو کمال اعتدال لئے ہوئے ہے کہ ایک طرف نفس کشی بھی انتہائی اور ساتھ ہی ادب شریعت اور اتباع سنن نبویؐ بھی انتہائی اور ایک طرف طبعی جذبات بھی قائم اور دوسری طرف عقلی وداعی اور ملکیت بھی غالب، اس کمال اعتدال و جامعیت کے ساتھ یہ زندگی صحابہ کرامؓ کے سوا امت کے کسی طبقہ کو طبقاتی حیثیت سے نصیب نہیں۔ آحاد و افراد اس زندگی کے حامل نظر پڑیں گے، جس میں شرف صحابیت کے سوا سب کچھ ہوگا، لیکن طبقہ کا طبقہ ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہو اور ہمہ وقت اخلاص و معرفت حد کمال کو طے کئے ہو۔ طبقہ صحابہؓ کے سوا دوسرا نہیں۔ جنہوں نے گھر بار چھوڑ کر اور نفس کی خواہشات سے منہ موڑ کر صرف اور صرف رضائے حق کو اپنی زندگی بنایا۔ مرغوبات کو شرعی مطلوبات پر قربان کردیا۔ موطن طبیعت سے ہجرت کر کے موطن شریعت میں آ کر بس گئے اور شرعی مرادوں کی خاطر نفس کی حیلہ جوئیوں اور راحت طلبیوں سے کنارہ کش ہو کر عزم صادق کے ساتھ ہمہ تن مرضیاتِ الٰہی اور سنن نبویؐ کی پیروی میں مستغرق ہو گئے اور اسی کو اپنی زندگی بنالیا۔ اس جامع اور جامع اضداد زندگی کا سب سے زیادہ نمایاں اور حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ وہ کلیۃً تارک دنیا بھی تھے اور رہبانیت سے الگ بھی، دنیا اور دنیا کے جاہ وجلال، دھن و دولت، حکومت وسیاست، گھر بار، زمین، جائیداد کے ہجوم میں بھی تھے اور پھر ادائے حقوق میں بے لاگ بھی، یہ زن، زر، زمین ان کے تصرف میں بھی تھی اور پھر قلباً ان سب چیزوں سے بے تعلق اور کنارہ کش بھی، درویش کامل بھی ہیں اور قبا شاہی بھی زیب تن ہے۔ حکمران بھی ہیں اور دلق گدائی بھی کندھوں پر ہے۔ ممالک بھی فتح کر رہے ہیں اور فقیری بھی بدستور قائم ہے۔'' (۶۴)

''پس صحابہ کرامؓ درحقیقت نبوت کا ظل کامل تھے جن کے طبقہ سے نبوت اور کمالاتِ نبوت پہچانے جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی طبقہ کے طبقہ کو بحیثیت طبقہ اللہ ورسولؐ کے یہاں مرضی و پسندیدہ قرار دیا گیا ہے

تو وہ صرف صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے جس کی شہادت قرآن اور حدیث نے دی اور ”رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ“ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی کی دستاویز رضا ان کے لئے آسمانی کتاب میں تا قیامِ قیامت ثبت کر دی ہے۔ کہیں: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت و اجر عظیم ہے۔“ ان لوگوں کے ذریعے ان کے قلوب کی پاکیزگی کی شہادت دی گئی اور کہیں: ”اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً“ اور کہیں وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا فرما کر ان کے اخلاق کی برتری ثابت کی گئی اور کہیں أصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم فرما کر ان میں ہر ہر فرد کو پوری امت کا مقتدیٰ بتلایا گیا جس کی پیروی اور پیروی سے حصول ہدایت میں کوئی ادنیٰ کھٹکا نہ ہو۔“ (۶۵)

جنت عمل کا نہیں، ایمان کا صلہ ہے

علم کلام کا مشہور مسئلہ ہے کہ دخولِ جنت کے لئے ایمان شرط ہے اور اعمال رفع درجات کے لئے شرط کے درجہ میں ہے۔ ذیل میں حکیم الاسلامؒ اسی موضوع پر اپنے انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

”جنت کا بدلہ ایمان پر ملے گا، عمل پر نہیں ملے گا۔ عمل محض علامت ہے، جس سے ایمان پہچان لیا جائے۔ ورنہ اصل ایمان کا بدلہ جنت ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ آپ اگر سونا خریدنے کے لئے کسی صراف کی دوکان پر جائیں اور ایک ہزار روپئے کا سونا آپ کو خریدنا ہے تو آپ یہ نہیں کرتے کہ آپ نے ہزار روپئے دیئے، اس نے سونا دیدیا اور آپ لے کے چلے آئے۔ پہلے اسے پرکھتے ہیں کہ اصلی ہے یا نہیں؟ اس میں کھوٹ ملا ہوا تو نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسوٹی ایک پتھر ہوتا ہے، اس پر گھس کر دیکھتے ہیں۔ اگر اس پر سفید، چمک دار لکیریں پڑیں، یہ اس کی علامت ہوئی کہ سونا کھرا ہے تو آپ ہزار روپئے دیدیں گے، سونا لے لیں گے اور اگر میلی اور مٹیالے رنگ کی لکیریں پڑیں تو آپ سمجھیں گے کہ سونا کھوٹا ہے، آپ نہیں لیں گے۔

یہ جو آپ نے سونا خریدا اور صراف کو ہزار روپئے دیئے، یہ ہزار روپئے کیا ان لکیروں کی قیمت تھی، جو پتھر پر کھینچی گئی یا سونے کی قیمت ہے؟ یہ سونے کی قیمت تھی، لکیروں کی نہیں تھی۔ وہ تو علامات تھیں، جن سے پہچانا گیا کہ سونا کھرا ہے۔ اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت جو ملے گی یہ ایمان کا بدلہ ہوگا، عمل کا نہیں

ایمان کا بدلہ ملے گا، ایمان کو پہچاننے کے لئے عمل کو دیکھا جائے گا۔

اگر عمل کا بدلہ ہوتا تو میں نے اور آپ نے پچاس برس مثلاً عمل کیا تو پچاس برس جنت میں رہتے، اس کے بعد کان سے پکڑ کے باہر نکال دیئے جاتے کہ جاؤ باہر، بدلہ ہو گیا۔ جنت میں جو ابدالآباد رہیں گے یہ عمل کا بدلہ نہیں، اس لئے کہ عمل محدود وقت تک انجام دیا تھا۔ ایمان ایک ایسی چیز ہے جو عمر بھر قائم رہے گا اور جب آدمی مرتا ہے تو عزم لے کے جاتا ہے کہ اگر ایک کروڑ برس بھی زندہ رہوں گا، تب بھی اس ایمان کو نہیں چھوڑوں گا، تو ایماندار ہی ہوتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چوں کہ ابدی چیز ہے، اس لئے بدلہ بھی ابدی ملا، عمل ابدی چیز نہیں ہے، اس لئے عمل کا بدلہ نہیں ہوتا، اس کو بطور علامت دیکھتے ہیں۔ ظاہر میں بے شک عمل سے جنت ملی، مگر ایمان نہ ہو، کیا پھر بھی جنت مل جائے گی؟ نہیں ملتی۔ معلوم ہوا کہ عمل سے نہیں ملتی، ایمان سے ملتی ہے۔ ایمان ہو، تبھی عمل بھی معتبر ہوتا ہے اور ایمان کی پرکھ عمل سے ہی ہوتی ہے۔

اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں کہ بلاشبہ فضل سے نجات ہوگی لیکن عمل کرنا اس کی علامت ہے، اس لئے عمل کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔'' (٦٦)

اختلافِ مذہب کے اسباب

یہ تو طے ہے کہ جملہ الہامی مذاہب میں مذہب اسلام آخری اور دائمی مذہب ہے، دیگر مذاہب ہنگامی اور غیر دائمی تھے، اتنی سی بات سمجھ لی جائے تو بات ختم ہو جاتی ہے، اسلام اور دیگر الہامی مذاہب میں اصولاً کوئی ٹکراؤ نہیں رہتا ہے مگر اہل مذاہب اصول نے شرع کے بجائے جب عقلیں لڑانی شروع کیں تو اختلافات کی نئی نئی عمارتیں کھڑی ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں حکیم الاسلامؒ کی یہ وضاحت ملاحظہ فرمایئے:

''اور ابتداء میں سارے انسان ایک ہی دین پر تھے، لیکن جوں جوں لوگوں نے اپنی عقلیں چلائیں تو دین کے اندر فتنے پیدا ہوتے گئے، اگر محض اتباع کرتے کہ جو اللہ کے رسول نے لا کر دے دیا اس پر آنکھ بند کر کے چلتے، کوئی نزاع نہ ہوتا۔ نزاع جب ہوتا ہے جب اوپر سے آئی ہوئی چیزوں میں آدمی عقلیں لڑاتے اور عقلی ڈھکوسلوں سے عقیدے بنانا شروع کرے، یہیں سے آدمی کے اندر خلل پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔

اس طرح کبھی انتہائی محبت سے عقیدہ بگڑتا ہے کہ کسی ذات سے انتہائی محبت اور عقیدت ہے اس کو اتنی بڑائی دی کہ اس کو خدائی کے درجہ میں پہنچا دیا۔

کبھی انتہائی عداوت سے عقیدہ بگڑتا ہے کہ کسی سے عداوت ہوئی کہ فلاں پر نام لے کر لعنت بھیجنی شروع کر دو، نام لے کر برا کہو، اس کا بھی ایک غلو ہے۔ تو کبھی غلو عداوت میں اور کبھی غلو محبت میں عقیدے

بگڑتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشادفرمایا کہ:

''اے علی! تمہارے بارے میں بعض لوگ محبت کی وجہ سے تباہ ہوں گے اور بعض عداوت کی وجہ سے۔''

بعض لوگوں نے انتہائی محبت کی کہ حضرت علیؓ کو خدا تک کہا اور کہا کہ یہ خدا کا مظہر ہیں اور اتنی انتہائی عقیدت کی کہ ان کے سامنے جھکے جیسے خدا کے آگے، یہ غلو محبت میں ہلاک ہوئے اور رفض کا قصہ چلا۔

اور خوارج ان کی عداوت میں ہلاک ہوئے تو ان کو مسلمان تک بھی نہ مانا۔ ان کا تبرا شروع کیا، معاذ اللہ ان پر لعنت بھیجنی شروع کی تو بعض محبت میں اور بعض عداوت میں غلو سے تباہ ہوئے۔

یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات کہ نصاریٰ ان کی محبت میں تباہ ہوئے کہ ان کو اللہ کہا، اللہ کا بیٹا کہا، خدائے مجسد کہا کہ ایک نورانی خدا ہے، ایک جسمانی خدا ہے، نورانی خدا اوپر ہے جسمانی خدا نیچے ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کے لئے علم غیب اور قدرت ثابت کی اور سارے وہ اوصاف جو اللہ کے لئے ہیں ان کے لئے ثابت کئے تو غلو میں عقائد تباہ کئے۔

اور یہود عداوت میں برباد ہوئے حتیٰ کہ ان کے بارے میں کہا کہ یہ ولد غیر ہیں، بازار والے آدمی، یوسف نجار سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام پر انہوں نے تہمت لگائی۔

بہر حال عقائد میں ان دو چیزوں سے خلل پڑتا ہے اور کبھی عقل لڑانے سے اس لئے کہ جو اللہ کی بھیجی ہوئی چیز ہو اس میں عقل کی گنجائش نہیں''۔(۶۷)

منبع عقائد

مذکورہ وضاحت کے بعد عقیدہ کے تعلق سے ایک اور وضاحت:

''تو عقیدہ کبھی عقل سے بگڑتا ہے کہ ہے غیر عقلی چیز اس میں عقل لڑانی شروع کی تو یا سچے عقیدہ کا انکار کریں گے یا غلط عقیدہ گڑھ لیں گے۔ دین برباد ہو جائے گا اور کبھی عقیدہ غلو محبت سے بگڑتا ہے کہ اپنے اعتقاد والے بزرگوں سے اتنی محبت بڑھ جائے کہ آدمی فانی بن جائے جو وہ کہیں اسی کو آدمی شریعت سمجھ لے، جو وہ کہیں اسی کا عقیدہ بنا لے کیوں کہ عقیدے شریعت کے ہیں انہیں اس سے بگاڑ پیدا ہوگا اور کہا جائے گا کہ عقیدے پیغمبر سے لئے جائیں گے، اولیاء سے عقیدے نہیں لئے جائیں گے۔ علماء عقیدے بنانے والے نہیں ہیں، مشائخ عقیدہ قائم کرنے والے نہیں ہیں۔ مشائخ خود پابند ہیں ان عقیدوں کے جو اللہ کے رسولؐ نے بتلائے ہیں، علماء خود ان عقائد کے پابند ہیں جو اللہ کے رسول نے ارشاد فرمائے۔ عقیدہ

خدا کی خبر سے بنتا ہے، علماء کے کہنے سے عقیدہ نہیں بنتا، لیکن محبت میں ان کے ہر قول وفعل کو آدمی عقیدہ بنا لے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شریعت اور دین کے اندر خلل پیدا ہوگا۔

اور کبھی غلو عداوت سے عقیدہ بگڑتا ہے کہ کسی جماعت یا کسی شخص سے عداوت پیدا ہو جائے، ضد یا عناد پیدا ہو جائے۔ اچھی سے اچھی بات بھی کہیں گے تو یہ غلط کہے گا۔ اس لئے کہ بدگمانی پہلے قائم کر لی۔ وہ صحیح عقیدہ بھی بیان کریں گے غلط کہے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ غلط عقیدے پر قائم ہو جائے گا اور صحیح عقیدے سے محروم رہے گا تو عقائد کو بگاڑنے والی کبھی عقل ہوتی ہے کہ غیبی امور میں دخل دے۔'' (۶۸)

اسلام کے پیش کردہ راستے

یہاں مقاصدِ شرع کا ایک اچھا اور اچھوتا موضوع زیر بحث ہے:

''اسلام نے دنیا کے سامنے دو راستے پیش کئے ہیں۔ گویا اسلام دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اقترابات، دوسرے ارتفاقات۔

اقترابات کا مطلب یہ ہے کہ وہ راستے جن سے آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی پیدا کر سکے اور اس کی نزدیکی کی یہ صورت نہیں ہے کہ جیسے ہم آپ کے نزدیک ہو جائیں کہ گز بھر کی بجائے آدھ گز یا آدھ گز کے بجائے بالشت بھر کا فاصلہ رہ جائے۔ اسے نزدیک کہیں گے مگر یہ نزدیک ہونا جسمانی ہے اور اللہ جسم نہیں ہے کہ اس کے نزدیک ہونے کا یہ مطلب ہو کہ ہم دو چار گز سرک جائیں یا دس پانچ میل آگے پہنچ جائیں۔ اس کی نزدیکی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے مناسبت اور مضبوط تعلق پیدا کریں۔ اس کے اخلاق سے مخلق ہوں۔ اس کے کمالات سے باکمال بنیں، خدائی اوصاف ہمارے اندر نفوذ کریں تاکہ ہمیں خلافت اور نیابت خداوندی کا مقام حاصل ہو۔ اس چیز کا نام اسلام میں اقترابات یعنی قرب خداوندی پیدا کرنے کا ذریعہ کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ رکھی گئی ہیں۔

دوسری چیز ارتفاقات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی میل جول، لطف و مدارات، تمدن و تعاون اور مدنیت و شہریت کے اصول و طریقے ہمارے سامنے ہوں کہ کس طرح سے ہم دنیا میں زندگی گزاریں۔ دنیا میں جیسے مساجد بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، گھر بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ جیسے گھر بنانے کی ضرورت ہے، بازار بنانے کی بھی ضرورت ہے، یہ سلسلہ ارتفاقات کے شعبے ہیں کہ آپس کا میل جول اور باہمی تمدن اور تعاون یہ ہم کس طرح سے انجام دیں اس کے لئے مختلف شعبے ہیں، جن کی تفصیلات اسلام نے کی ہیں۔

بہر حال یہ دو سلسلے ہیں ایک اقترابات اور ایک ارتفاقات۔

اس لئے کہ ایمان کے دو شعبے ہیں ایک **التعلیم لامر اللّٰہ** اور ایک **الشفقة علی خلق اللّٰہ** اللہ تعالیٰ کے اوامر اور بھیجے ہوئے قانون کی عظمت اور اس کی مخلوق پر شفقت و مدارات اور رحم و کرم کرنا یہ ایمان کے دو شعبے ہیں۔ اس لئے علم کی بھی دو قسمیں ہوگئیں۔'' (۶۹)

عدم تشدد کے پانچ ہتھیار

اس عنوان کی وضاحت کتنے دلچسپ انداز میں فرمائی گئی ہے:

''جس طرح تشدّد کے اسلحہ تیر و تفنگ اور توپ و بندوق ہیں، ایسے عدم تشدد کے بھی کچھ اسلحہ ہیں جو اس جنگ آزادی کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل ذکرہٗ سے طلب فرمائے اور اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى کی تعمیل کے لئے جواب میں عرض کیا کہ مجھے چند اسلحہ درکار ہیں جو اس جابر بادشاہ کے مقابلہ کے لئے ناگزیر ہیں، جن کو رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ سے شروع فرمایا۔

یہاں صرف ان معنوی اور اخلاقی اسلحہ کی تفصیل پر نظر ڈالئے جو آیت عنوان میں موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے طلب فرمائے ہیں۔ یہ عدم تشدد کے پانچ ہتھیار ہیں جو مانگے گئے ہیں۔

پہلی چیز شرح صدر ہے کیوں کہ جب تک کسی مقصد کے لئے سینہ نہ کھل جائے اور وہ مقصد دل کے اندرونی داعیہ اور جذبہ سے نہ ابھرے حوصلہ بلند نہ ہو آدمی زور قوت اور وزن دار آواز سے اسے پیش نہیں کرسکتا۔ دوسری چیز تیسیر امر ہے کیوں کہ اگر باوجود انشراح صدر کے ادھر سے اعانت و توفیق اور تہیۂ اسباب و وسائل نہ ہو تو محض جذبہ اندرون کام نہیں دے سکتا۔

تیسری چیز حل عقدۂ لسان ہے کہ اگر بلیغ انداز میں مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کلام میں فصاحت اور شیرینی نہ ہو تو مخاطب پر مقصد کا اثر نہیں پڑسکتا اور اس اجتماعی مقصد میں نہ اپنوں کی جمعیت بن سکتی ہے نہ دشمن کی سوسائٹی ٹوٹ سکتی بلکہ وہ تصدیق کے بجائے اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

چوتھی اعانت کار اور اشتراکِ عمل ہے کہ اگر کام میں اشتراک عمل نہ ہو اور کوئی بھروسہ کا معین و مددگار ساتھ نہ ہو تو انفراد کے ساتھ یہ اجتماعی کام نہیں چل سکتا، نیز طبع بشری تنہائی کے ساتھ جب کہ وہ بے معین و مددگار ہو قرار بھی نہیں پکڑ سکتی۔ ساتھ ہی قلبی و باطنی مقاصد میں انفراح و استقلال بھی میسر نہیں آسکتا۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے بھی عمرین میں سے ایک عمر کے اسلام کی دعا فرمائی تھی جو حضرت عمر بن خطابؓ

کے حق میں مقبول ہوئی کہ انہیں سے حضورؒ کی ایک وزارت کا قلمدان مکمل ہونے والا تھا۔

اور پانچویں چیز جوان سب کی روح اور معنوی قوت ہے وہ ذکر اللہ اور ذاتِ بابرکات حق کی تسبیح و تقدیس ہے کیوں کہ اگر توجہ الی اللہ نہ ہو تو نہ شرحِ صدر ہو، نہ تیسیر امر، نہ حلِّ عقد ہو، نہ اشتراک عمل کی توفیق و تاثیر۔(۷۰)

آزادی کا مفہوم

آج پوری دنیا میں آزادی، آزادی کی لہر ہے اور مختلف قسم کی آزادیوں کی بات ہو رہی ہے، آیئے دیکھتے ہیں کہ جس آزادی کی بات ہو رہی ہے وہ آزادی کے مفہوم میں آ بھی رہی ہے یا نہیں؟

''اسلام، آزادی کا سب سے بڑا حامی اور علم بردار ہی نہیں بلکہ وہی اور صرف وہی حقیقی جامع اور مکمل آزادی کا پیغام لے کر دنیا میں آیا ہے۔ اگر دنیا اسلام سے روشناس نہ ہوتی تو آزادی کا مفہوم ذہنوں میں اور اس کا کوئی عملی نقشہ آنکھوں میں نہ سما سکتا کیوں کہ عقل کی تگ و تاز کی حد تک آزادی کے معنی کوٹھی، بنگلہ، کیک، پیسٹری، توس، مکھن، کھیل، تماشا، گانا، بجانا، آلات لہو و لعب، نفسانی عیش و نشاط، ملکوں میں آمد و رفت، ہوائی یا بری و بحری سیر و سیاحت، پارٹی فیلنگ اور اس سے حریفوں کی شکست، استعمار اور جوع الارض مخصوص مفادات کو سامنے رکھ کر وضع قانون اور قانونی داؤ پیچ کے پردوں میں اقوام و طبقات کو بے بس اور بے حق ٹھہرا دینے کے نہیں ہیں، ورنہ غلامی اور غلام سازی کے لفظ کے لئے کوئی معنی باقی نہ رہیں گے بلکہ آزادی کے معنی حق و صداقت، عدل و انصاف اور ایثار و رواداری کے سچے جذبات کے تحت بے بسوں کی بے بسی رفع کرنے، ضعیفوں کو ابھارنے، بے کسوں کو سہارا دینے، ظالموں سے دبے ہوؤں کو اٹھا دینے اور حدود سے گزر کر ابھرے ہوؤں کو اتار دینے اور بالفاظِ دیگر اونچ نیچ کا فرق اٹھا کر سب کو حقوق کے لحاظ سے مساوی سطح پر لے آنے کے ہیں تا کہ ضعیف مظلوم نہ بننے پائے اور قوی کو ظلم و زیادتی کا موقع نہ ملے۔ پس آزادی کا حاصل بلا روک ٹوک پوری قوت و قدرت کے ساتھ ادائے حقوق نکل آتا ہے جس سے ظالم کے ہاتھ کٹ جائیں اور مظلوم کی بے وسعت و پائی ختم ہو جائے۔''(۷۱)

فن سائنس کا موضوع

یہ مضمون سائنسی حقائق پر حکیم الاسلامؒ کی گہری نظر کا غماز ہے:

''اس دور ترقی میں جب تمدنی ایجادات اور مادیات کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہوتا ہے تو بطور

تکملہ سائنس کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر نے اپنی اعجازی کروٹ سے دنیا کو دیوانہ بنا دیا مثلاً: وسائل خبر رسانی کے سلسلہ میں ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، ریڈیو اور لاسلکی اور دوسرے ایسے ہی برقی آلات سے عالم کو مبہوت کر دیا تو ساتھ ساتھ سائنس کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کے سنہرے آثار ہیں یا مثلاً وسائل نقل وحرکت کے سلسلہ میں جب ریل، موٹر، ہوائی جہاز اور دوسری بادپیما سواریوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی سائنس کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کا طفیل ہے یا مثلا صنائع وحرَف کے سلسلہ میں لوہے، لکڑی کے خوشنما اور عجیب وغریب سامان تعمیرات کے نئے نئے ڈیزائن اور نمونے، سیمنٹ اور اس کے ڈھلاؤ کی نئی نئی ترکیبیں اور انجینئری کی نئی سے نئی اختراعات جب سامنے آتی ہیں تو سائنس کا نظر فریب چہرہ بھی سامنے کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب اسی کے خم ابرو کی کارگزاریاں ہیں، اس طرح نباتاتی لائن میں زراعتی ترقیات، پھل اور پھول کی افزائش کے جدید طریقے اور نباتات کے نئے نئے آثار وخواص کے متعلق انکشافات کا نام جب لیا جاتا ہے تو وہیں سائنس کا نام بھی پورے احترام کے ساتھ زبانوں پر آجاتا ہے۔

اسی طرح حیوانی نفوس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے ترقی یافتہ وسائل اور آپریشنوں کی عجیب وغریب پھرتیلی صورتیں، کیمیاوی طریق پر فن دواسازی کی حیرت ناک ترقی، تحلیل وترکیب کی محیر العقول تدبیریں، بجلی کے ذریعہ معالجات کی صورتیں جب زبانوں پر آتی ہیں کہ یہ سب اسی کے درخشندہ آثار ہیں۔ اس سے میری ناقص عقل نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ موضوعِ عمل موالید ثلاثہ: جمادات، نباتات اور حیوانات کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔

پھر چوں کہ ان ہر سہ موالید کی ترکیب عناصر اربعہ آگ، ہوا، پانی، مٹی سے ہوتی ہے جو تقریباً ایک مسلمہ چیز ہے اور اس لئے اس پر کسی استدلال کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے گویا سائنس کا موضوع بلحاظ حقیقت عناصر اربعہ ٹھہر جاتے ہیں جن کی خاصیت اور آثار کا علماً سمجھنا اور پھر کیمیاوی طریق پر ان کی تحلیل و ترکیب کے تجربات سے عملاً نئی نئی اشیاء کو پردہ ظہور پر لاتے رہنا سائنس کا مخصوص دائرۂ علم وعمل ہو جاتا ہے۔ پس سائنس کی یہ تمام رنگ برنگ تعمیریں درحقیقت انہی چار ستونوں (عناصر اربعہ) پر کھڑی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد اگر تفصیلی حقیقت کا مختصر عنوان میں خلاصہ کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کا موضوع ''مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ'' سے بحث کرنا ہے اور بس جو بھی مادیات میں زیادہ سے زیادہ منہمک رہ کر ان کے خواص وآثار سے کام لینے والا ثابت ہوگا وہی سب سے بڑا سائنس دان اور بہترین ماہر سائنس کہلائے جانے کا مستحق ہوگا''۔ (۷۲)

دورِ جدید میں فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید کا واحد طریق عمل

یہ دورِ جدید کا انتہائی حساس اور سلگتا ہوا موضوع ہے، اس کو ذرا غور سے پڑھئے:

آج کے اس سائنسی اور سریع رفتار صنعتی وعلمی ترقیات کے دور نے زندگی کے ہر شعبہ میں نت نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں، جن کو فقہی اصطلاح میں ''نوازل'' کہا جاتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ کے عہد میں یہ مسائل اتنے زیادہ نہیں تھے، مگر ان کی خداداد بصیرت، وسعت نظر اور دوراندیشی قابل دید ہے کہ انہوں نے ایسے احوال کا ادراک کرتے ہوئے ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' کا نظریہ بڑے کھلے ذہن سے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں علماء دین کے ساتھ علماء دنیا کے اشتراک سے ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' کے عمل کا مشورہ دیا ہے اور ساتھ میں کچھ تحفظات اور شرائط کا بھی ذکر کیا ہے۔

''اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی اصول، اسلامی مزاج اور نبوت کا منہاج بجنسہٖ قائم رکھ کر جس میں دیانت و سیاست اور عبادت و مدنیت بیک وقت جمع ہے۔ وقت کے مسائل کو نئی تشکیل وترتیب سے نمایاں کرکے نئے حوادث میں قوم کی مشکلات کا حل پیش کیا جائے تو یہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل ہوگی جب کہ اس میں فقیہ المزاج شخصیات، اسلامی اصول کی روشنی اور جزئیات عملیہ کی رعایت، اسلامی مزاج کی برقراری، سلف صالحین کا اسوہ، مرادات خداوندی کے ساتھ تقید، رضاءِ حق کی پاس داری، اجتماعی صلاح وفلاح، اخروی نجات کا فکر وغیرہ کی حدود قائم رکھی جائیں گی تو بلاشبہ ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' دینی ہی رنگ کے ساتھ منظر عام پر آجائے گی، مگر اسی کے ساتھ ان منتخب شخصیات میں جہاں اس دینی فکر اور تفقہ مزاج اور وقت کو بھی پہچانتے ہوں۔ عصری حالات اور وقت کی ضروریات بھی ان کے سامنے ہوں، علوم عصریہ میں انہیں مہارت وحذاقت میسر ہو، دنیا کی عام رفتار اور آج کے ذہن کو بھی وہ سمجھے ہوئے ہوں اور اس میں ذی فہم اور ذی رائے بھی ہوں کیوں کہ حالات ہی اصل محرکِ فتاویٰ ہیں۔ اگر یہ منتخب شخصیات شرعیات کی خوگر ہوں لیکن عصریات سے بے خبر ہوں یا برعکس معاملہ ہو تو ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں کٹھن مرحلہ ایسی جامع شخصیتوں کی فراہمی کا ہے جو شرعیات اور عصریات میں یکساں حذاقت ومہارت کی حامل ہوں، عموماً اور اکثر وبیشتر ماہرین شرعیات، عصریات سے کچھ نابلد اور موجودہ دنیا کی ذہنی رفتار اور اس کے گونا گوں نظریات سے بے خبر ہیں اور ماہرین، عصریات اکثر وبیشتر شرعیات سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید کا بار اگر تنہا ایک طبقہ پر ڈال دیا جائے تو علماء کی حد تک بلاشبہ

مسائل کی تشکیل قابل وثوق ہوگی لیکن ممکن ہے جدید طبقے کے اعتراضات کا ہدف بن جائے اور دوسری طرف ماہرین عصریات جبکہ عامۂ دینی مقاصد اور ''اسلامی تشکیل جدید'' کا بار محض انہی کے کندھوں پر ڈال دیا جائے تو حوادث کے حد تک وہ ماہرین شریعت کے اعتراضات کا ہدف بن جائے گی، بہر دو صورت تشکیل جدید کا خاکہ نا تمام بلکہ ایک حد تک نقصان دہ ثابت ہوگا۔

ان حالات میں درمیانی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس تشکیل کے لئے دونوں طبقوں کے مفکرین کی مشترک مگر مختصر اور جامع کمیٹی بنائی جائے جس میں یہ دونوں طبقے اسلام کے تمام تمدنی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اپنے اپنے علوم کے دائرے میں غور وفکر اور باہمی بحث وتمحیص سے کسی فکر واحد پر پہنچنے کی سعی فرمائیں اور جامع فکروں کو کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں مسائل کی تنقیح میں استعمال کریں تو وہ فکر یقیناً جامعیت لئے ہوئے ہوگا۔ جس میں دینی ذوق اور شرعی دستور بھی قائم رہے گا اور عصری حالات سے باہر بھی نہ ہوگا، نیز ایک طبقہ کا ہدف طعن وملامت نہیں بن سکے گا اور مسائل کے بارے میں کوئی خلجان سدِّ راہ نہ ہوگا۔

البتہ مفکرین کو یہ ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا کہ اسلام کوئی رسمی اور دنیوی قانون نہیں بلکہ دین ہے جس میں دنیا کے ساتھ آخرت بھی لگی ہوئی ہے اور ہر عمل میں خواہ وہ فکری ہو یا عملی، جہاں انسان کی دنیوی زندگی میں شائستگی کی رعایت رکھی گئی ہے اور انہیں تنگی اور ضیق وحرج سے بچا کر ہمہ گیر سہولتیں دی گئی ہیں۔ وہیں رضاء خداوندی اور آخرت کی جواب دہی بھی ان پر عائد کی گئی ہے۔ اس لئے اسے محض دنیوی قوانین اور صرف معاشی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر حوادث کا آلۂ کار بھی نہیں بننے دیا گیا ہے کیوں کہ احوال ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے، حال کے معنی ہی ''ما حال فقد زال'' کے ہیں (یعنی جو حال آیا وہ زائل بھی ہوگا) حال تو بدلنے ہی کے لیے بنایا گیا ہے لیکن اصول فطرت بدلنے کے لئے نہیں لائے گئے ہیں، وہ اپنی جگہ اٹل ہی رہیں گے، البتہ ان شرعی اصولوں میں ایسی وسعتیں ضرور رکھی گئی ہیں کہ وہ ہر بدلتی ہوئی حالت میں وقت کے مناسب رہنمائی کرسکیں، اس لئے مفکر کا کام صرف اتنا ہی ہوگا کہ بدلے ہوئے حالات اور نئے حوادث کو سامنے رکھ کر ان جزئیات مسائل کو سامنے رکھ کر ان جزئیات مسائل کو سامنے لے آئے جو اس حادثہ کے بارے میں منہاج نبوت نے اصولاً یا جزءًا وضع کئے ہیں اور ان پر منطبق کئے ہیں، پس مفکر، دانشور یا مبصر، مفتی کا کام حادثہ اور مسئلہ تبدیل کرنا نہیں بلکہ دونوں میں تطبیق دے دینا ہے۔ نہ حالات سے صرف نظر کرنا ہے نہ مسائل سے قطع نظر کر لینا ہے، اس لئے شریعت نے تمدنی اور معاشرتی احوال کی حد تک زیادہ تر قواعد کلیہ ہی سامنے رکھے ہیں۔ نئی جزئی صورتوں کی تشخیص نہیں کی ہے کہ وہ ہر دور میں نئے نئے رنگ میں نمایاں ہوتی رہتی ہے۔'' (۴۷)

عبادتِ مالی سے مقصود امیر وغریب میں توازن قائم کرنا ہے

مالی عبادت جیسے زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ کے شرعی مصالح کیا ہیں؟ اس پر حکیم الاسلامؒ کی یہ وضاحت ملاحظہ کیجئے:

''مقصد یہ ہے کہ امیر اور غریب کے اندر قرب پیدا ہو۔ یہ نہ ہو کہ امیر آسمان کے اوپر ہو اور غریب زمین کے اوپر ہو، کچھ وہ نیچے اترے، کچھ غریب کو اوپر چڑھا دیا تاکہ توازن پیدا ہو جائے۔

یہ تو شریعت نے پسند نہیں کیا کہ مساوات کرو کہ بالکل ایک ہی جیسی روٹی، لباس اور ایک ہی سب کی آمدنی ہو اور جبر کر کے امیر سے ساری آمدنی لے لی جائے تاکہ غریبوں میں بانٹ دی جائے اس لئے کہ اس میں امیر اور غریب کو مضرت پہنچے گی۔

اول تو یہ فطرت کے خلاف ہے اس لئے کہ ایک آدمی میں اتنی عقل اور ہوشیاری ہے کہ وہ سو روپے لے جاتا ہے تو ہزار روپے کما کے لاتا ہے اور ایک اتنا احمق ہے کہ ہزار روپے لے جاتا ہے وہ بھی کھو کے آتا ہے۔ یہ دونوں کیسے برابر ہو جائیں گے؟ جو محنت کرے گا، اس کا حق زیادہ ہوگا، جو نہیں کرے گا اس کا حق کم ہوگا۔ شریعت یہ نہیں کہتی کہ دونوں برابر ہو گئے بلکہ صراحۃً فرمایا:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا.

حق تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم نے اپنے بندوں پر معاش تقسیم کر دی ہے اور ایک کو دوسرے سے بڑھا دیا ہے۔ کوئی اونچا، کوئی نیچا، کوئی امیر، کوئی غریب تاکہ ایک دوسرے کے کام آنے والا ہو اور تمدن پیدا ہو۔ اگر سارے ایک جیسے ہوتے تو آپ صدقہ کسے دیتے؟ جسے دیتے وہ کہتا، میرے گھر میں بہت سا پڑا ہوا ہے، مجھے ضرورت نہیں تو تعاون اور ایک دوسرے کی خدمت گذاری ختم ہو جاتی اور اگر سارے کے سارے ہی بھک منگے ہوتے تو نہ آپ اسے دیتے، نہ وہ آپ کو دیتا۔ وہ آپ سے بے تعلق، آپ اس سے بے تعلق، بالکل سارے مفلس ہوتے جب بھی تعاون اور تمدن نہیں پیدا ہوتا اور سارے امیر بن جائیں، جب بھی پیدا نہیں ہوتا، تمدن جب ہی پیدا ہوگا جب کچھ امیر ہوں، کچھ غریب، امیر کی حاجت غریب اور غریب کی حاجت امیر کے خلاف ہے۔

اس لئے اگر مال کا فرق مٹانا ہے تو پھر عقلوں کا فرق مٹانا چاہئے۔ ایک بڑا ہوشیار ہے، اسے تو

بیوقوف بنانے کی کوشش کریں اور جو بے وقوف ہے اسے عقل مند بنانے کی کوشش کریں۔ یہ آپ کے قبضے میں نہیں۔ فہموں میں اختلاف ہے، رنگوں میں اختلاف ہے۔ کوئی کالا، کوئی گورا، زبانوں میں اختلاف ہے، کسی کی عربی، کسی کی انگریزی تو زبانوں، صورتوں، سیرتوں کا، اخلاق کا اور عقل کا اختلاف ہے، تو جب مختلف عقل سے کمائیں گے، اس میں بھی اختلاف ہوگا، کوئی زیادہ کمائے گا، کوئی کم کمائے گا، اب اگر آپ جبر کرکے ایک امیر سے کہیں کہ ساری کمائی دے۔ اگر تیرے پاس پانچ ہیں تو یہ سب کو بانٹ دے تاکہ سب برابر ہو جائیں۔ اس کا نقصان یہ پہنچے گا کہ امیر کے دل میں مزدور سے بُعد پیدا ہوگا کہ محنت تو میری اور جبراً سب کچھ اس نے لے لیا۔ میں اور یہ برابر ہوگئے، فرق کیا رہا۔ میں رات دن محنت کروں اور اسے بے محنت دیدوں۔ محنت کو اس کا جی نہ چاہے گا، فطرت کے خلاف ہے اور غریب، یہ سمجھے گا جب بے محنت مجھے بھی حصہ مل رہا ہے تو مجھے محنت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ معطل ہو جائے گا۔ غرض اگر آپ نے جبری طور پر معاش کے اندر مساوات اور برابری قائم کی تو نہ امیر باقی رہے گا نہ غریب، نہ دونوں ایک دوسرے کے کام آسکیں گے۔ اس واسطے مساوات فطرت کے خلاف ہے۔ ہاں توازن ہے، یعنی ایک دوسرے سے بالکل بعید نہ ہوں کہ ایک آسمان پر اور دوسرا زمین پر۔ حقوق رکھ دیئے کہ وہ نیچے اترے، کچھ یہ اوپر ہو جائے تاکہ محبتیں پیدا ہوں۔'' (۷۴)

عروج وزوال کا معیار

عموماً عروج وزوال کے اسباب پر بحث ہوتی ہے، یہاں حکیم الاسلامؒ عروج وزوال کے گوشہ پر گفتگو فرمارہے ہیں، یعنی عروج وزوال کا معیار کیا ہے:

''ہر قوم کی زندگی کا ایک معیار اور نصب العین ہوتا ہے جس سے اس کی ترقی وتنزل اور فناء وبقاء پہچانی جاتی ہے، مسلمانوں کے حال اور مستقبل پر غور کرنے کے لئے بھی یہی راستہ زیادہ سہل اور مختصر ہے کہ اس کے بنیادی نصب العین کو سامنے رکھ لیا جائے، گردوپیش کے حالات ہنگامی حوادث یا شخصی آراء معیار کا درجہ نہیں رکھتیں کہ ان سے کسی قوم کے عروج وزوال کو پہچانا جائے، پس مسلم قوم کا نصب العین اس کی سیاسی تعلیمات اور ابتدائی قرون کے تعامل ہی سے سامنے آسکتا ہے جو اس کے عروج کا دور ہے، جس حد تک امت اس کے مطابق ہو اسے قوم کی بقاء اور ترقی باور کیا جائے گا اور اس میں اس کی ترقی مضمر ہوگی اور جس حد تک وہ اس سے ہٹی ہوئی ہو اسی کو اس کے لئے سبب تنزل قرار دے کر اس سے ہٹانے اور راستہ بدلنے کی

سعی کی جائے گی، اس میں اس کا تنزل مضمر ہوگا۔

جناب کا یہ احساس بالکل صحیح ہے کہ مسلم قوم دنیا کی محتاج رہ کر ان کے سامنے سائل اور بھکاری بن کر زندہ نہیں رہ سکتی، چہ جائے کہ بڑھے اور پھلے پھولے، لیکن استغناء کے معنی یکسوئی، انقطاعیت، گوشہ گیری اور علیحدگی پسندی کے نہیں، بالخصوص اس بین الاقوامی دور میں یہ بھی موت کے مترادف ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان دوسری اقوام سے مستغنی بھی ہوں، سائل اور بھکاری بھی نہ ہوں اور ساتھ ہی اقوام کے جمگھٹوں میں کندھے سے کندھا ملا کر ان میں گھسے ہوئے بھی ہوں تو اس گھسنے کے کیا معنی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ مسلمان دنیا کو کچھ دینے کے لئے آیا ہے لینے یا مانگنے کے لئے نہیں آیا۔

اور ظاہر ہے کہ وہ وہی کچھ دے سکتا ہے جو دوسروں کے پاس نہ ہو، اس کے پاس ہو، کھلی بات ہے کہ وہ دنیا کی دولت وثروت یا جاہ ومال کے ذخیرے نہیں ہو سکتے کہ یہ سب کچھ اوروں کے پاس بھی ہیں بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی ان کے ہاتھ میں ہیں۔

اس لئے دینے کی چیز ایک ہی رہ جاتی ہے اور وہ مستند دین ہے کہ اس فطرت الٰہی پر خود چل کر اقوام کو چلائیں اور ان کے معلم اور امام بنیں، اس سے امت مسلمہ کے نصب العین اور وجہ تشکیل کا خلاصہ مختصر لفظوں میں صلاح نفس کے ساتھ اصلاح عالم کو دعوت عام، اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء سنن انبیاء کے سوا دوسرا نہیں نکلتا۔ امت اسی راستہ سے آگے بڑھی اور اسی لائن سے دنیا کے خطے اس کے تابع فرمان ہوئے۔ دیانت وسیاست ہو یا تمدن ومعاشرت، بین الاقوامی تعلقات ہوں یا جنگ وصلح، امن ہو یا بدامنی، سرمایہ داری ہو یا ناداری وہ اسے اختیار کئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں کئے ہوئے ہیں تو اس صورت میں نہ اس کا استغناء باقی رہ سکتا ہے، نہ احسان وایثار، جو ان کے وجود کی اصل بنیاد تھا اور اس طرح ان کی قومیت ہی باقی نہیں رہ سکتی۔" (۷۵)

صرف نماز اپنی ذات میں عبادت ہے

ایک عجیب نکتہ آفرینی، سبحان اللہ! ماشاء اللہ!

"یوں کہنا چاہئے کہ حقیقی معنوں میں اگر عبادت ہے تو صرف نماز ہے، دوسری عبادات اور وجوہ سے عبادت بنی ہیں، اپنی ذات سے عبادت نہیں۔ نماز اپنی ذات سے عبادت ہے۔

روزہ : اس کا معنی یہ ہے کہ کھانے پینے سے آدمی مستغنی ہو جائے، تو کھانے سے، پینے سے، بیوی سے مستغنی ہونا، یہ اللہ کی صفت ہے۔ اس میں ذلت تھوڑی ہے۔ یہ مشابہت ہے حق تعالیٰ کے ساتھ کہ

کھانے سے بھی بری، پینے سے بھی بری، بیوی سے بھی بری، تو یہ اظہارِ ذلت تھوڑا ہی ہے، یہ تو اظہارِ عزت ہے، یہ عبادت تعمیل حکم کی وجہ سے ہے۔ حکم دیا تعمیل کر تو بن گئی عبادت۔

زکوٰة : اپنی ذات سے عبادت نہیں ہے۔ اس کے معنی عطا کرنے کے ہیں کہ فقیروں کو دو، عطا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ یہ تشبیہ ہے حق تعالیٰ کے ساتھ، اس میں ذلت تھوڑا ہی ہے، یہ تو عین عزت ہے، زکوٰۃ عبادت بنی اس لئے کہ حکم ہے زکوٰۃ دو، تعمیل ارشاد نے اس میں پیدا کر دیئے معنی عبادت کے۔ اس طرح سچ بولنے کو عبادت کہتے ہیں اور وہ عبادت ہے لیکن سچ بولنا اپنی ذات سے عبادت نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا. وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا.

''اللہ سے زیادہ کس کا قول سچا۔ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔''

تو سچ کہنا اور سچ بولنا حق تعالیٰ کی شان ہے، بندہ اگر سچ بولے گا تو مشابہت پیدا کر لے گا، کمالاتِ خداوندی کے ساتھ۔ اس میں ذلت تھوڑا ہی ہے یہ تو عین عزت ہے، پھر بھی وہ عبادت ہے کہ حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اللہ کا کہنا ہے، سچ بولو۔ تعمیل کے لئے گردن جھکا دی کہ سچ بولوں گا، سچ کو عبادت بنا دیا تعمیل حکم نے۔ اپنی ذات سے عبادت نہیں تھی، ورنہ اللہ کی صفت نہ ہوتی۔

لیکن نماز کی ہر ہیئت اظہارِ ذلت کے لئے ہے، ہر ذکر بھی اپنی ذلت کے اظہار پر مشتمل ہے، اس واسطے نماز اپنی ذات سے عبادت ہے محض تعمیل حکم سے عبادت نہیں، اس کے اندر خاصیت ہی اظہارِ تذلل کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری کائنات پر فرض کی گئی ہے۔ زکوٰۃ، حج اور سچ بولنا فرض نہیں کیا گیا، فرمایا گیا: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَ تَسْبِيْحَه ہر چیز نے اپنی نماز کو پہچان لیا۔''(۷۶)

تبلیغ کے لئے جماعتوں کا طریقہ

تبلیغی کام میں اجتماعیت کی تاثیر کا سراغ خود قرآن کریم سے ملتا ہے۔ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُرْسَلُوْنَ. بانئ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مبلغین کو تبلیغی کام میں بھیجنے کے بجائے ایک جماعت کو روانہ کرنے کی حکمت عملی تیار کی۔ حکیم الاسلامؒ نے اسی حکمت عملی کو قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے منصوص فرمایا ہے:

''ہندوستان میں اس وقت دعوت و تبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء کیا، انہوں نے تبلیغ کے لئے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا۔

کیوں کہ دستور ہے کہ جب کچھ لوگ مل کر ایک بات کہتے ہیں یا کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا اثر خاص طور پر پڑتا ہے، ایک ہی بات کو جب مختلف وقتوں میں کہتے ہیں تو اس کا اثر کبھی نہ کبھی تو ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں ارشاد فرمایا: اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُرْسَلُوْنَ.

جب ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے تیسرا رسول بھیج کر ان کو سرفراز کیا، انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

''مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اسی وجہ سے دعوت کے کام میں جماعتی طریقہ اپنایا کیوں کہ انہوں نے محسوس کیا کہ آج کا دور اجتماعی دور ہے۔ کھیل، کود، صنعت وتجارت وزراعت غرض ہر چیز میں اجتماعیت پائی جاتی ہے، ہر مسئلہ میں وفود جاتے ہیں، میٹنگیں ہوتی ہیں، ہر جگہ جماعتی رنگ دکھلائی دیتا ہے، اس جماعتی ماحول میں انفرادی بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا، یہی کچھ لوگ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور اس حال میں کہ کاندھوں پر بستر لدے ہوئے پیدل چل کر آرہے ہیں، محنت ومشقت کے آثار چہرے سے ظاہر ہیں، لامحالہ وہ آدمی سوچتا ہے کہ یہ لوگ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟ انہیں مجھ سے کوئی غرض ومطلب نہیں، پھر کیا چیز ہے جو انہیں اس تکلیف کو برداشت کرنے پر آمادہ کر رہی ہے، ضرور جو یہ لوگ کہتے ہیں وہ صحیح ہوگا، یہ چیز اسے بہت متاثر کرتی ہے۔''

تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم

تبلیغی جماعت میں نکلنے کے فوائد، مقاصد اور اخلاص کے ساتھ بانی تبلیغ علیہ الرحمہ کی خدمت کو کتنے عمدہ پیرائے میں حکیم الاسلامؒ نے بیان فرمایا کہ ''تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس صاحبؒ کے دل پر القاء کیا'' اس جملہ کی بلاغت پر داد دیجئے:

''میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر بطور فن کے القاء کیا، اس میں تعلیم وتربیت، سیر وسیاحت، روح کی دلچسپی، بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے، آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے، ہندوستان کے ہر خطے میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مرکز دیکھے۔ رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہوسکتا اور اس کے ساتھ نہ فتنہ وفساد ہے اور نہ واویلا اور شور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کہیں غدر کیا، کہیں فساد برپا کیا، یہ ایک خاموش تبلیغ ہے،

جو عالمگیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جارہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آرہی ہے۔

تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے، وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے، وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے، گھر کے ماحول میں اور اس ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے، یہاں اسے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے، وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے علم حاصل کیا تھا غیر اللہ کے لئے مگر جب علم آ گیا تو اس نے کہا کہ میں تو خدا کے لئے ہوں۔ اس تبلیغی کام کا ایک نظام ہے اور اوقات نکالنے کا ایک اصول۔

آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں نہ عہدے، نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے، اپنی جیب پر بار ہے، یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لئے ایک بڑی پناہ گاہ ہے، کسی ریاست کی بنیاد ہوتی ہے ''توہمات'' اور ''تنازع للبقاء'' پر لیکن یہاں اس کے برعکس ہے، یہاں تنازع للبقاء کی جگہ فنا للبقاء ہے اور توہمات کی جگہ محبت و الفت ہے، ریاست کے لئے پارٹیاں بنائی جاتی ہیں اور یہاں خود بخود پارٹیاں بن جاتی ہیں۔'' (۷۷)

............❖............

تصنیف وتالیف

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

''تصنیف وتالیف'' ایک مشکل فن ہے، بالخصوص دین اور دینیات کے موضوع پر تصنیف وتالیف کا کام انتہائی محنت اور عرق ریزی کا دوسرا نام ہے، جس میں الفاظ کے ساتھ معلومات کا رشتہ اور معلومات کے عقب میں ایک جاندار دماغ، استنباطی ذہن، عالمانہ نظر، ایک خاص تربیت، مخصوص طرز بیاں، معیاری اسلوب، واضح عبارات، سنجیدہ تعبیرات اور نفیس استدلالات کا ملکہ، اس رزم گاہ کا وہ اسلحہ ہے جس کے بغیر کسی فتح مندی کا خواب نہیں دیکھا جاسکتا۔

زمانہ قدیم میں اپنی معلومات کو ذہنوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی قوتِ حافظہ بھی عطا کیا تھا، معیار زندگی سادہ، تکلفات کم، ذہنی قوتیں، مرغن غذاؤں، مضر دواؤں اور نشہ آور چیزوں کے منفی اثرات سے محفوظ تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ انساب عرب کے حافظ اور گھوڑوں تک کی کئی کئی نسلوں کے شجرے انہیں ازبر، درباری شعراء میں بعض اس بلاء کا حافظہ رکھتے کہ حریف کا پورا پورا دیوان یاد کرلیتے اور اسے بھرے دربار میں سنا کر صاحب دیوان کو نہ صرف زچ کردیتے بلکہ انعام بھی پاتے، جس سے عام تاثر یہی قائم ہوتا کہ صاحب دیوان سرقہ کا مرتکب ہے۔ اصل شاعر یہی ہے۔

ابن ہشام کلبی کے بارے میں ہے کہ پورا قرآن کریم تین دن میں حفظ کرلیا تھا۔ ابوالحسن انباری کو قرآن کریم کی سینکڑوں تفاسیر محفوظ تھیں اور عربی شعراء کے دواوین کے دواوین نوک برزبان، ائمہ حدیث میں امام بخاری کا حافظہ مدہش اور امام ترمذی کی یادداشت غضب کی۔ ماضی قریب میں حضرت علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ کے بے نظیر حافظہ نے ان روایتوں کی تصدیق کردی۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ حافظے کمزور اور یادداشتیں متاثر ہوتی چلی گئیں۔ خدا کو منظور تھا کہ دین متین کی حفاظت ہر دور میں دستیاب وسائل سے ہو۔ سرمایۂ احادیث کی حفاظت کا ذریعہ، جمع وتدوین اور کتابت بن گیا۔ اس کے بعد دیگر علوم وفنون پر کتابوں کی ایک نئی دنیا سامنے آتی گئی۔ اسلاف کی اس روایت کو اخلاف نے آگے بڑھایا اور امت کی

صلاح وفلاح کے لئے دین کے ہر موضوع پر ایک قابل قدر کتابی ذخیرہ وجود میں آ گیا۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے بعد امام غزالیؒ، علامہ سیوطیؒ، امام رازی، ابن کثیرؒ وابن خلدون وغیرہ اپنے عہد میں کثیر التصانیف گزرے ہیں، بعد کے دور میں بالاتفاق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آخر میں ان کے خلیفۂ ارشد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ دین کے ہر موضوع پر گراں قدر تصانیف کے حوالہ سے برصغیر کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔

حکیم الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف اور تحریر وقلم کی ایسی بے نظیر صلاحیت اور نفیس ذوق سے نوازا تھا کہ حلقۂ دیوبند میں اس شان کا مصنف حکیم الامتؒ کے بعد نظر نہیں آتا، جس کے قلم سے انتہائی معرکتہ الآراء اور بصیرت افروز کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہو۔ حکیم الاسلامؒ نے اپنے قلم سے علم و حکمت کے اتنے دلکش، سحر انگیز اور خوبصورت پیکر تراشے ہیں کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔ اسلوب تحریر کی جاذبیت اور کشش ایسی کہ ایک پامال موضوع پر بھی ان کی جس کتاب کو شروع کیجئے تمت بالخیر سے پہلے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ کتاب کے مضامین آدمی کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، نئے نئے عنوانات، نئے نئے انکشافات، نکتہ آفرینیاں، خوبصورت مثالیں، ایمان افروز قصے، ظرافتیں، علم وادب کے جواہر پارے، چشم کشا حقائق، بصیرتیں، نصیحتیں اور اخلاقی تعلیمات کے حسین مناظر جگہ جگہ، مضامین کی ندرت، تسلسل اور جامعیت سے آپ کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب یہاں تک کہ کوئی مختصر سے مختصر مکتوب بھی خالی نہیں، تدریس، تقریر، تحریر، تصنیف، گفتگو، مجلس ہر جگہ حکمت وبصیرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

آپؒ کی اکثر کتابوں کا اپنا اپنا ایک تاریخی پس منظر ہے، ہر کتاب کسی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر معرض تحریر میں آئی ہے، ایسا کم ہوا ہے کہ خود حضرت حکیم الاسلامؒ کے ذہن نے کوئی علمی موضوع منتخب کیا ہو اور اس پر غور وفکر کے بعد اپنی کتاب مرتب کی ہو بلکہ اکثر ہوتا یہ رہا ہے کہ کسی نے ان سے علمی و مذہبی سوالات کئے یا ان کے گردو پیش کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اس میں مسلمانوں کی رہنمائی کی شدید ضرورت محسوس ہوئی یا اسلامی حلقوں میں کسی فتنہ نے سر اٹھایا اور اس کے دفعیہ کی ایک عالم دین کی حیثیت سے ان پر ذمہ داری عائد ہوئی اور انہوں نے قلم اٹھالیا اور مختصر جواب یا مضمون کے بجائے ایک مستقل کتاب تیار ہو گئی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ عرصۂ دراز تک اسلامی دنیا کے ایک عظیم ترین مذہبی ادارے کے سربراہ رہے جس ادارے سے وابستہ عام اہلِ علم کا ملک میں ایک اہم پُر وقار اور بلند علمی مقام تھا، یہ ادارہ اپنی علمی و مذہبی خدمات، اصلاحِ مفاسد و بدعات اور اسلامی دستورِ حیات وتعلیمات و روایات کو ہر قسم کی آمیزشوں اور

آلائشوں سے پاک وصاف، مصفٰی ومجلی رکھنے اور ان کو روشن وتابناک بنانے کی جہد مسلسل کی وجہ سے مستقل ایک مکتبۂ فکر بن گیا تھا۔ قدرت نے اس ادارہ میں ایسی عبقری شخصیتیں پیدا کیں جو اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں اور علومِ اسلامی پر مبصرانہ نگاہ کی وجہ سے اپنے اندر اجتہادی شان رکھتے تھے، فرق باطلہ میں ان کی علمی شہرت نے زلزلہ ڈال دیا تھا، ان کے لئے ان کی زبان، ان کا قلم، شمشیر براں کی تیزی اور رعد و برق کی کڑک وگرج رکھتا تھا، انہیں اسباب کی بنا پر اسلام پر اعتراض کرنے والوں نے بھی انہیں کو اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے خطاب کیا، اپنے شکوک وشبہات اور اعتراضات انہیں کے سامنے پیش کئے، اسی کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات وروایات سے محبت رکھنے والوں ان کو روشن وتابناک دیکھنے کی تمنا رکھنے والوں کی نگاہیں بھی انہیں کی طرف اٹھتی تھیں جب اسلام پر اور اس کی تعلیمات وروایات پر کسی طرف سے کوئی حرف آتا تھا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ تو اس ادارہ کے سربراہ ہی تھے اس لئے قدرتی طور پر اس طرح کے سوالات ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ خود حضرت حکیم الاسلامؒ اپنی ذہنی وطبعی ساخت وپرداخت اور ایک عظیم علمی سلسلۃ الذہب سے وابستہ ہونے کی حیثیت اور ذہن ومزاج کے لحاظ سے انہیں علماء کے گروہ میں شامل تھے، جنہوں نے کچھ ہی دنوں پہلے عیسائیت کے دہاڑتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھا تھا، آریوں کی یورشوں اور بدزبانیوں کا سدباب کیا تھا، قادیانیوں کے طائرِ فکر وخیال کے پر نوچ کر ان کی قوت پرواز چھین لی تھی، انہیں اسباب کی وجہ سے جب وہ ملک میں اصلاحی وتبلیغی دورے کرتے تھے تو ان سے ہر طرح کے لوگ ملتے تھے اور اپنے اشکالات اور شکوک وشبہات پیش کرتے تھے۔

ان شکوک وشبہات، اعتراضات واشکالات کو دور کرنا وہ اپنا مذہبی ودینی فریضہ تصور کرتے تھے اور اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور وہ قلم ہاتھ میں اٹھا لیتے تھے۔ عام طور پر حضرت حکیم الاسلامؒ کی تصانیف کا یہی پس منظر ہے۔

حکیم الاسلامؒ کے طرز تحریر کو ''سہلِ ممتنع'' کی صنعت کا اعجاز کہا جاسکتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھئے، اس کی سطر سطر وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کا اعلان کرتی ہے۔ کوئی سا بھی مضمون پڑھئے لفظ لفظ سے علم وحکمت کی تیز روشنی پھوٹتی ہے

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت میں راہی

حکیم الاسلامؒ نے جس موضوع کو اختیار کیا اس میں جان ڈال دی، جس عنوان کو ان کے قلم نے چھولیا اس کو سدا بہار بنا دیا۔ ان کے صریر خامہ میں فکر کے اتنے گوشے کہ ۔

دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی لکھتے ہیں:

''جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس میں حقائق و واقعات کے ساتھ عقلی و نقلی دلائل کا انبار لگا دیا کہ قاری اس میں کھو کر دریائے تحیر میں غرق ہو جاتا اور زبان و بیان کی شستگی، سلاست اور روانی ایسی کہ لگتا الفاظ و معانی کا دریا بہہ رہا ہے، آپ کے شب و روز میں سب سے زیادہ وقت تحریری و تصنیفی کام کرنے میں صرف ہوتا۔ لکھنے میں مضامین کی اس قدر آمد ہوتی کہ گھنٹوں قلم کاغذ پر سے نہ اٹھتا، ایسا لگتا کہ آپ کے سامنے کوئی کھلی کتاب رکھی ہے اور اسے مسلسل نقل کر رہے ہیں، یہی وجہ تھی کہ لکھنے کے دوران آپ گرد و پیش سے بالکل غافل ہو جاتے، کوئی آ کر سامنے بیٹھ جائے اور متوجہ نہ کرے تو آپ کو اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا۔ تحریری مشغولیت سفر کے دوران بھی ایسی ہی رہتی، حتیٰ کہ ٹرین اور ہوائی جہاز میں بھی تصنیفی کام برابر جاری رہتا۔ عام طور پر ٹرین میں اس کی مسلسل حرکت کی وجہ سے لکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور حروف بھی صحیح نہیں بنتے بلکہ تحریر بگڑ جاتی ہے، مگر حضرتؒ ٹرین میں بھی اسی روانی اور تحریر کی شستگی کے ساتھ لکھتے جیسے اپنے ڈیسک کے سامنے لکھتے۔ احقر کو بارہا ملک اور بیرونِ ملک کے دوروں میں حضرت والد مکرم کا ہم سفر ہونے کا اتفاق ہوا، میں نے کبھی آپ کو سفر میں خالی بیٹھے نہ پایا، ایک بریف کیس جو چند کتابوں اور کاغذات پر مشتمل تھا ہمیشہ سفر میں آپ کے ساتھ رہتا تھا، کار کے سفر میں اس میں سے کتاب نکال کر دورانِ سفر مطالعہ میں منہمک رہتے اور ٹرین یا ہوائی جہاز کے سفر میں اس میں سے کاغذات نکال لیتے اور تحریری کام میں مصروف ہو جاتے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو وقت کی قیمت کا کیسا زبردست احساس تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ علمی و دینی تصانیف کا ایک زبردست ذخیرہ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے جن میں سو کے قریب تصانیف تو آپ کی زندگی میں ہی چھپ کر لاکھوں انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں اور مقبولِ خاص و عام ہوئیں، جبکہ بہت ساری تصانیف مسودوں کی شکل میں غیر مطبوعہ ہیں جو رفتہ رفتہ شائع ہو رہی ہیں۔ *

آپ کی پوری زندگی سفروں میں گذری، اگر کبھی دو چار دن گھر پر رہنے کا موقع ملتا تو اس میں بھی سارا وقت مطالعہ اور تحریر و تصنیف میں گذر جاتا، آپ کا کمرہ علیحدہ تھا، جس میں فرش پر تھوڑے حصے میں دری بچھی ہوئی تھی، سامنے ڈیسک اور گرد و پیش میں کتابوں کا ایک انبار ہوتا، حسب ضرورت کتابیں بدلتی رہتیں، دن بھر تو یہ لکھنے کا سلسلہ رہتا، البتہ دوپہر کو آرام کے لئے اور نماز ظہر سے واپس آ کر پھر وہی مشغولیت شروع ہو جاتی، جس میں ایسے منہمک ہوتے کہ دوپہر اور رات کو بار بار آ کر عرض کیا جاتا کہ ابا جی کھانا تیار ہے تو

* حجۃ الاسلام اکیڈمی ان تصانیف کو معیاری اور تحقیقی انداز میں شائع کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ (محمد شکیب قاسمی)

جواب ملتا کہ سطر پوری کر کے آتا ہوں مگر اس کو پوری کرتے کرتے بھول جاتے کہ کھانے کے لئے اٹھنا ہے۔ اکثر بار بار یاد دہانی کرنے پر زچ ہو کر فرما دیتے کہ ابھی بھوک نہیں ہے، گویا کھانا پینا غیر ضروری تھا اور اصل واہم مشغولیت صرف تحریر و تصنیف کی تھی۔ (۷۸)

حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''تحریر کے لئے قلم اٹھاتے تو نکتہ آفرینیوں کا مرقع تیار کرتے، لکھنے لکھانے میں نہ جہاز کے ہچکولے مانع ہوتے، نہ ریل کی گھڑ گھڑاہٹ اور اس کے جھٹکے، مجلس شوریٰ کے بقراط و سقراط چھوٹے چھوٹے مسئلہ کو جذرِ اصم بناتے تو حکیم الاسلامؒ قرطاس و قلم کی کائنات میں گم ہو جاتے۔ میں نے خود ایک دن دیکھا کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ ان کے شغل کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں، غالباً وہ سوچ رہے تھے کہ ہمیں لکھنے لکھانے کے لئے خلوت درکار، یکسوئی مطلوب اور اس شخص کو نہ تنہائی کی ضرورت، نہ بے چیخ و پکار کی فضا کی۔'' (۷۹)

حضرت حکیم الاسلامؒ کی جملہ تصانیف کے تذکرے و اجمالی تعارف کے لئے کتاب ہٰذا کے اخیر حصے میں تصنیفات و تالیفات کا عنوان دیکھیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی گراں قدر تصانیف کے علمی و تحقیقی معیار کا اندازہ کرنے کے لئے چند اقتباسات نذر قارئین کئے جا رہے ہیں:

قابلِ تبلیغ صرف علمِ الٰہی ہے

''بہر صورت تبلیغی چیز صرف علمِ الٰہی نکلا جسے علم شرعی کہا جاتا ہے اور اس لئے یہ واضح ہو گیا کہ دعوتی پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہو، مخلوقاتی دائرہ کی چیز نہ ہو کہ مخلوق کی طرف سے جو علم و فن بھی ہوگا وہ محض طبعیاتی یا عقلیاتی دائرہ کا ہوگا جس کی تبلیغ کا انسان محتاج نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دعوتی پروگرام کی اولین خصوصیت تشریعیت ہونی چاہئے، کہ وہ منجانب خلق نہ ہو اور ظاہر بات ہے کہ من جانب اللہ جو چیز منتقل ہوتی ہے وہ علم و ہدایت ہی ہے، اس لئے دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں داعی اور مبلغ کا مقاصدِ تبلیغ کے حق میں عالم اور باخبر ہونا ضروری ٹھہرتا ہے، محض لسّانی اور بولتا ہونا کافی نہیں۔

جاہلِ محض اور شرعی ذوق سے بے بہرہ حقیقی داعی یا منصبِ دعوت کا اہل نہیں ہو سکتا اور خواہ مخواہ بن بیٹھا تو لوگوں کے لئے گمراہی کا سبب اور خطرۂ ایمان بنے گا، جیسے نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے اور پھر اس کی

روک تھام یا تو مشکل ہوگی یا فتنہ کا سبب بن جائے گی۔

جیسا کہ آج اس کا مشاہدہ ہورہا ہے، بہت سے لسّان مگر جاہل واعظ تبلیغی اسٹیجوں پر اُچھلتے کودتے نظر آتے ہیں جو اپنے ذہنی تخیلات کو برنگِ شریعت پیش کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کررہے ہیں، جس سے عوام میں دھڑے بندیاں قائم ہورہی ہیں اور امت کا کلمہ بجائے متحد ہونے کے زیادہ سے زیادہ منتشر ہوتا چلا جارہا ہے۔ جس سے امت اجتماعی لحاظ سے کمزور اور بے وقار ہوتی جارہی ہے جو تبلیغ کے حق میں قلبِ موضوع ہے۔ محض اس لئے کہ اس قسم کی تبلیغ صحیح عالم اور صحیح علم سے محروم ہوتی ہے اس لئے دعوتی پروگرام کی اساس و بنیاد علمِ الٰہی کے سوا دوسری چیز نہیں ہوسکتی، جو تشریعیت کا پہلا مقام ہے۔'' (۸۰)

اسلامی تبلیغ عالمی ہے

اقتباسِ بالا سے دو اہم نکتے واضح ہوئے:

(۱) ''تبلیغ صرف شریعت اسلامیہ کی ہونی چاہئے، غیر شرعی امور کی تبلیغ جائز نہیں، جیسا کہ اہل بدعت و بدعات و محدثات کی تبلیغ اور مغربی تہذیب کے دل دادہ فحش اور مخربِ اخلاق لٹریچر کی تشہیر کرتے پھرتے ہیں، شرعاً یہ جائز نہیں۔

(۲) تبلیغ کا تعلق چوں کہ شریعت سے ہے اور شریعت علمی چیز ہے، اس لئے تبلیغ علماء ہی کو کرنی چاہئے۔ جہلاء کا یہ منصب نہیں۔

اُدْعُ کے کلمہ سے دوسرا مسئلہ یہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ اسلام صرف تبلیغی مذہب ہی نہیں بلکہ عالمی تبلیغ اور بین الاقوامی دعوت کا مذہب بھی ہے جو کسی ایک وطن یا زمانہ تک محدود نہیں بلکہ تا قیامِ قیامت ہر دور، ہر ملک اور ہر قوم کے لئے اس کی دعوت عام ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اُدْعُ کا فعل مطلق لایا گیا ہے جو کسی خاص صورت، خاص حالت یا خاص نسبت سے مقید نہیں اور عربیت کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ فعل کے مطلق لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احوال و شئون اور سارے ممکن الاجتماع ظروف کے ساتھ جمع ہے اور ساری شانیں اور تقدیریں اس کے عموم و اطلاق کے اندر آئی ہوئی ہیں اور وہ ہر تقدیر کے ساتھ جمع ہو کر پایا جاسکتا ہے۔

پس اس کا خلاصہ واضح الفاظ میں یہ ہے کہ اُدْعُ کی دعوت ہر ممکن شان، ہر ممکن حال، ہر ممکن زمان اور ہر ممکن مکان میں دی جائے اور اُسے کسی خطۂ زمین یا وطن یا کسی خاص وقت یا خاص تقدیر کے ساتھ مقید نہ کیا جائے، ورنہ فعل کا اطلاق باطل ہوجائے گا جو اس آیت کا مفاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا نام بین الاقوامیت

اور عالمیت ہے کہ شیئے ہر وطن، ہر خطہ اور ہر قوم میں پہنچی ہوئی ہو۔ اس لئے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا عالمی ہونا خواہ بلحاظِ وطن ہو یا بلحاظِ وقت، بلحاظِ قومیت ہو یا بلحاظِ رنگ ونسل، بلحاظِ احوال ہو یا بلحاظِ کیفیات وشئون (جیسے تحریری تبلیغ بصورتِ تصنیف یا تقریری تبلیغ بصورتِ خطاب، یا اشاراتی تبلیغ بذریعہ ہیئت وغیرہ) اسی آیتِ دعوت کے کلمہ اُدْعُ کے اطلاق سے ثابت ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ آیت میں جب اسلام کو بنام سبیلِ رب مدعوالیہ (دعوتی پروگرام) ٹھہرا کر اس کی طرف اُدْعُ سے دعوت دینے کا امر کیا تو اس کا مفعول ذکر نہیں کیا کہ کن کو دعوت دو اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عربیت کے قواعد کے مطابق ایسے مواقع میں مفعول کا ذکر نہ کیا جانا اسکے عام ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ سبیلِ رب کی دعوت ہر اس شخص کو دو جس میں فہمِ خطاب کا مادہ ہو، یعنی ہر ایک عاقل بالغ انسان کو تبلیغ کرو اور ظاہر ہے کہ دعوتِ عام دینا اور ساری دنیا کو اس دعوت کا مدعو ٹھہرا دینا جب ہی ممکن ہے کہ خود دعوتی پروگرام میں بھی عموم و ہمہ گیری کی صلاحیت ہو، ورنہ امر عام عبث ٹھہر جائے گا جو کلامِ الٰہی میں محال ہے۔ اس لئے عمومِ دعوت اور عمومِ مدعوین کا مقتضاء قدرتی طور پر عمومِ مدعوالیہ ہوتا ہے، یعنی دعوتی پروگرام بھی بذاتِ خود عالمگیری کی شان رکھتا ہو، اس لئے اسلام کا تبلیغی ہونا، جامع ہونا اور اجتماعی ہونا اسی آیت کے اقتضاء سے ثابت ہو جاتا ہے''۔(۸۱)

لفظ ''اُدْعُ'' سے کیا بلیغ نکات اخذ کئے ہیں، اقتباسِ بالا کے مابعد کے اقتباسات کو ذرا غور سے پڑھئے:

تبلیغی کلام کی فصاحت و بلاغت

''چنانچہ اس کلیہ کا ایک فرد یہ ہے کہ مبلّغ اپنے کلام کو فصاحت و بلاغت سے آراستہ کرے خواہ وہ حکمت سے کام لے یا موعظت اور مجادلہ کے میدان میں آئے۔ بہر حال بے تکلفانہ انداز سے شستہ کلامی، فصاحتِ لسانی اور بلاغت بیانی اس کا خاص شعار ہونا چاہیے تا کہ مخاطب صحیح عنوان سے صحیح مقاصد ہی اخذ کر سکے۔ اگر کلام میں پیچیدگی، گنجلک اور بے ترتیبی ہو یا کلام ان محاورات کے مطابق نہ ہو جس کے اہلِ لسان خوگر ہوں تو مخاطب صحیح اثر قبول نہ کر سکیں گے اور کلام رائیگاں چلا جائے گا۔

اس لئے کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ مقتضائے حال کے مطابق ہو، زمانہ اور وقت کی زبان میں ہو اور ایسے عنوان سے ہو جو لوگوں میں معروف اور متعارف ہو۔ غریب لغات، ناشناسا تعبیرات اور بے محاورہ کلام نہ ہو، ورنہ کلام میں نہ دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے نہ تاثیر۔ اس لئے حدیث نبویؐ میں اس قسم کے کلام کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے: **نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الاغلوطات.** (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے پیچیدہ اور مغالطہ انگیز کلام سے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغی سلسلہ میں اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کی یہ کہہ کر درخواست کی کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں اور میری تقریر کی تائید میں جب وہ رواں اور صاف تقریر کریں گے تو قلوب پر اچھا اثر پڑے گا، ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میری رکتی ہوئی زبان سے لوگ بُرا اثر نہ لیں اور تکذیب کے دَرپے نہ ہو جائیں۔ ارشاد ہے:

وَاَخِیْ ھٰرُوْنُ ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْہُ مَعِیَ رِدْءًا یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ.

ترجمہ: اور (اے میرے رب) میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے، تو ان کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ (میری تقریر کی تائید اور) تصدیق کریں گے، ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اس کے درباری) میری تکذیب نہ کریں۔

اس واقعہ سے واضح ہے کہ کلام مخاطبوں کی ذہنیت کے مناسب ہو کر ہی اثر انداز ہوتا ہے، گویا شہروں میں ادبی زبان، دیہات میں معمولی اور سادہ زبان، علمی طبقوں میں اصطلاحی زبان اور اہل فنون کے طبقہ میں فلسفیانہ زبان ہی مفید اور مؤثر ہو سکتی ہے‘‘۔ (۸۲)

سماعِ قبول

’’مخاطبوں کی اس اقتضائی تقسیم سے ان کا اولین وصف حسنِ سماع ہے جو یہاں سے نکلتا ہے، جو ان میں بتقاضائے عقل راسخ رہنا چاہئے جس کا ثمرہ جذبۂ قبولیت اور تسلیمِ حق ہے، یعنی مخاطب کا جوہر یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو سماعِ قبول سے سنے اور بشرطِ معقولیت ماننے اور حق ہونے کی صورت میں اُسے تسلیم کر لینے کا جذبہ اپنے اندر رکھے، جسے داعی بھی اُن میں پیدا کر سکتے ہیں جو اسی آیت کے اقتضاء سے ثابت ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب حجت بیانی کی یہ سہ گانہ قسمیں محض مخاطبوں کے فہم کے تفاوت اور ان کی سمجھ کے مختلف درجات کی وجہ سے بیان فرمائی ہیں، تو ان کی غرض و غایت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مخاطب کو انکار کی گنجائش نہ رہے اور بشرطِ عقل و انصاف وہ کلمۂ حق کو قبول کرنے پر اپنے دلی داعیہ سے مجبور ہو جائے۔

اگر یہ غرض نہ ہوتی تو استدلال اور حجت بیانی اور ان کے مختلف طریقوں کی حاجت ہی نہ تھی، محض احکام کا بیان کر دیا جانا کافی تھا، خواہ کوئی سنے یا نہ سنے اور خواہ قبولیت کی اس میں گنجائش اور استعداد ہو یا نہ ہو، گویا داعی الی اللہ صرف اس کا مصداق ہوتا ہے کہ:

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

اور جب کہ مخاطبوں کی اس تقسیم سے قدرتاً مخاطب کا یہ وصف سامنے آیا تو یہ حسنِ سماع بطور اقتضاء کے اسی آیت سے ثابت ہو گیا۔ اَب غور کرو تو سماعِ قبول کے اثبات سے اس کی ضد جسے سوءِ سماع یا حق سے انحراف کہنا چاہئے جو قلب میں دعوت کو راسخ نہ ہونے دے مع اپنی تمام اقسام کے اس آیت سے خود بخود منفی ہو جاتی ہے۔

یا مثلاً قلب کا لہو ولعب اور لا ابالی پن، قلتِ فکر یا قلبی اعراض اور بے توجہی یا زبان کی بکواس، کثرتِ سوال اور فضول استفسارات یا دور از کار احتمالات وشبہات نکالنا جو کلام کو رَلانے کے لئے کئے جائیں اور جن کی طبعی خاصیت یہ ہے کہ مخاطب کے دل میں داعی کی بات جمنے نہ دیں اور اس پر کسی حیثیت سے بھی متکلم کا اثر نہ ہونے دیں، یہ سب اسی آیتِ دعوت سے مردود ہو جاتے ہیں، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ **الامر بالشیٔ یقتضی النھی عن ضدہٖ** (کسی شئے کا حکم دینا اس کی ضد کی ممانعت کی دلیل ہوتا ہے) پس جب حسنِ قبول آیت کے اقتضاء سے ضروری اور مامور بہ ٹھہرا تو اس کی ضد سوءِ قبول مع اپنی اقسامِ مذکورہ کے خود ہی ممنوع ثابت ہوئی۔ سامع کے ان قبیح اوصاف پر قرآن حکیم نے جدا جدا بھی روشنی ڈالی ہے''۔

اعراض

''مثلاً قلبی اعراض اور بے توجہی پر ملامت کرتے ہوئے ہٹ دھرموں اور متعصّبوں کی شان بتائی کہ:

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○

ترجمہ: اور اگر وہ ان کو سنائیں گے بھی تب بھی وہ پشت پھیر کر چلے جائیں گے۔ اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہوں گے۔

دوسری جگہ فرمایا:

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

ترجمہ: بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں''۔

شغب و اِضلال

''یا مثلاً حق پہنچانے کے وقت معاندوں کے شور وشغب کے بارے میں قرآن حکیم نے دوسری جگہ ان

کی یہ خصلت تفصیل سے بیان فرمائی ہے کہ کلامِ حق کو سرے سے سننے ہی کا ارادہ نہیں رکھتے چہ جائیکہ سماعِ قبول سے سنتے اور نہ صرف یہ کہ خود سننا نہیں چاہتے بلکہ شور وشغب سے دوسروں کو بھی نہیں سننے دیتے۔ فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْ فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ٥

ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور شور مچاؤ، تاکہ تم غالب آجاؤ''۔

استہزاءِ دعوت

''یا مثلاً قلبی لہو ولعب کے بارے میں فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا.

ترجمہ: اور بعض لوگ وہ ہیں جو لغو اور فضول باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے بغیر علم کے گمراہ کردیں اور اس کو تمسخر اور استہزاء بنادیں۔

یا مثلاً حدیث میں کثرتِ سوال کی ممانعت فرمائی گئی، جو محض قیل وقال کے لئے ہو اور جس سے واقع شدہ شک کا مٹانا مفقود نہ ہو بلکہ شکوک کا واقع کرنا اور کلام کو مشکوک بنانا منظور ہو۔

نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن كثرة السؤال وعن قيل وقال وعن اضاعة المال. (مسلم شریف)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ سوال، قیل وقال اور اضاعتِ مال سے منع فرمایا ہے۔

غرض یہ آدابِ مخاطب بتقریر بالا اسی آیت کے تقاضے سے ثابت ہوتے ہیں''۔(۸۳)

قربانی کی حقیقت

قربانی کی حقیقت اور اس کے پس منظر کی وضاحت اتنے سہل اور دل نشیں اسلوب میں فرمائی گئی ہے کہ ایک عامی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اسے کہتے ہیں قدرت کلامی اور سحر بیانی:

''اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ ان کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے حکم دیا کہ تم جانور کو ذبح کرو، ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے اپنے آپ کو قربان کردیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خواب کے ذریعہ بشارت دی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی پیش کریں۔

اب دیکھئے یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی اور فرزند بھی ناخلف نہیں بلکہ نبی معصوم، ایسے بچے کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت اور مشکل کام ہے، مگر حکم خداوندی تھا اس لئے آپ نے بیٹے کی محبت کو پس پشت ڈالا اور حکم خداوندی کے آگے سر جھکا دیا اور حضرت اسماعیلؑ کو لے کر منیٰ کے منحر میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بیٹے مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر دوں، تو حضرت اسماعیلؑ نے فوراً فرمایا:

اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ یعنی جو آپ کو حکم ہوا وہ ضرور کیجئے۔

اگر میری جان کی ان کو ضرورت ہے تو ایک جان کیا ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے، چھری تیز کی، اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہورہا ہوں۔ اُدھر باپ خوش ہے کہ میں اپنی قربانی پیش کررہا ہوں۔ چنانچہ حکم خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی تو چھری کند ہوگئی اور اس وقت حکم ہوا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ٥

یعنی بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

اور اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے گائے مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لئے فدیہ مقرر ہوگیا''۔(۸۴)

زبان اور قومی روایات کا تعلق

زبان اور قومی روایات کی وضاحت کا یہ اچھوتا اسلوب بڑے بڑے زباں دانوں اور دانشوروں کے لئے چشم کشا اور دنیائے ادب کے لئے سرمایۂ افتخار ہے:

''پس جب کہ محض رضائے کار سے شریکِ کار ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے تو جہاں حقیقتاً عملی شرکت بھی کی جائے تو وہاں بالاولیٰ شرکِ عمل کا حکم لگایا جائے گا۔ پھر عادت اور تجربہ شاہد ہے کہ ہر ایک قوم کی زبان اور اس کا لٹریچر صرف اسی کے تہذیب وتمدن کی ترجمانی کرتا ہے کہ وہ زبان ان ہی اشیاء کی ترجمانی کے لئے منصۂ ظہور پر آتی ہے، جو اس قوم میں مرز بوم کی خصوصیات مذہبی روایات اور اس قوم کی مخصوص ذہنیت کے ماتحت رائج ہوتی ہیں، گویا ہر ایک قوم اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہی احوال وکیفیات کا اظہار کرتی ہے نہ کہ

دوسری اقوام کے حالات کا۔

مثلاً اہل دیہات اپنی بول چال میں شہری حالات کی ترجمانی نہیں کریں گے، بلکہ وہی اپنے بدوی مقامات ظاہر کریں گے، ان کے محاورات، ضروب الامثال اور عام تشبیہات واستعارات کھیت کے ڈولوں مویشیوں اور گھانس پھونس وغیرہ سے آگے نہیں گذر سکتے کہ ان کی زبان انہی کے حالات کی ترجمانی کے لئے ہے اور وہ حالاتِ بداوت ہی سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ حضارت وشہریت سے۔ اسی طرح ایک متمدن اور شہری قوم کا لٹریچر اپنے محاورات وتعبیرات کے لحاظ سے گھانس پھونس وغیرہ کے بجائے انجن، مشین، ریل، تار، سر بفلک عمارات اور عام تمدنی ترقیات کا آئینہ دار ہوگا، گویا وہ تمام مادّی ترقیات جو انکے عمل نے سطحِ زمین پر مجسم کی ہیں انکی زبان اور لغت انہی کی ترجمانی کرے گی، جو چیز ان کی قومیت کے دائرہ میں موجود ہی نہیں اس کی ترجمانی اس لٹریچر میں کیسے ہوسکتی ہے؟

پھر اسی طرح جس قوم کے حالات وکیفیات میں مادیت کے بجائے مثلاً روحانیت کا غلبہ ہو، تدین، اخلاص اور وابستگی حق اس پر چھایا ہوا ہو تو اسکے لغت، محاورہ، کہاوتوں اور مثالوں، تشبیہوں اور استعاروں میں بھی انہی امور کی عام ترجمانی ہوگی، زبان کا ہر ہر جملہ حقائقِ مذہب، معارفِ الٰہیہ، اخلاقِ ربانی اور اسماءِ خداوندی سے لبریز ہوگا اور اس زبان کا بولنا ایسا ہوگا گویا ایک مذہبی وعظ ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی قبیلہ یا قوم اہل دیہات کے محاورات کا گرویدہ ہو کر انھیں حاصل کرے تو زبان کے ذریعہ درحقیقت وہ دیہی زندگی اور بداوۃ کے حالات حاصل کر رہا ہے، یا کسی متمدن قوم کا لٹریچر حاصل کرے تو لغت کے واسطہ سے وہ اس کی تمدنی روایات حاصل کر رہا ہے اور کسی مذہبی قوم کی زبان سیکھے تو وہ فی الحقیقت اس کے مذہبی خیالات سیکھ رہا ہے کہ وہ زبان ان حالات وخیالات ہی کی ترجمانی اور انہی کیفیات کا دوسرا رخ ہے۔

بہر حال جب کہ واقعہ ہے کہ کسی قوم کے لغت پر عبور حاصل کرنا حقیقتاً اس قوم کی تہذیب وتمدن اور مذہب ومعاشرت پر علماً وخیالاً عبور کر جانا ہے تو ساتھ ہی اس پر بھی عبور کر لینا چاہئے کہ جب ہر تہذیب وتمدن میں کچھ جزئیات دلفریب اور دلکش بھی ہوتی ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے مقابلہ میں اپنی تہذیب ومعاشرت کی مخصوص جزئیات سے بُعد یا کم از کم ان کی بے وقعتی، یا اور بھی کچھ نہیں تو ان کی موزونیت کے بارہ میں کچھ نہ کچھ شکوک وشبہات اور اعتراضات نہ پیدا ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ذہنیت کی اس طبعی رفتار کے ماتحت جتنا جتنا کسی قوم کی زبان اور لٹریچر کا مطالعہ وسیع ہوتا جائے گا اسی حد تک اس کی تہذیب وتمدن سے

موانست اور اپنی تہذیب وتمدن سے بیزاری اور بے رخی بڑھتی جائے گی اور اس کا آخری نتیجہ قدرتی طور پر یہی ہوسکتا ہے کہ انسان کی جدت پسند ذہنیت کے ماتحت یہ متعلّم قوم ہمیشہ کے لئے اپنی قدیم مخصوص قومیت کا سرمایہ چھوڑ کر معلم قوم کی دریوزہ گر ہو جائے اور پھر اسی کی قومیت کا ایک پرزہ بنکر گھومنے لگے‘‘۔(۸۵)

اردو زبان کی اسلامی حیثیت

اردو زبان فارسی، عربی، سنسکرت، برج بھاشا، کھڑی بولی اور ہندوستان کی رنگارنگ زبانوں سے مرکب ایک شیریں زبان ہے، جس کو ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی زبان ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اسلامی علوم وفنون، شعروادب، تاریخ وتمدن کا ایک عظیم سرمایہ اردو زبان میں منتقل ہو چکا ہے جو علماء کرام اور مدارسِ دینیہ کے مرہونِ منت ہے۔ حکیم الاسلامؒ نے ذیل میں ان تمام گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو زبان کی اہمیت پر اپنے مخصوص انداز میں گفتگو فرمائی ہے:

’’آج ہندوستان میں اردو کی حیثیت کلیۃً یہی ہے کہ وہ اسلامی محاورات کی امین، عربیت کی ترجمان، اسلامی علوم وفنون کی حامل اور عام اسلامی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ اس کی شاعری ہو یا نثر، کتب ورسائل ہوں یا مضامین ومقالات، پھر ادبی سلسلہ میں غزلیات ہوں یا قصائد، حقائق نویسی ہو یا واقعہ نگاری، تشبیہات ہوں یا استعارات، ضرب الامثال ہوں یا کہاوتیں، قصص تاریخ وایام ہوں یا سنین وشہور، اصطلاحات ہوں یا عنوانات، نعرے ہوں یا رجز، تحیات ہوں یا القاب وخطاب، غرض اس زبان کا کوئی بھی شعبہ ہو، سب میں اسلامی ذہنیت کی روشنی، مذہبیت کا رنگ، دینی جذبات کی آمیزش، خداشناسی کی جھلک، اکابرین اسلام کی روایات اور پیغمبروں اور اولیاء کی سیرتوں کی چاشنی اس درجہ اس میں رچی ہوئی ہے کہ اس کا ہر گوشہ عام نگاہوں میں اسلامی گوشہ اور اس کا ہر فقرہ اسلام کا فقرہ محسوس ہوتا ہے۔

ایک مسلمان اپنی روزمرّہ کی بات چیت اور محاورات میں جو کلمات استعمال کرتا ہے وہ عربیت اور اسلامیت کی اس درجہ آمیزش لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ غیر مسلم ان کے استعمال کی کبھی جرأت ہی نہیں کرسکتا۔ مثلاً ابتداءِ کار پر بسم اللہ، من مانے کام ہو جانے پر الحمد للہ، تعجب پر سبحان اللہ، قدر افزائی پر ماشاء اللہ، تحاشی وتبری پر معاذ اللہ، ندامت پر استغفر اللہ، افسوس پر انا للہ، حلف پر واللہ باللہ، توقع پر انشاء اللہ، بچاؤ پر اللہ اللہ، ندامت پر یا اللہ، شکریہ پر جزاک اللہ، اظہارِ عظمت پر لا الٰہ الا اللہ، ظہورِ منکر پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ، پیغمبروں کا نام آنے پر صلی اللہ، جوش پر اللہ اکبر وغیرہ، اس کی بے تکلف زندگی ہے، جب کہ اسی قسم کے اسلامیت شعار اور عربیت نواز محاورے اردو کی روح ہیں، تو پھر کونسی وجہ ہوسکتی ہے کہ اسے اسلامی زبان نہ کہا

جائے اور مسلمانوں کی چیز شمار نہ کیا جائے؟

دو مسلمانوں میں ملاقات اور مکالمے کا آغاز ہوتے ہی بے تکلف جو کلمات نکلتے ہیں وہ صرف عربیت واسلامیت ہی کے آئینہ دار ہوتے ہیں، مثلاً السلام علیکم! مزاجِ اقدس یا مزاج شریف، جناب عالی، خیر وعافیت، تشریف ارزانی، ماحضر تناول، اہل بیت کی صحت، حاضر ہوتا ہوں وغیرہ ان جملوں کا اگر عطر کشید کیا جائے تو اسلامیت وعربیت کے سوا ان میں سے اور کیا نکل سکتا ہے؟ یہ وہ جملے ہیں جو ملاقات ہوتے ہی گویا ایک سانس میں زبان سے نکلتے ہیں۔ اس سے دوسری عام بے تکلف گفتگوؤں کا اندازہ کرلیا جائے اور وہ تصانیف یا عبارت یا شاعری جس میں ایک اردو کا مصنف یا شاعر کچھ سوچ بچار سے کام لیکر کلام کرے تو اس کی اسلامی ذہنیت جس عربیت واسلامیت کا مظاہرہ کرے گی وہ اس سے بھی زیادہ ہوگا جو ان جملوں سے اندازہ کرایا گیا ہے۔

غرض عربی زبان جوہر ہے اور اردو زبان وہ آئینہ ہے جس میں اس جوہر کی عکاسی ہورہی ہے، تو کیا اس اسلامیت کی آئینہ داری کے ہوتے ہوئے اردو مسلمانوں کے لئے کوئی ناقابل اعتناء زبان رہ جاتی ہے؟ اگر فی الحقیقت اللہ کے ان ناموں، اس کے ان محاوراتی حقائق ومعارف کی حفاظت کوئی اسلامی فریضہ ہے جن کو اردو کی تعبیرات نے اپنے دامنوں میں چھپا رکھا ہے تو خود اردو کی حفاظت کیوں اسلامی فریضہ نہیں ہے؟ پھر اردو کی صورت چھوڑ کر اگر اس کے مادہ پر غور کیا جائے تو مسلمانوں نے اپنے مخصوص علمی مذاق کے ماتحت اسلامی علوم اس میں منتقل کئے، آج کوئی علم وفن ایسا نہیں جس میں ہزاروں کی تعداد میں اردو کے سفینے موجود نہ ہوں اور عربی سے اردو میں منتقل نہ ہو چکے ہوں۔

پھر ایک علومِ قدیمہ ہی نہیں بلکہ علومِ جدیدہ اور فنونِ عصریہ کا لامحدود ذخیرہ ہے جسے مسلمانوں نے اردو کی زینت بنادیا ہے، دکن کی دولت ابدمدت نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے سائنس، فلسفہ، کیمسٹری، تاریخ، جغرافیہ اور تمام جدید فنون کو دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کر دیا ہے۔

غرض اردو زبان آج ایک قابل فخر علمی زبان بن گئی ہے جس نے تمام علومِ قدیمہ وجدیدہ کو اپنے وسیع دامنوں میں چھپا لیا ہے۔ پس جس طرح اس وقت ہندوستان کی کوئی ایک زبان بھی خواہ ہندی ہو یا سنسکرت، اس میدان میں اپنے کو سرخروئی کے ساتھ پیش نہیں کرسکتی کہ اس نے اس قدر علوم وفنون کا ذخیرہ اپنی تعبیرات کے بطون میں پنہاں کر رکھا ہو، اسی طرح اس ملک کی کوئی ایک قوم بھی خواہ وہ ہندو ہو یا غیر ہندو اپنے کو پیش نہیں کرسکتی کہ اس نے مسلمانوں کی برابر نہ سہی اس کی آدھی تہائی بھی اس ترقیٔ اردو اور

اس کے مادہ وصورت کے بنانے اور سنوارنے میں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ اردو کے اسلامی اور مسلمانوں کی زبان ہونے کی ایک سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم اسے بحالتِ موجودہ اپنی نہیں بلکہ مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کی نوک و پلک قطع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

غور اس پر کیجئے کہ وہ اردو کی فکر میں محض ایک زبان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ وہ اسلامیت اور عربیت کی ترجمان ہے۔ پس وہ نفسِ اردو کو مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اس کی عربیت اور اس مخصوص اسلامیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پس اگر وہ اسلامیت وعربیت کے فنا کرنے کی خاطر اردو کی ہیئت تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو کیا اسی اسلامیت کی بقاء کی خاطر مسلمانوں کا شرعی فریضہ نہ ہوگا کہ وہ اردو کو اس کی اسی ہیئتِ کذائی کے ساتھ باقی رکھنے کی انتھک سعی کریں۔

جب کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ خود عربی زبان کا بقاء وتحفظ بھی اسی اسلامیت کے بقاء کے لئے ایک شرعی فریضہ ہے۔ پس علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک رہے گا، اگر عربی زبان کا بقاء اسلامیت کی خاطر فرض ہے تو ہندوستان میں اسی علت وحکمت کی خاطر اردو کا بقاء بھی شرعی فرض ہوگا، اگر خدانخواستہ اردو کا یہ اسلامی مغز نکال کر اس کے چھلکے کو باقی رکھا جائے یا اس کے موجودہ شیریں مغز کے بجائے اس میں کسی مردہ زبان کا تلخ مغز بھر دیا جائے تو مسلمان اسے کیسے برداشت کر سکیں گے کہ ان کے یہاں چھلکے کا تحفظ ہی صرف مغز کی خاطر ہے''۔(۸۶)

اسلامی قانون فطرت کے مطابق ہے

دین اسلام فطری دین ہے اور اس کے اصول وقوانین فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون اسلام کے نظامِ قانون کی جگہ نہیں لے سکتا کیوں کہ اسلام کے علاوہ کوئی بھی مکتبہ فکر الہامی یا غیر الہامی مذہب اسلام کی طرح فطری اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لاء اسلام کے ان ہی فطری اصولوں کا نام ہے۔ ذیل میں حکیم الاسلامؒ اسی مفہوم کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے ہیں:

''بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مسلم پرسنل لاء کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان کے شخصی قوانین، تو ان کا من حیث القوم نہ کوئی شخصی قانون ہے اور نہ کوئی ذاتی قانون ہے، وہ خدا کا قانون ہے ہم اس قانون کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں گے۔ مسلم پرسنل لاء کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم اپنے قانون کو بچا لے جائیں، نہیں! ہم اس کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دنیا کی قوموں کو بھی دعوت دیں گے کہ تم بھی اس پر عمل کرو،

خواہ وہ شخصی چیز ہو، خواہ خاندانی چیز ہو۔ اس لئے کہ وہ قوانینِ فطرت کے مطابق ہیں، وہ انسان کے طبعی جذبات کے مطابق ہیں، وہ زبردستی کے قوانین نہیں کہ عقل نہ مانتی ہو اور دل نہ مانتا ہو اور زبردستی اس کے اوپر ڈالا جائے۔ یہ بات نہیں! بلکہ جب غور کرے گا تو آدمی اس کو فطرت کے مطابق پائے گا۔

اس لئے ایک انسان کی زندگی اسی میں ہے، اس ماننے والے انسان کا نام ہے مسلمان اور مسلمان کی زندگی مہد سے لے کر لحد تک اور پیدائش سے لے کر موت تک اور اس درمیان میں جتنے اس کے افعال اور احوال ہیں سب پر اسلام کا قانون لاگو ہے اور جتنی ہدایات ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں۔ وہ کوئی موضوع قانون نہیں کہ ہم نے بنالیا ہو، افعال کو چھوڑ کر انسان کی ذات پر اس وقت سے اسلامی قانون لاگو ہو جاتا ہے کہ اسے عقل بھی نہیں، شعور بھی نہیں، تمیز بھی نہیں''۔ (۸۷)

جامعیتِ منافعِ احکام

اسلامی احکام وشرائع اور تعلیمات کی جامعیت کی شرح وتفصیل کے لئے عام اہل علم کو کئی کئی صفحات کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے باوجود موضوع کا احاطہ بمشکل ہی ہو پاتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ بھی اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہیں مگر تفصیل بھی اجمال میں اور شرح بھی ایجاز میں کہیں ہو سکتی ہو تو آپ کا یہ تحریری کرشمہ اس ہنر کا شاہکار ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''احکام کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ دین ودنیا، آجل وعاجل، مادی وروحانی دونوں کے منافع پر حاوی ہیں۔ چنانچہ جو امور دیانات سے متعلق ہیں جیسے عباداتِ خمسہ، ان میں تو بطور خاصیت منافع دنیا شامل ہیں اور جو امور معاشرت سے متعلق ہیں ان میں فوائدِ آخرت بھی مستور ہیں۔ نماز کے بارے میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ، نمازی آدمی اور بھی کچھ نہیں تو مخلوق ہی کی عار سے تو کھیل تماشوں سے بچے گا، پھر جماعت میں استقامتِ صفوف سے اتحاد پیدا ہوتا ہے استووا تستو قلوبکم اور اتحادِ حسن مغائرتِ دنیوی کی روح ہے اور اختلاف ایک عذاب ہے۔

زکوٰۃ سے توازنِ طبقات ہے کیونکہ تؤخذ من اغنیاء ھم وتردّ الٰی فقراء ھم (مالداروں سے لے کر ضرورت مندوں کو دیا جائے) ورنہ تنافر بلکہ تعاند قائم ہو جائے جیسا کہ اب قائم ہے اور بے قید سرمایہ داری کی وجہ سے دنیا جہنم زار بھی ہو جاتی ہے۔ حج میں تعارفِ باہمی، مشرق ومغرب کا میل جول، قومی وحدت، جو تمدن ومعاشرت کی بہترین اساس ہے اور جس پر تجارتی، سیاسی، اقتصادی تعلقات ہمہ گیر ہو سکتے ہیں۔

روزہ صحت کے لئے ضروری ہے **صوموا تصحوا** (روزہ رکھو صحت پاؤ گے) فاقہ اور بھوک چھوڑ کر کھانے سے بہتر طباً کوئی علاج نہیں جیسا کہ چار طبیبوں میں ہندی نے ہلیلہ، رومی نے مصطگی، عراقی نے گرم پانی جس سے معدہ ڈھل جائے اور عربی نے بھوک چھوڑ کر کھانا بتلایا۔ شریعت نے یہی بارہ مہینہ بھوک چھوڑ کر کھانے اور ایک مہینہ بھوکا رہنے کا امر کیا۔

صدقات سے تزکیہ کے ساتھ ربطِ باہمی اور حسنِ تعلقات وحسنِ معاشرت ومحبوبیت کی تعلیم دی:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ.

جہاد پر حوصلہ مندی، صحت وقوتِ بدنی، غنائم سے رزق کا اضافہ یعنی مالِ غنیمت جس میں اقسام اقسام کے اموال آتے تھے:

جعل رزقی تحت ظل رمحی برّالوالدین یزید فی العمر.

یعنی فقط روزہ اور زکوٰۃ ہی کی تعلیم نہیں دی گئی جس میں سے مال ولذات کو اپنے سے دور کیا جاتا ہے بلکہ جہاد کی تعلیم بھی دی گئی جس میں مال حاصل ہوتا ہے مگر عزت وشوکت اور خودداری کے ساتھ، گویا مداخل ومخارج دونوں بتلائے، نہ رہبانیت سکھلائی، پھر جو امور خالص طبعیاتی اور معاشرتی تھے، جیسے کھانا پینا، سونا جاگنا، ان میں مفادِ اخروی کی صورتیں پیدا کر دیں جو محض نیت اور ذرا سے دھیان سے حاصل ہو جاتی ہیں اور کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، جماعِ زوجہ سب عبادت ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ نیت صحیح رکھی جائے''۔

ڈاڑھی کے ثبوت کے چار طریقے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی کا ثبوت قرآن کی کس آیت اور کس حدیث سے ہے؟ اور جواب دینے والے مفصل ومدلل جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر پھر بھی اطمینان کی شکل پیدا نہیں ہو پاتی، حکیم الاسلامؒ نے اتنے مختصر، جامع اور سہل انداز میں ثبوتِ داڑھی کی چار دلیلیں ذکر فرمادیں، خدا توفیق دے تو عمل کے لئے یہی بہت ہے۔ بے توفیقوں اور کج بحثیوں کے خوگر آیات واحادیث کو بھی اپنی کٹ حجتیوں کے سامنے کچھ نہیں سمجھتے:

''اندریں ثبوت اگر انبیاء علیہم السلام کسی چیز کا استحسان ظاہر فرمائیں تو دانش کا تقاضا یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے اور اگر کسی چیز کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ کر خود اپنا اُسوہ بنالیں تو منہاجِ نبوت کے عقیدت مندوں کا خوش گوار وظیفہ یہی ہونا چاہئے کہ وہ بھی اُسے دستور العمل بنالیں اور اگر یہ مقدس طبقہ کسی چیز کے

بارے میں ترغیبی کلمات بھی استعمال فرمائے، یعنی دوسروں کے حق میں بھی اُسے پسند کرے تب تو وہ حرزِ جان بنا لینے کے قابل ہے اور اگر اس سے آگے ہو کر کسی چیز کو وہ اپنی امت کے حق میں ضروری قرار دے تو اس کے لئے تو سرتاپا تعمیل اور اس کے خلاف سرتاپا گریز بن جانا چاہئے۔ ظاہر ہے کسی چیز کی مشروعیت یا خدائی دستور کے جزو ہونے کی یہی چار صورتیں ہوسکتی ہیں کہ وہ بذاتِ خود مستحسن کہی جائے یا اسوۂ پیغمبر ہو یا اس کے بارے میں ترغیبی عنوان اختیار کیے گئے ہوں کہ وہ خود بھی اچھی بتائی گئی ہو، اسوۂ پیغمبر بھی ہو، اس کی ترغیب بھی دی گئی ہو اور اس کا امر بھی کیا گیا ہو۔ تو اس سے زیادہ اس کے شرعی ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ ڈاڑھی کے مسئلہ میں حسن اتفاق سے یہ چاروں وجوہِ مشروعیت جمع ہیں''۔ (۸۸)

اہل سنت والجماعت کا معتدل مسلک

اہل سنت والجماعت کا صحیح تعارف یہ ہے کہ اس کے عقائد، اعمال، اخلاقیات اور جملہ شعبہ جاتِ زندگی میں توازن ملحوظ ہے، آپ اسے مسلکِ اعتدال کہہ سکتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس کی کچھ وضاحت فرمائی گئی ہے:

پس یہی علم شریعت، کلامی ماتریدیّت بتوافق اشعریت، اتباع فقہیت، پیروی طریقت، دفاع زیغ وضلالت، جامعیت واجتماعیت اور اتباع سنت اس مسلکِ اعتدال کے عناصر ترکیبی کا خلاصہ ہے جو ﴿سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ کا مصداق ہے۔

غور کیا جائے تو شرعی اصطلاح میں ان ساتوں سنابل کا خلاصہ چار ارکان ایمان، اسلام، احسان اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہیں جو حقیقتاً انہار اربعہ ہیں۔ ''نہران ظاہران ونہران باطنان'' ایمان واحسان باطنی نہرین ہیں اور اسلام واعلاءِ کلمۃ اللہ ظاہری نہرین ہیں جو ان ساتوں شاخوں (سبع سنابل) کو سیراب کرتی ہیں۔

دیکھا جائے تو یہ مسلک بعینہٖ حدیث جبرئیل کا خلاصہ ہے جو صحیحین کی مشہور حدیث ہے جسے فقہاءِ ملت نے ام الاحادیث قرار دیا ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام کے چار سوالات کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان، اسلام، احسان اور دفاعِ فتن یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کے مضمرات کی تفاصیل ارشاد فرمائیں اور اُن ہی کو مجموعہ تعلیم دین فرمایا کہ:

''اَتَاکُم یُعَلِّمُکُمْ دِیْنُکُمْ'' (مشکوۃ شریف) ''جبرائیل علیہ السلام تمہارے پاس آئے (اور ان چارگانہ سوالات کے ذریعہ نبوت سے جوابات سُنوا کر) تمہیں دین کی تعلیم دے گئے۔

ظاہر ہے کہ حدیث میں ذکر فرمودہ چار عنوانات اور ان کا علم ہی تعلیم دین کا بنیادی نصاب ہے جس

کی بنیادی حجتیں چار ہی ہوسکتی ہیں۔ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس مجتہد۔ کہ انہی کا علم اصلاً تعلیم دین کے تحت آسکتا ہے اور حجت بن سکتا ہے جس میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے۔ پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں جن کے لئے سند و روایت ناگزیر ہے اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں، جن کے لئے تربیت یافتہ عقل و فہم تقویٰ شعار ذہن و ذوق اور ساتھ ہی ان کا انتساب صاحبِ درایت مجتہد کی طرف سند کے ساتھ ضروری ہے۔ بقیہ وہ علوم جو اُن کے لئے بطور آلات و وسائل سیکھے جائیں وہ اصلاً علم دین نہ ہوں گے؛ بلکہ اضافۃً اور نسبتی طور پر ان کا نام اس علم کے ساتھ بطور ذرائع و وسائل کے لیا جاسکے گا۔ اس لئے یہ مسلکِ اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی؛ بلکہ عقل و نقل کی متوازن آمیزش سے بایں انداز برپا شدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل ہمہ وقتی خادم اور کارپرداز ہے۔ اس لئے علمائے دیوبند کا مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اُس کے مفہوم کو عقل کے تابع کر دیا گیا ہے۔ جس سے دین فلسفۂ محض بن کر رہ جاتا ہے اور عوام کے لئے زندقہ والحاد کی لائن ہموار ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی سادہ مزاج عقیدت مندوں کا کوئی رابطہ دین اور دینی شخصیات سے قائم نہیں رہتا۔

نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے جس میں الفاظِ وحی پر جمود کر کے عقل و درایت کو معطّل کر دیا گیا ہے اور دین کے باطنی علل و اسرار اور اندرونی حکم و مصالح کو خیرباد کہہ کر اجتہاد و استنباط کی ساری ہی راہیں مسدود کر دی گئی ہیں جس سے دین ایک خالی از حقیقت، بے معنویت غیر معقول اور جامد شے بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکمت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا۔

پس ان میں سے ایک مسلک میں تو عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں نقل کے لفظ ہی لفظ یا صورتِ نقل رہ جاتی ہے حقیقت باقی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط و تفریط اور ''وکان امرہ فرطاً'' کی ہیں جن سے یہ جامع اور معتدل مسلک بری ہے۔ مسلکِ جامع وہی ہوسکتا ہے کہ جس میں عقل و نقل پورے توازن کے ساتھ اس طرح جمع رہیں کہ تمام اصول و فروع میں نقل کے ساتھ عقل بھی کارفرما رہے مگر نقل کے ایک مطیع و فرماں بردار خادم کی طرح کہ اس کی ہر ایک کلی و جزئی کے لئے یہ عقل و خرد عقلی براہین، معقول دلائل اور حسی شواہد و نظائر فراہم کرتی رہے جس سے یہ مسلک امت کے ہر طبقہ کے لئے قابلِ قبول اور ہمہ جہتی دستورِ حیات ثابت ہوتا رہے اور یہ طبقۂ حقہ ﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ کا صحیح

مصداق دکھائی دے۔

یہی مسلک اہل سنت والجماعت کہلاتا ہے اور یہی وہ مسلک ہے جس کے علم بردار علمائے دیوبند ہیں اسی لئے وہ اس جامع مسلک پر چلنے اور اُس کے عناصر ترکیبی کو جمع رکھنے سے (جن کی تفصیلات سابقہ اوراق میں عرض کی جا چکی ہیں) وہ بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی ہیں اور مفکر بھی۔ اور پھر ان تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس توسط اور وسعت نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سبّ وشتم اور تبرا ہے نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے نہ غلبۂ جاہ ومال سے افراط عیش؛ بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائق بیانی یا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے اور بالفاظِ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے جس میں نہ متخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے نہ اُن پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا۔ نہ اُن کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالفِ مسلک طبقات سے خواہ مخواہ اُلجھنا اور عوام کو اُن سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے۔ جب کہ اُن کی زبانیں بیان مسائل ہی سے فارغ نہیں تو ان خرافات کے لئے وہ فرصت کہاں سے پاتے۔

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے اُن کے یہاں سرے سے ان اشخاص کا ذکر وتذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں۔ پس انہی اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی وعملی اور عقلی واخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ (۸۹)

علم غیب کی تعریف

علم غیب حق تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، ہندوستان کی ایک مسلم جماعت نے جب اس مسئلہ میں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا اور علمائے حق کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا تو حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے علم غیب نامی کتاب لکھی، جس میں علم غیب کی وضاحت فرمائی اور مسلک اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کیا، ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''علم غیب وہ ہے جو بلا واسطۂ اسباب ہو، جب بھی وہ بالواسطہ آئے گا تو وہ حقیقی معنی میں علم غیب نہ ہوگا بلکہ علم غیب کی ہو بہو حکایت اور من وعن نقل ہوگی اور سب جانتے ہیں کہ علم کے عادی وسائل میں سے وحیٔ

الٰہی بھی ایک وسیلہ ہے بلکہ اولین وسیلہ ہے، جس کے توسط سے عالم بشریت کے علم کی ابتداء ہوتی ہے، کشف ہو یا الہام، فراست ہو یا وجدان، سب بعد کے وسائل اور وحی کے دستِ نگر توابع میں سے ہیں، خود اصل نہیں، اس لئے عادتاً حصولِ علم کا سب سے پہلا، سب سے زیادہ قطعی اور یقینی وسیلہ یہی وحیٔ الٰہی ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان علم سے آشنا ہوکر عالم کہلاتا ہے۔

پس جیسے سمع وبصر، عقل وخرد، حدس وتجربہ، کشف والہام، علم کے کھلے اور چھپے ذرائع ہیں جن کے راستہ سے عالم الغیب والشھادۃ اس ظلوم وجہول انسان کو علم سے سرفراز فرماتا ہے، ایسے ہی وحی بھی ایک رفیع المنزلت اور لطیف ترین وسیلۂ علم ہے، جو صرف انبیاء علیہم السلام جیسے لطیف الاجسام، لطیف الارواح، لطیف القلوب اور لطیف الاسرار مقدس گروہ کو عطا ہوتا ہے اور وہ اس کے واسطہ سے علومِ الٰہیہ، مرضیاتِ خداوندی اور شرائعِ ربانی کو جذب کرتے ہیں، یا ان کی پاکیزہ ارواح غیب کے عالم کی طرف رخ کرتی ہیں، جو عام نگاہوں سے اوجھل اور تمام علوم وکمالات کا سرچشمہ ہے۔ وہاں انھیں حقائق اور ملکوت کا روحانی مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ ان سے علم اخذ کرکے دنیا کو دیتی ہیں، جس سے دنیا میں روشنی پھیلتی ہے اور جن وبشر عالم کہلائے جانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وحی کے سوا دوسرے وسائل کسبی ہیں، جنھیں مشق ومحنت اور ریاضت ومجاہدہ سے حاصل کرکے حصولِ علم کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن وحیٔ الٰہی نبوت کے بغیر نہیں ہوتی اور نبوت محض ایک موہبتِ الٰہی ہے جو بہ انتخابِ خداوندی منتخب افرادِ بنی آدم کو دی جاتی ہے، اس لئے وحی بھی ایک موہبۂ ربانی ہے جو بلاکسب ومجاہدہ محض عطاءِ الٰہی سے مخصوص نفوسِ قدسیہ کو دی جاتی ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہ.‘‘ (۹۰)

ایجاد اور اجتہاد

ایجاد اور اجتہاد لفظی اعتبار سے ہم وزن سے ہیں مگر معنوی لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔ ذیل میں اس فرق کو ملاحظہ فرمایئے:

’’مگر ہاں جس طرح تکوین کے ان منظّم اور مرتب مادّوں اور علوی وسفلی ذخیروں سے بواسطہ فکر وتدبر نئے نئے عجائبات کا انکشاف کیا جاسکتا ہے اور ان کی چھپی ہوئی طاقتوں کا سراغ لگا کر تمدن کے نئے نئے کارنامے دنیا کو دکھائے جاسکتے ہیں جن کی کوئی حد نہیں کہ **لا تنقضی غرائبہ** اسی طرح تشریع کے منظّم احکام ومسائل اور قواعد وکلیات کے مخفی علوم واسرار کا پتہ لگا کر ان سے تدیّن کے نئے نئے فروعی مسائل، لطائف وظرائف اور حقائق ومعارف پیدا کئے جاسکتے ہیں کہ قرآن کی شان بھی **لا تنقضی عجائبہ** وارد ہوئی ہے۔

اس تکوینی انکشاف کا نام ایجاد ہے اور تشریعی استخراج کا نام اجتہاد ہے۔ نہ ایجاد کی کوئی حد ہے نہ اجتہاد کی۔ یہ الگ بات ہے کہ جیسے ایجادات ہر زمانہ کی ذہنیت اور ضرورت کے مطابق ہوتی ہیں اور فطرۃً موجدوں کی طبیعتیں ان ہی ایجادوں کی طرف چلتی ہیں جن کی زمانہ کو ضرورت ہوتی ہے اور جب وہ ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو طبائع کی یہ دوڑ بھی ختم ہو جاتی ہے، آگے صرف ان ایجادات سے فائدہ اٹھانا رہ جاتا ہے۔

ایسے ہی اجتہادات کا رنگ بھی ہر دور کی علمی ذہنیت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ مجتہدوں کے قلوب فطرۃً چلتے ہی اس استخراج کی طرف ہیں جس کی اس قرن کو ضرورت ہوتی ہے۔ پس تکمیل ضرورت کے بعد اجتہاد کا وہ دور نہیں لوٹتا جو آ چکتا ہے۔ اب صرف اس سے نفع اٹھانے کا موقع باقی رہ جاتا ہے''۔(۹۱)

امت میں اگر اجتہاد ضروری ہے تو تقلید بھی ضروری ہے

ذیل کے اقتباس میں اجتہاد کے ساتھ تقلید کی ضرورت اور تقلید کے ثبوتِ شرعی پر ایک مختصر آیتِ کریمہ سے اتنا زبردست استدلال جو لطیف بھی ہے اور دقیق بھی، عام انسان تو کیا اکثر پڑھے لکھے حضرات کا ذہن بھی جلدی سے اس جانب منتقل نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیے:

''بہرحال جب یہ واضح ہو گیا کہ دین میں نص نہ ہونے یا متعین الوجہ نہ ہونے یا غیر معلول نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد و قیاس جائز ہے اور اس کے لئے افراد من اللہ منتخب اور مخصوص ہوتے ہیں، ہر ایک اس کا اہل نہیں اور وہ بتصدیق پیغمبر حجتِ شرعیہ ہے تو ظاہر ہے کہ اہل اجتہاد یعنی غیر مجتہد کے لئے بجز اس کے چارۂ کار ہی کیا ہے کہ اس اجتہاد کی متابعت اور پیروی کرے اور جب خود علم نہیں رکھتا تو علم والے کی اتباع کرے، خود ان مخفی دلائل اور علل تک نہیں پہنچ سکتا تو دانایانِ اسرار و علل کے سامنے جھک جائے۔ کیونکہ مرتبے علم کے دو ہی ہیں یا خود سمجھنا یا فہمیدہ لوگوں کی اطاعت کرنا۔ چنانچہ یہی دو مرتبے بلا کسی واسطے کے قرآن نے ہدایت کے رکھے ہیں، قیامت کے دن کفار اسی پر افسوس کریں گے کہ ہم نے دین کو نہ خود اپنی عقل سے سمجھا اور نہ عقل والوں کی سنی۔

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؁

ترجمہ: ''اور کہیں گے کفار اے کاش! ہم سنتے یا عقل سے سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے''۔(۹۲)

مسئلۂ کفاءت کا ماخذ

کفاءت یا کفو ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عام لوگ نہیں پڑھے لکھے بھی الجھے پھرتے ہیں۔ فقہاء نے

بھی اس پر خاصی بحث کی ہے کہ کفو برادری کا نام ہے یا برابری کا؟ حدیث میں **فاظفر بذات الدین** کا لفظ آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین داری میں کفو مقصود ہے۔ اس اہم مسئلہ کو ذرا حکیم الاسلامؒ کی زبان سے بھی سنئے:

''بہر حال یہ تو واضح ہوگیا کہ نسب کی کرامت نہ دنیا میں فخر و تعلّی کے لئے ہے نہ آخرت میں مدارِ نجات سمجھنے کے لئے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب کسی شخص کو کوئی خلقی کرامت دیدی جائے تو ان احاد افرادامت کو چھوڑ کر جن میں نفس کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی باقی نہ رہا ہو، عام طبائع میں ایسے فضائل سے گونہ وقار وخودداری کا مضمون پھر بھی باقی رہتا ہے جو یقیناً تکبر نہیں ہے بلکہ ایک غیر اختیاری طبعی جذبہ ہے جو محض انعامِ خداوندی کی قدر و منزلت سے قلوب میں برپا ہوتا ہے۔

پس اگر اسلام کی فطری شریعت طبعی جذبات کو پامال کرنے کے بجائے اعتدال کے ساتھ ان کا احترام کرنا چاہتی ہے تو اس کرامتِ نسب سے پیدا شدہ جذبۂ وقار کا مصرف اس نے کیا تجویز کیا ہے جس سے یہ جذبہ پامال نہ ہونے پائے۔ سو اس کی رعایت بھی فی الجملہ اسی آیت میں فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس نسبی وقار وخودداری کا کوئی ادنیٰ اعتبار اجرائے احکام شرعیہ میں تو نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں نسب و غیر نسب ایک درجہ میں ہیں، نہ مقبولیت عنداللہ میں اس کا کوئی اثر ہے کہ وہاں نسیب وغیر نسیب کے لئے ذریعۂ کرامت صرف تقویٰ ہے۔ غرض معاملہ مع اللہ میں نسبی وقار کا کچھ نہیں اٹھتا، ہاں معاملہ مع الخلق میں کسی حد تک اس کا اعتبار کیا جانا طبعی رفتار کے خلاف بھی نہیں ہے، مگر معاملاتِ عامہ میں نہیں بلکہ صرف اسی معاملہ میں جہاں انسانوں کے کسی طبعی مگر مستحکم میل ملاپ کا قصہ درپیش ہو اور ان کے باہمی عادات وطبائع کی ایک ایسی محکم آمیزش ہو رہی ہو جس سے عمر بھر کے لئے ان کے معاملات ومنافع مشترک ہو جائیں، یگانگت اس درجہ پر کرائی جارہی ہو کہ بیگانگی کا نشان نہ رہے، توافقِ طبائع اس قسم کا مطلوب ہو کہ ایک کے لئے دوسرا باعثِ تشویش خاطر ہونے کی جگہ انتہائی مودّت ورحمت اور تسکینِ خاطر کا سبب ہو جائے اور ظاہر ہے کہ ایسا معاملہ ایک نکاح وازدواج ہی کا معاملہ ہے''۔ (۹۳)

اعمال کا حسن وقبح

جزئیات کا حسن وقبح فی نفسہٖ ہوتا ہے یا کلیات کے تابع ہے؟ ایک اصولی اور علمی بحث ہے۔ حکیم الاسلامؒ نے اس بحث کو اتنے آسان انداز میں بیان فرمایا ہے کہ گویا کہ لوہے کو پانی بنا دیا ہے:

نماز بلا شبہ اپنی ذات سے حُسن ہے؛ لیکن خدائے برتر کی طرف سے جب اس کا حکم ہوگا تو اس نسبت سے بھی اس میں حُسن کا آنا قدرتی ہے۔ شراب بلا شبہ اپنی ذات سے قبیح ہے؛ لیکن جب اس کی ممانعت شریعت کی طرف سے آئے گی تو اس کا یہ قُبح اور زیادہ مؤکد اور مستحکم ہو جائے گا۔ جس سے ماتریدیہ بھی انکار نہیں کر سکتے؛ کیونکہ امر خداوندی جو خود بذاتہ حسن ہے جب آئے گا تو وہ یہی حسن لے کر ہی جزئیات میں داخل ہوگا۔ جس سے اُن کے حسن میں اضافہ ناگزیر ہوگا۔ ورنہ یہ نسبت غیر مؤثر ثابت ہوگی جو یقیناً خلافِ عقل ونقل ہے۔ اس لئے حسن وقبح کا یہ درجہ ایجاب وتحریم شرعی کی نسبت سے شرعی ہی کہلائے گا نہ کہ عقلی جس سے مامور بہ میں تو ایک جدید حسن کا اضافہ ہو جائے گا اور منہی عنہ کا قبح اور زیادہ مضبوط اور مؤکد ہو جائے گا۔ اگر یہی احکام کسی دُنیوی حکومت کے آرڈر سے آتے تو اقامۃ صلوۃ اور شراب نوشی کا حسن وقبح محض اپنا ذاتی اور عقلی رہ جاتا۔ مخلوقاتی آرڈر سے ان میں کوئی مزید حسن وقبح نمایاں نہ ہوتا؛ بلکہ خود یہ آرڈر ہی اُن کے حسن وقبح کی وجہ سے مستحسن سمجھا جاتا۔ گویا خود آرڈر میں ان افعالِ حسنہ اور افعالِ قبیحہ سے حسن وقبح کا اضافہ ہوتا؛ لیکن احکامِ خداوندی کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ خود بذاتہ حسن ہیں اس لئے اُن کی نسبت سے مامور ومنہی میں حُسن وقبح کا اضافہ قدرتی ہے۔

حضرت حسینؓ پر کسی الزام کی گنجائش نہیں

شہادتِ حسینؓ کے واقعہ میں بہت سے حقائق اور بہت سے پہلو شرعی نقطۂ نظر سے بڑے نازک ہیں۔ بعض حضرات نے انتہائی غلو سے کام لیا ہے۔ بعض نے بہت ہلکا کرنے کی کوشش کی جب کہ ایک تیسری جماعت نے کسی کو بھی نہیں بخشا۔ یہ شہادت حسین سے بھی بڑا ظلم ہے۔ اس موضوع پر حکیم الاسلامؒ کی یہ عالمانہ بحث ملاحظہ فرمایئے:

''بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر جو بمقابلہ یزید مدینہ سے کربلا کے میدان تک پھیلا ہوا ہے، تاریخ، فقہ، حدیث، کلام اور عقل کے راستہ سے کسی الزام واتہام کی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۱) کیوں کہ اول تو یزید کی بیعت ہی اجماعی نہ تھی، متعدد گروہوں، خطوں اور منطقوں نے ابتداء ہی سے اسے قبول نہ کیا تھا۔ جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اس لئے ان پر یزید کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ خروج وبغاوت کا سوال پیدا ہو۔ خروج وبغاوت کی مذمت اور ممانعت التزامِ بیعت کے بعد ہے اور جب کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے بہت سے ہم خیال لوگوں نے یزید کی بیعت ہی قبول نہ کی تھی تو ان پر اس کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ وہ خروج وبغاوت کا محل قرار پائیں اور اس

کی رُو سے ان پر معاذ اللہ کسی عصیان کا اتہام لگایا جائے۔

(۲) اور پھر بھی اگر اس اقدام کو خروج و بغاوت ہی فرض کرلیا جائے تو جب کہ وہ امیر کے متعدی فسق و فجور، اس کی اہانتِ شیوخ و کبراء اور امارتِ صبیان وسفہاء اوران کی اطاعت کے سبب اضاعتِ دین ہونے کی بناء پر تھی، جن کے ہوتے ہوئے سمع وطاعتِ امیر باقی نہیں رہتی، تب بھی ان پر خروج و بغاوت کا الزام نہیں آسکتا کہ یہ اصلاحی قدم تھا، جوضروری تھا نہ کہ باغیانہ اقدام۔

(۳) لیکن اگر خواہی نہ خواہی اسے خروج و بغاوت ہی کا لقب دیا جائے تو حسبِ تصریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ قرنِ اول کے باغی گروہ کا حکم مجتہدِ مخطی کا ہے، جس پر اسے ایک اجر ملے گا (ازالۃ الخفاء) جو معصیت اور مخالفتِ شریعت پر کبھی نہیں مل سکتا۔ اس لئے اس صورت میں بھی حضرت امام کے اس اقدام کو غیر شرعی اقدام نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے ماجور عنداللہ اور شہیدِ مقبول ہونے میں کسی تأمل کی گنجائش ہو۔

(۴) رہیں وہ احادیث جن میں باوجود امیر کے شدید فسق و فجور کے بھی اس پر خروج و بغاوت کی شدید ممانعت آئی ہے اوران ہی کی رُو سے عباسی صاحب نے حضرت امام پر الزامِ خروج وبغاوت لگا کر ان کے اس اقدام کو شرعاً ناجائز باور کرانا چاہا ہے، سوان احادیث کا جواب وہ احادیث ہیں جن کی رو سے امیر کے غیر شرعی یا مخالفِ شریعت اقدامات سے اس کی سمع و طاعت اُٹھ جاتی ہے اور معصیتِ خالق میں طاعتِ مخلوق باقی نہیں رہتی، جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ جہاں تک امیر کے ذاتی فسق وفجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو، خروج کی شدید ممانعت ہے اور جہاں تک اس کے متعدی فسق و فجور کا تعلق ہے، جس سے نظامِ دیانت مختل ہونے لگے تو امیر کی مخالفت نہ صرف جائز بلکہ استطاعت کی حدتک ضروری ہے۔ اس لئے ممانعتِ خلاف کی حدیثیں امیر کے ذاتی فسق وفجور پر محمول ہوں گی اوراجازتِ خلاف کی حدیثیں امیر کے متعدی اور جماعتی فسق وفجور پر، جس سے روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا اور نہ ہی حضرت امام ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھہرتا ہے، کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے، جوڈوزی کے منہ میں گھس کر عباسی صاحب نے ان پر لگائی ہے۔

اب خلاصۂ بحث یہ نکل آیا کہ یزید کی شنیع حرکات اوراس کے فاسقانہ افعال نصوصِ فقہیہ اورنصوصِ تاریخیہ سے واضح ہیں۔ جن کی رو سے فسقِ یزید کا مسئلہ محض تاریخی نظریہ نہیں رہتا جسے مؤرخین نے محض تاریخی ریسرچ کے طور پر قلم بند کرلیا ہو، بلکہ حدیث وفقہ کی رو سے ایک عقیدہ ثابت ہوتا ہے، جس کی بنیادیں کتاب وسنت میں موجود اوران کی تفصیلات علماء اوراتقیاء کے کلاموں میں محفوظ ہیں۔ اسی لئے اسے

نقل کرنے پر حکم لگانے اور اسے ثابت کرنے کیلئے محض مؤرخ نہیں بلکہ محدثین فقہاء اور متکلمین آگے آئے اور انھوں نے اس مسئلہ پر کتاب وسنت کے اشارات اور فقہ وکلام کی تصریحات سے احکام مرتب کیے جس سے اس کے عقیدہ ہونے کی شان نمایاں ہوئی‘‘۔(۹۴)

سلسلۂ تشبہ کے درجات

حکیم الاسلامؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ’’التشبہ فی الاسلام‘‘ میں تشبہ کے موضوع پر انتہائی سیر حاصل گفتگو کی ہے، کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

’’یہاں سے سلسلۂ تشبہ میں دو درجے پیدا ہوتے ہیں، ایک درجہ تحصیلِ فضائل کا ہے جو تشبہ بالانبیاء سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا درجہ تخلیۂ رذائل کا ہے جو ترکِ تشبہ بالکفار سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا پہلا سلسلہ ماموراتِ کا ہے اور دوسرا محظوراتِ شرعیہ کا، یا پہلا حصہ ماذونات کا ہے اور دوسرا ممنوعات کا۔ پھر ان دونوں درجوں میں دو دو مرتبے پیدا ہوتے ہیں، عزیمت اور رخصت۔

کیوں کہ سلسلۂ مامورات میں انبیاء علیہم السلام اپنے بعد دو چیزیں چھوڑتے ہیں، ایک اپنا ذاتی اسوہ اور عمل اور ایک اصول یا قانونِ عام۔ ان کا خصوصی عمل تو عزائم سے پر ہونے کے سبب نہایت ارفع اور بلند پایہ خصوصیات سے لبریز ہوتا ہے جس کی پیروی واتباع پر ہر ایک جری نہیں بن سکتا، معدود افرادِ امت ہی کو اس کی متابعت نصیب ہوتی ہے لیکن اصول وقانون بوجہ اپنی کلیۃ ووسعت اور ہمہ گیری اور مباحاتِ اصلیہ کے ہزاروں جزئیات اپنے اندر پنہاں رکھنے کے سبب سہل العمل ہوتا ہے، اس لئے امت کے حق میں جو دشواریاں اور متاعب اس ذاتی اسوہ کی پیروی میں پیش آسکتی ہیں، وہ قانونِ عام میں آکر مرتفع ہوجاتی ہیں اور خواص وعوام کے لئے حسبِ استعداد جائزات پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہزاروں متفاوت المراتب جزئیات کا ذخیرہ میسر آجاتا ہے۔

پس تشبہ بالاخیار کا اعلیٰ اور انتہائی مقام یعنی عزیمت تو یہ ہے کہ لباس اس اخلاقی معیار پر منطبق ہوتے ہوتے ٹھیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی اور غالب العادت لباس پر منطبق ہوجائے اور گویا عینی مشابہت نصیب ہوجائے اور ابتدائی مقام یعنی مقامِ رخصت یہ ہے کہ ممنوعاتِ لباس سے بچ کر ان جائز لباسوں پر اکتفا کیا جائے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتًا یا جزئی طور پر پسند فرمایا اور اجازت دی، یا کلی طور پر اباحتِ اصلیہ کے تحت میں چھوڑ دیا ہے کہ یہ بھی نوعی اور کلی طور پر آپ ہی کے ساتھ تشبہ کرنا ہے۔ اگر جائزاتِ مستعملہ میں نہیں تو جائزات مطلقہ میں ہے، جن کا ایک فرد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی

لباس بھی ہے اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی لباس کو ذاتِ اقدس کے ساتھ استعمال کی نسبت ہے اسی طرح اجازت فرمودہ یا مباح کردہ لباسوں کو آپؐ کے ساتھ حکم اور علم کی نسبت ہے اور اس انتساب ہی کا نام تشبہ ہے، خواہ وہ تصویراً ہو یا تصوراً اور اس طرح اس مشابہت نبوی کے یہ دو مرتبے مشابہتِ عینی اور مشابہتِ حکمی کے ساتھ بھی تعبیر کئے جاسکتے ہیں۔

بہرحال مباحاتِ شرعیہ پر عمل کرکے بھی ایک انسان دین یا اتباعِ سنت یا تشبہ بالانبیاء کے دائرہ سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ آج اہل لطافت میں سے بھی کوئی فرد حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لباس میں تشبہ کا شرف نہیں رکھتا۔ کون ہے کہ آج حلّہ استعمال کررہا ہے اور کب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لباس استعمال فرمائے ہیں جو آج طبقۂ خواص میں استعمال کئے جارہے ہیں؟ بلاشبہ یہ خصوصی اوضاع ان ہیأتِ کذائیہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں نہیں آئیں لیکن اسی طرح آپ کی ممانعت کے تحت میں بھی نہیں آئیں، اور ان کو اگر آپ سے استعمال کی نسبت حاصل نہیں ہے تو قواعدِ کلیہ کے تحت میں اجازت واباحت کی نسبت حاصل ہے اور یہ تمام اوضاع اس وقت تک اباحتِ اصلیہ کے تحت میں چھوڑ دی گئی ہیں جب تک کہ کوئی دشمن اسلام قوم ان کو اپنا خصوصی شعار نہ ٹھہرالے یا اس کے ساتھ ان اوضاع کو کوئی خصوصی نسبت نہ حاصل ہوجائے''۔(۹۵)

شرعیات اور تاثیرِ ظاہر

ظاہری اعمال، لباس اور شکل وصورت کا اثر لازمی طور پر باطن پر بھی پڑتا ہے، اس ایمان افروز مضمون کو آیات واحادیث کی روشنی میں حکیم الاسلامؒ کی زبان سے سنئے:

''خیر کے سلسلہ میں شریعت نے تصریحات کی ہیں کہ جوارح کے اعمال، لباس کی انواع اور کپڑوں کی اقسام، ایمان کی کیفیات پر زیادتی اور کمی کا اثر ڈالتی ہیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ صوف کا پہننا (جو محض ایک ظاہری فعل ہے) ایمان کی حلاوت پیدا کردیتا ہے جو محض ایک باطنی کیفیت ہے:

من سره أن يجد حلاوة الايمان فليلبس الصوف.

''جسے ایمان کی حلاوت پسند ہو اسے چاہئے کہ صوف پہنے۔''

حدیث میں فرمایا گیا کہ عمامہ باندھنے سے حلم اور وقار کی کیفیت قلب میں پیدا ہوجاتی ہے:

اعتموا تزدادوا حلمًا.

''عمامہ باندھو تاکہ تم میں حلم بڑھ جائے۔''

حدیث میں ہے کہ نماز میں صفیں سیدھی رکھو گے تو قلوب میں بھی راستی و استقامت پیدا ہو جائے گی ورنہ کجی واختلاف:

استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم.

''(صفوفِ صلوٰۃ میں) سیدھے رہو تو تمہارے قلوب سیدھے رہیں گے، آگے پیچھے مت رہو ورنہ قلوب بھی اسی طرح آگے پیچھے اور متفرق ہو جائیں گے۔

پھر جس طرح یہ اعمالِ خیر اپنی تاثیرات سے خیر کی حقیقت قلوب تک پہنچا دیتے ہیں اسی طرح اعمالِ شر، شر کی حقیقتیں قلب میں پیدا کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم نے خبر دی کہ بداعمال لوگوں کے قلوب میں بدعملی کے سبب ایک زنگ بیٹھ جاتا ہے، جو قبولِ حق کی استعداد کو آخر کار رفنا کر دیتا ہے، جس کو کہیں طَبَع سے کہیں رَین سے کہیں خَتم سے کہیں وَقر سے کہیں کنانؔ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○

''ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔''

کہیں فرمایا:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ.

''بلکہ خدا نے ان کے قلوب پر مہر کر دی ان کے کافرانہ اعمال کے سبب۔''

اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا:

اياكم والمحقرات من الذنوب فإن الذنب على الذنب يوقد على صاحبه جحيما ضخمته.

''چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بہت بچو کیوں کہ گناہ پر گناہ کرتے رہنا اس گناہگار پر آگ روشن کر دیتا ہے۔''

یعنی صغائر سے کبائر پر جرأت ہوتی ہے اور کبائر سے استخفافِ معاصی اور کفر پر اور یہی آگ کا پیش خیمہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں:

القلب كالكف فإذا أذنب انقبض و إذا أذنب ذنبًا اخرًا انقبض ثم يطبع عليه

وهو الرين.

''قلب مثل کفِ دست کے کھلا ہوا ہے یعنی منشرح ہے۔ جب گناہ کیا جاتا ہے تو سکڑ جاتا ہے پھر کیا جائے تو اور سکڑ جاتا ہے یہاں تک کہ بالآخر اس پر مہر کردی جاتی ہے اور یہی زنگ ہے یعنی قبولِ حق کی استعداد بھی باقی نہیں رہتی۔''

اس لئے حدیث ابی ہریرہؓ میں فرمایا گیا کہ:

إذا أذنب الانسان حصلت فی قلبه نقطة سوداء حتى يسود القلب.

جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے۔ جوں جوں وہ عملِ بد کرتا رہتا ہے یہ ظلماتی نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر کار قلب سیاہ پڑ جاتا ہے۔ گناہ کے دواعی قوی ہوجاتے ہیں اور توبہ کی توفیق مسلوب۔

بہرحال جس طرح پہلی نوع کی احادیث نے قلوب میں ایمانی کیفیات، ایمانی اخلاق راسخ ہونے کا سبب اعمال کو بتایا تھا، اسی طرح ان آیات واحادیث نے قلوب کے زنگ کفر اور بے توفیقی کا سبب بھی انسانی عمل اور کسب ہی کو بتایا ہے اور ان دونوں قسم کے سلسلوں سے شریعتِ اسلام کا یہ دعویٰ بالکل پختہ اور مضبوط ہوجاتا ہے کہ ظاہری عمل کا اثر قلب پر پڑتا ہے''۔(۹۶)

ہر امت کی ذہنیت اپنے نبی کی ذہنیت کا عکس و پرتو ہوتی ہے

ذرا اس مضمون کو کافی توجہ کے ساتھ پڑھئے، لگتا ہے کہ حکیم الاسلامؒ کی زبان سے حکمت قاسمیہ کے سوتے پھوٹ رہے ہیں، ایک ایک جملہ پر سبحان اللہ، ماشاءاللہ برجستہ زبان سے نکلتا ہے:

''جس نبی کی جوشان غالب ہوگی اسی شان کا غلبہ اس کی امت میں بھی ہوگا اور جس رنگ کی ذہنیت مقتدائے اعظم کی ہوگی وہی رنگ اس ساری ملت کی ذہنیت میں رچا ہوا ہوگا۔ بالفاظِ دیگر رسولِ برحق اللہ کی جس صفت سے خصوصی استفادہ کرتا ہے اسی صفتِ غالبہ سے وہ اپنی امت کو افادہ بھی کرتا ہے اور امت کی مجموعی ذہنیت نبی کی ذہنیت کا عکس اور پرتو ہوتی ہے۔

بہرحال جرائم اور واردات کے اعداد وشمار لو تو متمدن ممالک کے امن عامہ اور ایثار و ہمدردی کی حقیقت کھل جاتی ہے اور حادثات کی گنتی کرو تو سکون وعیش اور زندگیوں کے مامون ومطمئن ہونے کا اندازہ ہوجاتا ہے اور نمایاں ہوتا ہے کہ اگر عیسائی اقوام نے مادی میدانوں پر فتح پاکر روحانیت کو کچلا تھا تو خود انہی

کی مادیات نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا، یہی نا کہ قومی اور نسلی خودکشی کی بنیادیں اس طور پر مضبوط کردیں کہ قوم کو اپنی زندگی قائم کرنا یا اسے برقرار رکھنا ہی دشوار ہوگیا۔

چنانچہ متمدنوں کی عیاشی پسند ذہنیت پہلے تو نکاح ہی پر تیروتبر لے کر کھڑی ہوگئی، جس سے تولیدِ انسانی کا سلسلہ چلتا تھا جیسا کہ یورپ کی دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنوں کے عہد نامے صاف بتلا رہے ہیں، پھر جو نکاح وجود پذیر بھی ہوئے تو وہ اس لئے تولید کا ذریعہ نہیں بن سکے کہ انھیں طلاقوں کی کثرت نے پامال کردیا۔ پھر طلاقوں کی زد سے نکل گئے تو ان کے تولیدی نتائج کو برتھ کنٹرول (منع حمل) کی تدابیر نے سوخت کردیا اور جو اس مہلک جال سے بچ کر تولید کا سلسلہ شروع بھی ہوا اور کچھ نفوس ان عیاشیوں کے علی الرغم دنیا میں آ کودے تو ان میں سے لاکھوں کو ملکی بدامنی یعنی قانونی امن کے نتائجِ بد قتل وغارت اور ماردھاڑ کی وارداتوں نے سنبھال لیا۔

پھر جو اس سے بھی بچ نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں سائنس کے چمکتے ہوئے آثار کارخانوں، مشینوں، ریل، موٹر اور برقی لائنوں کی لپیٹ میں آ کر ختم ہوگئے، پھر جو بدبخت اس سے بھی بھاگ نکلے ان میں سے کروڑوں کو تھوڑی ہی تھوڑی مدت کے وقفہ سے محکمۂ جنگ کے قابل قدر سائنسی اسلحہ ڈریڈ ناٹ مشین گنوں، زہریلی گیسوں، خاردار تاروں، رائفلوں کی گولیوں اور ہوائی جہاز کی بے پناہ بم بازیوں کی کھلاریاں نمٹاتی رہتی ہیں اور جو ان مہلک جھپٹیوں سے بچ کر دادِ عیش دے بھی رہے ہیں تو وہ اپنی عیاشی کی ہوسناکیوں اور وسائلِ عیش کے افراط کے سبب طرح طرح کے امراضِ جسمانی ونفسانی، فتورِ دماغ، ضعیف البصری، نامردی، آتشک، فحش کاری، ہجومِ افکار، بے اطمینانی اور خلجان وتشویش کا شکار ہیں جس کا انجام پھر ناکارگی یا خودکشی اور اضافۂ موت ہے اور اگر ان ساری ارضی وسماوی آفات سے نکل کر کچھ لوگ صحیح الدماغ اور قوی البدن نمٹ بھی جاتے ہیں تو وہ رات دن انہی مایۂ ناز ایجادات اور سائنسی موشگافیوں کے پیچ وخم میں گرفتار رہتے ہیں جن کی بدولت انہی کا کنبہ مختلف عنوانوں سے ختم ہوتا رہتا ہے۔ انسانی پیداوار اوّلاً مسدود ہوتی ہے پھر گھٹتی ہے۔

اس لئے ان ساری تمدنی گہرائیوں اور سائنس کے کارناموں کا حاصل دو لفظوں میں یہ نکلتا ہے کہ قوم کا ایک حصہ مرتا رہتا ہے اور ایک حصہ اسے مارتا رہتا ہے، ایک حصہ چھریاں تیز کرتا ہے اور دوسرا ایک حصہ اپنی گردنیں جھکاتا ہے اور اس طرح نہایت سہولت اور سکون کے ساتھ کشتن ومردن کی گردانیں جاری رہتی ہیں اور خودکشی اور غیرکشی کی روشن مثالیں مہیا ہوتی رہتی ہیں۔

پس اس مارنے اور مرنے یا فساد پھیلا پھیلا کر خود ہی اس کا شکار بننے کا نام تمدن، تہذیب، شائستگی،

ایثار، ہمدردی، اخوت، مساوات، عدل، رفاہِ عام وغیرہ کا رکھ لیا گیا ہے۔ ع
برعکس نام نہند زنگی کا فور

پس کیا کافرانِ فرنگ کی مادی مساعی کے یہی وہ نمونے ہیں جن کی طرف آج عیسائی قوم نہیں بلکہ ہمارے ہی روشن خیال ہم کو بلا رہے ہیں، کیا یہی وہ روشن نظام ہے جسے قرآن کا مصداق اور خدا کا منشا باور کرایا جا رہا ہے۔ کیا یہی وہ روشن خیالی ہے جسے ہٹانے پر علماء مجرم، صلحاء گردن زدنی اور علماء علمائے سو کہلانے کے مستحق ہوئے ہیں؟ اینٹی ملّا ازم قائم کیا جاتا ہے، مذہب اور اہل مذہب پر آوازے کسے جاتے ہیں، روحانیت کے شعائر کو سرنگوں کیا جاتا ہے، تقویٰ وطہارت اور دنیا میں محتاط زندگی گزارنے کو تنگ دلی کہا جاتا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اخلاق واعمال یعنی مذہب کو لغو، مانع ترقی اور مخلِ تمدن بتلایا جاتا ہے، کیوں اور کس بوتے پر؟ اسی سائنسی چمک دمک پر ریجھ کر جس کی حقیقت خود سائنس دانوں کے ہی اعتراف سے کھل چکی ہے''۔(۹۷)

عالمگیر دین اسلام کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا

اسلام عالمگیر دین ہے اور دیگر الہامی مذاہب ایک جزء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو حکیم الاسلامؒ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''ہاں مگر اسی صورت وحقیقت کی باہمی نسبت اور دنیا میں صرف انہی دو چیزوں کی حکمرانی دیکھتے ہوئے بھی یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ تصویری ایجادات پہلے ساری دنیا کو صورت پسند بنائیں گی اور پھر یہی صورتیں حقیقت کی طرف جھکائیں گی اور ظاہر ہے کہ صورت پسندی کی ذہنیت قومی طور پر مسیحی اقوام کا حصہ ہے، اس لئے بالفاظِ دیگر پہلے ساری دنیا مسیحی اقوام کے تصویری نظام اور ان کے مادی کیریکٹر پر آئے گی، نصرانی حسیات کا غلبۂ عام ہوگا اور عالم میں محض صورت آرائی اور رسم پرستی کا مذہب عامۃً رائج ہوجائے گا۔ ہاں پھر ان ہی صورت پرستیوں کے مادی مضار سے تنگ آ کر دنیا حقیقت واصلیت کی تلاش میں سرگرداں ہوگی اور ان تصویری تلبیسات سے غیر معمولی نقصانات اٹھا کر آخر کار انہی صورتوں کے ذریعہ حقیقت آشنا ہوگی اور یہ ثابت ہی ہو چکا ہے کہ حقیقت رسی اور اصلیت دوستی کی ذہنیت قومی طور پر امتِ مسلمہ کا حصہ ہے، اس لئے یہ کہنا ہرگز غیر طبعی نہیں کہ انجام کار یہ ساری اشتراک یافتہ قومیں بیک دم اسلامی اقوام میں مدغم ہوجائیں گی اور کلمۂ واحدہ ان کی شیرازہ بندی کردے گا۔ فَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ.''(۹۸)

نماز میں عبادت کے پہلو

عبادت اور عبودیت کیا چیز ہے؟ اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان پوری یکسوئی، استحضار اور احسانی کیفیت کے ساتھ نماز میں ہوتا ہے، اس مضمون کو حکیم الاسلامؒ کتنے حکمت ریز ونکتہ انگیز پیرائے میں بیان فرماتے ہیں، دیکھنے کے قابل ہے:

’’کیونکہ نماز کے اندر دو ہی بنیادی چیزیں ہیں ایک اذکار جو زبان سے متعلق ہیں اور ایک ہیئات جو اعضائے بدن اور جوارح سے متعلق ہیں۔ اذکار میں ثناء (**سبحانك اللّٰهم**) سے لے کر فاتحہ وسورۃ تک، پھر تسبیحات سے لے کر التحیات وتشہد تک اپنی عبدیت، غلامی اور فدویت، یا اللہ کی عظمت وبرتری اور لامحدود بزرگی کے سوا اور کسی چیز کا بیان ہی نہیں ہوتا اور ہیئات کے لحاظ سے دیکھو تو نیاز مندانہ سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، پھر رکوع میں جھکنا اور آخر کار اپنی سب سے زیادہ باعزت چیز ناک اور پیشانی کو اپنے معبود کے سامنے خاک پر ٹیک دینا اور اس کی عزتِ مطلقہ کے سامنے اپنی ذلتِ مطلقہ کا عملاً وہیئۃً اعتراف کرنا بندگی اور غلامیٔ محض نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ چنانچہ جب کسی کی انتہائی ذلت اور رسوائی ہو جاتی ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی ناک کٹ گئی، یا فلاں کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔

پس جب کہ انسان اپنے ان شریف اور باعزت اعضاء کو حسی طور پر ذلت کے ساتھ خاک میں رگڑنے لگتا ہے اور معنوی طور پر قلب وزبان سے اپنے ذلیل ہونے کا اعتراف کرتا ہے تو اس سے زیادہ اپنے کو ذلیل بنانے کی اس کے پاس اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اور جب اسی حقیقت کا نام عبادت ہے اور یہ صرف نماز میں پائی جاتی ہے تو حقیقی طور پر اگر عبادت کہلائے جانے کی مستحق ہے تو وہ صرف نماز ہی ہو سکتی ہے کہ اس میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے عزتِ نفس یا اپنی تنزیہہ وتقدیس کہا جا سکے، یا کسی درجہ میں بھی اسے خدائی کمالات کے ساتھ تشبّہ اور تخلّق بتلایا جا سکے، کہ خدا کی شان کسی کے آگے جھکنا وغیرہ نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں احتیاج سے پیدا ہوتی ہیں اور وہاں غنائے مطلق کے سوا کسی ادنیٰ احتیاج کا نشان نہیں۔

غرض نماز ہی ایک چیز نکلتی ہے کہ اس میں ذاتی طور پر تشبّہ بالخالق کا پتہ نہیں ہے بلکہ صرف تذلل للخالق اور صرف اعلانِ عبدیت وفدویت ہے۔ اس لئے صحیح معنی میں عبادت کا لقب دیئے جانے کی مستحق بھی صرف یہ نماز ہی ہو سکتی ہے۔ ہاں پھر جب کہ نماز کا امر خدا کی طرف سے ہے تو امتثالِ امر کی نسبت بھی نماز میں آئی، جس نے حج وزکوٰۃ اور صیام کو بھی عبادت بنا دیا تھا، اس لئے نماز جہاں حقیقی عبادت تھی وہاں اضافی

عبادت بھی ثابت ہوئی۔ پس حقیقت وصورت اور اضافت ونسبت ہر ایک کے لحاظ سے اگر عبادت کہلائی جاسکتی ہےتو وہ صرف نماز ہے''۔(۹۹)

نماز جامع عبادت بھی ہے

نماز میں تمام عبادات کے نمونے ہیں۔حکیم الاسلامؒ اس جامع عنوان کے تحت حکیمانہ انداز سے روشنی ڈالتے ہیں:

''پھر یہی نہیں کہ وہ اقوامِ عالم کے اذکار وطاعت کا ایک جامع مرقع ہے بلکہ اگرغور کروتو خود اسلام کی بھی جس قدر عبادات اور طاعات ہیں ان سب کو بھی اس نماز میں لاکر جمع کر دیا گیا ہے۔روزہ کو دیکھوتو نماز میں موجود، کیوں کہ روزہ کی حقیقت نیتِ صادق کے ساتھ کھانے پینے اور عورتوں سے منتفع ہونے سے بچنا ہے۔غور کروتو یہ ساری چیزیں نماز میں لازم ہیں اوران میں سے ہرایک چیز مفسدِ صلوٰۃ ہے، بلکہ نماز کا روزہ رمضان کے روزہ سے بھی زیادہ مکمل ہے، کیونکہ روزہ میں تو یہ تین ہی چیزیں ممنوع ہیں لیکن نماز میں ان تین کے علاوہ سلام وکلام،عورتوں کو چھودینا، ہنسنا بولنا، چلنا پھرنا اور عام نقل وحرکت سب ہی ممنوع ہے یعنی نماز میں ان سب چیزوں کا بھی روزہ ہوتا ہےاس لئے نماز میں روزہ اپنی انتہائی مکمل شکل کے ساتھ موجود ہے۔

اعتکاف کو لوتو وہ بھی نماز میں مکمل شکل کے ساتھ موجود، کیونکہ اعتکافِ صوم میں ضروریاتِ بشریہ پوری کر لینے ،سوجانے ، لیٹے رہنے، کھانے پینے کی تو اجازت ہے لیکن نماز میں یہ سب امور ممنوع اور مفسد ِ صلوٰۃ ہیں، حتیٰ کہ بحالتِ نماز بیرونِ مسجد تو بجائے خود ہے خود مسجد میں بھی ٹہلنے اور نقل وحرکت کی بھی اجازت نہیں۔اس سے واضح ہے کہ نماز کا اعتکاف روزہ کے اعتکاف سے بھی زیادہ مکمل ہے اور نماز اعتکاف کو بھی جامع اور حاوی نکلی۔

پھر حج کو لوتو وہ بھی نماز میں موجود ہے کیونکہ حج کی حقیقت تعظیم بیت اللہ اور تعظیم حرمِ محترم ہے۔سو نماز میں تعظیم بیت اللہ کا یہ مقام ہے کہ استقبالِ قبلہ شرطِ صحتِ صلوٰۃ ہے، کہ اس کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی اور ظاہر ہے کہ استقبالِ قبلہ بھی قبلہ کی اعلیٰ تعظیم ہے، چنانچہ ہیئتِ تعظیم ایسے اوقات میں ممنوع کی گئی ہے جو گندے اور خسیس افعال کے اوقات ہیں جیسے کہ استنجاء کرتے وقت استقبالِ قبلہ ممنوع قرار دیا گیا کہ تعظیمی ہیئت افعالِ تعظیمی کے وقت سزاوار ہے نہ کہ افعالِ خسیسہ کے وقت۔

پھر جس طرح طواف میں بیت اللہ کے سامنے رفعِ یدین کر کے گردشِ طواف شروع کرتے ہیں، اسی

طرح نماز میں سمتِ بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کا دوران شروع کرتے ہوئے تعظیماً رفعِ یدین کرتے ہیں، حتیٰ کہ بنصِ حدیث طواف کو حکم میں نماز کے فرمایا گیا ہے، الا یہ کہ اس میں سلام وکلام جائز ہے نماز میں نہیں اور پھر جس طرح طواف طرح طرح کے اذکار وادعیہ سے معمور ہے ایسے ہی نماز بھی ہر طرح کے اذکار وادعیہ سے بھرپور ہے۔ پھر جس طرح حج میں حرم محترم کی حدود میں رہ کر تا بحدِ عرفات یا ذِحق میں مصروف رہتے ہیں، اسی طرح مسجد کے حرمِ محترم میں رہ کر ذکرِ الٰہی اور نوافل میں مصروف رہتے ہیں اور جس طرح وہاں حرمِ محترم میں شیطان کے آثار کو سنگریزوں سے سنگسار کیا جاتا ہے اسی طرح نماز میں اولاً ہی اعوذ باللہ پڑھ کر اس کے فتنوں سے پناہ مانگی جاتی ہے، اس کے شر کو معنوی ہتھیاروں سے دفع کیا جاتا ہے اور جس طرح حج سے طوافِ وداع کر کے رخصت چاہی جاتی ہے اسی طرح نماز میں سلامِ وداع کر کے دربارِ الٰہی سے رخصت ہوا جاتا ہے۔ غرض حج کی پوری حقیقت اپنے اہم اجزاء کے ساتھ نماز میں بجنسہٖ یا بمثلہٖ موجود ہے، اس لئے نماز حج کی عبادت پر مشتمل نکلی۔

غرض جس طرح سے کہ مسلم انسان جامع ادیان اور جامع حقائقِ عالم تھا تو اس کے لئے نماز بھی ایسی ہی جامع ہونی چاہئے تھی کہ جس میں تمام ہی انواعِ عبادت جمع ہوں اور ہر ایک نماز کی ہر ممکن سے ممکن صورت اور محتمل سے محتمل حقیقت موجود ہو۔ اگر نباتات اور درختوں کی نماز قیام تھا اور نباتات کے نمونے خود انسان میں موجود تھے تو ان کی نمازوں کا قیام بھی اس کی نماز میں آنا چاہئے تھا۔ اگر حیوانات کی نمازوں میں رکوع وسجود تھا اور انسان میں خود حیوانات کے ہی سارے نمونے موجود تھے تو اس کی نماز میں رکوع وسجود آنا لازم تھا اور اگر پہاڑوں کی نماز میں قعود، ملائکہ کی نمازوں میں صف بندی، زمین کی نماز میں سکون، سیارات اور سماوات کی نماز میں دوران، جنت ونار کی نماز سوال ودعاء ہے اور ان تمام چیزوں کے نمونے انسان میں موجود ہیں تو ان کی نمازوں کی یہ ساری ہی حقیقتیں اور نمونے اس کی نماز میں بھی موجود ہیں، حتیٰ کہ اگر شیاطین کا کام اضلال وگمراہی پھیلانا اور وسوسہ اندازی تھا اور گویا تکوینی طور پر ان کی اطاعت تھی وہ سرکشی کرنے ہی میں پابندِ تخلیقِ الٰہی رہیں اور اس سے سرمو تجاوز نہ کریں، تو انسان اس سے بھی خالی نہیں، کیوں کہ انسان میں یہ شیطان نفسِ امارہ کی صورت میں موجود ہے، جو اسے ہر وقت بغاوت وطغیانی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی نماز میں یہ شیطانی کارگزاری بھی موجود ہے یعنی عین صلوٰۃ میں نفسانی تخیلات، وساوس اور طرح طرح کے ہوا جس بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جو اس کے خشوع وخضوع میں خلل ڈالتے ہیں۔ گویا نفس تخیل آفرینی اور نماز میں خلل اندازی کرنے کی تکوینی طاعت اور تکوینی نماز میں مصروف ہے۔

ظاہر ہے کہ عامۃ الناس کی نماز وساوس وخطرات سے پُر ہی رہتی ہے اور جو بات کہیں بھی یاد نہ آئے وہ لازمی طور پر نماز میں ضرور یاد آ جاتی ہے، حتیٰ کہ بعض بزرگوں کا مقولہ سننے میں آیا کہ اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور یاد نہ آتی ہو تو نماز شروع کر دے وہ خوامخواہ بھی یاد آ جائے گی۔

بہرحال جیسے مسلم انسان تکوین وتشریع کے لحاظ سے جامع تھا ویسے ہی نماز بھی اسے جامع دی گئی اور اس لئے دی گئی کہ اس ساری کائنات کے ذرہ ذرہ پر اسے فائق بنانا تھا، تاکہ خلافت کا شرف سنبھالنے کے قابل ہو اور یہ فوقیت بغیر عبدیتِ کاملہ کے ناممکن تھی اور عبدیتِ کاملہ اس کے بغیر ناممکن تھی کہ عبادت کی تمام انواع اس کی نماز میں موجود ہوں‘‘۔(۱۰۰)

فطری اور غیر فطری حکومت کا فرق

قرآن کریم میں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ آیا ہے کہ حکومت، حاکمیت، فرماں روائی، قانون سازی سب کچھ اسی کے لئے سزاوار ہے۔ اس موضوع کا احاطہ حکیم الاسلامؒ نے ایک مستقل کتاب میں کیا ہے، ذیل میں اس کا ایک اہم اقتباس ملاحظہ فرمایئے، جس میں آپ نے اسلامی مملکت کے نظام اور دفعات کا نقشہ قرآن کریم سے پیش کیا ہے:

’’اس اصول پر ہر چیز کی طرح حکومت کی بھی وہ نوع فطری کہلائے گی جس کی طرف طبیعتوں کی سلامتی خود بخود مائل اور بلاکسی بیرونی دباؤ اور خارجی محرکات کے انسانوں کے ضمیر ازخود اس کے شائق ہوں اور وہ حکومت غیر فطری کہلائے گی جو تقاضائے درونی کے بجائے بیرونی دباؤ اور فضائی تحریکوں کے تسلط سے دماغوں پر مستولی کر دی جائے مگر پھر بھی دماغ کے اندرونی دروازے اس پر بند ہوں اور دلوں کا کوئی منفذ بھی اس کو اندر اُتارنے کے لئے کھلا ہوا نہ ہو، یا ہو تو اصلیت سے بیگانگی اور بے خبری کی وجہ سے عارضی طور پر ہو، جوں ہی وہ عوارض زائل ہوں تو وہی فطری حکومت کے قیام کی خواہش اندروں سے خود بخود اُبھر آئے اور اس ٹھونسی ہوئی جھوٹی خواہش کو دھکا دے کر پرے پھینک دے۔

ظاہر ہے کہ ایسی فطری اور محبوب القلوب حکومت صرف اسی ذات کی ہو سکتی ہے جو خود بذاتہٖ سب محبوبوں سے بڑھ کر محبوب اور سارے مطلوبوں سے زیادہ مطلوب ہو اور وہ ذات بجز ذاتِ بابرکات حق تعالیٰ کے دوسری نہیں ہو سکتی، جو محبوبِ مطلق اور مطلوبِ حقیقی ہے۔ اس لئے فطری حکومت بھی جو دلوں کی آرزو اور طبیعتوں کا تقاضا ہو، بجز حکومتِ الٰہی کے دوسری نہیں ہو سکتی۔

دستورِ حکومت کے پانچ اساسی ارکان

(۱) **مصدرِ نظام** : یعنی اقتدارِ اعلیٰ اور وہ ذاتِ بابرکات خداوندی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں اُسی سے نظامِ کائنات صادر ہو رہا ہے اور اسی کی یکتائی اور حاکمیتِ مطلقہ کی روح دوڑی ہوئی ہے، اُس کے ہی لئے مثلِ اعلیٰ ہے:

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ.

(۲) **مرکزِ نظام** : یعنی میزانِ اعلیٰ اور وہ قانونِ قدرت ہے، جس سے نظام کا شجرہ پھوٹتا ہے اور جس کی طرف ہر نظام رجوع کیے ہوئے ہے۔ گویا اسی میں سے نظامات نکلتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں، جو کل کائنات پر حاوی اور جس کے عدل سے ہر ہر ذرّہ تھما ہوا رہ کر کسی حالت میں بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اگر کرے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جائے یعنی ہر ذرّہ کی بود و نمود نابودگی وگمشدگی اسی قانونِ عدل کے معیار سے ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ.

(۳) **محورِ نظام** : یعنی ملاءِ اعلیٰ اور وہ آسمانی بادشاہت کی شاہی کونسل ہے، جو ارواحِ مقدسہ پر مشتمل ہے اور اُن میں مباحث ولم زیرِ بحث آتی ہیں، جنھیں اختصامِ ملاءِ اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ لِىَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ.

(حدیث) **يا محمد فيم يختصم الملأ الاعلىٰ.**

(۴) **مقصدِ نظام** : یعنی مقصدِ اعلیٰ اور وہ آسمانی بادشاہت کا وہ نصب العین ہے جو تربیت و ہدایتِ کائنات پر مشتمل ہے اور حضرت ربِ اعلیٰ کی شانِ ربوبیت اور قدیرِ اعلیٰ کی شانِ ہدایت کو ظاہر کرتا ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰىo الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰىo وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰىo

(۵) **منشاءِ نظام** : یعنی مصلحتِ اعلیٰ اور وہ آسمانی بادشاہت کی وہ سرکاری پالیسی اور اندازِ حکومت اور منشاءِ شاہی ہے جس کی رو سے ساری کائنات بحیثیت رعایا اپنے شہنشاہِ حقیقی سے مربوط اور اُس کی گرویدہ و وفادار ہے اور وہ رحمتِ عامہ ہے:

۱۔ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى.**

۲۔ **فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْرَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ.**

۳۔ **وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ.**

(حدیث) ان رحمتی سبقت غضبی.

پہلی آیت سے رحمت کا احاطہ اور تختِ شاہی سے لے کر ساری کائنات تک کے اوپر استیلاء واضح ہے۔ دوسری آیت سے رحمت کا فی نفسہٖ عموم واضح ہے اور تیسری آیت سے رحمت کے تعلق کا عموم واضح ہے اور چوتھی نص سے رحمت کا غلبہ اور دباؤ ہر چیز پر واضح ہے۔

واجباتِ رعیت کی دو جامع ترین نوعیں

اس اعلیٰ ترین حکومت اور اُس کے اعلیٰ ترین دستورِ حکومت سے رعایا پر جو حقوق اور واجبات عائد ہوتے ہیں ان کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔

(۱) جذبۂ وفاداری

باطنی تسلیم وانقیاد یعنی حلفِ وفاداری کہ ذرہ ذرہ اُس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

(۲) عملی اطاعت شعاری

ظاہری طاعت وعبودیت، یعنی اس بادشاہ کے سامنے انتہائی تذلل وعبودیت اور اپنے اپنے متعلقہ قانون پر بحیثیت عبادت عمل۔ کُلٌّ لَّہٗ قَانِتُوْنَ.

اس لئے ضابطۂ حکومت کی رو سے آسمانی بادشاہت کے سات رکن ثابت ہوئے جو گویا سبع سنابل یعنی سات خوشے ہیں کہ انہی سات سے سلطنت کی کشت زار کے سارے ہی پھل پھول اُگ رہے ہیں، پانچ حکومت سے متعلق ہیں: اقتدارِ اعلیٰ، میزانِ اعلیٰ، ملاءِ اعلیٰ، مقصدِ اعلیٰ، مصلحتِ اعلیٰ اور دو رعایا سے متعلق ہیں: باطنی انقیاد وتسلیم اور ظاہری طاعت وعبودیت، جن کو شرعی اصطلاح میں ایمان واسلام کہتے ہیں اور اسی کو حدیثِ معاذ میں حقوق کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ پس اس پوری تالیف میں اصولی یا ضمنی عنوانات کے تحت میں جس قدر بھی مظاہر سلطنت وشوکت یا محاکم نظام سلطنت یا مقتضیاتِ سلطنت مذکور ہوئے وہ سب انہی کے آثار ولوازم ہیں اور اُن سب میں انہی سات اصول کی روح کام کر رہی ہے"۔ (۱۰۱)

کثرتِ رائے اور قوتِ رائے

طرزِ جمہوری میں کثرتِ رائے کو وزن دیا جاتا ہے، جب کہ اسلامی نظامِ حکومت میں اصل وزن

وژن (Vision) اور قوتِ رائے کا ہوتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ نے ذیل میں ان آیاتِ کریمہ کا زیادہ سے زیادہ احاطہ فرمایا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں کثرت رائے کی اہمیت نہیں قوتِ دلیل کی اہمیت ہے:

''اس سے کثرتِ رائے کو فیصلہ کا بنیادی اصول قرار دیئے جانے کی جڑ کٹ جاتی ہے، یعنی امیر منتخب شوریٰ کی آراء میں رائے شماری کر کے اکثریت و اقلیت کا پابند نہ ہوگا بلکہ قوتِ دلیل کا پابند ہوگا۔ پس قوتِ دلیل اساسی چیز ہوگی نہ کہ کثرتِ رائے کہ زیادہ افراد کا کسی ایک جانب آجانا اسلام میں حق و باطل کے فیصلہ کے لئے کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے فی نفسہٖ اکثریت کو اسلامی قانون (قرآن حکیم) نے کوئی بھی وقعت نہ دیتے ہوئے حد درجہ غیر اہم ٹھہرایا ہے اور دین و ملک اور دیانت و سیاست کے تمام ہی دائروں میں نفس اکثریت کی بے وقعتی اور بے اعتباری کھلے لفظوں میں ظاہر کی ہے۔

قرآن حکیم نے ایک سے زائد جگہوں میں فرمایا:

کثرتِ رائے کی بے وزنی

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ.

اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ.

لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ.

اور اُن میں سے اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ.

لیکن اُن میں زیادہ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ.

اور اُن میں اکثر آدمی حق بات سے نفرت کرتے ہیں۔

وَاِنَّ اَكْثَرَهُمْ فٰسِقُوْنَ.

اوراُن میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا، وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا.

اوران میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرحق میں ذرا بھی مفید نہیں۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ.

اورحقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری عبرتوں سے غافل ہیں۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ.

اوراکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا۔

وَ اَكْثَرُهُمْ لَكٰذِبُوْنَ.

اوران میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ.

اوران سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ.

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے۔

وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ.

اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئیں ہیں۔

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.

اورحنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرور ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت کچھ تمہارے کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ.

آپ فرمادیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَمَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ.

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں اور وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

پس قرآن نے دنیا کی اکثریت سے ایمان کی نفی کی، عقل کی نفی کی، علم کی نفی کی، محبتِ حق کی نفی کی، تحقیق حق کی نفی کی، تیقظ و بیداری اور فہم سلیم کی نفی کی، وفاءِ عہد کی نفی کی، ہدایت کی نفی کی، ثوابِ آخرت اور جنتی ہونے کی نفی کی، جہاد میں اکثریت کے گھمنڈ پر فتح ونصرت کی نفی کی۔

استعمالی اشیاء میں اکثریت معیارِ حق تو کیا ہوتی مرکزِ باطل ہے، کیوں کہ بلحاظ واقعہ دنیا کی اکثریت حماقت، جہالت، کراہتِ حق، اٹکل کی پیروی، غفلت، بدعہدی، ضلالت، عذابِ اُخروی، جہنم رسیدگی، شکست خوردگی وغیرہ کا شکار ہے، اس لئے محض عددی اکثریت اسلامی اصول پر کیا قابل وقعت قرار پاسکتی تھی کہ اسے حقوق کیلئے فیصلہ کن اصول تسلیم کیا جاتا اور امیر کو اس کا پابند کر دیا جاتا۔'' (۱۰۲)

مسلک دیو بند

حدیث صحیح میں امت کے بہتّر فرقوں میں بٹ جانے کی جو پیشین گوئی فرمائی گئی وہ بعد میں حرف بہ حرف سامنے آتی چلی گئی۔ عہدِ رسالت کے بعد کیسے کیسے فرقوں اور عقیدوں نے جنم لیا، کیا کیا گمراہیاں اور خرابیاں وجود میں آئیں اور یکے بعد دیگرے پیدا ہو رہی ہیں۔ دیارِ ہند میں ابتداء ہی سے بت پرستی کی مختلف شکلیں رائج رہی ہیں، مخلوط معاشرت اور مشترک تہذیب کے اس ملک میں مسلمانوں نے اپنی جہالت اور بے خبری کی وجہ سے دوسری قوموں کے عقائد اور تہذیب کے اثرات قبول کئے اور ان میں ڈھلتے چلے گئے۔ بدعات، خرافات اور توہمات نے عقائد کی جگہ لے لی اور بدنصیبی سے ان گمراہیوں کو دین کی شکل دے کر اہل اسلام میں اس کی تشہیر کے لئے ایک جماعت مسلمانوں سے ہی وجود میں آ گئی، جس نے اپنے چہرے پر بے حیائی اور دینی بے حمیتی کا نقاب ڈال کر سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد پر نقب زنی کا افسوسناک عمل شروع کر دیا۔ نوبت ایں جارسید کہ عبادت اور پرستش کے جو طریقے ہنود کے یہاں جاری تھے انہوں نے بھی ان کی نقالی شروع کر دی۔

ادھر ایک بدبخت، شقی اور کافرانہ اعمال میں ڈھلا ہوا شیطان نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا، اس کی فتنہ سامانیاں الحذر، اس کی ہرزہ سرائیاں الامان، پھر اس کے دوش بدوش نامعلوم کتنے فرقے اور کتنی گمراہ جماعتیں ہندوستان میں اہل اسلام کے لئے دردِ سر بنتی چلی گئیں۔ان جاں گسل احوال میں اسلام کی حقیقی تصویر اور کتاب وسنت کی صحیح تفسیر پیش کرنے کے لئے علمائے دیوبند ہی کمربستہ ہوئے اور انہوں نے ہی تعلیم وتبلیغ، درس وتدریس اور زبان وقلم کی صلاحیتوں سے عقائد باطلہ اور بدعات وخرافات کے تار پود بکھیرے، رنگ رنگ کے فرقوں اور عقیدوں کے درمیان یہ امتیاز کرنا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ سادہ لوح مسلمانوں کے بس کا تو تھا نہیں۔ باطل فرقوں نے انہیں باور کرانا شرع کیا کہ ہو نہ ہو سب سے زیادہ گمراہ یہی ہیں، عوام شکوک وشبہات کا شکار ہونے لگے، علمائے دیوبند نے اپنی کتابوں میں مسلک دیوبند کا تعارف کروایا اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے اپنے عقائد کو بیان کیا۔آخر میں حکیم الاسلامؒ نے ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' کے عنوان سے ایک مدلل اور تحقیقی کتاب تصنیف فرمائی جو اپنے موضوع پر ایک شاہکار تصنیف ہے۔عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ کتاب کے مندرجات علمائے دیوبند کے عقائد اور دینی موقف کی وضاحت میں ہیں۔

ذیل میں ایک اقتباس اسی کتاب کا پیش کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''اس لئے علمائے دیوبند کے مسلکی مزاج کا خلاصہ حسبِ منشاءِ حدیث نبوی مختصر الفاظ میں ''اتباعِ سنت بتوسطِ اہل الانابت، یا تکمیل دین بہ تربیتِ اہل یقین، یا اتباعِ دین ودیانت بہ تربیتِ اہل السنۃ، یا انصباغِ قلوب بصبغۃ علام الغیوب، یا اتباعِ اوامر اللہ بصحبت اولیاءاللہ'' نکل آتا ہے۔

اب اگر اس مسلک کو کھولنے کے لئے السنۃ اور الجماعۃ کے ان چھوٹے چھوٹے اور مختصر الفاظ کی وسیع ترین معنویت اور تفصیلات کو سامنے لایا جائے تو ان الفاظ میں لایا جاسکتا ہے کہ السنۃ کے تحت روشِ نبوی سے دین کے جس قدر بھی شعبے بنتے چلے گئے وہ سب مسلک علماءِ دیوبند کا جزو ہیں اور الجماعۃ کے تحت ذاتِ نبویؐ کے فیض سے صحابہؓ سے لے کر تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماءِ راسخین فی العلم تک ان شعبوں کے لحاظ سے جس قدر بھی عظیم شخصیتیں بنتی چلی گئیں، فرقِ مراتب کے ساتھ ان سب کی عظمت ومتابعت اور ادب واحترام اس مسلک کا جوہر ہے اور اس طرح یہ مسلک اپنے اصول اور اپنی متبوع شخصیتوں کے لحاظ سے سنتِ نبویؐ اور ذاتِ نبویؐ کی عظمت ومحبت سے پیدا شدہ ایک درخت ہے جس کے ہر پھل پھول میں وہی سنت کا رنگ وبو رچا ہوا ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی بھی دینی اور اسلامی شعبہ نہیں اور نہ ہوسکتا ہے جو

سنتِ نبویؐ کے آثار میں سے نہ ہو، ورنہ اسے دینی ہی کیوں کہا جاتا اور دین کی کوئی بھی دینی اوراولوالامر قسم کی شخصیت ایسی نہیں جو ذاتِ نبویؐ سے مستنیر نہ ہو اور آپ سے نسبت نہ رکھتی ہو، ورنہ اسے دینی شخصیت ہی کیوں کہا جاتا؟

اس لئے اگر کسی مسلک کو منشاءِ نبوت کے مطابق بننا تھا تو وہ اس کے بغیر بن ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام منتسب شعبوں اور حضورؐ سے منسوب تمام ذواتِ قدسیہ کے تعلق کو اپنے مسلک کا رُکن بنائے اور انہی کی روشنی میں آگے بڑھے تاکہ اسے اپنے نبیؐ سے اصولی اور ذاتیاتی دونوں قسم کی صحیح اور جامع نسبت حاصل رہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تعلق مع اللہ کی ساری نسبتوں کے جامع اور ان میں فردِ اکمل ہیں، اس لئے ہر اچھی نسبت جو حضورؐ سے چل کر آئے گی خواہ وہ کسی بھی شعبۂ دین کے راستے سے آئے یا کسی بھی مستند دینی شخصیت کے توسط سے نمایاں ہو، وہ اپنے وابستہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف لے جائے گی اور آپؐ ہی سے وابستہ کرے گی۔

اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شریعت کے تمام علمی و عملی شعبے اور نہ صرف فروعی شعبے بلکہ دین کی وہ ساری حجتیں جن سے یہ شعبے اور خود شریعت بنی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مختلف الانواع نسبتوں کے ثمرات وآثار ہیں۔ مثلاً آپؐ کی نسبتِ ایمانی سے عقائد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا فنی اور اصطلاحی نام کلام ہے اور آپؐ کی نسبتِ اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے، آپؐ کی نسبتِ احسانی سے تزکیۂ نفس اور تکمیلِ اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام تصوف ہے۔

آپؐ کی نسبتِ اعلاءِ کلمۃ اللہ سے سیاست وجہاد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا عنوانی لقب امارت وخلافت ہے۔

آپؐ کی نسبتِ استنادی سے سند کے ساتھ نقلِ دین کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ روایت واسناد ہے۔

آپؐ کی نسبتِ استدلالی سے حجت طلبی اور حجت بیانی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام درایت وحکمت ہے۔

آپؐ کی نسبتِ اتقائی سے علوم فراست ومعرفت کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ حقائق واسرار ہے۔

آپؐ کی نسبتِ استقرائی سے کلیاتِ دین اور قواعدِ شرعیہ کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ اصول ہے خواہ وہ اصولِ فقہ ہوں یا اصولِ تفسیر وحدیث وغیرہ۔

پس مسلکِ علماءِ دیوبند نہ محض اصول پسندی کا نام ہے اور نہ شخصیت پرستی کا، نہ ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی ہے نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ اور اپنا ذاتی ذہن وفکر کافی ہے اور نہ تنہا شخصیتوں کے اقوال وافعال پر اتکال اور بھروسہ، بلکہ اصول وقانون اور ذوات وشخصیات اور بالفاظِ مختصر

لٹریچر بشرطِ معیت وملازمتِ صدیقین اور با قاعدہ درس وتدریس سے اس مسلک کا مزاج بنا ہے جس میں کسی ایک کے بھی احترام سے قطع نظر جائز نہیں اور جب کہ جامعیت واعتدال اور احتیاط ومیانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی حجتوں میں قرآن وحدیث سے لے کر فقہ وکلام اور فنِ احسان اور فنِ اصول وغیرہ کی چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت واعتدال کے ساتھ اسے مشعلِ راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے اور ذوات وشخصیات کی لائن میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے لے کر ائمہ اجتہاد، علماءِ راسخین، عرفاءِ متقنین، مشائخ عظام، صوفیاءِ کرام اور حکماءِ امت کی ذواتِ قدسیہ تک کے بارے میں افراط وتفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت ومتابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔

غور کیا جائے تو ان تمام دینی شعبوں کے اصول وقوانین اور علوم وفنون کا خلاصہ دو ہی چیزیں نکلتی ہیں: عقیدہ اور عمل، جس کے لئے شریعت آئی اور ان شعبوں کو وضع کیا، باقی امور یا ان کے مبادی ولوازم ہیں یا آثار ونتائج ہیں جن سے ان فنون میں بحث ہوتی ہے۔ سو عقائد میں بنیادی عقیدہ بلکہ تمام عقائد کی اساس توحید ہے، جو سارے انبیاء کا دین رہا ہے اور عمل میں سارے اعمال کی جڑ بنیاد اتباعِ سنت اور پیرویٔ اسوۂ حسنہ ہے، باقی تمام طرقِ عمل جو سند کے ساتھ منقول ہوں خواہ وہ پچھلوں کے ہوں یا اگلوں کے، ان سننِ نبویؐ کے مبادی ولوازم یا آثار ونتائج میں سے ہیں، اس لئے اس مسلک میں پہلی اصل توحیدِ خداوندی پر زور دینا ہے، جس کے ساتھ شرک یا موجباتِ شرک جمع نہ ہوسکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو، لیکن ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل وکمال کو اس کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

پس نہ توحید میں لگ کر بے باکی اور جسارت اور ذوات کی عظمتوں سے بے نیازی مسلک ہے کہ یہ کمالِ توحید نہیں بلکہ توحید کا غلو یا حقیقت سے خلو، یا اپنی ذات کا علو ہے اور ایسے ہی تعظیم شخصیات میں مبالغہ کرنا جس سے توحید میں خلل پڑتا ہو یا اس میں شرک کی آمیزش ہوتی ہو، یہ بھی مسلک نہیں کہ یہ تعظیم نہیں، تعظیم کا غلو اور حقیقت توحید کی تبدیلی سے بنامِ تعظیم توہین ہے۔ پس تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ تعظیم اہلِ دل متاثر نہ ہو، یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو مسلکِ علمائے دیوبند ہے''۔ (۱۰۳)

............❖............

مجالس

بہت لگتا ہے جی صحبت میں اُن کی
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

بزرگوں کی مجلسیں افادیت کی حامل ہوتی ہیں ان سے بڑی بڑی رہنمائیاں ملتی ہیں، اخلاق وعقیدہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ جب آپ دیو بند میں موجود ہوتے تو عصر کے بعد بالعموم دولت خانہ ''طیب منزل'' پر آپ کی مجلس ہوتی، جس میں اساتذہ دارالعلوم، طلباء اور واردین وصادرین ذوق وشوق سے شریک ہوتے، حکیم الاسلامؒ کی مجلس میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور ترک معاصی کی تحریک پیدا ہوتی، عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب تک اہل مجلس میں سے کوئی سوال نہ کرتا خاموش رہتے اور جب کوئی سوال کرتا تو قرآن وحدیث سے جواب دیتے، کبھی خود بھی ارشاد فرماتے، مجلس ہر طرح کے سوالات اور شبہات کے حکیمانہ جوابات سے علم و عرفان کا گہوارہ بنی رہتی، ضمن میں بزرگوں کے واقعات کا ذکر بھی ہوتا، تفہیم کے لئے مثالیں نہایت برمحل دی جاتیں۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی مالک ادارہ تصنیفات اولیاء نے عصر بعد کی تقریباً ۳۸؍مجالس کا ایک مجموعہ ''مجالس حکیم الاسلام'' کے نام سے ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء کے عرصہ میں ۲۷۶؍صفحات پر مشتمل شائع کیا تھا۔

ذیل میں چند اقتباس اسی کتاب سے دیئے جارہے ہیں۔

صبر کی حقیقت اور صابرین کے درجات

سوال : شریعت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو اس پر صبر کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی چیز گم ہوجائے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے لیکن اگر کوئی شخص اس کے باوجود اپنی گم شدہ چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کررہا ہے اور اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے تو کیا ایسا شخص بھی صابرین میں شمار کیا جائے گا؟

جواب : فرمایا کہ صبر کا تعلق ہاتھ، پیر سے نہیں، بلکہ قلب سے ہے اور قلب کا وظیفہ یہ ہے کہ صبر کرے اور صبر کے معنی یہ ہیں کہ بندہ رضا کا اظہار کردے کہ جو کچھ منجانب اللہ ہوا وہ ٹھیک ہوا، باقی اِدھر سے

امر ہے کہ جدوجہد بھی کرواور کوشش بھی کرو۔ ہاتھ پیر سے سعی بھی کرو، یہ صبر کے منافی نہیں ہے۔ سعی کا حاصل یہ ہے کہ اس چیز کو پانے کے لئے جدوجہد کرو جو گم ہے لیکن جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا بھی صبر ہے، اس میں چوں و چرا بالکل نہ کریں۔

رہا یہ کہ صبر کس طرح سے کرے تو اس کی بھی تدبیر ہے، یعنی قلب کے اندر تشویش نہ ہو کہ ہائے میری فلاں چیز کھو گئی، اب کیا ہوگا، جب کسی چیز کے تلف ہونے یا فقدان پر صبر کرے گا تو جب تک اس کا کوئی بدل موجود نہ ہوگا جس کی طرف رجوع کرے تو اس وقت تک صبر نہیں ہوسکتا، اس لئے مصیبت آنے پر اس کے بعد پر غور کرے کہ کیا گیا اور کیا باقی ہے؟

فرمایا کہ: ''ایک بزرگ کہیں جارہے تھے، دیکھا کہ ایک بچھو بڑی تیزی سے کہیں جارہا ہے، یہ بھی اُس کے پیچھے لگ گئے، ان کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ بچھو کسی کام پر من جانب اللہ مامور ہے۔ راستے میں ایک نالہ آیا، بچھو بڑی تیزی سے اس کو بھی عبور کر گیا۔ دیکھا کہ سامنے ایک باغ ہے اس میں جارہا ہے، پھر دیکھا کہ ایک بزرگ باغ میں سورہے ہیں۔ اُدھر سے ایک سانپ کاٹنے کے لئے بھی تیزی سے آرہا ہے، جب سانپ اس شخص کے پاس پہنچا تو اُس نے سر کاٹنے کے لئے اٹھایا، فوراً بچھو نے سانپ کو ایک ڈنک مارا، سانپ پانی پانی ہو گیا، انہوں نے ان کو اٹھایا۔

معلوم ہوا کہ کوئی اونچے لوگوں میں سے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کہاں تو اُس بزرگ نے واقعہ سنایا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سانپ کی موت مقدر کی تھی اور بچھو کو مقرر کیا تھا اُن کو بچانے کے لئے اور یہ بزرگ جو پیچھے گئے تھے اُن کو دکھانا تھا کہ ایک ہی واقعہ میں ہماری کتنی مصلحتیں ہوتی ہیں، کسی کی موت مقدر کسی کی حیات مقدر اور کسی کے لئے علم وحکمت مقدر، واقعہ ایک مگر پہلوا تنے۔''

سوال: قارون کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے موسیٰ! اگر ایک مرتبہ بھی قارون مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد سُن لیتا اور اُس کو بچا لیتا یعنی عین عذاب کے وقت مغفرت کا وعدہ ہے اور قوم یونسؑ کے ایمان کو عذاب کے وقت قبول کرلیا گیا اور عذاب ہٹا لیا گیا مگر فرعون کے ایمان کو عذاب کے وقت قبول نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مغفرت تامہ کا ظہور بظاہر اسی وقت معلوم ہوتا کہ فرعون جیسے گناہگار کے ایمان کو قبول کرلیا جاتا۔ اگر فرعون کے ایمان کو اس لئے قبول نہیں کیا گیا کہ اس نے عین عذاب کے وقت ایمان قبول کیا تھا تو قارون کو عذاب کے وقت بچانے کا وعدہ اور قومِ یونس کو عذاب کے وقت بچانا اور ان کے ایمان کو قبول کرنا اس کا مطلب کیا ہوگا؟

جواب : فرمایا کہ قانون شریعت یہ ہے کہ **فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْ بَأْسَنَا** یعنی اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہے کہ جب ہمارا عذاب سامنے آ جائے اور عالم غیب منکشف ہو جائے، اس لئے کہ ایمان بالغیب مقبول ہے، ایمانِ بالمشاہد مقبول نہیں ہے۔ یعنی جب آنکھ سے آدمی کوئی چیز دیکھ لے تو اُسے ایمان نہیں کہتے۔ مثلاً **اٰمَنْتُ بِاَنَّ الشَّمْسَ طَالِعَةٌ** یعنی میں ایمان لایا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے اس کو ایمان نہیں کہتے یا آنکھ سے دیکھ کر یا کان سے سن کر ایمان لائے یہ محسوسات ہیں ان کو ایمان نہیں کہتے ہیں ایمان بالغیب معتبر ہے وہ یہ ہے کہ نہ یہ چیزیں آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں، نہ کان سے سنی جا سکتی ہیں، نہ عقل سے سمجھی جا سکتی ہیں، یہ چیزیں حسّی ہیں۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اطلاع پر اعتماد کر کے مانا جائے، مثلاً جنت و نار، فرشتوں کا وجود، پل صراط، میزان اور قیامت وغیرہ تو یہ ساری چیزیں نہ عقل سے مدرک ہوتی ہیں، نہ محسوسات سے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر اعتماد کر کے ان کو مانا جاتا ہے اور یہ غائب ہیں لیکن جب یہ چیزیں سامنے آ گئیں تو ایمان بالغیب نہ رہا کیوں کہ قیامت میں جب کفار جنت و جہنم کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا کیوں کہ وہ ایمان بالغیب نہیں ہوگا بلکہ ایمان بالمشاہد ہوگا اور وہ غیر مقبول ہے۔

فرمایا کہ: بزرگوں پر کسی نہ کسی عمل کا غلبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر حج کا غلبہ تھا، پیسے جمع کرتے رہتے، جب پورا انتظام ہو جاتا تو حج کے لئے روانہ ہو جاتے، اس طرح سے آپ نے بیسیوں حج کئے، عبادت میں حضرت مولانا کو حج سے زیادہ مناسبت تھی، ہمارے مولانا مبارک علی صاحبؒ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ) پر صلوٰۃ کا غلبہ تھا، واقعی وہ نماز بڑے ہی ذوق وشوق سے پڑھتے تھے اور کہنے لگے کہ انہوں نے مجھے اس نسبت پر لگا دیا تھا۔ میں نے کہا بھائی مجھے بھی لگا دو مگر انہوں نے لگایا تو نہیں لیکن ان میں یہ جذبہ تھا اور کہتے تھے کہ نسبتِ صلاتیہ مجھے ان سے حاصل ہوئی ہے تو بعض پر نماز کا غلبہ ہوتا ہے جب دیکھو نفلیں پڑھ رہے ہیں اور بعض پر حج کا غلبہ، حج نہ ہو تو عمرہ ہی سہی، مطلب یہ کہ بیت اللہ حاضری ہو۔

اور حضرت تھانویؒ پر صفائی معاملات کا غلبہ تھا، آپ کی خواہش تھی کہ نہ کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچے اور نہ کسی سے مجھے۔ چنانچہ معاملات بہت صاف رہتے تھے، جہاں کسی نے کوئی عمل کیا آپ نظر رکھتے کہ اس سے کسی کو ضرر تو نہیں پہنچا اور بعض پر انفاق فی سبیل اللہ کا غلبہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، انہیں بزرگوں

میں سے کسی کے ایک صاحب متعلق تھے، وہ اسٹیشن ماسٹر تھے بھوپال میں، ان کے اوپر انفاق کا غلبہ تھا، ان کا یہ معمول تھا کہ جب اپنی ملازمت کے فرائض سے فارغ ہوتے تو ریل میں چڑھ جاتے تھے اور تحقیق کرتے تھے جس کے پاس ٹکٹ کے پیسے نہ ہوتے ان کو پیسے دیتے تھے، ساری تنخواہ ان کی اسی میں جاتی تھی، وہ مسافروں کی خبر گیری کرتے رہتے تھے، تو طبائع کی مناسبت ہوتی ہیں اور آدمی اسی لائن سے ترقی کرتا ہے جس سے اس کو ذوق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی راہ سے اس کو مدارج دیتے ہیں ۔

ہر گلِ را رنگ بوئے دیگر است

کہا جاتا ہے کہ چین کے اندر آٹھ حضرات صحابہؓ پہنچے اور تاجر بن کر پہنچے اور تجارت کی لائن سے انہوں نے تبلیغ اسلام کی، دیانت اور معاملے کی صفائی اور سچائی پر عمل کر کے انہوں نے دکھلایا اور لوگوں کو آمادہ بھی کیا تو ہزاروں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے اور ان چیزوں پر چلنے لگے کہ واقعی یہ دیانت کا راستہ ہے۔ اس سے مقامی چینیوں کے اندر حسد پیدا ہوا کہ ان کی دوکانیں چل رہی ہیں اور مقامی دوکانیں ٹھپ ہیں۔ یہ حضرات سچے تھے، اس لئے تجارت میں فروغ ہوا اور دوسرے دغل فسل کرتے تھے تو مقامی تجار حکومت کے پاس پہنچے کہ یہ غیر ملکی تاجر کہاں سے آ گئے ہیں۔ انہوں نے بازار ٹھنڈے کر دیئے، ان کو یہاں سے نکالا جائے، چنانچہ ان آٹھوں حضرات کو حکومت نے بلایا اور کہا کہ تم ہمارے ملک کو کیوں تباہ کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تباہ کر رہے یا آباد کر رہے ہیں؟ ہم نے دیانت داری سکھلائی، معاملے کی سچائی سکھلائی تو یہ کام ملک کے فروغ کا ہے، تباہی کا نہیں ہے مگر انہوں نے کہا کہ تم لوگ نکل جاؤ تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہماری غلطیاں بتلائیں، ہم ان کی اصلاح کریں گے، جب کوئی غلطی نہیں تو خواہ مخواہ آپ یہ کہہ رہے ہیں، ہم نہیں جائیں گے، انہوں نے کہا کہ ہم زبردستی نکالیں تو ان آٹھ آدمیوں نے پوری چینی حکومت کو چیلنج کر دیا کہ ہم نہیں جائیں گے۔ وہاں سے جبراً حکم ہوا کہ انہیں یہاں سے نکالو، جب ان کے نکلنے کا وقت آیا تو چین کی ساری عوام ان کے ساتھ تھی کہ جہاں یہ جائیں گے ہم بھی جائیں گے، یہ منظر دیکھ کر ذمہ دارانِ حکومت نے کہا کہ جب اس قدر لوگ ان کے ساتھ چلے جائیں گے تو آپ حکومت کس پر کریں گے؟

نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو آرڈر واپس لینا پڑا اور کہا کہ تم اپنے کام میں لگے رہو، ان آٹھ آدمیوں کا ثمرہ ہے کہ آج چین میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں تو انہوں نے تجارت کی لائن سے دین کو پھیلایا۔

نفس تصویر کو شرک میں بھی دخل ہے، اسی وجہ سے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اللہ کے دین میں جو شرک شروع ہوا اور توحید میں خلل پڑا، اس کی بنیاد تصویر ہی ہوئی ہے۔ سب سے پہلا جو شرک شروع ہوا ہے

وہ نوح علیہ السلام کی قوم میں شروع ہوا ہے۔ نوح علیہ السلام کا زمانہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہزار سال کے بعد ہے۔

نوح علیہ السلام جس قوم میں مبعوث فرمائے گئے اس میں شرک آیا اور اس شرک کی بنیاد یہ ہوئی کہ اس قوم میں پانچ بزرگ تھے، ان کی مجلسوں میں لوگ بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے تھے اور مسائل سنتے تھے، اس سے ان کے دین کو تقویت پہنچتی تھی، جب ان بزرگوں کا انتقال ہو گیا تو قوم میں پریشانی ہوئی کہ اب نہ وہ مجالس رہیں اور نہ وہ مسائل رہے۔ اب ہم کہاں بیٹھیں، اس وقت شیطان نے ان کے دل میں یہ پھونک ماری کہ ان بزرگوں کی تصویریں بنا کر اپنے پاس رکھ لو، جب ان تصویروں کو دیکھو گے، ان کا زمانہ یاد آ جائے گا اور وہ کیفیت پیدا ہو جائے گی، تو ان پانچوں کے مجسمے بنائے گئے اور ان پانچوں کا نام تھا (۱) وُد (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر۔ ان کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ یہ پانچ بت بنا کر رکھے گئے۔ ان کا مقصد محض تذکیر تھا کہ ان تصویروں کے ذریعہ یاد دہانی ہو جائے، ان تصویروں کو پوجنا مقصود نہیں تھا۔ ابتداء میں جب تک لوگوں کے دلوں میں معرفت رہی اور ان بزرگوں کے اثرات بھی رہے تو موحد رہے، لیکن جب دوسری نسل آئی تو ان کے دلوں میں وہ معرفت نہیں رہی، ان کے سامنے تو یہی بت تھے، چنانچہ وہ کچھ خدا کی طرف متوجہ ہوئے تو اس طرح ان کا دین مخلوط ہو گیا اور جب تیسری نسل آئی تو ان کے دلوں میں اتنی بھی معرفت نہیں رہی ان کے سامنے بُت ہی بُت رہ گئے، انہیں کو سجدہ انہیں کو نیاز، انہیں کی نذر، یہاں تک کہ شرک شروع ہو گیا۔ اس شرک کو مٹانے کے لئے نوح علیہ السلام آئے، تو شرک کی ابتداء جو ہوئی وہ تصویر سے ہوئی ہے۔ تصویر میں خاصیت ہے شرک پیدا کرنے کی، پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تصویر یا تو ایسی قوم بناتی ہے جو مذہبی قوم ہے وہ بزرگوں کی یادگار کے طور پر ایسا کرتی ہے مگر آگے چل کر یہ تصویر شرک کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ (۱۰۴)

مجدد کی علامت اور ظہور مہدی علیہ السلام

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اصلاح انقلاب کی وجہ تسمیہ، مجدد کی علامت اور ان کی خدمات، ظہور مہدی علیہ السلام اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے متعلق سوالات اور ان کے جوابات:

سوال: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اصلاح انقلاب'' کے بارے میں بعض حضرات سوال کرتے ہیں کہ اصلاحِ انقلاب کا کیا مطلب ہے اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو علماء حقانی نے مجدد الامت کا لقب دیا ہے کیا وہ مجدد تھے؟ مجدد کی پہچان کیا ہے؟

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح تمدنی انقلابات بھی آتے ہیں۔ اسی طرح دینی انقلابات بھی آتے ہیں چنانچہ جب اس کا موقعہ آتا ہے تو انسان کے جذبات وافکار بدل جاتے ہیں یہ ذہنی انقلاب ہوتا ہے بقیہ دوسرے انقلابات اس کے تابع ہوتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ انقلابی دور ہے دین ودیانت میں عقائد وجذبات میں انقلابات پیدا ہورہے ہیں جو مضر ہیں۔لہٰذا ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اصلاحِ انقلاب کا مطلب یہ ہے کہ جو انقلاب طبعی طور پر ہوا ہے اس میں مضر چیزیں آگئی ہیں اسلئے ان کی اصلاح کی ضرورت پیش آگئی ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان انقلابات کے ابواب قائم کیے کہ......معاشرت میں، شادی بیاہ میں، یہ انقلاب آیا۔ اورسلف کا یہ طریقہ تھا اوراس انقلاب میں یہ چیزیں غلط ہیں۔ اسی طرح نماز کے سلسلے میں اور حج زکوۃ کے سلسلے میں یہ یہ انقلابات آئے اور وہ مضر ہیں ان کی یہ اصلاح ہے یہ ہے اس کتاب کا حاصل۔

ابتداء میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون القاسم قدیم میں چھپا ہے جو دارالعلوم دیو بند سے نکلتا تھا۔ یہ بات ضرور ہے کہ ہر سو برس کے بعد کچھ نہ کچھ انقلاب آتا ہے اس لیے کہ یہ نسل سو سال میں ختم ہوجاتی ہے۔ گویا مجموعی طور پر ایک نسل کے لیے ایک صدی ہوتی ہے دوسری صدی میں دوسری نسل کا غلبہ ہوتا ہے تو ہر قرن کے بعد نئی نسل حکمران ہوتی ہے مثلاً آج جو نسل موجود ہے ان میں بوڑھے بھی ہیں اور نوجوان بھی صدی کے ختم تک ان کی اکثریت ختم ہوجائے گی صدی کے بعد پھر نئی نسل شروع ہوگی۔ جب دوسری نسل آتی ہے تو ان میں ایک ذہنی اور فکری انقلاب ہوتا ہے پچھلوں کا ذہن باقی نہیں رہتا؛ بلکہ ایک نیا ذہن پیدا ہوتا ہے۔ نئے حالات نئے تمدن، نئی ایجادات اس سے افکار بدلتے ہیں اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ فکر کا انقلاب کہیں دین پر نہ پڑجائے۔

اس لئے شریعتِ اسلام نے ہر صدی اور ہر قرن کے بعد مجدد رکھا ہے۔ "**إن الله يبعث لهذه الأمة في كل مائة سنة من يجدد لها دينا**" گویا ہر سو برس کے بعد تجدید دین کا وعدہ فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سو برس میں ذہن بدل جاتا ہے وہ انقلاب گو تمدنی ہوتا ہے مگر تمدن کا اثر بھی دین پہ پڑتا ہے۔

جیسے آج ایک انقلابی دور ہے نئی نئی ایجادات ہیں تو نئے نئے مسائل بھی پیدا ہورہے ہیں۔ لوگ سیاروں پر جارہے ہیں۔ فرض کرو اگر مسلمان جائیں تو وہ نماز کیسے پڑھیں۔ اس واسطے کہ روس نے جو سیارہ چھوڑا تو اس میں جا گزیں کیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے سترہ مرتبہ طلوع دیکھا اور غروب بھی۔ وہ صرف ایک گھنٹے میں، تو

کیا ہر غروب پر نماز پڑھی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو ایک گھنٹہ میں سترہ مرتبہ نماز پڑھنی ہوگی۔

اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوا کہ یہ اجتماعی سود کا زمانہ ہے مثلاً بینک تو اس سلسلے سے سود عام ہو گیا ہے۔ اب سوالات پیدا ہوئے کہ اس سود کا حکم کیا ہے پہلے تو مہاجنی سود تھا، کہ ایک بنئے سے روپیہ سود پر لے لیا تو وہ سود در سود وصول کرتا تھا۔ پھر جائیدادوں پر قبضہ کر لیتا تھا۔ اب وہ سود نہیں ہے؛ بلکہ ایک اجتماعی سود ہے تو کیا اس پر انفرادی سود کا حکم ہوگا یا اجتماعی سود کا تو اس طرح جو ہر زمانے میں تمدنی انقلاب ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے فکر بدلتا ہے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ فکری انقلاب کہیں دین پر مئوثر نہ ہو جائے تو حق تعالیٰ نے ہر سو برس کے بعد دین کی تجدید رکھی ہے، اسلئے کہ نبوت تو ختم ہو چکی ہے مگر اس نبوت کا فیضان قیامت تک چلے گا۔ اور علماء دین وہ کام کریں گے، جو پچھلے زمانے میں انبیاء علیہم السلام کرتے تھے وہ نبی تو نہیں ہوں گے؛ لیکن نبوت کے آثار ان کے اندر کامل ہوں گے وہ تجدید کریں گے دین کی۔

تو ایسے انقلابی اوقات میں دین کے اندر بھی کچھ نہ کچھ انقلابی جذبات پیدا ہوتے ہیں جیسے آج کل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ ہر فرقہ اپنے ذہن کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث سمجھنا چاہتا ہے۔ اور وہ سلف کی مفہومات سے ہٹ جاتا ہے؛ لہٰذا ضرورت ہوتی ہے کہ علماء اس کی اصلاح کریں۔

حضرت تھانوی نے یہی کیا ہے آپ نے دیکھا کہ انقلاب امت میں کن کن چیزوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس تمدنی انقلاب کے اثرات دین پر کیا پڑ رہے ہیں۔ اسی طرح سے انھوں نے رسومات کو مٹایا کہ یہ بھی ممنوع اور یہ بھی ممنوع ہے۔

اور اصل طریقہ سلف کا یہ ہے تو حضرت کا یہ مطلب ہے کہ اصلاح انقلاب سے دین پر وہ افکار اثر نہ کر جائیں اسلئے مجدد کی ضرورت پڑی۔

مجددین کی تقسیم خدمات

مجدد خواہ فرد واحد ہو یا جماعت ہو کہ کوئی یہاں اصلاح کر رہا ہے کوئی وہاں اصلاح کر رہا ہے یعنی منجانب اللہ انہیں قوت دی جاتی ہے وہ پوری امت یا اس جماعت پر موثر ہوتے ہیں جس کے لئے وہ مجدد بنائے گئے ہیں اور مجدد کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ تمدن بھی باقی رہے اور دین بھی باقی رہے وہ اسی انداز سے اصلاح کرتے ہیں تاکہ دین اپنی جگہ محفوظ اور تمدن اپنی جگہ باقی رہے جیسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اب زمانہ عقلیت پسندی کا آ گیا ہے۔ دین کو جب تک عقلی رنگ میں پیش نہ کیا جائے گا اس وقت تک یہ دین ان لوگوں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میرے قلب پر الہام کیا اور میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت حسنین رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور قلم میرے ہاتھ میں دیا۔ اور اس کی تعبیر حضرت امام نے یہی دی کہ گویا یہ نیا قلم ہے اس کے ذریعہ سے ایسی تحریرات قلم بند کیجئے کہ جن کے ذریعہ تمدنی انقلاب کو دین کے ذریعہ سے سمجھایا جائے انھیں تمدنی چیزوں کو سامنے رکھ کر مسائل کھولے جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کی مجددانہ خدمات

تو اس صدی کے علماء کھڑے ہو جاتے ہیں اور زمانۂ حال کو سامنے رکھ کر دین کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو یہ واقعہ ہے کہ اس صدی کے شروع میں اگر دارالعلوم قائم نہ ہوتا اور یہ مدارسِ دینیہ نہ ہوتے تو اس ملک میں سوائے شرک و بدعت کے کچھ نہ ہوتا۔ اور کوئی مسئلہ بتانے والا نہ ہوتا۔ اس ملک میں ان بزرگوں نے عظیم الشان کام انجام دیا ہے گویا امت کو سنبھال لیا ہے بد دینی سے۔ بدراہی سے اور بدفکری سے۔ باقی ان حضرات کی خدمات میں کوئی دکھاوا نہیں کوئی پوسٹر نہیں بڑے اخلاص سے کام کیا۔ جو لوگوں کے قلوب کے اندر پیوست ہو گیا۔ ہر شخص اس کا معترف ہے۔

دنیا کی تعلیم میں دکھاوا ہوتا ہے مگر دین کی تعلیم میں دکھاوا نہیں ہوتا۔ ان خدمات کے نمایاں کرنے کی ان بندرگوں نے کوشش نہیں کی۔ ان کے ہاں تو یہ رہا کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ وہ حضرات تو نیکی چھپا کر کرتے تھے۔ برخلاف دوسری جماعتوں کے جو سیاسی اور اقتصادی ہیں۔ کام کم کرتی ہیں مگر اس کو نمایاں بہت کرتی ہیں یہاں شہرت نہیں ہے۔ ہمارے حضرات نے دلوں کے اندر ایمان کو سنبھالا ہے۔ انگریزی تعلیم میں بڑے بڑے فیشن ہیں۔

اسلام میں سادگی کی تعلیم موجود ہے:

مگر یہاں کچھ نہیں، کیونکہ یہ نبوت کی تعلیم ہمیشہ چٹائیوں پر ہوئی ہے وہاں قالین وغیر کچھ نہ تھا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے کہ تین مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ”**ألا تسمعون ألا تسمعون ألاتسمعون**“ کیا تم سنو گے نہیں، سنو گے نہیں، سنو گے نہیں فرمایا ”**ان البزازة من الإيمان ان البزازة من الإيمان إن البزازة من الايمان**“ تین دفعہ فرمایا کہ سادگی ہی ایمان ہے سادگی ہی ایمان ہے۔ سادگی ہی ایمان ہے۔

ایمان میں تزئین و آرائش نہیں ہے وہ سادہ زندگی ہے قلوب سے قلوب کی طرف چلتی ہے۔ سلف کے جو کارنامے ہیں ظاہر ہے۔ سلف نے مواعظ بھی کئے ایک ایک حدیث کے املا کرانے میں بیس بیس ہزار

کا مجمع ہوتا تھا۔ مگر خود علماء نے یہ نہیں کیا کہ اپنے کارناموں کوشہرت دی ہو۔ البتہ ...... معتقدین اور متوسلین نے کچھ تاریخیں لکھی ہیں جو ہمارے سامنے ہیں ان کے اندر یہ جذبہ اور اہتمام نہیں تھا کہ میں نے یہ کام کیا ہے اس کو لکھو وہ فی سبیل اللہ کرتے تھے۔

مجدد کی علامت

بہرحال مجدد کی کوئی علامت منضبط نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ مجدد کو خود بھی خبر ہو کہ میں مجدد ہوں ۔ مگر کام لیا جا رہا ہے تجدید کا یعنی علم گہرا ہو اور اتباع سنت کامل ہو۔ علوم شرعیہ کے اوپر حاوی ہو۔ تقویٰ اور طہارت ہو۔ لوگ خود پہچان جاتے ہیں کہ یہ شخص اس درجہ کا ہے کہ قلوب کو پلٹ سکتا ہے اور ذہنی انقلاب پیدا کرسکتا ہے۔ ان کے کارناموں سے متعین ہو جاتا ہے کہ انھوں نے تجدید کا کارنامہ کیا ہے۔

مثلاً حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سنت اور بدعت کے اندر کافی امتیاز پیدا فرمایا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجدد ہیں سنت اور بدعت کے یعنی فقہی مسائل کو صحیح نہج پر پہنچا کر بدعات کو ختم کیا۔ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اندرونی اصلاح سے زیادہ بیرونی سرحدات کی حفاظت کی ہے کہ کفار دخل نہ دیں، رخنہ نہ ڈالیں، شک نہ پیدا کریں۔

یہی وجہ ہے کہ کہیں آریوں کا مقابلہ ہے۔ کہیں عیسائیوں کا، کہیں ہندوؤں کا، تو آپ نے سرحداتِ اسلام کو محفوظ کیا ہے۔ اندرونی طور پر کچھ بھی ہو، ہو جائے حضرت مولانا شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ان کا سامان جمع کر دیا ہے کہ فلسفہ کتنی ہی شکلیں بدل بدل کر آئے اور کتنے ہی روپ اختیار کرے مگر ان کا رد حضرت کی کتابوں میں موجود ہے تو آپ نے سرحدات کی حفاظت کی۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اندرونی طور پر حفاظت کی۔

اور تیسرا مسئلہ تھا تصوف کا کہ اس راہ سے بہت کچھ الحاد پھیلا۔ اور طریق اصلی حالت پر نہیں رہا۔ اور اسمیں بدعات ورسومات اور رواج وغیرہ داخل ہو گئے۔ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اصلاح کی تصوف کے جتنے مقامات ہیں ان کو کھول دیا اور راستہ سہل کر دیا اور ظاہر کر دیا کہ اتنی چیزیں خرافات ہیں اور اصل طریقت یہ ہے تو معلوم ہوا کہ کسی نے اصلاح کی ہے عملی طور پر سنت وبدعت کے بارے میں۔ اور کسی نے اصلاح کی ہے مقامات قلب کے بارے میں اور کسی نے مقامات تصوف میں اور روحانی مقامات میں تصوف میں جو دغل فسل تھا اس کو الگ کر کے کتاب وسنت سے جو اصل تصوف تھا اس کو واضح کر دیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ایک ہزار تصنیف ہے ان کا قدر مشترک یہی نظر...... آئے گا کہ

باطنی امور کے اندر جہاں جہاں سے الحاد کا دخل ہوتا تھا انھوں نے اس کے راستے بند کر دئے اسی لیے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خود سنا ہے کہ مجدد کے لیے شخص واحد ہونا ضروری نہیں ہے۔ جماعت بھی مجدد ہوسکتی ہے کہ کوئی اس دائرے کی اصلاح کر رہا ہے کوئی اس دائرے کی اصلاح کر رہا ہے اور فرمایا کہ اس زمانے کے جتنے اولیاء وقت تھے اور واقعی انہوں نے تجدید کا کام کیا۔ ان سب نسبتوں کا مجموعہ یہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ یہ ہے مجدد من حیث الجماعت کہ سو برس سے اس نے یہ کام کیا ہے اور چومکھی لڑائی لڑی ہے کسی نے حدیث میں دخل دیا تو اس کا رد کیا اور کتاب اللہ کے مفہومات اور مدلولات میں دخل دیا تو اس کا رد کیا مختلف طریقوں سے۔ یہاں کے علماء نے کام کیا۔ اگر ان کی تصانیف پر نظر ڈالی جائے تو تقریباً تین ہزار کتابیں جو مختلف علوم وفنون کی بنیادی طور پر اس جماعت کی طرف سے نکلی ہیں۔ ان میں تجدید اور اصلاح کا پورا جزئیات سے لیکر کلیات تک ساری چیزیں آگئی ہیں۔ ان میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ ایک جماعت من حیث الجماعت بھی مجدد ہے۔

صدی ختم ہونے پر فتنوں کی بہتات

علماء کہتے ہیں کہ جب صدی ختم ہونے کو آتی ہے تو فتن کی بہتات ہوتی ہے۔ عقائد کے فتنے اعمال کے فتنے اس طرح ابھرتے ہیں کہ امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے آج ایسا ہی زمانہ آگیا ہے کہ حق و باطل خلط ملط ہوگئے ہیں۔ یہ علامت ہے کہ اب کسی مجدد کی ضرورت ہے جو آئے گا اس کی تجدید کرے گا۔ اس زمانے کے جو فتن ہیں وہ اجتماعی رنگ میں آرہے ہیں۔ قوموں کی خصوصیات مٹتی چلی جارہی ہیں اور عمومیت اور اشتراکیت پیدا ہوتی چلی جارہی ہے اس اشتراکیت کی لائن سے دین کے اندر بھی اشتراکیت پیدا ہورہی ہے۔ اسی وجہ سے اس وقت کا فتنہ کسی ایک جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جو فتنہ یہاں ہے وہی افریقہ میں ہے اور وہی امریکہ اور یورپ میں ایک عالم گیر فتنہ پیدا ہوگیا اسلئے اب جو مجدد آئے گا جو ایسا قوی الروحانیت ہوگا کہ تمام دنیا پر اس کا اثر پڑے گا، کار تجدید عام ہوگا۔ اور ایسا مجدد سوائے مہدی علیہ السلام کے دوسرا نظر نہیں آتا ہے، اسلئے بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اب جو تجدید ہوگی وہ مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ہوگی۔ عالمگیر روحانیت وہی لیکر آئیں گے۔ اب چھوٹی موٹی روحانیت کام نہیں دیگی سوائے اس کے کہ چھوٹی روحانیت سے آدمی اپنے مجمع کو سنبھال لے لیکن عالمگیر طور پر قلوب میں ذہنی انقلاب ہو تو جب تک عالم گیر روحانیت نہ ہو اس وقت تک یہ چیز پیدا نہیں ہوگی۔

بزرگوں کے مکاشفات

بعض بزرگوں کے مکاشفات بھی ہیں مثلاً حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ''ہدایت المعتدی فی قراءۃ المقتدی'' یہ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں لکھا ہے اس کو پڑھ کر مجمع کو سنایا۔ سب نے کہا کہ حضرت اس کو چھپنا چاہئے۔ یہ تو بڑی بنیادی چیز ہے حضرت نے فرمایا کہ چھاپنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں اگر اس کتاب کے ذریعہ سو میں سے ایک کی اصلاح ہوئی تو ۹۹ رگمراہ بھی اسی کتاب سے ہوں گے۔ کیونکہ لوگوں کے قلوب میں عام فساد پیدا ہو چکا ہے اور اب مجھے امت کی پنپنے کی توقع نہیں ہے جب تک ظہور مہدی نہ ہو جائے یہ ان کا قولہ ہے۔ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ یہ ہے کہ جس کو مجھ سے امیر شاہ خانصاحب مرحوم نے بیان کیا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے۔ مدرسہ عبدالرب میں قیام تھا کچھ تیار ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ الہ علیہ اور مولانا امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور میں یہ سب پیر دبا رہے تھے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مسلمانوں کے لیے دعا کیجئے بہت ذلیل ہو چکے۔ ان کی حکومت جا چکی۔ ان کی جائیدادوں اور جاگیروں پر ساہوں کاروں نے قبضہ کر لیا۔ دفتری سلسلہ میں ان کا کوئی رسوخ نہیں رہا۔ حکومت کے لوگ غالب آ رہے ہیں۔ یہ بہت پسماندہ ہو گئے۔

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ یہ ذلت رفع فرمائیں تو حضرت جوش میں اسی بخار کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ امیر شاہ مسلمان ذلیل ہو گئے ابھی کچھ ذلیل نہیں ہوئے ابھی اور ذلیل ہوں گے اور انتہاء ہو جائے گی ان کی ذلت کی جو ذلت انھیں ملے گی۔ تم لوگوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ اس وقت غیرت خداوندی جوش میں آئے گی۔ اور ادھر سے مدد ہو گی۔ خراسان کی طرف اور ادھر اشارہ کیا۔ (مطلب ظہور مہدی تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے) کہ اس زمانے میں مجدد کا کام یہ نہیں ہے کہ غیروں کو دائرہ اسلام میں داخل کرے کیونکہ اتنی بڑی قوت کا کوئی مجدد نہیں ہے۔

سب سے بڑا کام مجدد کا یہ ہے کہ اپنوں کو وہ تھامے رکھے جس سے وہ دین پر قائم رہیں۔ ان کا حاصل بھی یہی ہے کہ تمام اغیار دین پر آ جائیں یہ مشکل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسی قوت کا مجدد ہو کہ جس کی روحانی طاقت ایسی بڑھی ہو جو سارے عالم کے حالات کو بدل سکے اور اب اس قوت کے مجدد سوائے مہدی علیہ السلام کے کوئی دوسرا نہیں نظر آتا۔

الحاصل آج کل اپنی عملی کوتاہیوں کی اصلاح کرنا دراصل شریعت کے مطابق خود زندگی گذارنا اور امت کو اس کی تبلیغ کرنا یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ظہورمہدی علیہ السلام

مہدی علیہ سلام کے بارے میں کچھ علامتیں آئی ہیں، مثلاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں ظہور ہو گا۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں موجود ہے کہ غیب سے آواز آئے گی اور وہ آواز یہ ہوگی۔ ''**هذا خليفة الله المهدى فاستمعوا له واطيعون**'' یعنی یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں ان کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو۔ اس وقت یہ آواز عالم میں گونج اٹھے گی اس وقت مہدی علیہ السلام کھڑے ہوں گے اور ظہور مہدی علیہ السلام کام کی آخری علامت یہ ہوگی کہ حج کا زمانہ ہوگا۔ اور حجاج میں جنگ ہوگی اور اتنی شدید جنگ ہوگی کہ ہزروں حجاج قتل ہو جائیں گے اور جمرہ عقبیٰ خون سے تر ہو جائے گا۔ اور غالباً یہ لفظ ہے کہ تین سو تیرہ آدمی باقی رہ جائیں گے انھیں فکر ہوگی کہ اب کوئی مرکز تلاش کرنا چاہیے تو وہ لوگ مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کریں گے۔

مہدی علیہ السلام کو جب اندازہ ہو جائے گا کہ لوگ مجھے پکڑنے آرہے ہیں تو وہ مکہ مکری چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے جائیں گے مگر لوگ وہیں جا کر پکڑیں گے۔ وہ پیچھا چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن لوگ نہیں مانیں گے۔ اور ان کو پھر مکہ مکرمہ لائیں گے وہ فرمائیں گے کہ تم جب خون خوار قوم ہو تو میں کیا اصلاح کروں تم خود ہی آپس میں کٹتے مرتے ہو۔ پھر بعد میں لوگوں سے پختہ عہد لیں گے اس وقت یہ تین سو تیرہ آدمی بیعت کریں گے۔

پھر مہدی علیہ السلام اپنا مستقر شام کو بنائیں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابدال شام اور اقطاب ہند اور نجائب عراق یہ سب آ کر سیاہ جھنڈے کے نیچے یہاں جمع ہو جائیں گے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پورے عالم کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ اور اب اس میں تلاش ہوگی کہ نزول عیسوی کب ہوگا تو خبریں اڑیں گی جیسا کہ خبریں اڑا کرتی ہیں۔ مگر تحقیق کو نہیں پہنچیں گی۔

لیکن بعض روایات میں ہے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگا اور امام مہدی کی مصلیٰ پر پہنچ جائیں گے۔ تو عیسٰی علیہ السلام آواز دیں گے کہ سیڑھی لگاؤ اور مجھے اتارو اس وقت وہ اتارے جائیں گے۔ اترتے ہوئے ان کے بدن پہ تو دو چادریں ہوں گی۔ جیسے احرام کا لباس ہوتا ہے امام مہدی علیہ السلام ان کی تواضع کریں گے کہ آپ نماز پڑھائیں تو عیسٰی علیہ السلام فرمائیں گے کہ ''اِمامکم منکم'' اس امت کے امام اسی امت میں سے ہوں گے چنانچہ حضرت عیسی علیہ سلام انکی اقتداء کریں گے اور مہدی علیت لام نماز پڑھائیں گے۔

خروج دجال اور قتلِ دجال

اس کے بعد دجال کی تلاش ہوگی دجال ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ وہ ایک آنکھ کا کانا ہوگا۔ اور جس سواری پر چلے گا وہ بھی کانا ہوگا۔ لوگوں کے دلوں میں اس قدر اس کا خوف ہوگا کہ اس کی اقتداء کرتے چلے جائیں گے۔ اور اس کو خدا مائیں گے مختلف مقامات سے فارغ ہوکر وہ مکہ اور مدینہ کی طرف رخ کریگا۔ مگر وہاں پر کامیاب نہ ہوگا۔ ایک مسلمان کے سامنے اپنی خدائی کا دعوی کریگا اور اپنے آپ کو خدا ماننے پر ان کو مجبور کرگیا۔ مگر انکار کریں گے اور کہیں گے تو دجال کافر ہے اس کو غصہ آئیگا۔ اور قتل کردے گا اور پھر زندہ کرے گا اور کہے گا کراب آپ ہماری خدائی کا اقرار کیجئے کیونکہ ہم مارتے بھی ہیں اور زندہ بھی کرتے ہیں وہ فرمائیں گے کہ اب ہم کو یقین ہوگیا کہ تو دجال ہے اور حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ وہ ایسا معاملہ کرے گا وہ میں ہی ہوں پھر دجال غصہ میں کہ آکر قتل کرے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ مگر وہ یہی فرمائیں گے کہ تو کافر اور دجال ہے پھر وہ قتل کرنا چاہے گا، مگر تیسری بار قتل نہ کرسکے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام کو مدینہ کی طرف آنے کی اطلاع ہوگی وہ آئیں گے اور ایک عصا ماریں گے وہ مرجائے گا۔

یہود و نصاریٰ کا قتلِ عام

قتل دجال کے بعد جہاد کی تیاری ہوگی اور سارے مسلمان جہاد میں شریک ہوں گے اس کے ملحم کبری کہا گیا ہے جنگ عظیم ہوگی، اور اتنا قتل عام ہوگا کہ احادیث میں ہے کوکوا اڑے گا وہ صبح سے شام تک اڑتا رہے گا مگر لاش ہی لاش دیکھتا جائے گا، سارے یہود قتل کردئے جائیں گے اس وقت زمین پر کوئی یہودی باقی نہیں رہے گا اگر کوئی یہودی پہاڑ کے کھوہ میں جاکر چھپے گا تو پتھر سے آواز آئے گی کہ یہاں پر یہودی ہے اس کو قتل کرو یہاں تک کہ سارے یہود قتل کردیئے جائیں گے۔ رہا نصاریٰ کے متعلق تو جو لوگ اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ وہ محفوظ رہیں گے بقیہ سارے نصاریٰ بھی قتل کر دیئے جائیں گے اس وقت سارے عالم میں صرف مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اسلام میں دین کی تکمیل کا وعدہ کیا گیا ہے۔

جب دین کی تکمیل کماً، وکیفاً ہوجائے گی تو قیامت قائم ہوجائے گی

دین کی تکمیل دو حیثیتوں سے ہوتی ہے ایک کیفاً اور ایک کماً۔

دین کی تکمیل کا کیفیت کے اعتبا سے مطلب یہ ہے کہ ایک ایک شخص دین کا مجسمہ بن جائے اور کمیت کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعداد کے لحاظ سے کوئی شخص باقی نہ رہے جو سلمان نہ ہو جائے۔ دین کی کیفی تکمیل قرن صحابہ میں ہو چکی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام کی ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد ہو گئی تھی اور اتنے ہی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے۔ کوئی نہ کوئی صحابی کسی نہ کسی نبی کی سنت پر ضرور تھے۔ گویا وہ نبی تو نہیں تھے لیکن اخلاق اس نوعیت کے تھے جو انبیاء علیہم السلام کے ہوا کرتے ہیں تو کیفی طور پر دین مکمل ہو گیا۔ لیکن کمیت باقی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہے جو اسلام نہ قبول کر لے اور اس کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

”**هو الذی أرسل بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کلمه**“

یعنی وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سارے دین پر غالب ہو جائے۔ مطلب یہ کہ سارے ادیان پر اسلام غالب ہو جائے اور کوئی فرد باقی نہ رہے۔ یا جیسے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے ”**لایبقی علی ظهر الأرض بیت مدرو لادبر الا ادخله الله کلمة الإسلام بعز عزیز**“ یہ پیشین گوئی ابھی تک باقی ہے۔ مگر یہ خاتم المجد دین نزول عیسوی کے وقت پوری ”فیکون الدین کله للہ“ اس روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے ”**فیکون الدین کله للّٰه**“ اس میں شراح کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے حضور نے تو اتنا فرمایا کہ ”**الا ادخله اللّٰه کلمة الإسلام بعز عزیز قال ابوهریرة فیکون الدین کله للّٰه**“ یعنی ابو ہریرہ نے فرمایا کہ پھر تو ایک ہی دین ہو جائے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں لیکن ہر صورت میں مطلب یہی ہے کہ سارے عالم کا دین صرف ایک ہوگا یعنی اسلام۔

دو حدیثوں میں تعارض اور ان کا جواب

ایک روایت میں پانچ سو برس کے بعد مسلمانوں کا فنا ہونا بتایا گیا ہے اور ایک روایت میں ایک ہزار برس کے بعد اس طرح بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے فرمایا کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ ان حدیثوں میں علماء نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ پانچ سو سال کی عمر جو دکھائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منہاج عربیت پر حکومت قائم رہے

گی۔اور پانچ سو برس کے بعد وہ عربی رنگ باقی نہیں رہے گا تو یہ پانچ سو برس کے بعد وہ عربی رنگ باقی نہیں رہے گا رتو یہ پانچ سو برس کا اختتام ہوا۔اور ہزار برس کے بعد مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہونے لگی۔ اس کے بعد عیسائیوں کا غلبہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار پر اثرات قائم کیئے یہاں تک کہ آج پوری دنیا میں نصاری کا غلبہ ہے اور مسلمانی حکومتیں ہیں وہ کبھی ان کے زیر اثر ہیں اور ان کی پناہ ڈھونڈتی ہیں تو دونوں حدیثیں صحیح ہیں ایک میں عربیت کا فنا ہونا دکھایا گیا ہے۔اور ایک میں قوت اورشوکت کا فنا ہونا دکھایا گیا۔اور ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ''**الخلافة من بعدي ثلثون عاما**'' یعنی میرے بعد خلافت تین سال رہے گی۔اور ساتھ میں ہیں یہ بھی پیشین گوئی ہے کہ جب تک بارہ خلفاء طاہر نہ ہو جائیں گے اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔

تو تیس سال میں تو بارہ خلیفہ نہیں ہوئے صرف خلفاء اربعہ اور امام یا عمر بن عبدالعزیز کیونکہ ان کی حکومت بھی علی منہاج النبوت تھی۔وہ ختم ہوگئی۔

دوسری جگہ یہ فرمایا گیا کہ تیس برس کے بعد خلافت ختم ہو جائیگی۔علماء اس کا طلب یہی بتلاتے ہیں کہ خلافت علی منہاج النبوت صرف تین سال تک رہے گی اور علی منہاج الملوکیت وہ آگے چلتی رہے گی۔

تو مہدی علیہ سلام کا زمانہ وہ زمانہ ہوگا کہ دنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہے گا صرف مسلمان ہی مسلمان ہوں گے تو اس وقت دین کی تکمیل کمیت کے اعتبار سے بھی ہو جائے گی۔اور اللہ تعالی کا وعدہ۔

''**هو الذى أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله**''

پورا ہو جائے گا۔اس کے بعد بہت سے انقلابات آتے رہیں گے اور پھر کفر اور شرک کا غلبہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ صرف تھوڑے سے مسلمان زمین پر رہ جائیں گے۔ایک ہوا چلے گی وہ مر جائیں گے اسکی بعد اا س زمین پر صرف کافر ہی کافر رہیں گے وہ من مانی زندگی گذاریں گے۔

فسق وفجور وزنا وغیرہ عام ہو جائیں گے حیا باقی نہ رہے گی۔ بے حیائی عام ہو جائے گی۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا ایک شخص بھی موجود نہ ہوگا۔اس وقت اللہ تعالی کو جلال آئے گا اور اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے۔تو دین کی تکمیل کیفی اور کمی اعتبار سے پوری ہونے کے بعد ہی قیامت قائم ہوگی۔اور شرار الخلق پر قائم ہوگی۔

............❖............

ملفوظات

مثلِ خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

الفاظ زبان سے ادا ہوں یا نوکِ قلم سے، نثر میں ہوں یا نظم میں، کیفیت مسرت میں ہوں یا احساسِ الم میں، عہد شباب میں ہوں یا دورِ کہولت وشیخوخت میں، عالم کوئی سا بھی ہو، فضا کیسی بھی ہو، بہر صورت شخصیت شناسی کا پیمانہ ہوتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کا یہ حکیمانہ شعر تو سنا ہی ہوگا:

تا مردے سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

پھر گفتگو کرنے والا ایک عام انسان نہیں بلکہ دینی شخصیت اور مستند عالم شریعت ہو تو اس کے الفاظ، اس کی شخصیت کے شایانِ شان، اس کی دینی حیثیت، اس کی علمیت، بصیرت اور دیدہ وری کی بو و باس اور کردار وعمل کی روشنی لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت کو جب ہم ان کے الفاظ اور ملفوظات کے آئینہ میں دیکھتے ہیں تو ہمیں فضل وکمال اور حکمت ومعرفت میں ایک ایسا پُرنور، پرکشش اور پروقار چہرہ دکھائی دیتا ہے جس کی ادنیٰ جھلک بھی مخاطب کو مسرور ومسحور اور محظوظ کردیتی ہے۔ سادہ، سہل اور جچے تلے الفاظ، جب ان کے سحر انگیز لہجہ میں ڈھل کر سامعہ نواز ہوتے ہیں تو عسلِ مصفی کی حلاوت، آب حیات کی جاں نوازی، نسیم سحر کی ٹھنڈک، شراب طہور کی سرمستی اور فردوس بریں کی دل کشی پیدا کردیتے ہیں، جن خوش طالع نفوس کو حضرت حکیم الاسلامؒ کی زبان سے ان کے پاکیزہ کلمات کو براہِ راست سننے کا موقع ملا، سعادت مندی میں ان کی ہمسری ممکن نہیں، ان کے حصہ میں الفاظ کے ساتھ صاحب الفاظ کی قلبی کیفیات اور لہجہ کی سحر طرازیاں بھی آئیں اور آئندگان کے لئے یا ملفوظات کا مطالعہ اور ان میں پوشیدہ حکیم الاسلام کا دینی فکر وفلسفہ اور علمی، عملی، اخلاقی اصلاحات وتربیت کا سروسامان۔

ملفوظ: ''حیوانات کے ان خلقی مقاصد پر غور کرو تو ان کے لئے فہم وعقل کی ضرورت نہ تھی، بلکہ عقل ان میں حارج ہوتی کیوں کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو جب انسان ان پر سوار ہوتا، زین رکھتا، یا بوجھ لادتا تو عقل مند جانور کہتا کہ: ذرا ٹھہریئے، پہلے یہ ثابت کیجئے کہ آپ کو مجھ پر سواری کرنے یا بوجھ لادنے کا حق ہے یا نہیں؟ اب آپ دلائل بیان کرتے، وہ اپنی عقل کے مطابق آپ سے بحث کرتا، تو سواری اور بوجھ تو رہ جاتا بحث چھڑ جاتی اور اگر کہیں بحث میں جانور غالب آجاتا تو آپ کھڑے منہ تکتے رہ جاتے بلکہ ممکن ہوجاتا کہ وہی آپ پر سواری کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑی مشکل بات ہوتی، ہر حیوان سے کام لیتے وقت یہی مناظرہ بازی کا بازار گرم رہتا، نہ بیل کھیت جوت سکتا، نہ گھوڑے سواری لے جاسکتے، نہ حلال جانوروں کا گوشت کھایا جاسکتا۔ سارے کام تجارت وغیرہ کے معطل ہوجاتے اور انسان کو ان حیوانوں کے مناظروں سے کبھی بھی فرصت نہ ملتی اور یہ ساری خرابی حیوانوں کو عقل وفہم ملنے سے ہوتی، پھر آپ کی تعلیم گاہوں میں بھی علم حاصل کرنے جمع ہوتے اور ایک ہی کلاس میں گھوڑے، گدھے، کتے سب جمع رہتے بلکہ جنگلوں سے شیر، بھیڑیئے، ریچھ، گیدڑ بھی جمع ہوتے تو آپ کو علم حاصل کرنا وبال جان بن جاتا۔ غرض علمی اور عملی کارخانے سب کے سب درہم برہم ہوجاتے۔ اس لئے شکر کیجئے کہ اللہ نے انہیں عقل وفہم نہیں دیا، جن سے آپ کے کام کاج چل رہے ہیں۔''

ملفوظ: جنات میں نبوت نہیں رکھی گئی، وجہ یہ ہے کہ جیسے ملائکہ میں خیر کا غلبہ ہے اور شر کالعدم ہے، جنات میں شر کا غلبہ ہے اور خیر کالعدم ہے اور نبوت کے لئے غلبہ خیر ہی نہیں خیر محض کی ضرورت تھی۔ ورنہ بشر کے ہوتے ہوئے بدفہمی یا بدعملی کی وجہ سے شرائع پر عمل اور ان کی تبلیغ دونوں غیر مامون ہوتیں اور صحیح دین مخاطبوں کو نہ پہنچ سکتا، اس لئے انہیں تابع انسان بنایا گیا تاکہ اس کی شریعت سے وہ علم اور عمل کی خطاؤں سے بچنا سیکھیں۔ اس لئے جو انبیاء انسانوں میں مبعوث ہوئے ان ہی کی اطاعت ان پر لازم کی گئی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو تو خطاب ہی نہیں کیا، ملائکہ کو خطاب کیا مگر غیر تکلیفی اور جنات کو خطاب تکلیفی کیا مگر خطاب بالاستقلال نہیں فرمایا۔''

ملفوظ: ''پس ایک طرف تو علم کے میدان میں انسان کو فرشتوں سے فائق ثابت کرایا اور ایک طرف عبادت واطاعت میں اسے فرشتوں سے اونچا ثابت فرمایا اور خود فرشتوں ہی کو اس کی نیکی پر گواہ بنایا تاکہ اس کی سفاکی اور فساد کا تخیل ان کے ذہن سے نکل جائے اور وہ بصدق دل اس کی خلافت کے معترف ہوجائیں۔ چنانچہ ہر غیر معمولی عمل عبادت کے مواقع پر ملائکہ کو اسی طرح گواہ بنایا جاتا ہے۔ حدیث شریف

میں آیا ہے کہ جب حاجی احرام باندھ کر حج وزیارت کرتے ہیں، طواف وسعی میں دوڑتے ہیں، منیٰ وعرفات میں ٹھہرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ملائکہ کو خطاب فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخر گھر بار چھوڑ کر، بیوی بچوں سے منہ موڑ کر، سر سے کفن باندھ کر اپنی لذت وآرام کو مٹا کر یہاں کیوں آئے ہیں؟ یہ سب میری خوشنودی ورضا کے لئے آئے ہیں اور پروانوں کی طرح نثار ہورہے ہیں۔ اے ملائکہ! تم گواہ رہو، میں نے انہیں بخش دیا۔''

ملفوظ :''انسان کے سوا کائنات کی تین باشعور مخلوقات ایک ایک جوہر کی حامل ہیں۔ حیوانات میں صرف بہیمیت ہے، جنات میں صرف شیطنت ہے اور ملائکہ میں صرف ربانیت ہے، اسی لئے ان میں کسی کی بھی ترقی نہیں ہوتی، برخلاف انسان کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ مساوی قوتیں جمع فرمادی ہیں۔ اس میں ملکیت بھی ہے، بہیمیت بھی ہے اور شیطنت بھی ہے، تو لازمی بات ہے کہ یہ متضاد قوتیں باہم ٹکرائیں گی اور ٹکراؤ سے نئے نئے افعال کا ظہور ہوگا''۔

ملفوظ :''مرد وہ ہے جسے دیکھ کر رعب طاری ہو، مرد وہ نہیں جسے دیکھ کر شہوت ابھرے۔ یعنی صورت آرائی شہوت رانی ہے اور صورت آرائی مردانگی نہیں ہے، اس لئے کہ صورت کو کہاں تک بنائیں گے، جو بگڑنے کے لئے ہی بنی ہے اور بنانا اس چیز کا ضروری ہے جو بن کر بگڑتی نہ ہو اور وہ سیرت اور اخلاق فاضلہ اور علوم وکمالات ہیں۔''

ملفوظ :''انسان کا پیٹ حوضِ بدن ہے۔ حوض میں جو بھرا جائے گا وہ نلوں اور نالیوں میں بھی آئے گا، پیٹ میں اگر پاک غذا ہے تو قلب ودماغ میں پاک آثار آئیں گے، اقوال وافعال بھی صادر ہوں گے اور اگر لقمۂ حلال نہیں ہے تو پھر وہی ظلمت وکدورت ملے ہوئے اقوال وافعال سرزد ہوں گے اور ایسی ہی حرکات ہوں گی۔ (۱۰۵)

............❖............

معارف

طرفیں رکھے ہے ایک سخن چار چار
کیا کیا کہا کریں ہیں زبان وقلم سے ہم

علمی دنیا کا ایک ادنیٰ فرد بھی بخوبی واقف ہے کہ ''خانوادۂ قاسمی'' برصغیر میں علوم ومعارف اور صالح دینی افکار کا استعارہ اور دین و دانش میں امامت کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اسی خانوادہ کے فرزند جلیل اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حفید رشید ہیں۔ انہوں نے علم وکمال کی پاکیزہ فضا میں آنکھ کھولی، حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سے روحانی تربیت پائی، علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے دیدہ ور اساتذہ کے تلمّذِ خاص سے بہرہ ور ہوئے، اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے عہد کی بلند پایہ علمی وروحانی شخصیات میں بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ذیل میں آپ کے نہایت پرمغز اور معلومات افزا ارشادات نقل کئے جارہے ہیں۔

اوقاتِ عبادت کی حکیمانہ تشریح

ایک انتہائی پیچیدہ مگر مبتلا بہ سوال کہ جن ملکوں میں چھ مہینے کا دن، چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں نماز، روزوں کی ادائیگی کا مسئلہ کیسے ہوگا؟ اس سلسلہ میں کیا معیار ہوگا؟ اور کیا پیمانہ؟ ذیل کی تفصیلات حضرت حکیم الاسلامؒ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے تو آپ کو لگے گا کہ واقعی مشکل مسائل حکیم الاسلامؒ کے ہاتھ میں ایسے ہیں جیسے برتن بنانے والے کی مٹھی میں گیلی مٹی، گویا کہ لوہے کو موم کر دینے والا استنباطی ملکہ یا پھر مجتہدانہ عبقریت۔

سوال : علماءِ اصول کے نزدیک نماز کے لئے وقت سبب ہے اور روزہ کے لئے ظرف ہے۔ اگر واقعی وقت ہی سبب وجوب بھی ہے تو جن خطوں میں رات چھ چھ مہینے کی ہیں وہاں تو چھ ماہ میں صرف پانچ ہی نمازیں ہونی چاہئیں؟

جواب : ''اس کے لئے جواب صریح حدیث ہے جس میں اس کا اصول ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بنص حدیث دجال پوری دنیا میں چالیس دن میں گھوم جائے گا اور اس کی مسافت کا پہلا ایک دن چالیس دن کے برابر ہوگا، اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہؐ اس ایک دن میں نماز کس طرح اور کتنی پڑھی جائیں گی؟ گویا سوال کا حاصل یہ تھا کہ اگر وقت سبب ہے تو چالیس دن کے برابر ایک دن پورے دن کی تین ہی نمازوں کی وسعت رکھے گا۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس دن میں نمازیں حساب سے پڑھی جائیں گی، یعنی چوبیس گھنٹہ کا ایک دن رات لگا کر پانچ نمازیں ان چوبیس گھنٹوں میں پڑھی جائیں گی، اس لئے نماز کا مسئلہ تو صاف ہوگیا۔ اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ وقت خاص سبب نہ رہا کیوں کہ عمل صلوٰۃ حساب پر دائر ہوگیا، سبب تو طلوع وغروب تھا نہ کہ مطلق وقت، سواس حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ وقت کی حقیقت کیا ہے؟ سو ظاہر ہے کہ وقت کی حقیقت اور ذات یہ لیل ونہار نہیں ہیں بلکہ مسافت زمانی ہے، یہ لیل ونہار اور یہ روشنی و ظلمت وقت نہیں بلکہ وقت کے الوان ہیں جو اس پر عارض ہوتے ہیں، وقت ہر صورت قائم رہتا ہے، اگر وقت کی ذات دن ہوتا تو دن ختم ہونے پر وقت محو ہو جاتا حالاں کہ رات آتی ہے تو اسے بھی وقت ہی کہتے ہیں، اسی طرح اگر وقت کی ذات رات ہوتی تو رات گزرتے ہی وقت فنا ہو جاتا حالاں کہ رات گزر کر دن آتا ہے تو اسے بھی وقت ہی کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ رات اور دن کی یہ نورانی اور ظلمانی شکلیں خود وقت نہیں بلکہ وقت کے اوپر طاری ہونے والی صورتیں ہیں جو وقت کے عوارض کہلائیں گے۔ ان تمام عوارض میں قدر مشترک وقت ہے، پس وقت زمانی مسافت کا نام ہوا نہ کہ نور وظلمت یا چاندنے اور اندھیری کا نام، جنت میں رات دن نہیں بلکہ یکسانی کے ساتھ یکساں ہی حال ہوگا اور اسے وقت ہی کہیں گے، قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا جس پر رات آئے گی ہی نہیں مگر اسے بھی وقت ہی کہا جائے گا۔''

نزول مطر اور نزول ماء

اس عنوان کے تحت حکیم الاسلامؒ نے ایک مشہور سائنسی مسلّمہ کا شریعت کی روشنی میں کس طرح جائزہ لیا ہے کہ سبب قریب کے ادراک سے سبب بعید کی نفی نہیں ہوا کرتی، باقی تفصیلات آپؒ ہی کی زبان سے سنئے:

فرمایا : ''قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءَ مَاءً طَهُوْراً اور فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرْ وَ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْناً فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ قُدِرْ. حالاں کہ بارش بظاہر مانسون ہوتی ہے اور پانی آسمان سے نہیں سمندر سے آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعت اسباب ظاہری

کو رد نہیں کرتی بلکہ باطنی اسباب پر مطلع کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ بارش کا ظاہری سبب مانسون ہو لیکن خود مانسون کا سبب دوسرا ہے جو بارش کا حقیقی سبب ہوگا، جیسے دنیا کی شدید گرمی کو فیح جہنم سے پیدا شدہ فرمایا گیا، حالاں کہ سبب ظاہری وقریبی تپش آفتاب ہے، پس شریعت نے اس تپش کو رد نہیں کیا بلکہ تپش آفتاب کے سبب پر مطلع کیا کہ وہ جہنم ہے''۔

علماءِ دیوبند کا مسلک

علماءِ دیوبند کا مسلک کیا ہے؟ کیا یہ کوئی فرقہ ہے جو سوادِ اعظم سے دوسرے فرق ضالہ کی طرح کچھ حاشیہ پر ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الاسلامؒ کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے:

''علماءِ دیوبند کے مسلک کے بارے میں ابتداء ذات بابرکات حق سے کی جائے کہ وہ سرچشمۂ کمالات وبرکات ہے، مصدر خیرات ہے، ہر خیر اسی کی ہے اور اسی کی طرف جانے والی ہے۔ لیس کمثلہٖ شیٔ.

پھر انبیاء علیہم السلام ہیں کہ عباد مکرمون ہیں، معصوم از کبائر وصغائر قبل از نبوت وبعد نبوت۔ ان کی محبت، ان کی عظمت، ان کی اطاعت اصل ایمان جانیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلی الخلائق جانیں لیکن معبود نہ سمجھیں۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ''.

صحابۂ کرامؓ

صحابۂ کرامؓ شریعتِ محمدیہؐ کے اوّلین مخاطب ہیں، مزاجِ نبوت کے شناسا ہیں، اسلام کا عہد اوّلیں ان کی نظروں میں ہے اور وہ اسلام کے عہد زریں کا بہترین اثاثہ ہیں، شرعاً ان کی حیثیت کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

فرمایا: ''صحابۂ کرامؓ مقدسین امت ہیں، کلہم عدول امت ہیں، کوئی بھی شرف صحابیت کو نہیں پہنچ سکتا، ان کو معیارِ حق جانیں، وہ معیارِ تشریع کے علاوہ تمام علمی وعملی کمالات کے بعد از نبوت معیار ہیں''۔

فرمایا: ''ہر فکر اور عقیدہ جو دین سے متعلق ہو صحابہ ہی کے اقوال وافعال کو اس کا معیار بنانے میں امن ہے ورنہ فرقہ باطلہ خود فکری اور خود نظری سے بنے ہیں، یہ عقل کو منجمد کر دینے کا مشورہ نہیں ہے بلکہ اسے حدودِ مقررہ میں استعمال کرنے کا مشورہ ہے، جس طرح قرآن حکیم میں فکر وتدبر اگر بمقابلہ نص ہو تو یہ ابلیسی قیاس ہے اور اگر اس کی مرادات ماثورہ کے دائرہ میں رہ کر ہو تو وہ علومِ قرآنی میں وسعت کی دلیل ہے، جس

سے عجائبات قرآنی واشگاف ہوتے ہیں۔ ایسے ہی صحابہؓ کے قول وعمل اور ان کے مذاق کے دائرہ میں رہ کر عقل کو استعمال کیا جائے تو یہ عقل کی عبادت بھی ہے اور علوم میں اضافہ بھی ہے اور اس کے معنی صحابہؓ کے معیارِ حق ہونے کے ہیں۔ ورنہ خود فکری اور خود نظری وہی زلّہ ہے کہ پھر آدمی کا سنبھلے رہنا اور فرقہ ناجیہ کی حدود کو قائم رکھنا عرفِ شریعت میں ناممکن ہے، ورنہ صحابہ کو معیار نہ بنایا جاتا۔ گو حقیقی معیار ذات بابرکات نبوی ہے مگر آپ کی معیاریت کا تعارف سوائے صحابہؓ کی زندگی کو سامنے رکھنے کے ممکن نہیں ہے جب کہ آپ کی سنتیں صحابہؓ میں ہی اول آئیں اور ان کے ذریعہ مختلف ممالک میں ہی پہنچنے اور وہاں کے مختلف حوادثات دیکھنے سے انہوں نے ان سنتوں کو مختلف رنگوں سے کس کس طرح نمایاں کیا ہے؟ جس سے ان سنن مبارکہ کے الوان نمایاں ہوئے اور امت کے حق میں توسع کی صورتیں پیدا ہوئیں تو انہیں کے ذوق کے دائرہ میں رہ کر عقل صافی کو بھی کام کرنے کا موقع ملا اور ملتا رہے گا، اس لئے یہ اتباع عقل کو منجمد نہیں کرے گا بلکہ اسے دوڑنے کے لئے میدان فراہم کرے گا''۔

اولیاء کرام

ایک جماعت اولیاء کرام کی ہے، سب جانتے ہیں مگر ان کے تئیں اہل ایمان کا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ اور ان کی عظمت، مرتبہ ومقام کے مناسب کون سا طریقہ مناسب سمجھا گیا ہے، ذرا اس کو بھی دیکھئے:

فرمایا: ''اولیاء کرام کی محبت وعظمت کو علامت ایمان جانیں، ان کی قبور کی زیارت کو باعث خیر و برکت سمجھیں، وہاں کی حاضری حدودِ شریعت میں کریں۔''

علم

علم کیا ہے؟ علماء اور محققین کی زبان میں اعتقادِ جازم کا نام علم ہے، جس میں قلب اور عقل دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ خالی عقل گمراہی کا سبب ہے۔ اگر وحی کی روشنی اس کو میسر آ جائے اور معرفت قلب بھی تو سبحان اللہ ورنہ ایسا علم جس کا دار و مدار خالص عقلیات، حاسّہ اور حواس پر ہو کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ ذیل میں حکیم الاسلامؒ کی روح پرور تجزیہ کے تناظر میں ملاحظہ کیجئے:

فرمایا: ''علم وہ ایک علم الٰہی ہے، بقیہ سب حس واحساس کے دائرہ کی چیزیں ہیں، علم یا خبر صادق وحی سے آتا ہے یا وحی میں تدبر کر کے عقل تربیت یافتہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کا نام اجتہاد واستنباط ہے۔ پس عقل موجد معلومات نہیں لیکن موجود معلومات میں تحلیل وترکیب کا کام انجام دے سکتی ہے۔ اگر اسے

آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو اس کے دوڑنے کا ایک میدان انکار خدا بھی ہے، انکار رسول بھی ہے، انکار دین بھی ہے مگر کیا اسے اہل ذوق گوارہ کر سکتے ہیں؟ نہیں۔ تو اس سے واضح ہے کہ عقل کو آزادئ محض دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔''

عبادت

عبادت کے عام مفہوم سے سب واقف ہیں، مگر عبادت کا شرعی اور حقیقی مفہوم کیا ہے؟ ذرا حکیمانہ انداز سے اس کی ایک جھلک دیکھئے:

فرمایا: ''جب نفس انسان کی تخلیق کی غرض وغایت عبادت ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اجزاء انسانی کی تخلیق کی عبادت نہ ہو، پس زبان پیدا کی گئی ذکر کے لئے ضمناً کھانا اور چکھنا بھی ہے۔ انگلیوں کے پوروے پیدا کئے گئے، عقد انامل کے لئے ضمناً گرفت بھی ہے، ہاتھ پیدا کئے گئے مجاہدہ کے لئے پیر پیدا کئے گئے مشی بالذکر کے لئے، ضمناً مشی بالدنیا بھی ہے، آنکھ پیدا کی گئی رویت جمال وآثار جمال کے لئے، نہ کہ تفریح نفس کے لئے، حواس پیدا کئے گئے محسوسات سے مغیبات کی طرف جانے کے لئے، عقل پیدا کی گئی اثبات حقائق الٰہیہ کے لئے کہ اس کا ذکر بھی ہے، قلب پیدا کیا گیا مشاہدۂ احوال کے لئے اور تبسیط اخلاق کے لئے، قوائے غضبیہ پیدا کئے گئے اقہار اعداء اللہ کے لئے، قویٰ ملکیہ پیدا کئے گئے تقرب کے لئے، معدہ پیدا کیا گیا تقوّی علی العبادت کے لئے، دماغ پیدا کیا گیا تفکر آخرت کے لئے اور روح تو آئی ہی تھی اس شرط پر کہ اسے ذکر کے مواقع دیئے جائیں تو اس کی وجہ تخلیق ماسوائے ذکر اور کچھ ہے ہی نہیں۔ رہا عالم آفاق تو وہ مجموعہ وسائل زندگی ہے نہ وہ موضوع زندگی ہے نہ مقصد زندگی۔ اس لئے اس کے تو ہر جزء کو ہی وسیلۂ ذکر وعبادت بنایا جائے گا۔ مثلاً کھانا، پینا، پہننا نہ خود عبادت نہ مقصد بلکہ بعض عبادتیں بنتی ہیں کہ یہ کھانا، پینا، پہننا چھڑا دیا جائے جیسے روزہ کہ ہے ہی ترک اکل ومشروب وجماع اور جیسے حج کہ ہے ہی ترک **الالتذاذ بالنساء وباللباس وبالمکان و بجمیع وسائل الدنیا** کہ ان کی تقلیل مقصود ہے جو قدرتاً بھی ہو جاتی ہے۔ معرفت اشیاء کیوں ہے تاکہ اس کے ذریعہ معرفت خالق ہو، اس لئے تکوینیات پر رجوع الی اللہ رکھا گیا ہے، جیسے لیل ونہار کا انقلاب طلوع وغروب کا انقلاب، نوم ویقظہ کا انقلاب، صحت ومرض کا انقلاب، نقل وحرکت کا انقلاب۔''

انسان مرکز عالم ہے

اس عنوان کی معنویت کو صحیح معنی میں حکیم الاسلامؒ کی زبان ہی سے سمجھا جا سکتا ہے:

فرمایا : ’’مرکز صحیح ہوتا ہے تو محیط بھی صحیح رہتا ہے اور وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے عالم میں خرابیاں آ جاتی ہیں، تکوین ہو یا تشریع سب کا مدار انسان پر ہے۔ تکوینی طور پر فرمایا گیا **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاس** اور تشریعی طور پر اگر انسان میں ایمان ہو تو ظلم و جور پر کمر باندھے گا، تب بھی عالم بگڑے گا، آج فساد تکوینیات میں ہے جیسے حدیث میں ہے کہ اگر زکوٰۃ نہ دی جائے تو عالم میں شح اور بخل پھیلے گا۔ اس سے بارشیں بند ہوں گی، ایمان بگڑتا ہے تو اخلاق بگڑتے ہیں، اخلاق بگڑنے سے اعمال میں تباہی آتی ہے اور بر و بحر میں فساد پھیلتا ہے، انسان میں مرکز قلب ہے یہ درست ہے تو سارا انسان درست ہے، ورنہ فاسد ہے اور انسان فاسد ہے تو عالم فاسد ہے۔‘‘

مقصدِ زندگی

ارشادِ خداوندی: **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ** کی تشریح حضرت حکیم الاسلامؒ کے دل نشیں انداز اور حکیمانہ اسلوب میں ملاحظہ فرمایئے:

فرمایا : ’’دنیا میں ہر حرکت کا کوئی مقصد ہوتا ہے، زندگی بھی ایک مستقل حرکت ہے۔ اپنی حرکت بھی ہے کہ انسان عالم الست سے چلا، عالم رحم میں آیا، پھر عالم دنیا میں آیا، پھر عالم برزخ میں جائے گا، پھر عالم حشر کو سدھارے گا، پھر عالم جنت اس کے لئے ہے۔ غرض ہر عالم میں انتقال ہے، ارتحال ہے، ایک سے دوسرے عالم کی طرف اور ساتھ ہی ترقی کے ساتھ یعنی وہ ارذل عالم سے اعلیٰ و اشرف عالم کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ جس سے انسان کا ابدی ہونا ثابت ہوتا ہے گو ازلی نہیں اور ارتقاء ثابت ہوتا ہے، پھر اس اپنی حرکت کے ساتھ اس میں وضعی حرکت بھی ہے جو زندگی کی علامت ہے، اس کا قلب متحرک، اعضاء متحرک، معدہ متحرک، جگر متحرک، پھر عمل کی حرکت جسے کسب معاش کہتے ہیں۔ پھر علمی حرکت بھی ہے، قوت فکر یہ بھی متحرک ہے، غرض انسان کا ذرہ ذرہ حرکت ہی ہے جس سے اسے زندہ سمجھا جاتا ہے، جس سے واضح ہے کہ زندگی نام ہی حرکت کا ہے۔ پس زندگی خود متحرک، اس کے آثار متحرک، حرکت مکانی الگ اور حرکت زمانی الگ، حرکت وضعی الگ، حرکت وصفی الگ، حرکت حالی الگ اور حرکت قالی الگ، کہ انسان کی ساری عملی حرکتوں کو نطق میں لانا، لکھنا ممکن نہیں اور جب کہ ہر حرکت کا کچھ نہ کچھ مقصد ہونا لازمی ہے؛ ورنہ وہ حرکت بے فائدہ ہو جائے گی جس سے حکمت حق وابستہ ہے تو زندگی کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہئے۔ حرکت قالی خطباء و علماء کی ہے، حرکت فکری حکماء کی ہے، حرکت قلبی عرفاء کی ہے، حرکت قلمی کاتبوں کی ہے۔‘‘

بین الاقوامی دین

بین الاقوامی تمدن کے اس دور میں بین الاقوامی دین کا ہونا، اس بات کو حکیم الاسلامؒ اس طرح فرماتے ہیں:

''اگر آج تمدن انسان کے لئے ضروری ہے تو اسلام آج کے دور میں اور زمانوں سے کہیں زیادہ ہے کیوں کہ آج کا تمدن بین الاقوامی ہے تو آج کے دور میں مذہب بھی بین الاقوامی ہی کارآمد ہوسکتا ہے۔ آج نہ تمدن میں انفرادیت چل سکتی ہے نہ تدین میں اور بین الاقوامی دین اگر ہوسکتا ہے تو اسلام ہوسکتا ہے۔''

مذاہب کے پرکھنے کا معیار

ذیل میں حکیم الاسلامؒ نے مذاہب کو پرکھنے کے تین اصول ذکر فرمائے ہیں:

''مذاہب کے پرکھنے کے بنیادی طور پر تین اصول ہیں۔ ایک روایت، ایک درایت، ایک عدالت یا نقل وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عقل تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ عدل وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا روایت بمعنی استفادہ ہے نہ کہ محض نقل وتفوہ کہ منہ چلتی بات ہو، درایت بمعنی حکمت ہے نہ بمعنی فلسفہ، عدالت بمعنی توسط ہے نہ کہ افراط ہو نہ تفریط۔

اہل سنت والجماعت اوراس کے عناصر ترکیبی، کا خلاصہ ذیل کے چند جملوں میں فرمایا:

''۱- لا دين الا بالعلم ۲-ولا علم الا بكتاب الله ۳-ولا كتاب الا بمراده ۴-ولا يتبين مراده الا بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ۵-ولا تتضح السنة الا بكلام الفقهاء ٦-ولا يفيد كلامهم الا بالانصباغ ۷-ولا يتم الانصباغ الا بالتزكية ۸-ولا تتأتى التزكية الا بمعية الشيوخ وملازمتهم و اتباعهم.

علم کی حقیقت

حکیم الاسلامؒ کی زبان سے علم کی عارفانہ تشریح کا ایک نمونہ:

''علم وہ ہے جو ایمان میں سے برآمد ہو کیوں کہ ایمان کی حقیقت دو چیزوں سے مرکب ہے، معرفت اور محبت۔ معرفت علم کا انتہائی مقام ہے اور محبت شغف وعشق کا ابتدائی مقام ہے۔ پس مؤمن وہ ہے جو معرفت حق اور محبت حق رکھے اور اس معرفت کے راستہ سے پھر دوسروں کی معرفت کرے اور اس محبت کے ذریعہ سے دوسرے کی محبت کرے۔

''اقوام کے مزاج کے مطابق ہی احکام اترتے ہیں، یہود کا مزاج طبعاً تنگ تھا تو احکام بھی تنگ اور ضیق دیئے گئے، بغوی نے لکھا ہے کہ نوف البکائی الحمیدی نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہم سے ملاقات کے لئے منتخب کیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا کہ میں تمہارے لئے زمین کو مسجد اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادوں گا جہاں بھی تم پر نماز کا وقت آئے گا تم نماز پڑھو گے سوائے حمام یا قبر یا پائخانہ کے اور میں تمہارے دلوں میں سکینہ ڈال دوں گا تا کہ تم سکون حاصل کرنے کے لئے دنیا کے زیب وزینت کی طرف متوجہ نہ ہو، میں تم کو ایسا بنادوں گا کہ تم تورات کو بے دیکھے پڑھو گے، اس کو مرد عورت اور آزاد اور غلام اور چھوٹا اور بڑا پڑھیں گے، تو موسیٰ نے یہ بات اپنی قوم کو سکھائی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مطلع کیا اور ان سے مشورہ لیا، گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یہ احکام قبول کرنے کے لئے اختیار کیا تو قوم نے کہا کہ ہم صرف کنیسہ میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور ہم تورات بغیر دیکھے پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور ہم اس کو دیکھ کر ہی پڑھنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تورات ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں (تو اس سے کفار نکل گئے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو بغیر دیکھے پڑھنے پر قادر نہیں ہیں اور وہ اپنی عبادت گاہوں کے علاوہ جہاں چاہے نماز نہیں پڑھتے ہیں) وہ لوگ جو ایک رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں، اس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (تو اس سے یہود و نصاریٰ نکل گئے) وہ رسول ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور ان کو منکر سے روکتا ہے''۔(۱۰۶)

اسلام کے پانچ بنیادی شعبے

دین اسلام کے پانچ شعبہ جات کی حکیمانہ تشریح اور بصیرت مندانہ تدابیر کا ذکر اس طرح فرمایا:

''اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات، سیاسیات۔

اعتقادات کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے، اگر ان میں ایک بھی نہ ہو تو عقیدہ نہیں بن سکتا۔

عبادات کی بنیاد اخلاص و اتباع پر ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو عبادت نہیں بن سکتی۔

اخلاقیات کی بنیاد مساوات و ایثار پر ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو خلق مطلوب نہیں بن سکتا۔ انعام ابتدائی مقام ہے، ایثار درمیان اور احسان انتہائی ہے۔ اول خلق حسن ہے، دوسرا خلق کریم ہے، تیسرا خلق عظیم ہے۔ معاملات کی بنیاد صدق و عفاف پر ہے۔ اگر ایک بھی نہ ہو تو معاملہ سچا نہیں ہوسکتا۔

سیاسیات کی بنیاد عدل و خشیت پر ہے۔ اگر ایک بھی نہ ہو تو سیاست تربیت نہیں بن سکتی لیکن ان تمام

ابواب دین میں رسائی اور رسوخ حسن معاشرت اور صفائی معاملات پر موقوف ہے، خواہ وہ تدبیر منزل سے تعلق رکھتے ہوں یا قبائل و ماحول اور حلقہ جات سے، تدبیر منزل میں خانگی امور بالخصوص عورتوں کی اصلاح و رعایت، ان کی عفت و پاک دامنی، حجاب و پردہ ان کی گھریلو تعلیم، اولاد کی تربیت اور اداء حقوق وغیرہ، پھر قبائلی معاملات میں صدق و عفاف، نیت کی اصلاح، رسوم مروجہ کی پابندی کے بجائے رسوم دین کی پابندی پر ہے۔ افراد درست ہو جائیں تو قوم درست ہو جاتی ہے، جس سے سیاست مدنی بنتی ہے اور اس طرح دین اور نظم دین دونوں صحیح رہ سکتے ہیں۔ اداءِ حقوق اور انسدادِ اتلاف حقوق کے لئے سیاست ہے۔ اسلام کی سیاست کی بنیاد جو سیاست نبوت ہے خوف خدا اور عدل حقوق کے لئے سیاست ہے۔ اسلام کی سیاست کی بنیاد جو سیاست نبوت ہے خوف خدا اور عدل پر ہے۔ مکر و فریب، گندم نمائی اور جو فروشی پر نہیں یہ نفاق بقاء اقتدار اور حصول جاہ و مال کے لئے کیا جاتا ہے، لیکن اسلام نے ایسے اقتدار پسندی تخت و تاج اور بادشاہی کا خاتمہ کر کے خلافت رکھی ہے اور طالب اقتدار کو سونپنے کی ممانعت کی ہے، وہاں تنازع للبقاء ہے اور یہاں فنا للبقاء ہے، وہاں اقتدار نفس ہے اور یہاں اقتدار رب ہے، وہاں اپنی بادشاہت ہے، یہاں خدا کی بادشاہت ہے، اس طرح جب معاشرت صحیح ہوگی تو امن و سکون ہوگا اور عبادت کے لئے سب سے پہلے امن و سکون کی ضرورت ہے۔ فتنہ میں عبادت کے بجائے خود نہیں رہتی، اس لئے اسلام نے دین پھیلانے کے لئے کبھی تلوار نہیں اٹھائی، فتنہ فرو کرنے کے لئے اٹھائی ہے۔ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ پس عبادت ہو یا اخلاق، سیاست ہو یا نظم ملت، حسن معاشرت اور سچائی معاملات پر موقوف ہے اور اس میں فرد کی اصلاح و تربیت مقدم ہے، سیاست کے دو شعبے ہیں: ایک تحفظ ملک کی سیاست، اسے بیرونی سیاست کہا جا سکتا ہے۔ ایک اندرونِ ملک معاملات اس کا نام محکمۂ قضاء اور شرعی عدالت ہے، جس سے شریعت مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہے، پس قضاء کا کام مسلمانوں پر حکم شرعی کا اجراء اور عسکریت کا کام ہے تحفظ ملک کے ساتھ اللہ کے ملک میں اس کے دین کا اجراء و نفاذ، قضاء کے ساتھ قوت شامل ہوتی ہے، یہی فرق ہے افتاء اور قضاء میں لیکن اگر سیاسی قوت و شوکت نہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری اخلاقی رنگ میں علماء اسلام پر عائد ہوتی ہے مگر اس میں دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک علم صحیح دوسرے فہم سلیم، مجتہدین کے فیصلے کمال علم پر دلالت کرتے ہیں جیسے کمال فہم پر دال ہیں''۔

اکمال دین

حکیم الاسلامؒ نے فرمایا کہ اکمال دین کا پہلا اثر توحید و رسالت میں ظاہر ہوتا ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ دین کی بنیادیں دو ہیں، توحید و رسالت، اس لئے تکمیل کا پہلا اثر اسی دور میں ظاہر ہوسکتا تھا اور وہ یہ کہ توحید تو اتنی کامل ہو کہ شرک کا شائبہ باقی نہ رہے اور رسالت اتنی کامل ہو کہ الحاد و اختراع یعنی بدعت کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے، ورنہ مطلق توحید اور مطلق رسالت تو ہر دور میں اور ہر امت میں رہی ہے۔''

انسان مرکز عالم ہے

اس عنوان کے تحت حکیم الاسلامؒ اکثر مقامات پر حکیمانہ انداز میں عجیب عجیب نکات بیان فرماتے ہیں:

''اسلامی کائنات کا مرکز انسان ہے، اس کے اردگرد سارے جہاں گھوم رہے ہیں اور منافع متعلقہ نمایاں ہورہے ہیں۔ اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ گویا اس سے دنیا وجود پذیر ہوئی ہے، اس لئے حضرت آدمؑ کو ساری کائنات بنانے کے بعد پیدا کیا کہ سامان پہلے مہیا ہوجائیں۔''

زبان و بیان

زبان و بیان اظہار مافی الضمیر کا ذریعہ ہے، حکیم الاسلامؒ ذیل میں مافی الضمیر کے اظہار کے مختلف وسائل کا ذکر فرمایا ہے:

''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانْ. حق تعالیٰ نے کائنات کو وجود بخشا جو انمول ہے، محض فضل ہے اَللّٰهُ خالق کل شئ پھر ہر ایک کے مناسب اس میں ہدایت پیوست کی جس پر طبعاً وہ گامزن ہے جیسے ہر جانور کا اپنے اپنے مناسب حال گھونسلہ بنانا، غذا چن کر لانا، پال پرورش اور تسبیح الٰہی کرنا رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی.

پھر ایک کو اظہار ضمائر پر قدرت دی کہ اپنے اپنے مناسب حال مافی الضمیر کا اظہار کرے، اس لئے جیسے ہر ایک کے بہت سے افعال طبعیہ میں ایسے ہی ہر ایک میں اظہار مافی الضمیر بھی طبعی ہے، یہ ضمائر کا اظہار جس سے دوسروں میں اپنے باطنی آثار پہنچائے جائیں وہ مختلف ہیں یعنی اظہار ضمائر دوسروں میں چند انواع ہیں، جو کتاب وسنت سے محسوس ہوتے ہیں۔

۱-**القاء** : ایک طریقہ اظہار ضمائر کا القاء و الہام سے کائنات کے اندروں میں اثر پہنچاتے ہیں، بنص حدیث نبویؐ قلب کے دائیں جانب فرشتہ کا مقام ہے اور بائیں جانب شیطان کا اور دونوں اپنے اپنے ضمیر کی باتیں انسان میں پہنچاتے ہیں، فرشتہ ایماء بالخیر کرتا ہے اور شیطان ایماء بالشر، قرآن حکیم نے دونوں بنیادیں بتلائی ہیں، شیاطین کے بارے میں ارشاد ہے: وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِهِمْ

لِيُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. ملائکہ کے بارے میں ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ. اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ. اور رسالت کا حاصل ارسال رسالت ہے جو فکر وعمل کے لئے ہوتی ہے۔اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا یہ ارسال ظاہر ہے کہ دلوں میں نہیں ہوتا جس میں نہ صوت ہے نہ آواز لفظ مگر سب کچھ سمجھ اور سمجھا لیا جاتا ہے، اظہار مافی الضمائر کا یہ طریقہ الہام کہلاتا ہے۔

دوسرا طریقہ ہیئات میں ہے کہ کبھی ہیئت کذائی سے ضمائر کا اظہار کیا جائے، دوسرے کو متاثر کیا جائے یہاں لفظ نہیں ہوتے، آواز نہیں ہوتی مگر بات سمجھی جاتی ہے، کبھی ایک ہیئت سے تسلیم ورضاء کا اظہار ہوتا ہے، آواز وصوت نہیں ہوتے''۔

تدبیر وعلاج

فتن ومہالک سے حفاظت کی کچھ شرعی تدابیر اور علاج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''آج فتن ومہالک کا دور دورہ ہے، مسلمانوں کے لئے شخصی اور قومی اجتماعی فتن اور ہلاکتوں کی بہتات ہے، مسلمانوں کے جان ومال کا اتلاف ہے، قوت دفاع تک ان کے پاس نہیں چہ جائے کہ ہجوم و اقدام کی قوت ہو، اس صورت میں بچاؤ کی کیا شکل ہے؟ سواس صورت میں حق تعالیٰ نے راستے بتلا دیئے ہیں جو چار اجزاء پر مشتمل ہیں۔

سب سے پہلے دین کا تحفظ سو اس کے لئے فرمایا يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تقویٰ کے مراتب اور معیت ومجاورت وملازمت کے طبعی اور عقلی اثرات سے دین کا تحفظ ہوگا یعنی عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلحاظ دین درست رہیں۔ دوسری چیز دنیا ہے سو اس کے لئے فرمایا وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اس میں حریصانہ اور حاسدانہ نگاہ سے بچا کر طلب حلال کی طرف متوجہ کیا گیا ہے یعنی کسب معاش کا وجود ضروری قرار دیا ہے۔

حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ایک ہزار صنعتیں سکھلائی تھیں کہ دنیا ان سے کماؤ، دین کے ذریعہ دنیا نہ بناؤ، اس طرح پیشے رکھے گئے غرض صنعت وحرفت، پھر تجارت وملازمت وغیرہ اب آگے مسلمانوں کی قومی شیرازہ بندی ہے جس سے ان میں اجتماعیت بحال ہو اور شوکت قائم ہو کہ اس کے بغیر فرد کا

وجود باقی نہیں، سواس کے لئے ابن کثیر کی حدیث ہے، جس میں پانچ اسباب شوکت بیان فرمائے گئے ہیں۔فرمایا مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں ہیں: **الجماعة، السمع، الطاعة، الهجرة، الجهاد.**

جماعت بغیر مرکز کے نہیں ہوتی تو انتخاب امیر وامام ناگزیر ہوا اور پھر سمع وطاعت اور آخر کار ہجرت وجہاد ہے، یہ شوکت وقوت کی فراہمی ہے، یہ نہ ہوں تو پیدا کرنے کی سعی کی جائے۔ **وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ** ضرورت ہے کہ تنظیم ہو پھر توسیع اثر واضافۂ حلقہ ہوتا کہ برادری اسلامی پڑھے تو اس کے لئے دعوت رکھی گئی ہے۔ **اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ** امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت۔ ان چار اجزاء پر عمل درآمد ہوگا تو مصائب سے بچاؤ ہوگا۔

اسلام جامع دین ودنیا ہے

اسلام میں دین اور دنیا دونوں کے حالات کی رعایت اور دونوں کے مناسب تعلیمات موجود ہیں۔ حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے معانی اسلام میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو جوڑ دیا ہے، نماز طلب آخرت ہے، دنیا سے یکسو ہو کر اور زکوٰۃ ہمواریٔ دنیا ومعاملات دنیا ہے لوجہ اللہ، وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لئے نصاب شرط ہے اور نصاب کے لئے کسب معاش اور طلب حلال کہ اس کے بغیر عبادت ادا نہیں ہوسکتی تو جیسے نماز سے دین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے ایسے ہی زکوٰۃ سے دنیا کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے، جس سے اسلام کا جامع دین ودنیا ہونا واضح ہے۔''

انسانیت کے حقوق

اسلام انسانی حقوق کی رعایت اور تحفظ کا علمبردار ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسولؐ میں حقوق اللہ کے دوش بدوش حقوقِ انسانی کا جابجا ذکر ملتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ نے اس عنوان کے تحت تفصیلی گفتگو فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''سب سے پہلی چیز انسانی کرامت ہے جو اسلام نے قائم کی ہے۔ **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ** جس کی صورت یہ ہے کہ اسے خالق کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکایا، **ان الدنيا خلقت لكم و انكم خلقتم للآخرة** جس سے واضح ہے کہ کمال توحید سے بڑھ کر عمومیت اور ہمہ گیری کسی اور دائرہ میں نہیں ہے۔

پھر یہ کرامت بلا امتیاز وتخصیص رکھی ہے اور اسے بنیادی حقوق میں شمار کیا ہے جو سارے انسانوں

کے حق میں برابر ہیں۔ **کما فی الحدیث لا فضل لعربی علی عجمی ولا لابیض علی اسود الا بالتقویٰ**"۔

اخوت

اخوتِ انسانی قرآنی مضامین کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ حکیم الاسلامؒ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سارے انسانوں کو ایک برادری اور ایک کنبہ بنانا چاہتا ہے۔ **وحدۃ الاسرۃ الانسایۃ کما فی الحدیث الخلق کلھم عیال اللّٰہ واحبھم الیہ وانفعھم لعیالہ۔**

تعارف وتعاون باہمی کی دعوت عامہ تمام بنی نوع انسان کے لئے **لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقٰتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ۔**

انسانی حریت یعنی ضمیر کی آزادی کہ اس کے فکر پر کسی دوسرے کا جبر واکراہ نہیں حتی کہ دین میں بھی نہیں، **فضلاً عن الدنیا کما فی قولہٖ تعالیٰ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔** "

رحمت وشفقت عامہ

اسلام میں شفقت ومحبت کی تعلیم ہے، نفرت وعداوت اسلامی تعلیم کے منافی ہے:

"غلاموں کو بھی بھائی بنا دیا ہے۔ اس ہمہ گیری میں تعصّبات حائل ہو سکتے تھے جیسے جماعتی جو کسی معتقد کو سامنے رکھ کر پیدا ہوتا ہے کہ میرا ہادی ایسا اور دوسروں سے کم رتبہ، کبھی مذہبی تعصب ہوتا ہے کہ میرا مذہب ایسا اور دوسروں کا کم حیثیت، کبھی وطنی تعصب ہوتا ہے کہ میرا وطن اونچا اس لئے اس کے بسنے والے ایسے، کبھی نسل اور رنگ وروپ کا تعصب ہوتا ہے کہ ہم گورے اس لئے ہمارے حقوق اونچے اور وہ کالے، لہٰذا ان کے حقوق نہیں، کبھی جماعتی تعصب مقتداؤں کی تفصیل وتنقیص سے پیدا ہوتا ہے تو اسلام نے اسے مٹا دیا اور تمام انبیاء سابقین پر ایمان لانا فرض عین اور جزو ایمان قرار دیا۔ **قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔**"

عالم دو ہی ہیں

دنیا وآخرت کی ایک دلنشیں تشریح اور کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ:

"عالم دو ہی ہیں جنہیں ہر شخص ماننے پر مجبور ہے ایک دنیا اور ایک آخرت۔ دنیا ولادت سے شروع ہوتی ہے اور آخرت موت سے۔ یہ دونوں چیزیں ناممکن الانکار ہیں لیکن دنیا اور آخرت کا باہمی ربط کیا ہے، اس کے سمجھنے میں مختلف اقوام غلطیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ بعض نے دنیا کے معنی سمجھنے میں غلطی کی سو محض

تخیلات ہے، حالاں کہ ان دونوں کی بنیادیں سمجھنے کے لئے نقل مستند کی ضرورت تھی، یہ غیبی چیز تھی جسے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے سمجھا جاتا نہ کہ عقل محض سے، جو خود انسان کا اپنا ہی ایک خلقی مادہ اور طبعی غریزہ ہے اور محض محسوسات تک محدود ہے، غیبیات کے دائرہ سے اس حاسہ کا تعلق ہی نہیں۔ بعض اقوام نے تو آخرت کے معنی یا موت کے معنی فناءِ مطلق سمجھے کہ جو گیا وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اب نہ اسے پھر زندہ ہونا ہے نہ کہیں جانا ہے۔ اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ ان کا تمام تر مقصد دنیا ہی دنیا رہ گئی اور وہ اسی میں منہمک ہو کر ختم ہو گئے۔ یہ وہ متمدن اقوام ہیں جن کا دین ہی تمدن اور اس کے وسائل عیش کی تکثیر اور اس کے جوڑ توڑ میں عمر ختم کر کے مٹی میں جا کر ملنا ان کا پیغمبران کی عقل نارسا اور مادۂ دین یہی عناصر اربعہ اور شریعت بدنی منافع کا جوڑ توڑ لگاتے رہنا ہے۔"

عقل محض اور شرعی لائحہ عمل

عقل انسانی قانون سازی کی اہلیت نہیں رکھتی، قانون پر عمل کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا قوانین وضع کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے:

"عقل محض شرعی پروگرام نہیں بناسکتی یعنی قانون جو جزئیات مطلوبہ پر مشتمل ہو یہ کام وحی کا ہے کیوں کہ جزئیات مطلوبہ کے معنی مرضی الٰہی کے ہیں اور مرضئ بالحق کا پتہ عقل محض سے نہیں چل سکتا بلکہ وحی سے ہوسکتا ہے اور اگر کچھ بنا بھی لے اور یہ سمجھ لے کہ یہی مرضی ہوگی جو معقول ہے حالاں کہ یہ ضروری نہیں کیوں کہ عقلیں متفاوت بھی ہیں اور مریض بھی ہوتی ہیں تو وہ اعمال پر آثار اور ان کے ذاتی خواص کا پتہ نہیں چلاسکتی، جیسے مادیات میں چل جاتا ہے کہ زہر کی خاصیت موت ہے امرت کی حیات، وہ یہ نہیں بتلا سکتی کہ مثلاً وضوء کی کیا خاصیت ہے؟ بخار کی کیا ہے؟ اور ان کے عواقب کی صورت مثالی کیا ہے؟ کیوں کہ ہر عمل کی ایک صورت مثالی ہے عالم مثال میں، عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے، جیسے مال کی شکل بلحاظ آثار کے سانپ کی ہے، غضب کی صورت آگ کی ہے، رحمت کی شکل پانی کی ہے، گناہ کی شکل نجاست کی ہے، نوع نیکی کی شکل طہور کی ہے اور بفرض محال اگر خواص اعمال کا پتہ چل بھی جائے تو ان کی مقبولیت عنداللہ کا پتہ نہیں چلاسکتی کہ وہ خود قبول بھی ہوں گے یا نہیں۔"

موجودہ دنیا کی ترقیات

ترقی کھانے پینے اور وسائل معیشت کو بہتر بنانے کا نام نہیں ہے۔ ترقی کی حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی اعتبار سے انسان آگے بڑھے:

''ترقی نام کھانے پینے یا وسائل معیشت کو خوبصورت بنانے یا ان کے بڑھا لینے کا نہیں ہے کہ یہ تو حیوانی اور بہیمی ترقی ہے، انسان کی ابتدائی ترقی عقلی ہے یعنی انسانی ترقی، درحقیقت مصالح کلیہ کی رعایت کا غلبہ ہے جو عقل سے ہوتی ہے اور امور عقلیہ میں ترقی ہے اور آگے بڑھ کر امور عرفانیہ میں ترقی ہے وہ اس سے اعلیٰ ہے کہ مشاہدہ حق ہو جائے اور ان چیزوں کا جسے اخلاق کہتے ہیں۔''

عقل و عشق

اس عنوان کی اشعار کے ذریعہ ایک دلنشیں تشریح:

فرمایا: کام عقل سے نہیں ہوتا جذبہ سے ہوتا ہے اور وہ جذبہ ہی عشق ہے مطلوب کے ساتھ۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد است فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

عشق گوید شش جہت راعیست حدے بیش نیست

عشق گوید ہست را ہے بارہا من رفتہ ام

حدیث رسول کے معتبر ہونے کا ماخذ اور دلیل

حدیث رسولؐ درحقیقت قرآن کریم کی تشریح وتفسیر:

''حق تعالیٰ نے فرمایا: **وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم** اس سے واضح ہوا کہ رسول حق کا کام بیان قرآن ہے، جن الفاظ میں رسول بیان قرآن فرمائیں یا بیان کے سلسلہ میں جو مضمون ارشاد فرمائیں وہی حدیث ہے''۔

حقوق

غیر مسلموں کے حقوق کی بھی اسلام نے رعایت کی ہے مگر کہاں تک؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''غیر مسلموں کے حقوق اسلام نے کافی مانے ہیں لیکن اس کا مطلب ادغام یا شکست حدود یا اسلامی شعائر کی برہمی نہیں ہے جیسے فی زمانہ مسلمان غیر مسلموں سے شادیاں کرنے لگے یا ہندوؤں کو تہواروں میں شرکت کی دعوت دینے لگے۔ ایک ہے کسی قوم سے وفاق اور اس کی رعایت اور اس کے حقوق کی ادائیگی اور ایک ہے اس میں مدغم ہو جانا یا کسی کی خاطر اپنے حقوق ختم کر دینا، پس دوسروں کے حقوق ادا کئے جائیں لیکن ان کی خاطر اسلامی حقوق کی پامالی کسی حالت میں جائز نہیں ہے''۔

ذکراللہ

ذکر کی مختلف قسموں کے لئے اہل تصوف نے مختلف اصطلاحات قائم کی ہیں۔ حکیم الاسلامؒ ان اصطلاحات کی وضاحت فرماتے ہیں:

''ذکر ہی سے نفس میں صفائی، قلب میں نور ہوتا ہے جس سے طاعت کی رغبت ہوتی ہے اور جتنی غفلت بڑھتی جائے گی اتنی ہی نفس میں ظلمت اور کدورت بڑھتی ہے، ذکر کے مخصوص کلمات احادیث میں تلقین فرمائے گئے ہیں اور وہ دس انواع ہیں یعنی تسبیح وتہلیل، تکبیر، حوقلہ، استغفار، تصلیہ، تعوذ، دعاء، تلاوت۔ اگر کوئی اذان ہی سیکھ لے تو ذاکر بن جائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ زبان اور کان سے ہی صرف اذان کا کام نہ کیا جائے بلکہ قلب سے اذان کہی جائے اور اس کی حقیقت کو سمجھا جائے۔

ان اذکار کے مناشی یہ ہیں، تنزیہہ کے لئے تسبیح ہے، تنویہہ جس کے لئے تحمید ہے، توحید جس کے لئے تہلیل ہے، تعظیم جس کے لئے تکبیر ہے، تفویض جس کے لئے حوقلہ ہے، تخلیہ جس کے لئے استغفار ہے، تعوذ جس کے لئے استعاذہ ہے، تبرک جس کے لئے بسملہ ہے، تقبل جس کے لئے تصلیہ ہے، محادثہ جس کے لئے تلاوت ہے۔''

فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً

یہ عنوان قرآن کریم کی آیت سے قائم فرمایا گیا ہے، ذیل میں اس کی حکیمانہ تشریح ملاحظہ ہو:

فرمایا: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعین کو تکمیل شئے میں دخل ہے، ثلثین لیلة پر آٹھ نو کا اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ عشر کا اضافہ کر کے اسے فتم میقات ربہ فرمایا گیا جس سے واضح ہے کہ عشر ذریعہ تکمیل نبوت کا تھا یعنی اربعین کو تو دخل ہے ہی تکمیل میں مگر عشر کو بھی ہے ورنہ ثلثین پر عشر کا اضافہ نہ کیا جاتا، حاصل یہ ہے کہ یہ اربعین کی ملاقات جب کہ عشر سے مکمل ہوئی یعنی مجموعی حیثیت سے تو اس پر بھی غور کیجئے کہ یہ اربعین اجزاء کی حیثیت سے بھی چار عشروں کا مجموعہ ہو تو اربعین بھی عشرات سے مکمل ہوئے اور پھر وہی اربعین وجہ بنی اپنے مظروف کی تکمیل کی، تو نتیجہ یہ نکلا کہ عشر ذریعہ تکمیل ہے، ایک عشر ہو تب بھی تکمیل کنندہ ہوگا اور کئی عشر مل جائیں تو مجموعی مدت کی تکمیل بڑھ جائے گی، غرض عشر ذریعۂ کمال ثابت ہوا۔''

تکمیل خلافت

حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی کا منصب عطا فرمایا ہے جو آغازِ کائنات سے آخر تک قائم رہے گا:

''انسان ازلی نہیں ابدی ہے وہ الست سے چلا اور ابد تک درمیانی عوالم سے گزرتا چلا جائے گا۔لہٰذا اس کی زندگی کا نصب العین کسب مال اور انتفاع نہیں ہوسکتا، یہ تو صرف ایک عالم کی چیز ہے اور عمر اس کی آگے تک ہے، پس وہ نصب العین کیا ہے جو اس کی ابدی زندگی تک پھیلا ہوا ہے بلکہ جتنا آگے بڑھتا جائے اتنا ہی یہ نصب العین نکھرتا جائے، وہ خلافت یعنی انسان دنیا میں بحیثیت خلیفہ الٰہی کے لایا گیا ہے کہ یہ نائب حق بن کر رہے اور حق دائم قائم ہے تو اس کی نیابت بھی دائم وقائم رہنی ضروری تھی، اس کا فرض ہے کہ دنیا کا نظام بطور نیابت قائم کرے اور حق کی منادی کرے، اللہ نے اس کی عظمت شان کے خلافت کی وجہ سے بڑھائی اور اسے ساری مخلوقات پر فضیلت اور برگزیدگی کی عطا فرمائی، اس کی نوعی زندگی کا آغاز ہی اس مقصد کے اظہار کے لئے ہے، پھر اختتام تک خلافت کی نوعیت باقی رکھنی ضروری تھی تاکہ نظام قائم رہے۔(۱۰۷)

............❖............

مکتوبات

''مکتوبات''، شخصیت کی ذہنی کیفیات، اخلاق و اعمال، سیرت و سلوک اور اس کی اندرونی صلاحیتوں کے عکاس ہوتے ہیں۔ غالب نے کہا تھا ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

غالب کے مکتوبات ان کے ہم پلّہ اور معاصر شعراء کے مکتوبات میں غالبؔ ہی کی طرح اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ''غالبیات'' کے ماہرین و ناقدین کے کانوں سے اگر غالب کے مکتوب کا ایک فقرہ بھی ٹکرا جائے تو آنکھیں بند کر کے بہ آسانی بتا دیں گے کہ یہ غالب کا اسلوب، غالب کا طرزِ بیان اور غالب کا فکر و فلسفہ ہے، یہ ایک مثال ہے۔ مکتوبات کے مضمون اور اسلوب سے مکتوب نگار کے تعین اور اس کی شخصیت کی علمی دنیا میں، آیئے تو اس دعویٰ کی ایک نہیں سینکڑوں دلیلیں مل جائیں گی۔

حکیم الاسلامؒ مکتوب نگاری کے باب میں بھی سب سے منفرد اور ممتاز ہیں۔ آپ کے مکتوبات کے دستیاب اور مطبوعہ ذخیرہ سے چند ایک کا انتخاب اس باب میں بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، ورنہ آپ کا ہر مکتوب اپنی جگہ پر علم و دانش کا ایک خزانہ عامرہ ہے۔

حکیم الاسلامؒ کے مکتوبات میں زیادہ تر علمی و دینی سوالات و استفسارات کے جوابات ملتے ہیں جو سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی نہیں مل پاتے، جواب کا اسلوب ''مفتیانہ'' کے بجائے حکیمانہ و شارحانہ ہے اور انتہائی مسکت و مدہش ہے۔

جناب مولانا محمد وصی صاحب ضلع دربھنگہ کے رہنے والے ہیں جناب نے کلام پاک کی کچھ سورتوں اور آیات کی بالکل جدید تفسیر لکھ کر حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں آپ کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجی تھیں۔

مولانا محمد وصی صاحب کی تفسیر کا نمونہ درج ذیل ہے:

لکھتے ہیں کہ: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ سے مراد مفید ہوا اور بارش ہے جس کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج مسرت کے ساتھ اللہ کے دین و کام میں جو ''زراعت'' ہے جس کو خدا نے ''نَحْنُ الزّٰرِعُوْن'' کہہ کر اپنا کام اور دین قرار دیا ہے۔ خوشی کے ساتھ لوگ اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور مسرت کا اظہار لفظ اَفْوَاجاً سے

ہوتا ہے۔ اس جگہ دِینُ اللّٰہ سے زراعت مراد ہے اور نصر اللہ سے مفید ہوا مراد ہے اور فتح سے مناسب بارش مراد ہے، اس لئے کہ اس میں خون ریزی ہو کر لوگوں کو کچھ جانی نقصان پہنچا ہے، جو خدا کی عام مدد کے خلاف ہے۔ فوج کی مدد سے جو ملک فتح ہوتا ہے اس کے متعلق خدا کا فرمان ہے اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً. الخ اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ استغفار کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشت کاری سے عدم واقفیت کا اظہار فرمادیا تھا۔

ذیل میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا حکیمانہ جواب ملاحظہ ہو۔

محترمی، زید مجدکم سلام مسنون!

گرامی نامہ پہنچا، بوجہ کثرت کار و ہجوم اسفار جواب میں تاخیر ہوئی، معذرت پیش کرتا ہوں۔

آپ نے سورۂ فتح کی جو کاشت کارانہ تفسیر فرمائی ہے اس کی سند اور ماخذ کیا ہے؟ یعنی یہ تفسیر سلف میں سے کسی نے کی ہے یا محض آپ کا تخیل ہے؟ اگر کی ہے تو اس کا حوالہ تحریر فرمائیں اور اگر یہ بلاسند محض تخیل ہے تو اگر کوئی لوہار اس کی لوہارانہ تفسیر لکھے اور کہے کہ دین اللہ سے مراد فولاد سازی ہے اور نصر اللہ سے مراد لوہا بنانے کی بھٹی ہے اور دھونکنی ہے اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ سے مراد فولادی فیکٹریوں میں مزدور اور کاری گروں کا داخلہ ہے اور فتح سے مراد فیکٹری کے آہنی مال کی دنیا میں سپلائی ہے جس سے مالی فتوحات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور استغفار کا حکم لوہاروں اور آہنی فیکٹریوں کے کاریگروں کو ہے حضورؐ کو نہیں، یا اسی طرح ایک نجّار اس سورت کی ایک نجّارانہ تفسیر لکھے کہ دین اللہ سے مراد لکڑی کی صنعت ہے اور نصر اللہ سے مراد آرا مشین اور نہانی و بسولہ ہے اور دخول افواج سے مراد فرنیچر کے کارخانوں میں کاریگروں کا داخلہ اور استغفار کا حکم حضورؐ کو نہیں بلکہ بڑھئیوں کو ہے تو کیا اپنے تخیل کے نقطۂ نظر سے اس کو قبول فرماویں گے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر قبول فرماویں گے دراں حالے کہ آپ کے تفسیری کی نفی ہوگی تو آپ نے خود ہی اپنے تفسیر کی نفی کردی اور اسے رد کردیا۔ اب اگر اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس صورت حال کے ہوتے ہوئے اسے رد کردیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور جب یہ تفسیر اسی رد و نفی کے کنارہ پر ہے تو اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ایسی ردی چیز تفسیر نہیں ہوسکتی تحریف ہوگی تو اس میں کیا قباحت ہے؟ مقصد یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تفسیر کا معیار کیا ہے اور تفسیر کے معنی کیا ہیں جسے پیش نظر رکھ کر آپ کی اس تفسیر کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکے۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱/۶/۹۰ھ

مکتوب*

محترمی زاد مجدکم سلام مسنون، نیا مقرون، گرامی نامہ نے ممنون یاد آوری فرمایا۔ نور الایضاح کا واقعہ تو میرے علم میں نہیں ہے لیکن حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ کی حیرت انگیز قوت حافظہ کا جو واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا وہ عرض کئے دیتا ہوں۔

مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے سوانح حیات کی ضرورت تھی، میں نے اس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ سے ماخذ دریافت کئے تو حضرتؒ نے متعدد کتابوں کے حوالے دیدیئے کہ ان میں ابوالحسن کے حالات مل جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کہاں تلاش کرتا پھروں گا آپ خود ہی کچھ فرمادیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے برجستہ ابوالحسن کذاب کا سن ولادت سے لے کر سن وفات تک اس کے اجمالی حالات ترتیب وار اور مسلسل بیان فرمائے اور اس کے کذب وزور کے متعدد واقعات سنائے۔ مجھے خیال گذرا کہ حضرتؒ نے شاید ابھی حال ہی میں یہ حالات مطالعہ کئے ہیں جو سنین تک یاد ہیں، چنانچہ حضرت کے سامنے میں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو فرمایا کہ نہیں مولوی صاحب! تیس، چالیس سال کا عرصہ ہوا جب حجاز جانا ہوا تھا، وہاں کے ایک کتب خانہ میں اتفاق سے ابوالحسن کے حالات پر ایک کتاب ہاتھ میں آ گئی تھی، کتب خانہ کی الماری کے قریب کھڑے کھڑے اس کا مطالعہ کرلیا تھا، اب آپ کے دریافت کرنے پر وہ حالات من وعن متحضر ہوگئے۔

درس حدیث کے دوران میں حضرت شاہ صاحبؒ کے غیر معمولی حافظہ کے واقعات کم وبیش روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے تھے، مسائل کی بحث میں بے تکلف، نہ صرف کتابوں کے حوالے دیتے تھے بلکہ صفحات اور سطر تک کی نشاندہی فرمادیا کرتے تھے۔ ان میں بعض کتابیں ایسی بھی ہوتی تھیں جن کے مطالعہ پر کم وبیش چالیس، چالیس سال کی طویل مدت گزر چکی تھی

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۹/۷/۸۲ھ

*امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی حیرت انگیز قوتِ حافظہ سے متعلق مشہور واقعہ ہے کہ ممدوح نے مصر کے کسی کتب خانہ میں فقہ حنفی کی کتاب ''نور الایضاح'' کا مطالعہ کیا اور اُسی مطالعہ کی بنیاد پر ہندوستان آ کر اسے طبع کرایا۔ جناب مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی نے حضرت حکیم الاسلامؒ سے اس واقعہ کی تفصیل وتصدیق چاہی تھی۔ درج ذیل خط اُسی کے جواب میں ہے۔

مکتوب*

محترمی زید مجدکم

سلام مسنون! گرامی نامہ صادر ہوا، خطبہ جمعہ ہو یا عیدین کا، وعظ و تذکیر کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وعظ و تذکیر میں وہی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو وقتی ہوں اور جن کی ضرورت ہو، وقتی مسائل ہی ان خطبات کا اصل موضوع ہوتے ہیں، اس لئے اس میں تمام باتیں ایسی بیان ہونی چاہئیں جو مسلمانوں کے لئے مفید اور ضروری ہوں، اس لئے اگر بر سبیل تذکرہ ''ہریجن لیڈر'' کا ذکر خطبہ میں آجائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے بلکہ اگر اس طرح کے ذکر سے مسلمان متوجہ ہو سکیں تو خطیب کے لئے توجہ دلانا ضروری ہے۔

جن صاحب نے اعتراض کیا ہے ان کا یہ اعتراض دینی جذبہ کے تحت خلوص پر مبنی معلوم ہوتا ہے، ان کا جذبہ غالباً یہ ہوگا کہ منبر جیسی پاکیزہ جگہ پر ''ہریجن لیڈر'' اور اس طرح کی غیر پسندیدہ باتوں کا ذکر نہ آنا چاہئے، ان کا یہ جذبہ بہر حال قابل قدر ہے مگر جذبات کا عقل سے ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے، شرعی مسائل کی بنیاد حقائق پر ہوتی ہے، جذبات و تصورات پر نہیں۔

معترض کو اسی نہج پر نرمی سے سمجھائیے اور ان سے کہئے کہ قرآن کریم میں بھی آخر ایسی بہت سی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ناپاکی کی وجہ سے ہم انہیں پسند نہیں کرتے لیکن چوں کہ یہ ذکر ضرورتاً کیا گیا ہے اس لئے ان کے ذکر نہ آتا، اس سے معلوم ہوا کہ ناپاک اور ناپسندیدہ کا ذکر ضرورتاً کیا جا سکتا ہے اور اسے قرآن کریم نے جائز رکھا ہے۔

اگر معترض کو اس انداز پر موثر طریق سے سمجھایا گیا تو امید ہے کہ انشاءاللہ ضرور سمجھ جائیں گے۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸۲/۱۱/۱۴ھ

*جناب امیر الدین خاں صاحب بریا تو نے نماز عید کا خطبہ دیا، موصوف نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اسلام پر نہ چلنا دوسروں کو اسلام کی جانب آنے سے روک رہا ہے۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے بتایا کہ ہریجن لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ کہہ کر بدھ مذہب قبول کیا تھا کہ مذہبِ اسلام تو یقیناً درست ہے لیکن مسلمان خود ہی اس پر نہیں چلتے، اس پر کالج کے ایک طالب علم نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عید کے خطبہ میں آں جناب کو ہریجن لیڈر کا ذکر نہ کرنا چاہئے، ایسا کر کے آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ درج ذیل خط میں مسئلے کی شرعی نوعیت اور اس کے مصالح و حکم کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مکتوب*

آج حیدرآباد (آندھرا) سے آئے ہوئے بعض دوستوں کے خطوط سے علم ہوا کہ حیدرآباد کی قادیانی جماعت نے احقر کی تقریر سے جو ۱۶؍نومبر ۱۹۶۳ء کو مکہ مسجد حیدرآباد میں یوم افضل الانبیاء کے موقع پر ہوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کی ہے، اس کی تصدیق قادیانیوں کے ایک مطبوعہ پمفلٹ سے ہوئی۔

(۱) بعض جملے افتراپردازی سے اس میں خود اضافہ کئے گئے ہیں جیسے ''لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل النبیین کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ آپ کو دیگر انبیاء کی نسبت بعض باتوں میں فضیلت عطا ہوئی ہے، ص۲'' یہ کذب محض ہے نہ میری تقریر کا یہ کوئی جملہ ہے نہ میرا یہ عقیدہ ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے علی الاطلاق اور کمالات نبوت میں کلیۃً فائق ہیں جس کا مدلل دعویٰ تمام انبیاء نے شب معراج میں کیا۔

(۲) بعض جملوں کے مطلب بیان کرنے میں تحریف کی گئی ہے جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے اول بھی ہوں اور سب سے آخر بھی ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء آپؐ کے متبع ہیں لیکن آپ کسی کے متبع نہیں۔

اولیت اور آخریت کا یہ مطلب میری طرف منسوب کرنا محض افتراپردازی اور دھوکہ دہی ہے، نہ میرا یہ جملہ ہے، نہ میرا مفہوم، نہ آخریت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔ آخریت کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ سب انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آخری پیغمبر ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا پیغمبر آنے والا نہیں، میرا اور میرے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ ہمارے نزدیک جو شخص حضورؐ کے بعد کسی نبی کی بعثت مانتا ہے یا امت محمدیہ میں حضورؐ کے بعد وحی کا سلسلہ غیر مختتم سمجھتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج، مرتد اور کافر ہے۔ آپؐ ذاتی طور پر خاتم النبیین ہیں کہ آپؐ تمام کمالات نبوت کا منتہیٰ ہیں اور جس نبی میں نبوت کا جو کمال بھی آیا ہے

* حضرت حکیم الاسلامؒ نے ۱۶؍نومبر ۶۳ء کو مسجد حیدرآباد میں یوم افضل الانبیاء کے موقع پر ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ختم نبوت کے سیاسی اور بنیادی عقیدہ کو واضح کیا۔ حیدرآباد کی قادیانی جماعت نے اس تقریر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کی اور پمفلٹ شائع کر کے عوام کو یہ باور کرانا چاہا کہ موصوف نے افضل الانبیاء کے جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے ختم نبوت کے مسئلہ پر جماعت احمدی کے مسلک کی تائید اور ترجمانی کی ہے۔

حیدرآباد کے بعض مخلصین نے حضرت حکیم الاسلامؒ کو اس بے بنیاد پروپیگنڈہ کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت سے درخواست کی کہ آپ جلد اپنا کوئی تردیدی بیان مرحمت فما کر ہم عقیدت مندوں کے اضطراب اور بے چینی کو دور فرمائیں۔

اس مکتوب میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی تردید ملاحظہ ہو۔

وہ آپؐ کے فیضان سے آیا ہے اور زمانی طور پر بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپؐ ہی سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے اور آپؐ کے بعد کوئی نبی، کوئی شریعت، کوئی آسمانی کتاب اور کوئی وحی آنیوالی نہیں۔ میں نے صاف لفظوں میں بیان کیا تھا کہ ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں جس کی تشریح یہ تھی کہ نبوت حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر آ کر تمام مراتب کے ساتھ ختم ہوگئی اور کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا کہ اس کو دنیا میں لانے کے لئے کسی نبیؑ کو مبعوث کیا جائے، یہی کامل اور آخری نبوت قیامت تک کے لئے کافی ہوگئی ہے اور ابد تک باقی رہے گی، جیسے سورج نکلنے کے بعد نور کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا کہ کسی ستارے کی ضرورت پڑے ایسے ہی حضورؐ کے بعد کسی ستارۂ نبوت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

(۳) بعض نتائج کذب بیانی کے ساتھ میری تقریر سے اخذ کر کے میری طرف منسوب کئے گئے جیسے:

''اب آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا جو ایک ایسے مرتبہ کا حامل ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا ہے۔''

یہ جملہ نہ میری تقریر کا ہے نہ اس کے مفہوم کو میں اسلامی مفہوم جانتا ہوں جب کہ ہم لوگ اس کے قائل اور مدعی ہیں کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی ہی سرے سے مبعوث ہونے والا نہیں تو ایسے ویسے کا کیا سوال۔ یہ نتیجہ میرے کسی مفہوم کی طرف منسوب کرنا محض کذب بیانی اور افترا پردازی ہے، میں نے اسی لئے خاتم النبیین کی تحقیق کرتے ہوئے اس کے نیچے اولیت کے ساتھ آخریت کا درجہ بھی صاف لفظوں میں بیان کر دیا تھا اور عرض کیا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لئے خاتمیت کو بمعنی منتہائے کمالات لے کر آپؐ کی آخریت کے مقام کو حذف کر جانا یا اس کی یہ غلط تشریح کرنا کہ نبوت بایں معنی اب بھی باقی ہے کہ حضورؐ کے بعد نبی مبعوث ہوسکتا ہے زیادہ سے زیادہ وہ آپ کا متبع رہے گا، محض افترا پردازی اور دھوکہ دہی ہے، ہم اس شخص کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں جو حضورؐ کے بعد کسی نبی کی بعثت کا قائل ہو خواہ مستقل، خواہ تابع غیر مستقل، یا اس امت میں وحی کا سلسلہ غیر مختتم جانتا ہے اور کہتا ہے کہ نبوت کا دروازہ حضورؐ کے بعد بند نہیں ہوا کہ جس طرح موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں بند نہیں تھا اور وحی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا اور امت موسوی میں نبی مبعوث ہوتے رہے تھے۔ میری تقریر کے کسی جملہ کو قادیانی جماعت کے موقف کی تائید یا ترجمانی کہنا انتہائی بددیانتی اور دیدہ دلیری ہے، اس لئے کتابچہ موسومہ (مسلمانانِ حیدر آباد و یادگری کے لئے ایک لمحۂ فکریہ) کو میں ایک گمراہ کن تحریر سمجھتا ہوں، نہ اسے میری تقریر کی تشریح سمجھی جائے نہ ترجمانی۔ والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸/رجب ۸۲ھ

مکتوب*

محترمی زیدمجدکم سلام مسنون، نیاز مقرون!

گرامی نامہ ممنون یادآوری فرمایا، اردو کانفرنس کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے ہر قسم کے تعاون کا آپ کو یقین دلاتا ہوں۔

اردو کی بقا اور فروغ کے لئے آپ جو منظّم جدوجہد فرمارہے ہیں وہ یقیناً لائق صد تحسین وتبریک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزائم میں ترقی اور برکت عطا فرمائے۔ اردو زبان کی وسعت اور ہمہ گیری کا صحیح اندازہ ہندوستان سے باہر جا کر ہوتا ہے۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیشتر ملکوں میں آپ کو اردو زبان کے جاننے والے مل جائیں گے، کسی زبان کی بین الاقوامی حیثیت کا یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ وہ ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہو، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اردو زبان کی خدمت لسانی حدود سے نکل کر بین الاقوامی اتحاد کا ایک اہم ذریعہ بن جاتی ہے جو آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس طرح آپ صرف اردو زبان کی خدمت ہی نہیں کررہے ہیں بلکہ بین الاقوامی اتحاد کے لئے اردو زبان کے ذریعہ ایک اہم رول بھی ادا کررہے ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والسلام علیکم

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸۷/۲/۱۲ھ

مکتوب**

محترم زیدمجدکم السامی سلام مسنون، نیاز مقرون

گرامی نامہ موصول ہوا، یہ اشتہار جس کا حوالہ دیا گیا ہے سرسری طور پر میری نظر سے گذرا مگر دکھانے

---

* ربانیہ پبلک لائبریری آسنسول کی جانب سے ۳ رجون ۱۹۶۷ء کو ایک اردو کانفرنس منعقد ہوئی، کارکنان اور ذمہ داران لائبریری کی درخواست پر حضرت حکیم الاسلامؒ صاحب نے انہیں اپنا مندرجہ ذیل پیغام بھیجا تھا۔ یہ مبصرانہ پیغام بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا صحیح مصداق، نیز اردو کی وسعت اور اس کی بے پناہ مقبولیت کا واشگاف اعلان ہے۔

** جناب مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی نے ۸۷ھ میں ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا عنوان حسب ذیل تھا ''نظام الدین'' کی موجودہ تبلیغ نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ علماء حق کے مسلک کے مطابق۔ پمفلٹ میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا تھا کہ اس خیال سے جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا مفتی محمود حسن صاحب اور مولانا سید محمد میاں صاحب بھی متفق ہیں۔ چنانچہ جناب محمد عمر صاحب جو ضلع گوڑ گانوہ کے رہنے والے تھے انہوں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے پاس اس کی تحقیق کے لئے خط لکھا۔ ذیل میں اسی خط کا جواب ملاحظہ ہو۔

والے معاً ہی اسے ساتھ لے گئے، میں اشتہار کے مضمون سے بری ہوں، میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ تصور بھی نہیں کیا کہ یہ تحریک کتاب وسنت کے خلاف ہے، تبلیغی تحریک کے بارے میں میرے خیالات کا پورا اندازہ میری ایک نظم سے ہوتا ہے جو میرے کلام کے مجموعہ میں چھپی ہوئی ہے، اس کے صفحہ ۲۴۰ کو ملاحظہ فرمالیں اور اشتہار کے مضمون کو غلط محض باور کریں، یہ ممکن ہے کہ کسی تحریک کے بارے میں کچھ ترمیم یا اصلاح کے بارے میں کسی سے کچھ کہا ہو لیکن اس سے تحریک ہی کا خلافِ شریعت ہونا سمجھ لیا جانا سمجھنے والوں کی سمجھ ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک نسخہ ''عرفانِ عارف'' کا ارسال ہے، اس کے ص ۲۴۰ کو ملاحظہ فرمالیں، اس میں میں نے تبلیغی جماعت کے بارے میں اپنے پورے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

والسلام
محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۸۷/۴/۲۴ھ

مکتوب*

مکرمی مزاج شریف

گرامی نامہ صادر ہوا نفحات الانس کے اردو میں ترجمہ کئے جانے کی اطلاع سے خوشی ہوئی، خداوند قدوس کامیابی عطا فرمادے۔ مشائخ نقشبندیہ کے حالات کی ایک بہت اچھی کتاب اردو میں منتقل ہو جائے گی، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۱) حالات نقشبندیہ مجدّدیہ تالیف محمد حسن نقشبندی۔

(۲) منشور طریقت حالات مرزا مظہر جانِ جاناںؒ۔

(۳) تذکرہ مجدّد الف ثانیؒ: تالیف مولانا محمد منظور نعمانی۔

(۴) سالک السالکین، جلد اوّل، مطبوعہ آگرہ پریس

(۵) تذکرۃ العابدین: تالیف مولوی نذیر اختر صاحب

یہ صرف ان کتابوں کے نام درج کئے گئے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں موجود ہیں ورنہ

* جناب بال کمار کھرے۔۔ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول (مرزاپور) موصوف نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ مجھے نقشبندی سلسلہ سے لگاؤ اور تعلق ہے۔ میں مولانا جامیؒ کی تصنیف ''نفحات الانس'' جو فارسی میں ہے، اسے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے حاصل کر کے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ کے یہاں لائبریری میں اکابر کا نقشبندیہ سے متعلق کچھ ذخیرہ ہو تو براہِ کرم مطلع فرمائیں۔ ذیل کا خط انہیں کے جواب کے میں ہے۔

اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتابیں مل سکتی ہیں۔
امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

والسلام
محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۸۷/۹/۳ھ

مکتوب*

محترم المقام زید مجدکم سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے اپنے علاقہ کے بعض اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ کے بارے میں ان کے کچھ خیالات دین کے بارے میں تحریر فرمائے ہیں۔

عامۃً تمام علماء عرب وعجم نے قادیانیوں کو مرتد اور خارج از اسلام کہا ہے کیوں کہ وہ ضروریات دین مثلاً نبوت وغیرہ عقائد کے منکر ہیں۔

یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہے کہ انہوں نے یورپ میں اسلام پھیلایا، آج یورپ کے لوگ خود ان سے بیزار و بدظن ہورہے ہیں، لندن میں کئی مسجدیں ان سے خالی کرائی جاچکی ہیں، یہ جماعت البتہ پروپیگنڈا اہٹ ضرور ہے اور اس کا طریقہ تبلیغ عیسائیت سے ماخوذ ہے، اسی انداز سے یہ لوگوں کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نوجوانوں کو شکوہ ہے کہ اہل سنت نے قادیانیوں کی تکفیر کردی لیکن حیرت ہے کہ قادیانیوں سے انہوں نے یہ شکوہ نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے سوا مسلمانانِ عالم کی تکفیر کردی دراں حالیکہ قادیانی تعداد میں چند ہزار سے زیادہ نہیں، ان کی تکفیر تو دلوں میں کھٹکے اور اہل سنت جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں ان کی تکفیر پر شکوہ نہ کیا جائے۔ بہرحال وجوہ تکفیر اہل سنت کے یہاں تو یہ ہیں کہ یہ لوگ ضروریات دین کے منکر ہیں اور ان کے یہاں کروڑوں اہل سنت کی تکفیر کی بنیاد یہ ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے قائل نہیں ہیں۔

* ذیل کا خط جناب ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب قادری (آندھرا پردیش) کے جواب میں ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے ایک خط کے ذریعہ حضرت حکیم الاسلامؒ کو بتایا کہ ہمارے علاقے کے بعض مسلم نوجوان جو اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ ہیں ان کا کہنا ہے کہ قادیانی فرقہ اسلام کا ناجی فرقہ ہے اور انہیں کے علماء کی کوششوں کو نتیجہ ہے کہ آج اسلام یوروپین ممالک میں پھیلتا جارہا ہے۔ مگر افسوس کہ ہندوستان کے اکثر علماء انہیں کافر کہتے ہیں۔ موصوف کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس تحریر سے ان کا مقصد مسئلے کی شرعی نوعیت معلوم کرنا تھا۔ درج ذیل خط ان تنقیحات پر مشتمل ہے جس سے قادیانیوں کے کفر وایمان کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

ان کے عقائد پر پورا لٹریچر مطبوعہ موجود ہے، اسے منگایا اور دیکھا جائے، اس گروہ نے اسلام کی بنیاد جو ختم نبوت ہے اکھاڑ پھینکنے کی پوری پوری سعی کی ہے اور کر رہی ہے، حیرت ہے کہ جس نے اسلام ہی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے وہ قابل شکوہ نہ ہوا اور جو لوگ ان مخبرین اسلام کو یہ کہہ دیں کہ وہ اسلام سے خارج ہیں قابل شکوہ و سرزنش ہو جائیں۔ امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اس شکوہ پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸۸/۲/۱۶ھ

مکتوب*

محترمی زید مجدکم سلام مسنون!

گرامی نامہ نے ممنون یادآوری فرمایا۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ پر مقالہ کی تیاری کے لئے جہاں تک مرسلہ مقالہ کے خاکہ کا تعلق ہے وہ ماشاء اللہ بڑی محنت اور کافی غور وفکر اور کاوش سے تیار کیا گیا ہے۔ البتہ پہلے دوسرے اور تیسرے باب میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے جسے اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ان ابواب میں علی الترتیب حسب ذیل عنوان بڑھا دیئے جائیں۔

(۱) قبول اسلام کا سبب، (۲) دارالعلوم سے علمی اور فکری وابستگی، (۳) طریق درس کی خصوصیات، (۴) اندازِ فکر ونظر۔

خاکہ کے بعد دوسرا مرحلہ متعلقہ مواد کی فراہمی کا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سلسلہ کی فہرست کتب تیار کی ہوگی، اگر اس کی نقل ارسال فرمائی جائے تو اس پر غور کر کے اگر کچھ اضافہ ممکن ہوسکتا تو ضرور کر دیا جائے گا، یہ اس لئے عرض کیا گیا کہ اگر یہاں بھی صرف ان ہی کتابوں کی فہرست تیار ہوسکی جو آپ پہلے سے تیار کر چکے ہیں تو وقت بھی ضائع ہوگا اور محنت بھی اکارت جائے گی، اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ آپ اپنی مرتبہ فہرست یہاں بھیج دیں تو اس پر اضافہ ممکن ہوسکا تو بسہولت ہو جائے گا۔

یہ اطلاع غالباً آپ کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پچھلے دنوں یونیورسٹی کے لکچرر قاری رضوان اللہ صاحب، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی

*ذیل کا خط جناب شیخ محمد حاجن صاحب (صدر شعبۂ مسلم تاریخ سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد) کے جواب میں ہے۔ موصوف مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ پر ریسرچ کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں اپنے مقالے کا ابتدائی خاکہ روانہ کر کے حضرت کے مفید مشوروں اور اس سلسلے میں قابل استفادہ کتابوں کی نشان دہی چاہی تھی۔

ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور اب قاری صاحب قاہرہ یونیورسٹی سے دارالعلوم دیو بند پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ہی کی ایک طالبہ شفقت فاطمہ فریدی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی پر ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں اور دارالعلوم سے ممکن حد تک ان حضرات کی علمی وفکری رہنمائی کی جا رہی ہے۔ (۱۰۸)

والسلام
محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیو بند
۸۸/۱۱/۴ھ

............❖............

شاعری

میری متاع سخن ہے تمہارا سرمایہ
اسے سنبھال کر رکھنا متاعِ جاں کی طرح

اکابر ادب نے شاعری کی مختلف تعریفیں کی ہیں، فرسٹ نے جمالیاتی احساس کو لفظوں کے پیراہن میں ظاہر کرنے کا نام شاعری رکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

''شاعری مسرت سے شروع ہوتی ہے اور بصیرت پر ختم ہوتی ہے۔''

اس کے بعد شاعری کی ہیئت اور مواد پر بحث ہوتی ہے، یعنی اظہار کا طرز اور اسلوب کیا ہے اور جس احساس کو ظاہر کیا گیا ہے وہ کیا ہے اور کس قسم کا ہے؟ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''اظہار احساس'' میں جتنی اہمیت ''اظہار'' کی ہوتی ہے اتنی ہی ''احساس'' کی بھی ہوتی ہے، عموماً شعر کی تعریف اس کلام موزوں سے کی جاتی ہے جو شاعری کے اوزانِ مقررہ میں سے کسی پر ہو، مقفی ہو اور بالقصد موزوں ہو۔ مرآۃ الشعر میں ہے کہ: ''وہ کلام موزوں و مقفی جو مقدمات موہوم پر مشتمل ہو اور ان کی ترتیب سے نتائج غیر واقعی پیدا کرے مگر اس طرح کہ حقیقت کو وہم اور وہم کو حقیقت دکھائے۔''

پروفیسر آل احمد سرور کا کہنا ہے کہ:

''شاعری زبان کو سلیقہ اور ہنر مندی سے استعمال کا نام ہے اور شاعر ماضی کا امین، حال کا نقش گر اور مستقبل کا نقیب ہوتا ہے۔''

بعض ناقدین نے انکشاف کیا ہے کہ ''شاعری اظہار کا نہیں اخفا کا نام ہے'' معیاری شاعری میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں یا یوں کہئے کہ معیاری شاعری کل کی کل اس کی مثال ہوتی ہے۔ طویل سے طویل مضمون کو ایک شعر میں سمیٹ کر رکھ دینا اور ایسے استعارات کا استعمال کرنا جس میں شرح و تفسیر کے اتنے گوشے نکل آئیں کہ ان کی نثر کئی کئی صفحات میں ممکن ہو اور زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی تفصیل اس میں آسکتی ہو۔ شاعری میں غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور اقبالؔ کے یہاں اشعار بکثرت ملتے ہیں جن میں جہانِ معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔

آل احمد سرور کے خیال میں ''ایسے شعراء کی نظر صحیح معنی میں نادرہ کار، تازہ کار اور لالہ کار ہوتی ہے۔ ان کی نظر مانوس احساسات میں، نئے جلوے اور نامانوس کیفیات میں مانوس بوباس پیدا کرتی ہے۔ وہ لفظ کو نشتر یا تلوار یا موج ہائے رنگ سے شفق بنادیتے ہیں۔ لفظ میں طلسمی دنیا کو اس طرح سمو دیتے ہیں کہ وہ کائنات بن جاتا ہے، یہی شاعر اگر نثر میں اظہار خیال کرے تو اس میں بہاؤ تو ہوتا ہے مگر شاعری جیسا تموّج نہیں ہوتا، خاموش روانی تو ضرور ہوتی ہے مگر اتار چڑھاؤ، شاعری کی بہ نسبت ذرا کم ہوتا ہے۔ وہ شاعری میں صرف نظر سے سروکار رکھتا ہے، جب کہ نثر میں نظریہ سے، شاعری میں اس کا احساس اُبھرا ہوا ہوتا ہے اور نثر میں ذرا دبا ہوا۔'' (۱۰۹)

شاعری ایک شعوری غریزہ، ایک قلبی احساس اور تخیلاتی ملکہ کا نام ہے، جس میں نشاط و مسرت، حزن و الم، یاس و قنوطیت کی ملی جلی واردات کارفرما ہوتی ہیں، فی نفسہ شاعری کوئی بری چیز نہیں، بشرطیکہ ہیئت اور مواد کو یکساں اہمیت دی جائے اور ایک تعمیری فکر و فلسفہ کی اس میں آبیاری ہو، ابتذال، ہزل، بے مصرفی اور فحش بیانی سے اس کا دامن داغ دار نہ ہو۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی شاعری کے فنی اعتبار اور وزن و وقار پر گفتگو کرنا ہمارا منصب نہیں ہے، ہم صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں شعر و شاعری کا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا تھا جس سے انہوں نے اپنی عالمانہ و بزرگانہ شان کے مطابق ہر جگہ دینی خدمت، دین کی اشاعت اور دین کی ترجمانی، تحریر و خطابت اور تصنیف و تالیف کی طرح ایک کارآمد ہتھیار کا کام لیا ہے اور جس لفظ کو انہوں نے استعمال کرلیا وہ گنجینۂ معنی بن گیا

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں بڑی پختہ اور معیاری نظمیں کہی ہیں اور ان نظموں میں اپنا تخلص 'عارفؔ' اختیار کیا ہے، کہیں کہیں بغیر تخلص کے بھی آپ کی نظمیں ملتی ہیں۔ اردو، عربی، فارسی، تینوں میں شعر گوئی پر قادر تھے، مگر شاعری کا بڑا حصہ اردو میں ہے۔ مجموعی طور پر آپ کی سینتالیس نظمیں ملتی ہیں، جن میں سب سے طویل نظم آنکھ کی کہانی ہے۔ اس میں تقریباً ۱۶۷/اشعار ہیں، آپ کی نظمیں حسن تعبیر، ندرتِ خیال اور ترجمانئ جذبات کا خوبصورت نمونہ ہیں۔ نظموں میں مذہب، اخلاق، نصائح، مزاح، لطافت، فلسفیانہ خیال، منطقیانہ استدلال اور کلمی انداز غالب ہے۔

لسان العصر سید اکبر الٰہ آبادیؒ نے ایک انگریزی نظم کا اردو میں منظوم ترجمہ ''پانی کی روانی'' کے عنوان

سے کیا تھا۔ حکیم الاسلامؒ نے اس طرز پر ''روانی اسلام'' کے نام سے ذیل کی نظم کہی جو رسالہ ''القاسم'' ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی تھی۔

نوٹ : بعض احباب نے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تذکرے میں لکھا کہ ''اسلام کی روانی'' حضرت گیلانیؒ کی نظم ہے اور انہوں نے حکیم الاسلامؒ کے نام سے ماہنامہ القاسم میں شائع کرائی۔ ہم نے اس موضوع پر تحقیق کی لیکن اس سلسلے میں کوئی دلیل فراہم نہ ہوسکی، اس قسم کی بات بغیر کسی مستحکم دلیل کے قبول کرنا مشکل ہے، حضرت حکیم الاسلامؒ کی شاعری اور اُن کے اسلوبِ تحریر سے آشنا حضرات بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت کا اپنا ایک مخصوص اندازِ بیاں ہوتا ہے، جس کو اس نظم میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات میں ہی حضرت کی نظر ثانی کے بعد آپ کا مجموعۂ کلام بنام ''عرفانِ عارف'' شائع ہو چکا تھا، جس کو حضرت کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ نے ترتیب دیا تھا، اس میں یہ نظم شامل ہے اور کوئی ملاحظہ بھی درج نہیں ہے۔ (محمد شکیب قاسمی)

چلا ارض بطحا سے ایک بحرِ ذاخر		کہ تھا جس کی موجوں کا اول نہ آخر
وہ توحید کی لے بجاتا ہوا		سرود حجازی میں گاتا ہوا
وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا		وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا		سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا
ضلالت کے پیڑوں کو ڈھاتا ہوا		زمانے میں اُدَھم مچاتا ہوا
صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا		وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا		خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا
جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا		معارف کے ایوان اٹھاتا ہوا
وہ فرضی قیودیں اڑاتا ہوا		مظالم کو ڈانٹیں بتاتا ہوا
اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا		شیاطیں کو دھکے لگاتا ہوا
معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا		گناہوں کی گردن دباتا ہوا
وہ فرضی قیودں اڑاتا ہوا		مظالم کو ڈانٹیں بتاتا ہوا
وہ غیروں کو اپنا بناتا ہوا		لگن اک نئی سی لگاتا ہوا
وہ آنکھوں سے آنکھیں لڑاتا ہوا		دلوں میں ہر اک کے سماتا ہوا
تمدن کی بیخیں جماتا ہوا		مہذب جہاں کو بناتا ہوا

دلوں کو وہ ہمت دلاتا ہوا وہ روحوں کی قوت بڑھاتا ہوا
دروس حقائق پڑھاتا ہوا خرافات یوناں بھلاتا ہوا
صدفہائے علمی بہاتا ہوا گہرہائے عرفاں لٹاتا ہوا (۱۱۰)

اکبرالٰہ آبادیؒ کی نظروں سے یہ نظم گزری تو بہت خوش ہوئے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کو خط لکھا تھا ''مولانا محمد طیب صاحب کی نظم ''روانی اسلام'' نظروں سے گزری، ماشاء اللہ صل علیٰ، جزاک اللہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد از اول''۔

آنکھ کی کہانی

حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دائیں آنکھ کا آپریشن گاندھی آئی اسپتال، علی گڑھ میں ۱۹؍جنوری ۱۹۶۳ء کو ہوا تھا، اسی اسپتال میں دوسال بعد ۱۹؍دسمبر ۱۹۶۴ء کو حضرتؒ کی بائیں آنکھ کا آپریشن ہوا، ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آپریشن کے بعد ابتدائی دو ہفتے آنکھ کو مکمل سکون وآرام دینا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرتؒ کو بھی آپریشن کے بعد ابتدائی ایام میں ڈاکٹر کی طرف سے مکمل آرام کی ہدایت کی گئی، جس میں اٹھنا، بیٹھنا، لکھنا، پڑھنا، حتی کہ زیادہ بات چیت کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ گزشتہ آپریشن کے موقع پر بھی حضرتؒ نے ڈھائی سو اشعار کی ایک طویل نظم اسپتال میں بسترِ آپریشن پر لیٹے لیٹے موزوں فرمائی جس میں آنکھ کے سلسلہ کے بہت سے حقائق اور آپریشن کی جملہ کیفیات بلیغ انداز میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اہل علم نے اس نظم کو بہت پسند کیا۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اس نظم کو پڑھ کر حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔

''حضرت محترم السلام علیکم!

آنکھ کی کہانی آں محترم کا عطیہ یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی، سبحان اللہ، مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر وادب میں اس درجہ قدرت حاصل ہے، **ذلك فضل اللّٰه**، کیا کیا قافئے نکالے ہیں، کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں کہ پیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں، نہ کہیں جھول، نہ اتنی طویل نظم میں کہیں آورد، بس آمد ہی آمد، خوش دماغ تو آپ بحثیت سچے قاسم زادہ تھے ہی، اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اس درجہ ہیں، ماشاء اللہ۔''

دعا گو و دعا جو
عبدالماجد
۱۵؍دسمبر ۱۹۶۴ء

''آنکھ کی کہانی'' کی ابتداء حمد وصلوٰۃ سے کرتے ہیں:

مستحق حمد و ثنا کا ہے خدائے وہاب — جس نے دی آنکھ ہمیں آنکھ کو دی نور سے آب
کھول دی چشم بصارت بجمال ظاہر — جس سے ممتاز نگاہوں میں ہیں خوب اور خراب
دل کو دی چشم بصیرت بکمال باطن — جس کی رو سے متمیز ہیں خطا اور ثواب
ساری تعریفیں ہیں اس رب دو عالم کے لئے — جس نے بینائی کی آنکھوں میں ہے رکھی تب وتاب
نعت وتوصیف ہے اس ذات مقدس کے لئے — دل کی بند آنکھ کے جس ذات نے کھولے ابواب
ختم جس ذات پہ ہے عین نبوت کا کمال — خوشہ چیں جن کے ہیں انسان وملک اور دواب
خلق ہے ان کا تصدق تو ہے خُلق ان کا کمال — آنکھ ہو گر تو یہی علم وعمل کی ہیں شعاب

آگے آنکھ کی افادیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

آنکھ قائم ہے تو ہے لذت رنگ وصورت — نہ رہے باقی تو موعود ہے جنت کا ثواب
ہو کھلی آنکھ تو اس سے ہے ظہور اعیاں — اور ہو بند تو ہے زیر نظر عالم خواب
آنکھ کھل جائے تو بھرپور ہے بجلی دل پر — نیم وا ہو تو بھری اس میں ہے مستی شراب
آنکھ نیچی ہو تو ہے نور حیا کا چشمہ — اور اٹھ جائے تو ہے نار فروزاں عتاب
آنکھ پھر جائے تو ہے شعلۂ نفرت کی بھڑک — اور بھرآئے تو ہے بارش رحمت کا سحاب
آنکھ ترچھی ہو تو پھٹ جائے فضاءِ پیشیں — اور سیدھی ہو تو سیدھا ہے جہانِ اسباب
آنکھ گرامن پسند ہے تو ہے دل بھی آزاد — آنکھ لڑ جائے تو پھر دل ہے گرفتار عذاب
آگئی آنکھ تو کہتے ہیں کہ بیمار ہوئی — اور نہ آئی تو سمجھتے ہیں صحیح و صواب
چشم حق بیں ہو تو نافع دین و دنیا — چشم بد بیں ہو تو دارین کا خسران و عذاب
آنکھیں دو ہیں تو وہ ہیں کاشف الوان جہاں — چار ہوجائیں تو ہیں سِرِّ محبت کا نقاب

''خلاصۂ احوال معالجہ'' عنوان سے آپریشن کے مراحل کا خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہاں خلاصہ اگر احوال کا ہو پیش نظر — مختصر طور سے ہیں اس کے یہ کل سات ابواب
دس منٹ کا ہے عمل آنکھ کے اپریشن کا — ہے یہ اس منزل مشکل کا اہم پہلا باب
چت پڑے رہنا ہے چھ گھنٹے پسِ اپریشن — ان مراحل کا اہم تر ہے یہی دوسرا باب
ساتویں گھنٹہ میں ملتی ہے کمر کو کروٹ — جو کہ اس مدت احوال کا ہے تیسرا باب

* حرکت زدہ، مسیحۂ انامل، تہلیل کناں رواں دواں رفت

پانچویں روز میں ہے اذنِ نشست و برخاست جو کہ اس قصرِ مہمات کا ہے چوتھا باب
چارپائی پہ سوار آنکھ پہ پٹی ہو چڑھی بارہ دن تک کی ہے یہ قید رواں پانچواں باب
ہاں اسی کا یہ تتمہ ہے جب پٹی کھلے آنکھ کے چہرے پہ چڑھ جائے جب ہی سبز نقاب
تین دن زخم کے ٹانکوں کی برآمد کے ہوئے اس مداوا کی منازل کا چھٹا ہے یہ باب
اس سے ایک ماہ کے بعد آتا ہے چشمہ کا مقام سہل تر سارے مراحل کا یہ ہے ساتواں باب
آپریشن کے مہمات کی تلخیص ہے یہ سات ابواب کا ہے یہ ڈیڑھ مہینے کا نصاب
بعد میں اور بھی رکھیں ہیں اگر کچھ پرہیز احتیاطیں ہیں محض جو نہیں تحت الابواب
خیر و خوبی سے ہوئے پورے یہ ابواب و فصول ہوگئی جس سے نگاہوں کی مکمل یہ کتاب

زمانۂ طالب علمی میں ''کوثر العلوم'' کے نام سے آپ نے یہ ایک نظم لکھی تھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

یہ کیسی دھوم ہے باغِ جہاں میں آج اے ہمدم گلوں سے بلبل نالاں گلے ملتی ہے کیوں پیہم
خوشی میں کیوں ترانے گا رہی ہیں قمریاں باہم برستا ہے یہاں پر ابر رحمت آج کیوں چھم چھم
ہوئے جاتے ہیں گل جامے سے باہر شادمانی سے ہوئی جاتی ہے بلبل مست اپنی نغمہ خوانی سے
خرام ناز سے باد بہاری آج آتی ہے بنا کر ہار پھولوں کا چمن میں ساتھ لاتی ہے
چمن میں ہر طرف سے یہ مبارکباد آتی ہے مبارک ہو بہار بے خزاں گلشن میں آتی ہے
پلا دے ایک ساغر ساقی رنگیں بیاں مجھ کو تیری آنکھوں کے صدقے دے شراب ارغواں مجھ کو
بتا دے عالم اسرار کے راز نہاں مجھ کو پلا دے وہ مئے عرفاں کہ کردے بے نشاں مجھ کو
مضامیں کا چلا ہے دل سے اک قلزم رواں ہوکر میرے عجز بیاں نے سر اٹھایا آسماں ہو کر
تخیل کے ہے سینے میں مضامین کی فراوانی تصور کے خزانے میں ہے تصدیقوں کی ارزانی

دیگر نظموں کے عنوانات یہ ہیں: بارگاہِ نبوت میں فریاد، فکر حزیں، آہ دردمنداں، استقبالِ مجاہد، یادِ رفتگاں، ہیئت و ہیبت، موعظت و ذکریٰ وغیرہ

''شکریہ نظامِ دکن'' کے عنوان سے نظام دکن کے نام درج ذیل القاب کے ساتھ ایک نظم تحریر فرما کر نظام دکن کے نام بھیجی گئی تھی، جس میں عیدین کے موقع پر طلبۂ دار العلوم کے لئے نظام دکن کے ارسال کردہ وظیفہ مبلغ پانچ سو روپئے کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

شکریہ بندگانِ عالی متعالی اعلیٰ حضرت نظام دکن **خلد اللّٰہ سلطانہٗ و ابقیٰ اجلالہٗ** وقتیکہ پنج صدروپیہ

سالانہ بتقریب عید الفطر و عید الاضحیٰ برائے طلبۂ دار العلوم دیوبند از بارگاہِ رفیعش بتقررآمد متع اللہ الاسلام والمسلمین بطول بقائہٖ وحیاتہٖ

اے سرورِ محفل عالم عجب ہے تیری تاب کا — بحر شادی میں ہے پیدا جزر و مد کا انقلاب
جلوہ پیدا ہے ہر ایک ذرہ مثالِ آفتاب — مدعی ہے آسماں کی یہ زمینِ خاک ناب
دل کا غوغا ہے کہ لا ساقی مئے ناب سخن — ساغر و مینا ہے خالی اور پیاسی انجمن
رخصت اے ذوقِ خموشی چھوڑ دے اپنا سماں — دیکھنے دے اب تکلم کی بھی مجھ کو شوخیاں
آسماں آسا ابھرتا ہے مرا عجز بیاں — صورت نے کہوں سراپا اپنی بہجت کا نشاں
شعلۂ سوز الم سے آج میں کوسوں ہوں دور — چھیڑ مت مجھ کو کہ میں ہوں مفت صہبائے سرور
بحر رافت کا تلاطم لے چلا سوئے دکن — مژدہ اے دل، ہو مبارک تجھ کو شوقِ انجمن
ہو رہی ہیں نا امیدی پر امیدیں خندہ زن — پھوٹ نکلی ہے افق سے مہر ہمت کی کرن
کیا عجب چشم تصور نے ہے باندھا انتظام — سامنے ایک دم میں کردی درگہہ شاہ نظام
اے کے عالم میں طراز مسند عظمت ہے تو — از پئے دین الٰہی آیۂ رحمت ہے تو
شاہد عزت ہے تو، خونِ رگِ امت ہے تو — ظلمتِ گیتی میں ماہِ نصرتِ ملت ہے تو
ہستیاں ہیں راحت امادہ تو تیرے نام سے — اور شرف اندوز ہے دنیا تیرے انعام سے

اب حکیم الاسلامؒ کے منظوم کلام ''عرفانِ عارف'' سے چند منتخب نظمیں ملاحظہ فرمائیے۔

آہ دردمنداں

مل جائے کساں و بے کساں رفت — ماوائے ضعیف و ناتواں رفت
مطلوبِ قلوبِ طالباں رفت — محبوبِ دل جہانیاں رفت
گنجینۂ فیض بے کراں رفت — قسّام بزم قاسماں رفت
راس زمن و پناہِ ایماں — سر حلقۂ بزمِ مؤمناں رفت
سر دائرۂ علوم و تقویٰ — محمود و حبیبِ عالماں رفت
تسکینِ خواطرِ کریماں — ہیہات کہ از جہاں چساں رفت
باغ است و بہار خاک برسر — کز گلشنِ علم باغباں رفت

طفلانِ چمن بزرد روئی — شادابی و نکہتِ گلاں رفت
اے وائے چمن چنیں خزانے — گل رفت و نسیمِ گلستاں رفت
آں رفت کہ رفتنش ز عالم — گویا ز ہمہ جہاں تواں رفت
آں راہ نمائے دینِ احمدؐ — آں قدر فزائے قدسیاں رفت
آں صدر نشینِ مرکزِ علم — آں گلّۂ علم را شباں رفت
آں قاسمِ علم و ابنِ قاسمؒ — از حلقۂ قاسمی دواں رفت
دارائے علوم حافظ احمد — بگذاشتہ نام و خود نہاں رفت
ماندیم زمرکزِ عقیدت — افسوس کہ قبلۂ دلاں رفت
اُو رفت کہ رفت رعب و ہیبت — اُو رفت کہ شیرِ نیستاں رفت
اے طیبؔ و طاہرِ شکستہ — الصبر کہ پیر دودماں رفت
تسلیم کہ رفت پیر سالے — لیک آہ کہ ہمتِ جواں رفت
انداختہ خرقۂ یتیمی — بردوشِ شما سوئے جناں رفت
اندوختہ زادہ راہِ عقبیٰ — از راہِ زمیں بآسماں رفت
ظلِ پدری کشیدہ از ما — در ظلِّ ملیکِ مالکاں رفت
برداشتہ دل زما غریباں — از غربتِ رہ رہِ جناں رفت
رفتہ ز جہاں کہ رفتنی بود — حیفے کہ زدہر ناگہاں رفت
ناسودہ بہ ملک تن چو جانش — تسبیح کناں بہ ملکِ جاں رفت
حرکت زدہ سبحۂ انامل * — تہلیل کناں رواں دواں رفت
بر لوحِ جبیں نوشتہ مومن — از کلکِ قضاء عرق چُناں رفت
لاریب شہیدِ موتِ غربت — رفتہ بحیاتِ جاوداں رفت
پیمودہ سبیلِ حق تعالیٰ — باموت شہادت ہم عناں رفت
مہمانِ شہِ دکن شدہ پس — مہماں سوئے شاہ آسماں رفت
در خطۂ صالحین نہفتہ — بر خطۂ امرِ رب نہاں رفت
بگذاشتہ زود دوش احباب — بردوش و سرِ فرشتگاں رفت
بگذاشتہ ایں سرائے فانی — باطائرِ قدس آشیاں رفت

با دلق گدا بطبع شاہی پیوستہ بماند و ہم چناں رفت
غمہا بقلوب مافتادہ او گرچہ تہی غم از جہاں رفت
ما گریہ کناں بسیلِ اشکیم واں خندہ زناں بجا وداں رفت
مائیم و فتادگی و دوری اُو بر در قرب بے گماں رفت
پایاب نمود منزلِ ہجر قطرہ سوئے بحرِ بے کراں رفت
پابندِ ہوائے شوق گشتہ ذرہ سوئے آفتاب جاں رفت
رحمت بہ تن و روانِ تو باد اے آں کہ زجان بہ جانستاں رفت

دعوت آم سردھنہ میں

اس بارسفرِ سردھنہ میں صعوبتِ سفر کافی پیش آئی، کئی جگہ کارخراب ہوئی، کہیں رکشا لینی پڑی، کہیں پیدل چلنا پڑا، بالآخر دو گھنٹے کا سفر چار چھ گھنٹوں میں پورا ہوا اور تاریخی بن گیا، جس کا ذکر ذیل کی نظم میں کرتے ہوئے دعوتِ انبہ اور آم خوری کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

بہت ہی سر دُھنے سے سر دَھنے تک پہنچ پائے بفضل ایزدی ہم
مشقت رہ گذر کی منتظر تھی کہ الجھیں اُس کے کانٹوں سے ذرا ہم
لگا دامن تو کانٹوں نے بصد شوق کیا آگے کو بڑھ کر خیر مقدم
بگڑ بیٹھی اچانک کار اپنی لگی رکنے مکرر اور پیہم
چلی کار اور بیکاروں کی مانند رہی کچھ دیر رک رک اور تھم تھم
بگڑ کردی پھر اک پرزے نے آواز کہ اب ممکن نہیں منزل کا مقدم
غرض موٹر کا باطن کچھ خفا تھا مگر اس میں خِفا تھا شے تھی مبہم
سڑک کا رخ بھی کافی پر جفا تھا کہ جس سے پڑ گئے تھے کار میں خم
کھلی گاڑی تو رخنے کھل گئے سب کہیں تب جا کے آیا کار میں دم
چلی تب سیدھی سیدھی سادھ کر سیدھ لیا بس سردھنے آکر ہی پھر دم
خوشی ہے ناخوشی راہوں کی مٹ کر درِ مقصد پہ با مقصد ہوئے ہم
صعوبت راہ کی پادر ہوا تھی جوں ہی منزل نے آکر سر کیا خم
کوشش سچی تھی اہل سردھنہ کی کہ پہنچے اور پہنچے سر کے بل ہم

محبوں، مخلصوں کی ہے یہ بستی
فداکاری ہے جن کی غیر مبہم

درِ مسجد سے تا مسجد دو رویہ
صفیں تھیں مخلصوں کی بستہ باہم

کھڑے تھے دوست سب باجمع ضدین
دلوں میں آتشِ حب آنکھ میں نم

لبوں پر انبساطِ دل کے آثار
تبسم کی جھلک کے پیچ اور خم

قدم بڑھتے ہوئے پھیلے ہوئے ہاتھ
گلے ملنے کا جذبہ سب میں منضم

مصافحہ میں ہر اک سبّاق بالخیر
ہر اک تھا بے خودی میں غرق و مدغم

بغل گیری کے جذبے سے ابھر کر
بڑھے اخلاص کا بھرتے ہوئے دم

ملے سب شوق سے بالطف و اکرام
خوشی اڈی، ہوا کافور سب غم

یہ قدریں کس قدر ہیں قابلِ قدر
نظر آتے ہیں یاں آکر ہم ہی ہم

کہیں جلسے، کہیں دعوت، کہیں کچھ
جدھر دیکھو اُدھر ہے خیرمقدم

فضا میں نغمۂ شادی کی ہے گونج
شکارِ بے کسی ہے نوحۂ غم

ہراک سنّی ہے،قسمت سے ہے دل شاد
نصیبِ شیعیاں ہے ان کا ماتم

محبت کا ہر اک سر میں ہے سودا
تعاون کا ہر اک بازو میں دم خم

ہر اک لائق لئیق صد ستائش
ہر اک کا حق کی چوکھٹ پر ہے سرخم

ہر اک ہے بندگی میں عبدِ واحد
مگن طاعت میں اور دنیا سے بے غم

کوئی ہے یاس سے کٹ کر یٰسیں
امیدوں کی بشاشت میں ہے مدغم

ہے اس تثلیث میں پیوست توحید
کہ یہ سب شرک کے بارے میں ہیں بم

ہے قدرِ مشترک اخلاص ان میں
کوئی زیادہ ہے اس میں اور کوئی کم

ہیں تن سب کے الگ پر دل ہیں سب ایک
مئے وحدت کا ہر دم بھرتے ہیں دم

ہے ان کی روح وحدت اور محبت
محبت جام ہے خود اس کے ہیں جم

محبت کے یہی ہوتے ہیں آثار
کبھی دعوت، کبھی ہدیہ، کبھی غم

ہے آج ان کی طرف سے دعوتِ آم
کہ جس پر آج ہم یک جا ہیں باہم

کوئی دیبن سے، کوئی کوکھنی سے
کوئی میرٹھ سے آئے مل کے باہم

نگاہیں متحد ہر آم پر ہیں
خیالوں تک کی رَو جاتی ہے یاں تھم

مئے وحدت ہے گویا آم کا رس
ملا دیتا ہے سب بچھڑوں کو باہم

ہے مرکز وحدتوں کا آم کا طشت
کہ چوگرد اس کے سب بیٹھے ہیں بے غم

نگارستان ہے آموں کا تشلا
ہے رنگا رنگ محبوبوں کا عالم

ہیں بیٹھے طشت پر آسن جمائے
نہیں دنیا و مافیھا کا کچھ غم

ہے جب تک سامنے آموں کا تشلا
سمجھتے ہیں کہ سب کے دم میں ہے دَم

ہر اک دل میں ہے آموں ہی کا سودا
ہر اک کا طشت کے آگے ہے سر خم

ہر اک آموں کی الفت میں ہے سرشار
زبہرِ رنگ و بو و از بہر مَطعَم

جب ہم ہوں، آم ہوں پھر فکر ہے کیا؟
بپا ہوجائے گو معدہ میں ماتم

دل آرا مے برنگِ صاف و شفاف
خنک صہبا بہ ساغر ہائے نیلم

شرابِ زرد سے بھرپور شیشے
جو کھو دیتے ہیں غم والوں کے سب غم

بلا سینہ کے پستاں مُہر بر سر
بسنتی دودھ سے لبریز و پُرنم

سُرور آور برائے قلبِ عشاق
سکوں بخشے، پئے رومانِ پیہم

شرابِ پاک میں شہدِ مصفّٰی
ہے مائیت میں شیرِ پاک مدغم

شراب و شہد و شیر و آبِ صافی
ہے آم انہار جنت سے مقوَّم

شرابوں کے ہیں رنگا رنگ ساغر
بھرا ہے مستیوں کا جن میں عالم

عجب پر کیف ہے آموں کا یہ کیف
نشہ ہے پر خرد ہوتی نہیں کم

نہیں انسان کی صنعت گری یہ
نہ خم خانوں سے یہ مینا ہے پرنم

نہ کچھ پیرِ مغاں کا اس پہ احساں
نہ ہے یہ میکدہ کا قیدیٔ غم

جہانِ غیب کا ہے راست تحفہ
زدست قدرتِ خلاقِ عالم

یہ ساغر غیب کا ڈھالا ہوا ہے
رسیلی آنکھ میں مستی کا عالم

زمیں پر خاکساری سے ابھر کر
فضاؤں کی بلندی میں ہے قائم

نہیں ہے ایک رنگ کا اُس پہ ملبوس
ہے صد الوانِ رنگینی کا عالم

لباسِ نو بہ نو میں ایک محبوب
تجلّی ریز بر خضرائے خاتم

کوئی سبز اور کوئی زرد اور کوئی سرخ
کوئی ہے زعفرانی، کوئی نیلم

عجب رنگیں ادا، رنگیں صورت
رنگوں کا اُن پہ لہراتا ہے پرچم

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشی
ز اندازِ قدت پر نور چشم

ضخامت اور قامت میں تفاوت ‏ نمایاں جس سے حکمت کا ہے عالم
کوئی چپٹا، کوئی چوڑا، کوئی گول ‏ کوئی قامت میں سیدھا کوئی پرخم
کوئی کہتر کوئی مہتر کوئی وسط ‏ کوئی کم کوئی زیادہ اور مفخّم
ہزاروں ہیں قدو قامت کے پیکر ‏ نرالا قدرتِ حق کا ہے عالم
بہر قامت کہ آئی، بر سر و چشم ‏ بہر پیکر کہ باشی نور چشم
ہر اک کی خاص خوشبو ہے نرالی ‏ ہر اک خوشبو کا پھر ان میں ہے سنگم
گلابِ خاص ہے گر اس کو سونگھو ‏ بہشتوں کا ثمر ہے بہرِ مطعم
ہے ہر ہر آم کا اک ذائقہ خاص ‏ بہت سے ذائقے ایک اک میں مدغم
حلاوت با حموضت بے مرارہ ‏ ہے گویا ذائقوں کا ایک عالم
اگر یکجا کہیں ہوں مختلف آم ‏ دکھائی دیتے ہیں پھولوں کا البم
دل عشاق کو راحت کا پیغام ‏ نگہ کی زندگی ہے ان کا موسم
جو بلبل کو ہے گل سے خاص نسبت ‏ لئے ہیں آم سے وہ ابنِ آدم
نمود و بود اُس کی فصل باراں ‏ ہیں پانی کے لگن سے اس کے دم خم
بآب صاف رنگیں مچھلیاں ہیں ‏ جو خود پانی کی زینت کا ہیں پرچم
لباسِ آب میں عریاں ہیں ایسے ‏ حریرِ تر میں جیسے ابن آدم
ہیں رنگا رنگ ساغرہائے انبہ ‏ بزیبائی صورت دافعِ غم
نہیں کام و دہن ہی ان کا شیدا ‏ اگر ہوں ناک تک تب بھی رہیں کم
لبوں پر ہوں تو شیرینی سے لب دوز ‏ اتر کر منہ میں پہنچیں تب ہیں ہم دم
گلے لگ کر اتر جائیں جو نیچے ‏ جراثیمِ شکم کے حق میں ہیں سَم
غذا بھی ہیں تفکّہ بھی دوا بھی ‏ دم انسان کے دم ساز وہم دم
یہ دم دم کی بھی خواہی کا ہے سہرا ‏ اُنہی کے سر ہے اور رہتا ہے پیہم
ہے آموں کی محبت بھی نرالی ‏ کسی حالت میں بھی ہوتی نہیں کم
اُگل کر پھر نگلنا گو ہے منفور ‏ نہیں ہوتی ہے رغبت پھر بھی کچھ کم
اُگلنا بھی نگلنے کے لئے ہے ‏ کہ نگلا جائے اس کو لے کے کچھ دم
ہے انبہ ایسی اک محبوب زوجہ ‏ کہ ہے اُس کے بغیر عاشق لبِ دم

طلاقِ بائنہ یاں کب ہے ممکن؟ کہ ہجرِ آم پر ہو کوئی خرّم
ہے فصلِ آم کا مقصود بھی وصل ہے اس کے فصل میں بھی وصل منضم
ہے وصلِ آم ہر ہر فصل کے بعد طلاقیں ہیں، مگر رجعی ہیں پیہم
نکاحِ نو کی یاں حاجت نہیں ہے یہ رشتہ بدر فطرت سے ہے دائم
یہ زوجہ گھر میں ہو یا باغ میں ہو بہرصورت ہیں ازواج اس سے منضم
یہ آموں ہی کی ہے شیریں ادائی کہ ان کی ترشیوں پر بھی ہے سرخم
اگر ہوں ترش رو تب بھی گوارا محبت کا عجب ہے اُن کی عالم
ہوں نیچے رنگ رنگ آموں کے تشلے اور اوپر سے برستا مینھ ہو چھم چھم
ہوں جمع نیم عریاں پینے والے لنڈھائے جائیں ساغرہائے پیہم
تو یہ دنیا میں ہوگی بزمِ جنت شرابِ طہر سے دل ہوں گے خرّم
عجب رنگین ہے آموں کی محفل ہے گویا مجلسی ہی ان کا سسٹم
تمام عاشق یہاں شیشہ بدست ہیں ہے اس محفل میں یکجا جام اور جم
یہ آموں کی محبت کا ہے ثمرہ کہ ان پر آکے جڑ جاتے ہیں باہم
ہے آموں میں لڑائی کا بھی پہلو کہ بن جائیں مقابل جو تھے ہمدم
ہے بزمِ آم سے وابستہ نو روز کہ جس میں جنگ کی صورت ہے منضم
ان آموں کے یہ گٹھلی اور چھلکے سروں پر پڑتے ہیں جب صورتِ بم
تو بزمِ آم بن جاتی ہے اک رزم اور اٹھ جاتے ہیں سراب تک جو تھے خم
جہاں مصروفِ ناؤ نوش تھے سب وہ ہوجاتے ہیں مار اور دھاڑ میں ضم
لباس و تن پہ زرد از زرد دھبّے مثالِ خونِ مجروحین بے دم
مگر اس جنگ کا منشا ہے تفریح جو ہے وجہ نشاطِ ابنِ آدم
غرض ہے بزم و رزم آموں میں یکجا عجب ہے جمع ہوں ضدین باہم
یہاں رزمی بھی ہے ہمدوشِ بزمی ہے مجلس اور میداں اس میں توأم
ہے انبہ عشق کی رو سے بھی جامع ہے محبوبی میں اس کی عاشقی ضم
ہے آموں میں محبت کا بھی مضموں کہ محبوبی میں بھرتا حُب کا ہے دم
اچھلتا رس ہے گر کپڑوں کی شامت تو فاش اس سے ہے اس کا عشق مبہم

ہے دلدادوں پہ اپنے اتنا شیدا چھڑکتا ہے اُچھل کر اپنا خود دَم
ادھر محبوب اُدھر عاشق بیک وقت اِدھر دلدار اُدھر دل گیر اسی دم

تعجب ہے کہ پھر بھی ہے وہ مظلوم محبت کا بدل اس کو ملے غم
ہوں آموں پر پیا پے ایسے حملے کہ ایک ایک آم کا ہے ناک میں دم
کہ ہر ہر ہاتھ چابک دست ایسا کہ آم اس سے ہیں دم کے دم میں بے دم
بعجلت ہاتھ بڑھتے ہیں لگن پر کہ اک دانہ بھی رہ جائے نہ بادم
ہے دانتوں کی یہ یورش اور یلغار تنِ نازک پہ صدہا زخم پیہم
ہر ایک کا پیٹ وسعت پر ہے نازاں کہ کتنے آم بھرتا ہے بیک دم
تعجب ہے کہ یہ عشاقِ انبہ بنے ہیں اس کے حق میں ففتھ کالم
ہیں دشمن سے زیادہ اس کے دشمن بدعوائے محبت اس پہ ہیں بم
خود ہی کرتے ہیں اس کا حسن پامال نچوڑیں ہاتھ سے اور کھینچ لیں دم
نہ صرف ہاتھوں سے، دانتوں سے بھی مسلیں لگا کر زخم کردیں اُس کو بے دم
اکھاڑیں پوست، ہڈی تک نہ چھوڑیں کریں پھر فخر مجبوبے خورندم
عجب محبوب ہے عاشق سے مجبور عجب محبوب عاشق کے سہے غم
عجب عاشق جنوں کا نام لے کر کرے محبوب ہی کے لختِ پیہم
چبا جائے برغبت گوشت اور پوست نہ چھوڑے رنگ و بو کا اس کے عالم
پیئے خون اور ہڈی تک چچوڑے نہ کرنے دے اسے فریاد و ماتم
یہ عاشق ہے کہ خوش اُتنا ہے جتنا تنِ محبوب پر کاری لگیں زخم
تعجب ہے جفا محبوب پر ہو وہ غمگیں ہو، رہیں عشاق خوش دم
یہ آموں کا سمجھئے حسنِ سیرت کہ ہیں صبر و رضا میں خوب محکم
یہ آموں کا ہے اخلاص اور ایثار محبت کے شغف کا یہ ہے عالم
مگر ہے اس میں کیا آموں کا نقصان محبت میں گیا جو وہ ہے دائم
یہاں کی ہر فنا میں اک بقا ہے مٹا جو بھی وہی آخر ہے دائم
یہی آموں کی محبوبی کا ہے راز کہ تسلیم و رضا میں ہیں وہ محکم

ختامِ فصل سے تا فصلِ ثانی سراپا شوق رہتا ہے یہ عالم
کہ کب آم آئیں کب ہم منتفع ہوں انہیں غم دے کر ہم ان سے ہوں خوش دم
پس اے آموں کی امت مت ہو دل ریش نہیں دارین میں تیرے لئے غم
تو اس مشقِ ستم سے ہو نہ دل گیر دوامِ زندگی ہے تجھ میں قائم
ملا ہے جس کو جو ہستی کو کھو کر فنا ہی میں بقا ہوتی ہے منضم
فنا میں ہے بقا کا راز مضمر بقا اندر فنا، ہے قدر مبرم
مٹا جو، وہ ہے انمٹ، ہے یہ فطرہ تو مٹ جانے سے تجھ کو کیا ہے پھر غم

مگر ہوں کھانے والے بھی نہ نادم کہ قدرِ نعمتِ حق ہے مقدم
ہے استعمالِ نعمت قدرِ نعمت اور اس کا ترک ہے عصیان و مآثم
تم ان آموں سے جتنا منتفع ہو یہی قدرت کا ہے ایماء پیہم
پس انساں بھی ہو خوش اور آم بھی خوش کہ دونوں نے اطاعت کا بھرا دم
وہ مستعمل ہوا جس کے لئے تھا حوائج کا یہی ہے کارِ اقوم
یہ عامل بن گیا جس کے لئے تھا عمل ہی ہے ہر اک شے سے مقدم
خدا کا شکر ہے دونوں ہیں فائز رہے طاعت میں دونوں ہی بہر دم
مبارک ہے ہماری دعوتِ آم ہوئیں دو طاعتیں اُس سے منظّم

اقانیم ثلثہ کا تشکر کہ جن کے دم سے دعوت میں پڑا دم
لئیق و احمد و یٰسین تینوں پھر اہل سردھنہ ہوں سارے خرّم
انہی سے آم کو طاعت ملی آج انہی سے ہم نے طاعت کا بھرا دم
خدایا دے انہیں توفیق ہر سال کہ آموں کا منائیں جشن نیلم
خدایا رکھ انہیں ایسا سُبک سار کہ سر پر ان کے ماثم ہو نہ مغرم
خداوندا رہیں دائم یہ دل شاد نہ چھو پائے انہیں تشویش اور غم
غمِ دنیا سے یکسر ہوں یہ آزاد غمِ عقبیٰ میں ہرلحہ ہوں پُرغم

رہیں دنیا میں جب تک آبرو وے چلیں عقبیٰ کو جب کردے معظم
زمیں کے فرش پر عرش آشیاں ہوں ہوں ظلِّ عرش میں رحماں کے محرم

والحمد للّٰہ اولاً و آخراً

۴؍ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

کیلا

برادرم حکیم محمد الیاس صاحب کٹھوری ثم المیر ٹھی نے بمبئی کی ایک دعوت کے موقع پر جب کہ کیلے بھی دسترخوان پر آئے تو فرمایا کہ ایک کیلا قابض ہوتا ہے، دو قابض نہیں ہوتے، تین ہاضم ہوتے ہیں اور اس سے زائد ملیّن ہو جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے اُسی موقع پر اسے نظم کر کے جو حسبِ ذیل ہے حکیم صاحب ممدوح کی خدمت میں پیش کیا۔

ہیں کیلے کی شانیں عجب رنگ رنگ نرالے ہیں تاثیر کے اُس کی ڈھنگ
کہیں قبض آور کہیں ہے ملیّن کہیں ہے یہ پانی، کہیں ہے یہ سنگ
عدد کے تفاوت سے تاثیر اس کی دکھاتی ہے معدہ کو دنیا کے رنگ
ہے قابض اگر ہو اکیلا یہ کیلا دو کیلا ہو تو قبض سے ہے بجنگ
کمک ایک کی اور مل جائے گر تو پھر قبض کے رنگ میں ہے یہ بھنگ
اکیلے دو کیلے جو مل جائیں چند تو مسہل بھی رہ جاتے ہیں ہو کے دنگ
نمایاں نہ ہو گر یہ تاثیر کا فرق تو سمجھو کہ کیلے کے جوہر میں ہے زنگ
یہی بات کہتے ہیں الیاس حکیم ہے امراض کا قافیہ جن سے تنگ
اسی کے موید ہیں طب کے اصول ہے آئینِ فن کا یہی رنگ ڈھنگ
جوانی کے غرّے میں ترکِ اصول اگر عذر بھی ہو تو ہے عذرِ لنگ

مقصدِ زندگی

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا تھا :

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

اس میں دنیائے فانی کی زندگی اور اس کے احوال کو نا قابل التفات ٹھہرایا گیا ہے جو امرِ حق ہے مگر مقصد کا پتہ نہیں دیا گیا جس کے لئے ان احوال کو ترک کر دیا گیا ہے، نیز بعض احوالِ دنیا رہ بھی گئے ہیں جو ذکر میں نہیں آئے، اس لئے حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس قطعہ میں بطور تتمہ چند اشعار کا اضافہ کر دیا ہے۔
اب اس قطعہ کو یوں پڑھنا چاہیئے:

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے — یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی — وہ فقط وقت کا گذرنا ہے
اکبرؔ
رہ گیا عزّ و جاہ کا جھگڑا — یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
قابلِ ذکر بھی نہیں خورد و نوش — یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے
مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق — نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

استقبالِ مجاہد

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے احمد آباد جیل سے رہا ہونے پر یہ نظم لکھی گئی جو جامع مسجد دیوبند کے جلسۂ خیر مقدم میں پڑھی گئی۔

باد ممدوحے کریمے کہ ز مدحِ خویش — از ثنائش ہمہ ترساں و گریزاں آمد
چہ کنم مدح عزیزے کہ ز تسلیم و رضا — مدح و ذم در نظرش واحد و یکساں آمد
شکر معبود بجا آرم و شاداں گویم — از رہِ فضلِ خدا یوسفِ زنداں آمد
پیکرِ صبر و رضا رہ گر اخوانِ صفا — یوسفِ راہِ وفا باز بکنعاں آمد
اسم سامیش حُسین است و مسمّٰی حسن است — روحِ تکبیر بہ تصغیر چہ پنہاں آمد
نیک مردے ست کہ سرمستِ شہادت بینم — ہم حیاتش ہمگی ظلِّ شہیداں آمد
اے تو عیسیٰ قدمی زانکہ ہمیں خطۂ ہند — بود صحرا ز قدومِ تو خیاباں آمد

حیات النبیؐ

مسئلہ حیات النبی میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا مسلک اور آبِ حیات کا خلاصہ:

جب موت بھی مزیلِ حیات آپؐ کی نہیں — کہنا ہی کیا پھر آپ کی عینِ حیات کا

اصلِ حیات علم ہے اور علم آپؐ کا مرکوز ذات میں ہے جو جوہر ہے ذات کا
پس ذات ہی خود آپؐ کی ہے آپؐ کی حیات ہے موت ایک عارضی پردہ حیات کا
یہ موت انتقال ہے تبدیلِ حال ہے جو انبیاء کے واسطے افزوں کمال ہے

نوا سنج انا الحق

اے نواسنجِ انا الحق ترا کہنا تھا بجا پر نہیں پاسِ ادب عشق میں دعویٰ ہونا
ہے انا عشق میں اک راز درونِ پردہ پر نہیں راز کا حق، راز کا افشا ہونا
عشق خوددار ہے خود رازِ درونِ عشاق عشق کی خامی و رسوائی ہے لب وا ہونا
شور برپا نہ ہو ہر ایک بلا ہو برسر یاں ہے برسر ہی ہنر عیب ہے برپا ہونا
اپنے آپے میں خودی ہو تو خودی ہے ورنہ اپنے آپے سے گذرنا ہی ہے رسوا ہونا
غیرتِ عشق ہے اسرارِ خودی ہوں خاموش نہ کہ اسرارِ خدا تک سے بھی گویا ہونا
دیکھ کر مہر کو اپنے میں نظر آئے جو مہر یہ نظر ہی نہیں آنکھوں کا ہے خیرا ہونا
ہو اَنا مونہہ میں تو انت کی صدا کا کیا منہ ہے انا ہی کا فنا منہ کا مداوا ہونا
نعرۂ سنجیٔ انا حق سہی لیکن پھر بھی شرطِ انصاف ہے، انصاف سے گویا ہونا
ہے انا حسنِ نوا بحر بقطرہ ہو اگر پر نہیں اس کا محل قطرہ بدریا ہونا

ختمِ نبوت

اک نبوت ہی نہیں ختم نبوت بردوش اک صحیفہ ہی نہیں ہاتھ میں اعجازی کتاب
ذاتِ خاتم میں نبوات کے سارے انوار ذاتِ قرآں میں ہدایات کے سارے ابواب
کیسے اقوام و ملل میں نہ پہنچتی یہ ضیاء جب کہ جامع بھی تھی، خاتم بھی تھی ذات اور کتاب
خاتمِ وحی خدا، خاتمِ علم و اخلاق خاتمِ نورِ نبوت، زرہِ علم و کتاب
منبع سرِ سلف، مصدرِ انوارِ خلف جس سے ہیں سارے نبی اور ولی فیض مآب

دعوت الی اللہ

اعلاء دین کی ہے خلافت اسے ملی وہ نائبِ حضورِ رسالت مقام ہے

اللہ کی وکیل ہے خلقت پہ ہے گواہ اور اُس پہ پھر گواہی خیرالانام ہے
دعوت میں اس کی حق کی امانت ہے مستتر علم اور عدل میں وہ جہاں کی امام ہے
اس علم اور عدل سے اسلام کا نظام غلبہ میں اور ظہور میں اعلا مقام ہے
اسلام ہی کے دین و سیاست میں منحصر اصلاحِ حال امت خیرالانام ہے
اس میں ہی ہے بقاء و ترقی کا انحصار ضامن ترقیات کا اُس کا نظام ہے
اُس میں ہے پھیل جانے کی خود اسپرٹ چھپی اس کی خود ہی خود سے اشاعت نظام ہے

اوازنِ مبالغہ

درسِ مقامات کے ذیل میں بزمانۂ طالب علمی مبالغہ کے مشہور چار صیغوں مِفْعَال، فَعُوْل، مِفْعل، فَعَّال کا فرق و امتیاز حضرت حکیم الاسلامؒ کو یاد نہیں رہتا تھا، اس لئے ان کے فروق کو آپ نے نظم کر لیا تھا، جس کے بعد پھر کبھی اس سے ذہول نہیں ہوا اور جب مشکوٰۃ شریف کا درس آپؒ سے متعلق ہوا تو طلبہ نے بھی اس کی نقلیں لے کر یادداشت کا فائدہ اٹھایا۔

تُرید فروق اوزان فسمعاً لامرك یا بُنَیَّ وما تقولٗ
هی الاوزان اربعة تراها بنظم عن لحاظك لا یزولٗ
فمفعال متی تعتاد فعلاً و اَن تقویٰ علی فعل فعُولٗ
ومن هو عُدَّةٌ للفعل مِفعلٗ و قوّال یکرّر ما یقولٗ

سبعۃ اَحرف

معانی حدیث انزل القرآن علیٰ سبعة احرف

نزول کتاب الله فی سبع احرف تعدُّد لفظٍ لأعداد معان
فاما لغات من قبائل سبعة فصاحتها امتازت بحسن بیان
قریشٌ هُذیلٌ ثم طَیٌّ هوازنٌ ثقیفٌ تمیمٌ ثم اهل یمان
و امّا قراء اتٌ بانواع لهجة تسبَّعها القراءُ بالاتقان
و اما یُراد بسبعة تنویعها انواع احکام من القرآن
حلالٌ حرامٌ محکمٌ متشابهٌ فزجرٌ و امرٌ والمثال بشان

سازِ امکانی

حضرت حکیم الاسلامؒ کی یہ نظم ''القاسم'' قدیم بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوئی۔

زبوں اندوزیوں نے گھر بنایا ہے کہاں میرا
ثریٰ اپنی زمیں ہے اور زمیں ہے آسماں میرا
نہیں قسمت میں جن کی کشف میں وہ راز پنہاں ہوں
نہیں ہے بزم میں گردوں میں بھی کوئی رازدا میرا
سراسر نیستی ہو جس میں پنہاں میں وہ ہستی ہوں
چمن میں باغ امکاں کے عدم ہے آشیاں میرا
میں وہ کشتی ہوں جس کا ناخدا آغوشِ طوفاں ہے
فضا کے تند جھونکوں پر چلا ہے بادباں میرا
اس عالم کے مرقع میں، میں اک تصویر باطل ہوں
سراب وہم کی موجوں میں ملتا ہے نشاں میرا
صدف ہوں پھر بھی اک نایاب سا اس بحر ہستی کا
کہ صدر چشمک زنِ لؤلؤ ہے اشکِ خونچکاں میرا
ہویدا کچھ نہیں گو چشمِ غم سے نورِ گویائی
میں خودغم کی زباں ہوں گم اگر ہے بےزباں میرا
عنادل کے ترنم سے الگ ہے زمزمہ اپنا
نہیں صحنِ گلستاں میں کوئی ہم داستاں میرا
میں موسیٰ بن کے گو منت کش طورِ تمنا ہوں
مگر کرتی ہے حرماں کی تجلی امتحاں میرا
مدامم مست می دار و شرابِ صد طپیدنہا
خرابم می کند در دستِ حسرت صد و دیدنہا

''حیاتِ طیب'' کے بابِ اوّل میں سفر وادئ کشمیر میں حکیم الاسلامؒ کے منظوم سفر نامہ کو پیش کیا گیا ہے، ذیل میں اُسی سفر نامہ کے چند مفید اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔

اہلِ کشمیر

''کشمیری وطن میں بے وطن''

مالک ہیں اس کے آہ کہ تشویش کا شکار
ضیقِ دروں سے زار ونزار اور دل فگار
محروم ہے وطن سے مگر مالکِ وطن
محروم ہے بہار سے خود مالکِ چمن
ان خوبیوں پہ کیوں ہیں وہ دلگیر ودل نزار؟
کیا جرم ہے کہ جس سے بنے وہ قصور وار؟
بنیاد ہے مصیبتِ کل، معصیت نہیں
بنیاد خوبیاں ہیں کوئی منقصت نہیں
بنیاد اُس کی زیب ہی خود اس چمن کی ہے
خوش منظری جہاں میں اس انجمن کی ہے
بنیاد یہ کہ کیوں ہے وہ جنت نشاں زمیں؟
بنیاد یہ کہ اُس کے مناظر ہیں کیوں حسیں؟

بنیاد یہ کہ کیوں ہے جمالوں میں وہ فرید؟ بنیاد یہ کہ کیوں ہے ممالک کی وہ کلید؟
ہر بوالہوس کی اس لیے پڑنی ہی تھی نظر پھنسنا ہی تھا اُسے بھی بلا میں کمر کمر
کشمیر خود سے گو اک عروسِ حسین ہے خطّوں میں مثل چہرۂ ماہِ مبین ہے
پر اس کے حق میں حسن ہی یہ بن گیا بلا شکوہ کرے تو کس سے وہ کس کا کرے گلا
کشمیر خود سے گھر اک عروسِ حسین ہے خِطّوں میں مثل چہرۂ ماہِ مبین ہے
پر اس کے حق میں حسن ہی یہ بن گیا بلا شکوہ کرے تو کس سے وہ کس کا کرے گلا
کشمیر خود نہیں ہے اس آفت کا ذمہ دار وہ عاشقوں کے تیر رقابت کا ہے شکار
عاشق ملے مگر ہیں وہ خود غرض و بے وقار محبوب بھی ہے جن سے ستم دیدہ وفگار
یہ عشق تابہ زانو ہے آگے نہیں ہے کچھ شہوت ہے نفس کی یہ محبت نہیں ہے کچھ
خواہش ہے سیم وزر کی ہوس اقتدار کی ہے اک لپٹ یہ نفس کے اٹھتے شرار کی
مارِ سیاہ گرد خزانے کے ہیں پڑے ایسے اڑے ہوئے ہیں کہ گویا اب لڑے
اس جنگ زرگرامی میں ہے کشمیر کا یہ حال اس کا رہا نہ قال نہ بر جائے خود ہے حال
نازک بدن عروس پہ یہ ناوِک جفا خود غرضیاں نہیں ہیں تو کیا ہوگی یہ وفا؟

کشمیر کی المناک حالت

زینت کی ان فضاؤں میں آفت زدہ مقام ہے ایک صرف ایک ہے کشمیر جس کا نام
لاکھوں یہاں پہ آتے ہیں کرنے کو غم غلط کشمیر کا مگر نہیں ہوتا ہے غم غلط
کشمیر کی یہ رنجدہ حالت ہے پر الم آئندگاں براحت و باشندگاں بغم
کشمیر کی زباں پہ جاری ہے یہ حُدی اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی
کشمیر بے زبان بچارہ اَدھر میں ہے پورا سفر میں اور نہ پورا حضر میں ہے

کشمیریوں کی بجا فریاد

کشمیری اس پہ گر کریں فریاد والغیاث بے جا نہیں ہے بلکہ یہ ہے بہترین اثاث
کشمیریوں کا قول ہی اس میں ہے مستند کہتے ہیں وہ اور ان کا یہ کہنا ہے خود سند

ہم سب اسی لیے سرِ میداں ہیں سر بکف
ہے خواہ مخواہ ہم کو بنایا ہوا ہدف
مقصد ہے یہ کہ ضیق کی بیماریاں گھٹیں
کشمیریوں کے تاکہ کچھ آگے قدم بڑھیں
سعی وعمل ہی ہاتھ میں ہے کر رہے ہیں ہم
کرتے رہیں گے دم میں ہے جب تک کہ اپنے دم
راہیں ہیں پیچدار، خلیجیں ہیں بے شمار
دشواریاں ہزار ہیں کمزور راہوار

اصل مصیبت

لیکن یہاں اک اور دقیقہ ہے مختصر
ہے مستحق کہ اُس پہ بصیرت سے ہو نظر
یہ باغ وراغ جو بھی ہیں کشمیر کا ہے حسن
ہوگا نہیں شمار یہ کشمیریوں کا حسن
حسن وجمال کا ہے الگ ہر محل میں طور
کشمیریوں کا اور ہے کشمیر کا ہے اور
کشمیر کا جمال ہے قدرت کا شاہ کار
کشمیریوں کا حسن ہے اخلاق وجوشِ کار
کشمیر اگر ہے اپنے مناظر میں باجمال
کشمیری وہ ہے جو ہو محاسن میں باکمال
قدرت کی ہے یہ دین کہ کشمیر باجمال
کسبِ کمال میں بھی سدا سے ہے مالا مال
مثل جمال اس کا تمدن بھی تھا جمیل
اُس کی بقا کا سب سے بڑا تھا یہی کفیل
منظر مٹے تو قوم کا مٹنا نہیں ہے یہ
مشرب مٹے تو قوم کا بچنا نہیں ہے یہ

کشمیر کی اصل تاریخ

کشمیر کی جب اپنی ہے تاریخ مستقل
علمی بھی صنعتی بھی بہر دور مستقل
تعلیم مستقل رہِ تہذیب مستقل
انداز تربیت ہو کہ تادیب مستقل
وہ ان خصوصیات سے ہے ملک مستقل
اس کے حقوق بھی ہیں بہر حال مستقل
اس کی ضرورتوں کے تقاضے بھی مستقل
ہے ناگزیر اُن کے لیے سعی مستقل
ان کا ہے اقتضا کے طلب بھی ہو مستقل
قربانیاں بھی دینی پڑیں خواہ مستقل

زعمائے کشمیر کا فرض

اس کو ہی پھر سے زندہ کریں قوم کے امین
جزوی مفاد چھوڑ کے مقصد کے ہوں رہین

لیکر اسی کو پھر سے چلیں قوم کے خواص
قائم کریں دیانت باطن سے اختصاص
عیش فزوں میں لائیں بہر حال اعتدال
راہِ عمل میں پیش کریں علم کا جمال
اصلاح قوم کے لیے سب ہو کے مستعد
اک متحد نظام پہ ہوجائیں متحد
باہم ہو اختلاف فروعات میں اگر
سب متحد اصول کی حد تک رہیں مگر
اس میں کبھی بنائے نہ جائیں حکم عوام
یہ گھر میں بیٹھ کر ہے فقط رہبروں کا کام
تنقید وتبصرہ سے نکھر جائے بات جب
اسٹیج پر عوام کے ہو سامنے وہ تب
ورنہ یہی ہے پارٹی فیلنگ کی اساس
پھر اتحاد قوم رہے گا نہ آس پاس

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۳۰؍جون۱۹۷۳ء

نسبتِ قاسمی

نسبتِ قاسمی اَحْسَنْتَ کہ ہنگامۂ دین
از تو گرم است بد دراں چہ دفاع وچہ ہجوم
نسبتِ قاسمی اکرَمْتَ کہ دینِ فطرت
از تو پیدا است بہر دل چہ عدول وچہ ظلوم
نسبتِ قاسمی اَنْعَمْتَ کہ ایں نعمتِ کل
از تو حاوی ست برآفاق باندازِ عموم
نسبتِ قاسمی اَعْدَلْتَ کہ عدلِ اسلام
برمی از فرط وُفرُط گشتہ ز توشد معلوم
نسبتِ قاسمی اَفْضَلْتَ کہ فیضانِ غیوب
بر تو شد شاہد و مشہود زغیبِ مکتوم
نسبتِ قاسمی اَرْشَدتَّ کہ ارشاد وہدیٰ
جاگرفتہ بقلوب از تو بتعدیل فہوم
نسبتِ قاسمی اَبْصَرْتَ کہ فکر انجام
از تو شد در دل عالم زبصیرت مفہوم
نسبتِ قاسمی از تست ذکاء افہام
فہم از خلقِ الٰہی زتو تعدیلِ فہوم
نسبتِ جامع اخلاق وشؤونِ اُلفت
کہ ہمیں رحمت ونور است دریں دارظلوم
نسبتِ علم وعمل نسبتِ عشق واحوال
نسبتِ فقہ دروں نسبت اسرارِ علوم
نسبت حلم وحیا نسبت الطاف وغنا
نسبت مہر ووفا نسبت عون مظلوم
نسبت صبر وتوکل زرہ صدق وعفاف
نسبتِ رحم وصلہ نسبت کسب معدوم
نسبتِ جود وسخا نسبت احسان وعطا
نسبت داروئے حرماں پئے درد محروم

نسبتِ عظمتِ اخیار بہ حُبِّ اَخیار — نسبت شفقت واکرام باندازِ عموم
انکسار وادب وعجز وتواضع للہ — نسبتے آنکہ مبرّا است زکبر مذموم
آمدی نسبتِ جامع بہمہ نوع کمال — از تو قاسم وعلوم از در قاسم مقسوم

مناقبِ قاسمی

قاسم بزم ہدیٰ قاسم علم وعرفان — تاکشودہ بمفاتیح کرم قفل فہوم
قاسم از اسم مسمی ابن رسول اکرم — یافت زیں اسم نصیبش زحدیث معصوم
قاسم حکمتِ اسلام باندازِ غریب — عقل دامادہ زحیرت شدہ مبہوت فہوم
اے تو مفتاح ہمہ خیری ومغلاقِ شرور — خیر غالب تبو شر مثل سراب موہوم
ہمت وشوکت باطن زمقام توعیاں — ہیبت ورعب تو در باطنِ اعداء مکتوم
اے تو منصور برعبی زکمالِ سنت — حاجتے نیست ترا خنجر وتیر مسموم
دست تو دست کرم عین تو عینِ الطاف — قلب تو فقہ وحکم روح تو تعمیر علوم
حکمتت حکمت اشراق وبنور روح است — کہ ہماں روح الٰہی است بقرآں موسوم
سینہ رت چشمۂ شیریں علوم سنت — تشنگاں زیں سبب آوردہ بگرد تو ہجوم
نور تو عارج وانوارِ کواکب نازل — یک فلک بستہ دگر تابزمیں شد منظوم
زانکہ اعمال تو رفتہ ز زمیں بفلک — وز فلک تابزمیں آمدہ چوں نور نجوم
قوت وطاقت غیبی بتو از ہدی نبی است — باہمہ رخ بہدایاتِ الٰہی محکوم
نحن نعلم بیقیں دستِ تو دستِ غیب است — دستِ تو پیش نظر دست حق ازوے مفہوم
برسر ماست خدا در دل ماحبِّ رسول — دست بردستِ تو کاں دست رسولِ معصوم
اوّلیں نقطۂ فیاض تو علم نبوی است — مبدأش نور مبیں است ویقینِ معصوم
جذبۂ خیر سگالت بعزیمت مقرون — یافتی کش بتوارث نہ باحداثِ ملوم
سایۂ خلق عظیمی بمقامِ اخلاق — رفعتش فوقِ سماو درجاتش معلوم
عش تو عشق حقیقی بجناب قدس است — کہ مزیل است برائے ہمہ اوہام وہموم

جامعیتِ قاسمی

دین وملک است توام نصِّ حدیثِ پاکست — نسبتِ قاسمی تو ام بجہاد وبعلوم
نسبتت نسبت ممزوج بدین وملک است — شد نمایاں زتو معنّٰی کلام معصوم
روز مملو بجہادت بریاضت شب ہا — قوّتِ تست بایں ظاہر وباطن منظوم
روز تو کفر کشی در شب تو نفس کشی — ہمت تست بآفاق وبانفس مضموم
جملہ اوصاف بہم کردہ بہ نسبت دادند — زیں سبب قاسمی نسبت شدہ جامع مفہوم

مسلک قاسمی

علم معانی تو از بردِ یقین مستحکم — آمدت تا بوراثت زنبیؐ معصوم
نور آیات وروایاتِ کتاب وسنت — تبع آں فقہ وتصوف شدہ لازم ملزوم
فقہ دیں عقل فزاید زتصوف دمد عشق — صورت عدل نہ بندد بجزیں دو مفہوم
باہمہ عشق دروں باہمہ وجد واحوال — ادب اسم شریعت بعملہا مرسوم
باہمہ جوشش عقل وبہمہ فکر ونظر — استقامت بہ نظر عدل بہ تفکیر علوم
فنّ اسرار وحقائق ہمہ عطر دین است — بوئے برّ انش کند دعوتِ دیں را بعموم
ناگزیرست پئے دینِ ہدی فکر ونظر — تارسد وقت تقابل مددِ ردِّ خصوم
وضع کردند بدیں صنعتِ ردّ واثبات — تاکہ حق غالب وباطل شود امر موہوم
دفع شبہات ز اسلام بقول وبہ قلم — ردّ تحریف وغلو کا مدہ از اسم خصوم
اجتہاد، عشق جہاد، عزم دفاع واقدام — لطف بامسلم وشدت پئے کفارِ ظلوم
جذبۂ پیروئی سنت وعشقِ توحید — جذبۂ وحدت اقوام باندازِ عموم
مسلک معتدل وجامعِ ذات وقانون — شد بایں وجہ بہ سنت وجماعت موسوم
دین برپا نشود جز بکتاب واُستاد — از کتاب علم واستاد بہ تفہیم علوم
تربیت کار معلم وتعلم زکتاب — نفس کامل نشود غیر ازیں دو اُقنوم
بے کتاب علم کجا؟ محضِ تخیّل باشد — بے معلم زکجا فہم؟ بوہم آں موسوم

شد زسنت رہِ آئین زجماعت اشخاص
یعنی مسلک نشود تام جز ایں دو اقنوم
ذات شد عشق طلب عقل طلب شد قانون
عقل وعشق آمدہ در مسلک جامع منظوم
مسلک معتدل آنست بوے عقل بعشق
مثل شیر وشکر آمیختہ باشد مضموم
عقل بے عشق ہمہ روئے تفلسُف دارد
عشق بے عقل بشاید بہ تفسُّق موسوم
صرکیے یکہ بافراد وتفریط سزد
ہرد وآیند بانساں زہوائے مذموم
چوں بمسلک شدہ ایں عقل بعشقِ غالب
عدل شد تام بجمعیت ایں دو مفہوم
دین رانیست بقائے بجز علل کامل
ورنہ شد فلسفہ وفِسق زنفس ماثوم
اعتدال آمدہ سرنامۂ ایں مسلک حق
از تفسُّق وتفلسُف شدہ پاک ومعصوم

خلاصہ مسلک قاسمی

حاصل مسلکِ حق چیست؟ خلاصہ اینست
تابہ تلخیص فتد در دلِ عامی وعلوم
کشف قرآن وبیاں فقہ وکلام واحسان
احتجاجاتِ تناظر پئے تبردید خصوم
علم احکامِ ہدیٰ، علم بہ سرِّ احکام
جامعیت بروایت بدرایت منظوم
عشقِ وتوحید ورسالت پئے تعلیم وعمل
احتراز از بدع وجہل حماقت ملزوم
یک طرف دامنِ استاد ودگر رو بکتاب
از یکے عقل ودگر از پئے عشق مہموم
علم وعشق از پئے ارضاء خدائے برتر
شوبۂ شرک ازیں ہردو نباشد مفہوم
اتحادِ امم دہر برغمِ اعداء
تارسد حق بہ بلندی مقام معلوم
نسبت قاسمی مجموعۂ ایں اوصاف است
بس ہمیں مکتبِ فکرست دریں دارالعلوم
ایں کہ رنگیست حکیمانۂ دین اسلام
قاسم العلم بناکر وہ بریں دارالعلوم
حبّذا مکتبِ فکرت بسلیم فطرت
حبّذا قاسم خیرات ومبرّات وعلوم

تنظیم قاسمی

اے امام وعلم مسلک ارباب ہدیٰ
للہ الحمد کہ حق از تو بماشد مقسوم
در زمان تو بسا جوہر قابل بودند
لیک اوراقِ پراگندۂ وغیر منظوم

نور تعلیم تو چوں بسرِ ایشاں اُفتاد   گشتہ منظوم بتمثال کتابِ مرقوم
چوں بسلکِ تو رسیدہ رہ مسلک دیدند   درِّ منثور شدہ صورتِ دُرّ منظوم
اجتماعیتِ شاں صورتِ تنظیم گرفت   تا بآخر بوجود آمدہ ایں دارالعلوم
از عنایات حق وخاصۂ خاصانِ خدا   مرکز کار تو از غیب شد ایں دارالعلوم
مظہر قوت غیبی تو دیوبند ست   دیو پابند چہ کند حملہ بر علم معصوم
مرکز علم تو ایں مہر   نور افشاں زکمالاتِ نبی معصوم
روح خود دارئی دیں جذبۂ خود کاری قوم   محو گشتے چو نبودے بزمین دارالعلوم
در درونش ہمگی نسبتِ مرداں پیوست   ہمیں قوۃ غیبی است دریں دارالعلوم
نسبتِ حضرتِ امداد ورشید ویعقوب   نسبتِ روح رفیعی بقوامش منظوم
نسبتِ قاسمی سرنامۂ ایں نسبتہا   ہمہ گیرئ آفاق بآں بد مکتوم
بودنش مرکزِ کل بود مقدر ز ازل   تا بآں درہمہ آفاق رسد فیض علوم
وضع کردند بدست تو چنیں مرکز را   تا ہمہ گیرئ آفاق تو آید بمقدوم
عالمی طرز بہ تعلیم ونظام تعلیم   آنکہ خود وقت بنا ایں ہمہ کردی مرقوم
مرکز کارِ تو از غیب شدہ ایں مرکز   رست وخیزِ تو ہمہ آمدہ زین دارالعلوم
رست وخیزش ہمہ اُنموذج حشر ونشر است   کہ دراں حشر بہ نشر آمدہ حظِّ مقسوم
طالباں داخلہ جویند ہجوم اندر ہجوم   خارجہ سوئے وطن ہم پسِ تکمیل علوم
داخلہ حشر رسا خارجہ مثل نشر است   برہمیں ہر دو مجازات بیوم معلوم
حشر اخلاق دروں نشر علوم است بروں   بہر ہر نوع جزا مثل عمل شد مبروم
چوں قیامت کہ زبد نیک حسابے دارد   دار وگیر وغضب ورحمۃ واُخراج وہموم
فائزاں نیک مقامند بدار رحمت   خاسراں زشب قیامند بدار مسموم
یک بروح است وبریحان بدلِ خودمسرور   یک بز قوم غضب تلخ دہان ومغموم
ہم چنیں مدرسہ انموذجِ یوم حشر است   تاشود محسن ومجرم بتمیّز مفہوم
بعض تعمیر کنان گنبدِ دستار خود اند   بعض بر روئے مصلّٰی بہ سجودِ معلوم

ہرکہ آمد وبروں رفت زدو یک باشد — یاسزا یابد ویانیک جزائے مبروم
آنکہ از علم تو چیں یافت رسیدہ بعروج — وانکہ اعراض نمودہ شدہ باذُلّ وہموم
ہرکہ سردار رنگوں گشت قرینِ حق شد — وانکہ سرتافت زمکنت شد ہُما ندم محروم
قوت ظاہر ومظہر زتو ایں مرکزِ علم — زو شود حملۂ ہر فاسد ومفسد مہزوم
فتنۂ ظاہر وباطن کہ بسا آمدہ رست — دفع شد از توکہ انجام بِد آں معلوم

مدافعت قاسمی بدورِ فتن

گو بامروز گرفتارِ بلائیم وفتن — فتنہ ہا کردہ زہر سمت بہر نوع ہجوم
فتنۂ خفتہ با نواعِ حیل شد بیدار — حملہ آور شدہ بردینِ نبی معصوم
فتنہ استادۂ وہم فتنہ زفتنہ زائید — شاخ در شاخ شدہ گشت درختِ زقّوم
تلخیش رفتہ بدل باز بسر باز بعقل — باز رفتہ بدہن تا شدہ تلخ ومسموم
تلخ کامی زدہن رفتہ بذہن اندر شد — آخرش تلخ کلامی بزباں شد منظوم
تلخیِ کام وکلام است ہموں تلخیِ دل — وزہمیں تلخیِ مسموم فضا شد مسموم
تلخ کاماں وکلا ماں ہمہ فتنہ خیزاں — فتنہ ہا برسرِ لوحِ دل ایشاں مرقوم
فتنہ ہا کوہ صفت دین چوگلشن اندام — جو چو آتش کدۂ وباد ہوائے مسموم
حملہ آور بعدد حملہ کشے جز یک نیست — زانکہ حق واحد وباطل بعددہا مقسوم
حملہ ہا کز سرِ ہفتا دو زدو ملت شد — بریکے ملتِ حقہ کہ مقامش معصوم
زیں سبب بہرتو ہرسمت محاذ جنگ است — ساعتے بہر دفاعت ودگر بہر ہجوم

مسالک مفرطۂ مذہب

فرقۂ آید وانکار خدا شغل کند — ناکساں بعض بانکارِ رسولِ معصوم
شاطر انند کہ بافرضِ خدا لہو کنند — چند خواہاں کہ کنند راہِ سنن را معدوم
منکرانند کہ باختم نبوت بازند — برکنند آن در مسدود کہ بودہ مختوم
طبقۂ گفت جسارت بہ سلف حق گوئی است — پیروی و ادب شاں زخطائے مذموم

فرقۂ عظمتِ ایشاں بعبادۃ داند سجدہ ریزاں بقبورند بشرکِ مذموم
گویند از زیغ کہ اسلام ہمیں است وہمیں بعد ازیں کفر صریح است بشرع معصوم
نیک توحید ورسالت کہ باکمال رسید کفر و اسلام بمعیار ہمیں دو مفہوم
بعض غالی بکلامند زعقلِ ناقص بعض غالی زمحبت زرواج وز رسوم
بعض مشغول باوراق بلا صحبتِ شیخ بعض مصحوبِ رجالند بلا شغلِ علوم
بعض در وحدتِ ادیان ملمع کارند بعض در بحث ونزاعاتِ مذاہب منہوم
طبقۂ قید بہ خود رائی وکج بحثی شد حلقۂ رہن بہ تعطیل وجمودِ مذموم
کل حِزْبٍ فبِمَا کاَنَ لدیھم فرحون گرچہ ایں فرح مبدل شود و آخر بغموم

مسالک مفرطۂ سیاست

دار سیاست کہ بایں دور بمذہب آمد گشت یک مذہب قومی وقوامش معلوم
چہ سیاست کہ ہُماں ملتِ مکر وزو راست کاں مسلط شود از جبر بقومِ مظلوم
شاخہا کرد نمایاں وفرق شد پیدا ہرکسے گشت بذوقے بمذاہب مقسوم
نامِ مذہب شدہ تبدیل ازتہانا مند کہ نیاید بمیاں نام زدین معصوم
فرقۂ گفت کہ اصل است مساواۃِ معاش تانہ شاید زرِ دنیا بتفاوت مقسوم
گفتہ اے قوم بیا تاہمہ مزدور شویم تاشود از دو جہاں فرقِ مراتب معدوم
گفت نہ درست ہمہ نام ونشانِ منزل نہ دکی تانشود ماندہ زعزت محروم
نے زر ومال نہ دولت نہ نشان ثروت بلکہ اعزاز وترقی بفلاکت مرسوم
فرقۂ گفت کہ زر وجہ بقاءِ بشراست زربا ولازم ودے بہر زرِ خود ملزوم
ہوسِ دولت وزر تاج سر انسانست عزت وجاہ ومناصب بقوامش مضموم
فرقۂ گفت کہ سوشل ازم امر واجب دیگرے گفت کہ کمیونِ ازم امر مختوم
فرقۂ گفت کہ مِلکیت قومی ہمہ اوست تاشود خاکۂ ملکیت شخصی معدوم
فرقۂ گفت کہ قطعاتِ زمیں راہ نجات چوں زمین است زرست ورنہ خیال موہوم
فرقۂ گفت کنون کار زمین ختم شدہ باید اند رخت قدم برسرِ اقمار ونجوم

این ہمہ ضال ومضل برخود انداز غلط
جمع گشتند زاوہام وخرافات وہموم
ہرکسے محو بطالت شدہ خبطے دارد
ظالماں رقص کناں دین خدا شد مظلوم
نیست اعزاز بزر بلکہ بہ تقسیم زرست
گر بمعیار صحیح گشتہ بانساں مقسوم
مقصد دین نہ دولت نہ فلاکت باشد
بلکہ مصرف کہ شود حسب شریعت مفہوم
ہرکہ یا بد صلۂ محنت خود مالک اوست
نیست کس را کہ رُباید ثمرش از مقسوم

مدافعت قاسمی

میک باطل بہمہ نوع تنِ بے روح است
جیفۂ بہر کلا بست وغذائے مسموم
ملت حق کہ ہماں مائدۂ اہل وفا است
روح حق دار درہم جلوۂ سر مکتوم
کفر وباطل کہ ہموں ملتِ واحد آمد
ضد حق است وحق واحد واز تو مفہوم

تأثرِ قاسمی

بام و در مرزہ بداماں بازین بدعتہا
یک باشند بیک ضرب تو نقش موہوم
فتنہ ہا بر سر اسلام وعلوم اسلام
پیش تو آمدہ گردد کہ شدہ کالمعدوم
پشت آید چو عدو طعمۂ شمشیر خورد
ور دہد پشت غذائش سر تیر مسموم
ذات تو قہر الٰہی است پئے دشمنِ دین
مہر برآن کہ شود تابع دین معصوم
فتنہ ہا کز سرِ اوہام وتعصب سرزد
کاردِ علم تو کندش زدہان وحلقوم

اخلاف قاسمی

بعدت اصحاب تو قائم بمقام تو شدہ
کار شان کار تو بدولت وبایں دم مختوم
تربیت یافتگانِ تو مثیل تو شدند
مادر شاں (کہ شفیق آمدہ) ایں دارالعلوم
فرد ہا بود کہ یک امت قانت آمد
کہ زیک شد بہزار ان مئی عرفاں مقسوم
ہر یکے بود مجاہد پئے دین وزاہد
بافتوحش غم دنیا نہ باد کرد ہجوم
اشرف واحمد ومحمود وخلیل وصدیق
بر نقوشِ قدم خالد وبوذر علوم

ہم عزیز است وحبیب است وشہ عبد رحیم ہر یکے فرد بمعیار مقامات وعلوم
شیر خواران تواز حصر عدد ہا بیروں بعض معروف بنا مند وبسے نامعلوم

مُستند ین قاسمی

ہم چنیں ذریت امروز تو ان شاء اللہ برسر دشمنِ دین خنجر وتیرِ مسموم
یک ازاں گر بعدو مطمۂ قاسم بزند گر بود کوہ شود مثل ترابِ مقسوم
گرچہ آیند مقابل ہمہ فسّاقِ جہاں گرچہ آید بہ نظر دین شبیہِ مظلوم
لا نبالی چو بما از تو توجہ باقی است کہ ہمیں روح حیا تست بایں دارالعلوم
مایقیں بردہ بدانیم کہ دوراں امروز گرم دارد زتو ہنگامۂ فرسانِ علوم
دستگیری تو از حکمت وہمت کافی کاں بقرطاس وبہ دلہائے محباں مرقوم
پردہ از حسنِ جہاں تاب حقائق برخاست از تو شد دینِ پیمبر بہمہ رخ معلوم
نعمتِ ظاہر وباطن کہ ندارد عددے للہ الحمد دریں دار ز قاسم مقسوم

تعبیر مقام قاسمی

خواب طفلی تو آخر بحقیقت پیوست شدہ از خواب بہ بیداری ظہورِ مزعوم
کہ تو بر کعبۂ و از تست رواں در آفاق دست و پائے توبہ دہ گانۂ انگشت علوم
للہ الحمد زدہ گانۂ انگشتِ کمال علم واخلاق باطرافِ جہاں شد مقسوم
عالماں قریہ بقریہ بہدایت معروف فاضلاں کوچہ بکوچہ برعایت منظوم
علم وتعلیم مدارس بمدارس عام است تربیت زار مکاتب بمکاتب مرسوم
وعظ وپند از خطبا وقفہ بوقفہ بزباں اسوۂ خیر نبی ہم بجوارح مرسوم
مسلک دیں سبکسار رواں قلب بقلب علم سینہ بسفینہ بقلمہا مرقوم
علم آفاق بآفاق دریں قرن رسید گشت تعبیر مجسم زتوایں دارالعلوم

دعاء

این چمن تازہ بتازہ بہ جہاں خواہد ماند تابمرغان چمن ذوق تو باشد مرسوم
ہرکہ آمد بدرت حصۂ خود یافتہ رفت یک کسے نیست کہ ماندہ زفیوضت محروم
طیبِ خستہ ہم از ذاتتو نسبت دارد چہ عجب گر بنوازند و کنندش مرحوم

محمد طیب

نوشتہ درسفر بہار کہ باوقات متفرقہ
بتاریخ ۱۶؍جون ۱۹۷۵ءآغاز شدہ
وبہ ۳۰؍جون ۱۹۷۵ء
اختتام پذیرفت

منظوم صد سالہ *

حمد و نعت

خدا کی حمد حرفِ اوّلیں ہے نبی کی نعت نقشِ آخریں ہے
سلام و رحمت اصحابِ نبی پر اور اُن کے بعد ہر اک تابعی پر
پھر ہر ہر تابعی کے مقتدی پر اور ایک اک فردِ مومن امتی پر
پھر اس دارالعلوم دیوبند پر اور اُس کی سرزمین کے بند بند پر

دیوبند

سلام اے دیوبند اے مرکزِ دین سلام اے مخزنِ ارشاد و تلقین
سلام اے منبعِ رُشد و ہدایت سلام اے مرجعِ دین و دیانت
سلام اے مولد اہلِ شریعت سلام اے منشاءِ اہلِ طریقت
سلام اے معدنِ عرفان و حکمت سلام اے موردِ کشف و کرامت
سلام اے قوتِ اسلام و ایمان سلام اے جامع ایقان و اتقان
سلام اے دیوبند اے حق کے راہی سلام اے دین و ملّت کے سپاہی
جنم تو نے دیا ہر علم و فن کو کیا روشن زمیں کو اور زمن کو
یہ عالمگیر دارِ علم و عرفاں مہ و خور سے ہے جو زیادہ نمایاں
تری ہی گود نے پالا ہے اس کو ترے ہی بطن نے ڈھالا ہے اس کو
تجھ ہی پر ہے کھڑا دارالعلوم آج مدارس کے لئے ہے جو کہ سرتاج

*اس نظم میں دارالعلوم دیوبند کو مخاطب بنا کر اس کی خصوصی برکات، اس کے مشاہیر سلف وخلف میں سے ان کی خصوصیات، اس کی مروجہ درسی و غیر درسی کتب میں سے ۱۰۶ رکتابوں کے اسماء وصفات، اس کے مسلک اعتدال کے امتیازات، اس کے اجلاسِ صد سالہ کے حالات اور غیر معمولی انتظامات، اس کے عالمگیر اور دوررس اثرات، اس کے ذمہ دار منتظمین کے اسماء اور خدمات، ان کے حق میں ادعیہ وترحیبات، اس کے معاونین کے حق میں تہنیات، دارالعلوم کے حق میں دعا اور تبریکات، اور اس کی ترقیات کی تمنیات اور مہمانوں کے حق میں نیک خواہشات وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند

تو اے دارالعلوم دیوبند آج — بحق ملتِ حقہ ہے معراج
سلام اے نورتن علم و وفا کے — سلام اے نعرہ زن عشق و وفا کے
سلام اے دار علم و بحر عرفان — سلام اے وارث عرفان و احساں
بفضلِ رب ہے تو امّ المدارس — تری اولاد ہیں یہ سب مدارس
اگر تو ہے تو تازہ ہر چمن ہے — نہ ہو گر تو تو پھر ویرانہ پن ہے
تو مصدر ایشیا میں علم و دیں کا — تو ہی سرچشمہ ہے دینِ متیں کا
سماء علم کے روشن ستارے — ترے ہی فیض سے اُبھرے ہیں سارے
زمیں کو آسماں تونے بنایا — کواکب سے اسے پھر جگمگایا
بنا اُن میں ہر اک نجم ہدایت — ہدایت باقیات بہر ملّت
تری ہے اصل ثابت فرعِ عالی — ہے تو ہی شجرۂ گنج معالی
فقیری میں بھی کی ہے تو نے شاہی — تو قاسم ہے بامدادِ الٰہی

دارالعلوم کی اساسی شخصیتیں

تو ہے بہر جہاں امدادِ اللہ — تو ہے اک ہدیۂ مُہداۃِ اللہ
اساسی شخصیت امداد اللہ — رئیس الطائفہ امداد اللہ
یہی تھی شخصیت تیری بڑی اصل — جو تھا اللہ کا تجھ پر بڑا فضل
اسی کی سجدہ ریزی تیری بنیاد — ہے یہ گلشن ترا اس سے ہی آباد
تری بنیاد کا پہلا تصور — اسی اک ذات کا تھا اک تنوّر
ترا تخم سعادت ہے من اللہ — ہے اس کی اصل صرف امداد اللہ
تنے اس کے تھے محکم چارگانہ — نہاں تھا جن میں پھولوں کا خزانہ

مبانیٔ دارالعلوم

رشید و قاسم اُستاد زمانہ — رفیع الدین و یعقوبِ یگانہ
جلو میں ان کے حاجی سید عابد — بقلب روشن و با نفسِ زاہد

به پیشین ذوالفقارِ سیفِ ایماں　به پہلو فضل رحمٰن بحرِ احساں
یہ سارے اولیاء و اتقیاء تھے　محبِ حق تھے مقبولِ خدا تھے
تھے پہلے دو مسلّم قطبِ ارشاد　فنا فی اللہ اور دنیا سے آزاد
تھے علم ظاہر و باطن میں قدوہ　عمل اور اتباعِ حق میں اُسوہ
محدِّث اور محدَّث باطریقت　تھے دونوں قطبِ تکوین و شریعت
اور آخر کے تھے پانچوں غرقِ احسان　بعرفان حجت و در دین برہان

آثارِ علم

مدارِ مستند تھے قاسم العلم　بنے یعقوب اُن سے پھر درِ علم
اسی جڑ سے یہ شاخیں ساری پھوٹیں　پھر اُن سے ٹہنیاں کتنی ہی ابھریں
کھلے پھول اُن پہ رنگا رنگ ہر سو　مہک اٹھی جہاں میں اُن کی خوشبو
تری ?بنیاد ان سچوں نے ڈالی　تری طفلی انہوں نے ہی سنبھالی
تو اُن کے عزم و اخلاصِ دروں سے　چڑھا پروان ان کی برکتوں سے
تو کونپل تھا مگر ہے آج شجرہ　وہ شجرہ ہے دوامی جس کا ثمرہ
ترے شیریں پھلوں سے دل کی دنیا　ہے شیریں لب سرور آگیں بھر جا
ترا ایک ایک پھل ایک ایک درخت ہے　درخت اندر درخت اندر درخت ہے
ہے شیخ الہند اس وادی میں کوئی　حکیم الامت اس گلشن میں کوئی
کوئی ہے شیخ تفسیر معلیٰ　کوئی شیخِ حدیث نور افزا
کوئی ہے شیخِ فقہ و با درایت　کوئی ہے محوِ اَسناد و روایت
کسی کو فنِ احساں میں مہارت　جو دل کے زیغ کو کرتا ہے غارت
کوئی افتاء کی خدمت میں ہے فانی　کوئی تنظیمِ ملت کا ہے حامی
کوئی میداں مجاہد مردِ غازی　کسی کا داعیہ ہے قوم سازی
غرض ہر فن پہ اک اک شیخ حاوی　فقیہ النفس کوئی، کوئی راوی
یہ ابنائے قاسمی ہوں یا رشیدی　ہوں یعقوبی کہ ابنائے رفیعی

سبھی مل کر بنے نجمِ ہدایت انہیں سے پھیل پائی ہے سعادت
سو اوّل قاسمی ابناء کو لیجئے جو کافی ہیں مثالاً چند لیجئے

ابنائے قاسمی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ محدّث دیوبندی

حمیدِ خلق محمودِ زمانہ بعلم قاسمی فردِ یگانہ
بشیخ الہند معروف اور مشہور زمانہ جن کی خوشبو سے ہے مخمور
محدّث اور مجدّد اور مجاہد بہ دنیائے دنی بے مثل زاہد
شرابِ جَاهِدُوْا فِی اللّٰہ سے مست غنی از وہم و فکرِ نیست اور ہست
معلّمِ از علومِ ذاتِ سبحاں رشید و مرشد از انوار احساں
نمونہ قاسمی علم و عمل کا بامدادِ رشیدی رُشدِ کل کا
خزینہ علمِ اسرار نبی کا کمالِ حسنِ اخلاقِ ولی کا
تواضع سے عیاں ذوقِ کہی تھا فقیری میں نہاں فرِ شہی تھا
تھی انگریزوں سے اس درجہ عداوت کہ جس درجہ میں تھی دینی محبت
شدیم آزاد از جذبِ درونش برفت انگریز از دفع بردنش

حضرت مولانا سید احمد حسن قدس سرہٗ محدّث امروہی

گلِ امروہہ میر احمد حسن تھے کہ جن سے تازہ سب علمی چمن تھے
کلامی دائروں کی قاسمیت انہیں کے دم سے پھیلی تا بغایت
لقب تھا قاسم ثانی اور حق تھا کہ جن سے مبطلوں کا رنگ فق تھا
محدّث باصفا باقلبِ روشن علومِ حق سے تھا جن کا کنکشن

حضرت مولانا عبدالعلی قدس سرہٗ محدّث میرٹھی

محدّث دہلوی عبدالعلی تھے جلالی شان سے گل رو ولی تھے
تھی دلّی اُن سے پُر انوار پیکر حدیثِ پاک کا پُر نور مظہر
علوم قاسمی کا آب گینہ تھا اخلاقِ ستودہ کا خزینہ

حضرت الشیخ مولانا صدیق احمد صاحب مرادآبادیؒ

مرادآباد میں صدیق احمد	مجسم علم اور خُلقِ مجّد
نمونہ قاسمیت کا عیاں تھا	اور اس میں قاسمی جذبہ نہاں تھا

حضرت مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہیؒ

زہے گنگوہ جس کا اک ذکی فرد	شدہ فخرالحسن نامش زباں زد
فیوضِ قاسمی کا نورتن تھا	بہارِ قاسمی کا اک چمن تھا
یکے از ترجمانِ قاسمی بود	کہ علمش از قلم بنوشتہ آسود
قلم سے کی ہے نقاشی چمن کی	قلم میں تھی وہ جذابی دہن کی
مسائل میں وہ کی ہے ترجمانی	عیاں ہے جس سے ایمانِ یمانی

حضرت مولانا نواب محی الدین خان صاحب مرادآبادیؒ

محی الدین خاں نوابِ ذی جاہ	بدنیا دیں پناہ و علم آگاہ
مرادآباد کی علمی مجالس	تھیں روشن اُن سے، تھے شمع مجالس
مؤثر نفس میں انفاسِ قاسم	مربی روح میں آثار قاسم
ہوئے بھوپال کے قاضی اعلیٰ	تھے سب زیرِ قلم اعلیٰ و ادنیٰ
کمالِ خیر عقبیٰ کا نمونہ	مجمع دین و دنیا بِرّ و تقویٰ

حضرت مولانا حکیم منصور علی خان صاحب مرادآبادی ثم الدکنیؒ

حکیم نکتہ داں منصور علی خاں	طبیبِ ملک و استاد طبیباں
اطباء دکن را بود ناظر	بعلم دین و طب اُستاد ماہر
رسالہ مذہب منصور لکھ کر	کیا احسان ملت پر سراسر
کتابِ نادر و مملو ز تحقیق	ہے جس میں دین وطب کی خاص تطبیق

حضرت مولانا محمد مراد صاحب پٹنی ثم المظفرنگری

اُسی حلقے کے اک فرد فریدی	ہیں مولانا مرادِ پٹنی بھی
فریدی اور فاروقی نسب میں	امین قاسمی علم و حسب میں

*اصل میں ''مسئلہ'' تھا، وزن شعری کی رعایت میں ''مسلا'' تحریر کردیا گیا ہے۔

خلافت حضرت قاسم سے پائی　　یہ روحانی بھی نسبت ہاتھ آئی
اثر ان کا مرادی مدرسہ　　جو امر قاسمی کا ہے نتیجہ
مظفر در نگر میں نور افگن　　ہے انکی کی ہوئی یہ شمع روشن

حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوریؒ

رحیم اللہ فتحِ باب رحمت　　ز بجنور آمدہ باصد کرامت
ارسطوئے زماں در بابِ حکمت　　معاً پھر ماہر قرآن و سنت
ز اعیان و اکابر در فضائل　　کریم الخلق و پاکیزہ شمائل
گلِ رنگینِ باغِ قاسمی بود　　کہ بوئے خوش بمالش بے فزود

ابنائے رشیدی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوریؒ

(استاذ دارالعلوم دیوبند)

خلیل احمد فقیہ العصر و عارف　　محدّث شیخ کامل ذو المعارف
ز تقوائے درونی مظہرِ دیں　　مظاہر جن کے ہیں سب پیکر دیں
تھی تدریس ابتدائی دیوبند میں　　مظاہر میں جمی پھر بند بند میں

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ

شہ عبدالرحیم رائے پوری　　کہ جن کی رائے تھی ہر فن میں پوری
ز نورِ قطب گنگوہی منور　　ز فیضانِ رشیدی روحِ پرور
ہزاروں نفس نفسِ مطمئنہ　　بنے ان سے ہوئے سب اہل جنّہ

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ، مفتی مالیرکوٹلہ

شہِ صدیق احمد باصداقت　　تلمذ کردہ بر قاسم ز الفت

مجاز قطب گنگوہی در احساں ز اربابِ کشوفِ کون و اکواں
رشیدیت بخلطِ قاسمیت ز انبہٹہ بشہرِ کوٹلہ رفت
ریاست کوٹلہ کے مفتی خیر جو فرد ہو کر بھی تھے اک عالم خیر

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند

زہے از آلِ قاسم حافظ احمد محمد احمد و با عرفِ احمد
محدّث مستند استاذِ حاذق رہِ تفہیم میں ممتاز و فائق
بیانش سحر در درسِ احادیث شدے منقول چوں عقلی نوامیس
خلافت حضرتِ امداد سے تھی سند گنگوہ کے اِسناد سے تھی
اسی میں اہتمام مدرسہ تھا جو علمی شغل کا اک مخمصہ تھا
نباہا آخری دم تک بھی اُس کو ترقی دی نظامِ مدرسہ کو
یہی چالیس سالہ دورِ مسعود ترقی کا رہا اک دورِ محمود
وجاہت، علم اور نسبت کی عظمت کہ جس سے نظم تھا با رعب و ہیبت
بہ عہد اہتمامش چہل سالہ یہ ذرہ بن گیا کوہِ ہمالہ
چو بست و نہ رسید عقدِ اَنامل شدہ روحش سوئے اللہ واصل
دکن شد مدفنش درموتِ غربت نصیبے بُرد از موت شہادت

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند

حبیب باصفا رحماں میں فانی ادیبِ بے بدل با نکتہ دانی
بہ نفحاتِ عرب بے مثل بودہ باوصاف و کمالاتِ ستودہ
تدبر اور دانش میں یگانہ تھے قائل جن کے سب اہل زمانہ
تھے نائب، پر وہی تھے نظم کی روح تھے عُقدے انتظامی اُن سے مفتوح
سو جب ہو مہتمم بھی باوجاہت اُدھر نائب ہو با تدبیر و حکمت
تو ہو ایسا ادارہ کیوں نہ اونچا دکھا سکتا تھا اس کو کون نیچا

ترا اے دارِ عرفاں یہ زمانہ بلا شک خیر کا تھا اک خزانہ
تھے نائب اور منیب ایسے میسر کہ مل پایا نہ اُن کا کوئی ہمسر
اداری نظم اور تعلیم تیری نہ تھی دونوں کو اُس سے کوئی سیری
انہوں نے تجھ میں عمر اپنی کھپادی بہ شرق و غرب کی تیری منادی

ابنائے یعقوبیؒ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

مجدّد تھانوی کی کیا ہو تعریف ہیں زائد از ہزار اُن کی تصانیف
شہِ اشرف علی شیخ طریقت رہِ احکام میں میرِ شریعت
علوم ظاہر و باطن میں ماہر بجان و جسم طیب اور طاہر
امینِ علم یعقوبی بدوراں امانت کردہ در سینہ چو قرآں
تحمل اور ادا دونوں میں کوشاں افادہ استفادہ دل میں جوشاں
تصوف میں مجدد اس صدی کے بلا شک حضرتِ اشرف علی تھے

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ

ترے ہی مرتضیٰ نے اٹھ کے یکسر اُکھاڑا بدعتوں کا بابِ خیبر
مجادل بالّتی اَحسَن کے مظہر ز سنت ردِّ بدعت کے تھے محور
یہ تھے سب درس یعقوبی کے آثار کہ جن کا اُن سے ہوتا تھا یہ اظہار

ابنائے رفیعیؒ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مفتیِ اوّل دارالعلوم

عزیزِ دوجہاں مفتیِ اعظم فقیہ وقت و استاذِ معظم
انیسِ انس و جاں تھا اُن کا فتویٰ رفیقِ روح و تن تھا اُن کا تقویٰ
کمالِ نقشبندی اُن سے پیدا کہ تھی شانِ رفیعی اُن پہ شیدا
انہیں سے دارالافتاء کا تھا آغاز بنا یہ ''دارالافتاءٗ'' جس سے ممتاز

ابنائے شیخ الهندؒ

تھے شیخ الہند اک تخم سعادت اُگے جن سے شجرہائے قیادت

حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

ترے بحر العلوم عصر حاضر کہ ہر فن سامنے تھا جن کے حاضر
تھے انور شاہ اک علمی خزانہ جنہیں مانے ہوئے تھا اک زمانہ
مثالی حفظ و استحضار ایسا کتب خانہ تھا گویا چلتا پھرتا
کمالِ اتباع سنت ایسا عمل سے ان کے کھل جاتا تھا مَسلا*
تبحر اور تفقہ طبع ثانی روایت اور درایت نقش مانی
کتابوں میں کتابِ دل بھی شامل دماغی عقل اوپر سے مماثل
دماغ و قلب و روح و طبع سالم سب ہی مل کر تھے علم حق کے خادم
نہ تھا اک علم بلکہ علم جامع جو ہر علمی رکاوٹ سے تھا مانع
ادب دینی کتب کا بے پنہ تھا کہ چھونا بے وضو ان کا گنہ تھا

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

حسین احمد کا دیکھے کوئی دم خم اُڑایا جس نے آزادی کا پرچم
جہادِ حریت کا اک کمانڈر نہ دل میں خوف و اندیشہ نہ کچھ ڈر
مجاہد شیر دل اعداء پہ بھاری حکومت جس سے تھرّاتی تھی ساری
مثالی عزم و ہمت ضبطِ اوقات کہ بے معنی یہاں تھا لفظ مافات
اِدھر بر وقت ہے درس بخاری اُدھر ہے جنگ آزادی بھی جاری
اِدھر درس و کتب کا میل بھی ہے دگر سُو ریل بھی اور جیل بھی ہے
تواضع عجز و خوئے خاکساری وقار و تمکنت اوپر سے طاری
بہم تھے حبّ فی اللہ بغض للہ عطاء و منع تھے للہ فی اللہ
عجب تھی جامع الاضداد سیرت کہ ناممکن بھی تھا ممکن کی صورت
بہم کس نے کئے یوں سند و ساغر اور اُس پر عجب و خود بینی سے باہر

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

عبیداللہ سندھی مرد آہن ز اغراض خسیسہ پاک دامن
فنا فی شیخ ہند با صد عقیدت بکارِ شاں موفق بہر ہجرت
غریقِ بحرِ علم و بحرِ حکمت فقیہ العلم و دانائے سیاست
گذارے دشتِ غربت میں مہ و سال نہ گھر باہر نہ دل میں اُن کا جنجال

حضرت مولانا محمد میاں انصاریؒ

عرف مولانا منصور انصاری انبہٹوی ثم الکابلیؒ

محمد ابن بنت قاسم الخیر عمید شیخ و ذاتش جامع الخیر
مجاہد مردِ میدان اور مفکر ممالک کی سیاست میں مبصر
وکیل شیخ ہند در بابِ تحریک صحیح تعبیر بہر خوابِ تحریک
امینِ ریشمی خط جانِ تحریک مصائب بر سر و میدان تحریک
تحمل کی مثالی شمع تھی پاس کہ جس سے پاس تک پھٹکے نہ وسواس
یہاں انبہٹہ تھا آبائی مسکن وہاں کابل ہوا پھر اُن کا موطن
بکابل کردہ ہجرت باز نامد بجہدش لیک ہند آزاد و آمد
خدا رحمت کند ایں عاشقاں را بغربت خوش بدادند نقد جاں را

حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ

عزیرِ گل برنگ و لون ہم گل بصورت گل بہ سیرت بوئے خوش گل
زباں ظاہر کی باطن کے موافق ہر اک قول و عمل باہم مطابق
رفیق خاص شیخ الہند مغفور برائے ما امیر و زانش مامور
دخیل اندر مزاجِ شیخ بودہ بطبعش بے تکلف صاف بودہ
بجمع علم و دین و ہم سیاست بکارِ شیخ فانی فی العقیدت

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند

ترے شبیر نے العَقْل لکھ کر جنوں کا کر دیا تاراج دفتر
کلام و فلسفہ میں با درایت بیانِ حکم میں میرِ خطابت
بیانش سحر تقریرش ز حکمت خطابت یافت از وے عز و شہرت
ملقّب شد بہ پاکستاں ز اسلام بالقاب امین و شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند

ترے اصغر حسینِ باکرامت سیادت اُس پہ پھر علمی وجاہت
فقیہ و عارف و صوفی و زاہد تقی و عالم و صدیق و عابد
نہ کچھ پُھسلا سکی دنیا کی زینت رفیقِ راہ تھا زہد و قناعت
ترے حلقوں میں یکساں محترم تھے باخلاقِ حمیدہ ذوالکرم تھے
دلی خواہش تھی پائیں موتِ غربت رہے امن اور ملے موتِ شہادت
خدا نے کی دعا مقبول حضر میں وفات آئی تو راندیری سفر میں

حضرت مولانا محمد سہول صاحب بہاریؒ، صدر افتاء دارالعلوم دیوبند

سہول اندر بہار و خود بہاراں ز فیضِ شیخ ہند از علم ملآں
رقیق القلب از عشق و محبت قوی القلب از علم و بصیرت
شدہ زینت دہ افتاء و تدریس بدارالعلم کردہ کارِ ادریس
مجاہد از پسِ آزادیٔ ہند کہ جیسے حکمراں ہو ہند پر سندھ
بحسنِ نیّتش معذور وماجور مگر از ما ضعیفاں گشتہ مہجور

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، شیخ الادب دارالعلوم دیوبند

ملا فقہ لغت کا اس کو اعزاز کہ جس سے تو وہ ہیں ہم چشموں میں ممتاز
مراد اعزاز علی اُستاد مشفق ادیب وہم مودّب لیک بارفق
محشّیِ کتب فقہ و ادب میں بہ شرح و بسط حاوی سب کی سب میں

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحبؒ، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

وہ ابراہیم کی ملت کا طُغریٰ ترے ہی سر پہ ہے آج اس کا سہرا
علیمے جامع معقول و منقول حلیمے جامع افراد و مقبول
بہ تفہیم مضامین مختصر گو بہ شفقت مستفیداں را دعا گو
یہ تھی علامہ بلیاوی کی برکت نمایاں رہتی تھی مسلک کی قوت

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ، شیخ المعانی دارالعلوم

زہے عبدالسمیع شیخ معانی مطوّل مختصر میں شیخ فانی
بغایت منکسر بے لوث و بے نفس مگر آنچ آئے مسلک پر تو بانفس
فھُم اَمثالُ آبائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثلٍ بَل بِشِبْہِ الْمِثلِ جِئْنِیْ
وَلاَ تَجِدُوْنَ مِثْلَھُمْ بِعِلْمٍ وَلاَ عَمَلٍ وَلاَ خُلُقٍ وَحِلْمٍ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، صدر جمعیۃ علماء ہند

وہ تیرے مفتئ اعظم کفایت فتاویٰ جس کے تھے زیر کفالت
اٹھایا جس نے آزادی کا جھنڈا حکومت کے گلے کا تھا جو پھندا
بِنا کی عالموں کی اک جمعیّۃ کہ تا قائم رہے حکم شریعت
جمعیّت اور خلافت نے اُبھر کر اُدھر آزاد اور نہرو نے ملکر
پھر ہندوستان کی قوموں نے جم کر خصوصًا مسلموں نے آگے بڑھ کر
فرنگی کے گلے میں رسی ڈالی جسے قوت سے ملکر سب نے کھینچی
جو ظاہر میں تو تھی کمزور رسی فرنگی کے گلے کی تھی وہ پھانسی
فرنگی ہوگئے سارے سرِ دار اور ہندوستان بنا خود کار و سردار
یہ جمعیت کے تھے اعلیٰ کارنامے بجے جن سے خوشی کے شادیانے

حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

ز فخرالدین احمد شیخ الآثار مدرسہ جن سے تھا دَربار دُربار

بکھرتے یاں یواقیت و دراری	وہاں تھی منبسط روحِ بخاری
بخاری کے خصائص کے تھے حافظ	اور ابواب و تراجم کے محافظ
بجسمے نازک و با روح اقویٰ	بجسم و جان خود فتویٰ و تقویٰ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، امیر تبلیغ دہلی

یکے تلمیذ شیخ الہند الیاس	محقق عارف و پاکیزہ انفاس
امیر دعوت و تبلیغ و ارشاد	کہ ہے اصلاح امت جس کی بنیاد
جہاد حق کی بیعت شیخ سے کی	جہاد اکبر یہ اک تبلیغ ہی تھی
ہمہ گیری تھی شیخ الہند کا جذبہ	ہے تبلیغ ہمہ گیر اس کا ثمرہ
ہوئے ممدوح اس دعوت کے قائد	ہیں آج ہر ملک میں اس کے عمائد
ہوئی ہے ملک ملک اس کی منادی	ندائے حق تھی جو سب کو سنادی

مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن کاکورویؒ رکن مجلس شوریٰ، دارالعلوم دیوبند

سمّیِ مصطفیٰ کاکوروی فرد	حسن جزوِ علم گشتہ زباں زد
سیادت علم کاکوری کی نسبت	جو ہے نام ونسب نسبت کی عظمت
زشاگردانِ شیخ الہند اِستاد	بہ یونیورسٹی لکھناؤ اوستاد
ادیب وشاعر اور انگلش کے دکتور	زفیضِ شیخِ ہند از علم بھرپور

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب پالن پوریؒ

زہے شیخ نذیر احمد بگجرات	کہ پالن پر تھا جن کا موطنِ ذات
علاقہ پر تھا چھایا شرک وبدعت	دروں ظلمت بروں جہل و ضلالت
نمایاں شد نذیر از عزم وہمت	بعزم صادق وباحسنِ نیت
خلافت قطب گنگوہی سے حاصل	تلمّذ شیخ ہند سے اور واصل
چو مصلح کار صالح کردہ آغاز	بدایت ہی نہایت کی تھی غمّاز
کہ خود تنہا تھے اور اعداء بکثرت	ہوئی آخر نمایاں حق کی قوت
مصائب جھیلے تکلیفیں اُٹھائیں	رہِ حق کی مگر اصلیں جمائیں

علاقہ بھر کو یکسر لوٹ ڈالا ہوا حق کا ہی آخر بول بالا
جہالت کے جہاں پھیلے تھے ریلے مدارس کی وہاں ہیں جال پھیلے
ہیں صدہا آج علمِ حق کے خادم ہوئے بدعت پسند مغلوب ونادم

حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ، شیخ المعقول دارالعلوم

یکے تلمیذ شیخ الہند ذی شاں ضیاءِ صوبۂ سرحد رَسُل خاں
بعلم عقل و نقل استاد ماہر برعبِ علم بر تلمیذ قاہر
وقار و تمکنت بر رو نمایاں نشستہ وقتِ تدریس ہم چو شاہاں
بدارالعلوم گشتہ شیخ معقول سپش در اشرفیہ شیخ منقول

حضرت مولانا سعید احمد صاحب محدث ہاٹ ہزاری بنگلہ دیش

سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سعید احمد محدث فخرِ بنگال بصدقِ باطن وباحسنِ اعمال
معلم دارالعلم ہاٹ ہزاری بعلم مستند از فضل باری
مجازِ شیخ ہند باطول صحبت شبیہ شیخِ خود در قد و قامت
بقامت کھتر وبہتر بقیمت بجسمش پیریٔ وبر نابخدمت
بایں علم وعمل تلمیذِ دیبن گرفتہ راہ عشاق از ہمہ تن
یہ چند اور اُن سے وہ چند ہیں وہ افراد کہ جن سے کار گاہ دیں ہے آباد
کوئی مشہور ہے اور کوئی مستور مگر اعلاء حق ہے سب کا دستور
ترے اے شجرۂ طوبیٰ یہ پھل ہیں تری پہچان کی واضح مثل ہیں
تری پہچان کو یہ پھل ہیں کافی جو شاخوں پر ہیں تیری قدرِ واقی
یہ تیرے تن کے افلاذِ جگر کے ٹکڑے کبد ہیں جو منکر ہوں معاند ہیں بضد ہیں
یہ ہیں امثال اور خود سے تھے بے مثل کہ اُن کا مثل لے آنا ہے مشکل

احفاد شیخ الہندؒ

قلم لگتے گئے پھر اس شجر میں چلی نسل اور پھیلی بحر و بر میں
کھِلےپھر رنگ رنگ کے پھول اس میں مگر رنگِ سلف حاوی تھا سب میں
ہر اک کا رنگ و بو اپنا جدا تھا شریعت پر مگر ہر اک فدا تھا
ہیں شیخ الہند کے احفاد اتنے کہ اَبنا بھی نہیں گنتی میں اُتنے
نہیں ممکن شمار ان کا کہ کے ہیں ہزاروں میں مثالاً چند یہ ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، بانی و شیخ الحدیث مدرسہ نیوٹاؤن کراچی

یکے یوسف جمال از ارضِ بنّور کیا جذبِ علم انور شہ بصد غور
سفینے بھر دیے علم نبی سے جو ہیں روشن نکاتِ انوری سے
بنا کردہ مدرسہ در کراچی کہ پھیلیں یہ علومِ حق شناسی
بنا اس کی ہے مبنی بر دیانت عمل احوط بہ تاحدِّ امانت
مقامی اور آفاقی ہیں شعبے کہ جن سے دین ہر پہلو سے پھیلے
جزاہُ اللّٰہ عنا احسن الخیر بلا نقصٍ و لا نجس ولا ضیر

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مفتیٔ پاکستان وسابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند

شفیعِ نکتہ آور مفتی پاک کہ جن سے بن گئے ناپاک بھی پاک
فتاویٰ کی وہ کی خدمت کہ جس سے فضاء پاک میں پاکیزگی ہے
مصنف اور موفَّق بہر تصنیف ہے پُر از تربیت ہر ایک تالیف
ہے تصنیفوں کا شہ کار ان کی تفسیر جو قرآنی معارف کی ہے تعبیر
مُجازِ اشرفی، مقبولِ انور نگاہِ اصغری سے بہرہ آور
ہیں آثار اُن کے قائم اور دوامی ز دارالعلم شیرانی کراچی

مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ مہاجر مدنی، سابق استاذ دار العلوم دیوبند

ہلالِ نو بالآخر بدر عالم جواں علم و جواں ہمت جواں دم

علومِ انوری تھے پیش ہر دم — بہ سمع بالقاء و صحبتش ہم
مؤلف فیضِ باری بر بخاری — ز فیض شیخ و نورِ فتحِ باری
بہ دَبین ابتداءً گشتہ استاد — سپس رفتہ بہ پاکستان شد آباد
نظامِ علم ٹنڈو در گرفتہ — بدیں روشن فضاء سندھ کردہ
زعیمِ مدرسہ ٹنڈوالہ یار — شدہ پس بہر طیبہ تیز رفتار
زہے آں ترجمانِ سنت پاک — مہاجر مستقر شاہِ لولاک
شدہ پیوست در خاکِ مدینہ — چو گوہر چو در آید در خزینہ
خمیرش بود چوں زیں قطعۂ پاک — ز بس مدفن شدہ بہرش ہمیں خاک
برائے رفعتِ ایں آبگینہ — بقیع غرقد آں را شد چو زینہ
جَزاہُ اللّٰہ فی الدارین خیراً — وَ رقّاہُ ارتقاءً ثم سیرا

مولانا عبدالحق اکوڑویؒ شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک و سابق مدرس دارالعلوم دیوبند

ازاں ہم عبدِ حق یک شیخ حاذق — بدارالعلم بود استاد سابق
بعلم حق ز حق آراستہ شد — باخلاقِ کرم پیراستہ شد
اکوڑہ شد بہ پاکستاں منور — بہر لمحہ برایش علم یاور
چو نورش صورتِ محسوس بربست — ہموں دارالعلوم حقانیہ گشت

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور و سابق شیخ التفسیر، دارالعلوم دیوبند

زہے شیخ الحدیث ادریس فرحاں — محدّث اور مفسر بہرِ قرآں
منور گشتہ از انوارِ کشمیر — بدبین اولاً شد شیخ تفسیر
سپس آں را چو پاکستان کشیدہ — فیوضِ بے کراں ازوے چشیدہ
شدہ در اشرفیہ نور افشاں — کشیدہ از وے لاہور علم و عرفاں
طبیعت منکسر بے روگ سادہ — کتابوں کا ذخیرہ اور وِسادہ
نقوشِ علم بر کاغذ نمایاں — علوم نقش اندر سینہ پنہاں

بشان ورع و تقویٰ زُہدِ وافر　　باخلاق حسن با علم حاضر
بایں سامان عمرش تام کردہ　　بعقبیٰ شد بہ دنیا نام کردہ
بایں آثار پاکش از جہاں شد　　بعقبیٰ سہل تر رفتہ رواں شد

حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ

شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بھاول پور، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند

زہے شیخ الحدیث استاذ دوراں　　بشمس الحق کہ حقا فخر افغاں
بھاول پور میں ایک شمعِ فروزاں　　چمک اٹھتا ہے جس سے نورِ ایماں
بدیبن اولاً استاد بودہ　　بذہن صاف و منہاج ستودہ
وزیر دولت قلاّت ہم شد　　بدینساں علم با دولت بہم شد
دوبارہ علم محض او را کشیدہ　　نماند تا ازیں دولت رمیدہ
بھاول پور کی تھی خوبیٔ قسمت　　کہ دی شیخ الحدیث ہونے کی دعوت
خطابت اور کتابت میں ہیں یکساں　　بلیغ و با اثر باعدلِ میزاں

مولانا محمد علی حیدر آبادیؒ (دکن)

ازاں ہم لائق تحسیں محمد　　علی حیدر آبادی بدو مد
یکے مد حمد ودیگر مد علوبود　　ازیں دو اسمِ پاک آں را ملو بود
بوصفِ حمد محمود اکابر　　بہ از وصفِ علو فوق الاصاغر
بدارالعلم آمد باصد ہمت　　فنا فی العلم گشتہ از عزیمت
شدہ از فقہ دیں یک عالم دین　　باخلاص وباخلاق وبہ تمکین
مقالے یافت از انواع تلقین　　شدہ فخرِ اماثل در رہِ دین
باوصافِ حمیدہ خود ستودہ　　بخدماتِ جلیلہ روحِ بلدہ
رفیقِ من ز اول تا بآخر　　بدرس واکتساباتِ مآثر
بہ بلدہ محوِ اصلاحِ خلائق　　بہ ہدیِ نیک بر امثال فائق

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباددکن، سابق مدیر ''القاسم'' دارالعلوم دیوبند

مناظر احسن از گلہائے گیلاں ذکیِ بے بدل ہادیِ عرفاں
بہار ازوے بہاراں شد بہ بستاں اگر مورے بیاید شد سلیماں
دکن میں نور عرفاں جن سے پھیلا ضیاءِ دینِ حق کا رنگ چمکا
دکن میں علم حق کی طرح ڈالی ہزاروں نے مرادِ رفتہ پالی
مصنف باتصانیف لطیفہ مٹے ہیں جن سے آثارِ کثیفہ
مقالاتِ قلم دُرِّ ثمیں تھے خطابات ان سے بھی بڑھ کر حسیں تھے
بہ نظم و نثر یکساں بحرِ مسجود کہ نظمش دُرّ و نثرش دِرِّ منثور
نصیبہ جامعہ عثمانیہ کا کہ اُن جیسا معلّم اُس نے پایا

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، رکن مجلس شوریٰ، دارالعلوم دیوبند

ترے منظور کی سیف یمانی مٹادی جس نے بدعت کی نشانی
قلم کی ہر کشش ترویج سنت قدم کی ہر دوش تخریبِ بدعت
بریلی لکھنؤ نے فیض اُٹھایا وہ پایا صدق وحق جو تھا گنوایا

مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

محمد با میاں اسم مرکب دو لفظی خیر سے خود بھی مرکب
فقیہ و عالم تحدیث پیشہ بہ میدانِ سیاست شیر بیشہ
مؤرخ مستند در باب تصنیف سند مانی گئی ہے جن کی تالیف
بہ تصنیفش قلم سنجیدہ تحریر شگفتہ رو زباں شیریں بہ تقریر

مولانا الشیخ وصی اللہ اعظمیؒ

وصی اللہ دوائے روحِ ویراں مریضانِ قلوب ان کے تھے جویاں

مربی من و عن بر طرز اشرف ۔۔۔ جلالی شان لیک انداز اظرف
فضائے بمبئ روشن تھی اُن سے ۔۔۔ یہ سوکھا کھیت بھی گلشن تھا اُن سے

مولانا الشیخ مسیح اللہ صاحبؒ، شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد

مسیح اللہ شفاء دردِ ہجراں ۔۔۔ مسیحیّت بشانِ شاں نمایاں
مریضانِ نفوس آتے حیراں ۔۔۔ مگر جاتے ہیں ہو کر شاد و فرحاں
وہ شان اشرفی کا اک نشاں ہیں ۔۔۔ نہ اک گل مستقل خود گلستاں ہیں
جہاں بھی پڑ گئے ان کے قدم آج ۔۔۔ تو پالی اہل حق نے اپنی معراج

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سعید احمد روانِ اکبر آباد ۔۔۔ ہے اقلیم فضائل جن سے آباد
تخلق وخلق ممتاز اماثل ۔۔۔ باوصافِ حسن فخر افاضل
ذکاوت اور ذہانت اور متانت ۔۔۔ اور اُن میں روحِ راسخ استقامت
یہ اوصاف ان کے ہر کلمہ میں پنہاں ۔۔۔ زباں ہو یا قلم سب میں نمایاں
سعیدوں کی یہ کیا کم ہے سعادت ۔۔۔ کہ ذوق ان کا ہو بہ اوصافِ فطرت
بعلمِ شیخ انور شہ مزین ۔۔۔ بصورت وضع دینی سے مشین
خطابت انگلش واردو میں یکساں ۔۔۔ کہ ہیں دونوں زبانوں کے زباں داں
بلاوا ہند کے صوبوں سے ان کا ۔۔۔ کناڈا یورپ امریکہ سے ان کا
زمیں شاہد فلک کے ماہ ومریخ ۔۔۔ کہ ان کی بین الاقوامی ہے تاریخ

مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

زعیم خاص و ممتاز حفظ رحماں ۔۔۔ خطابت کا کیا سر جس نے میداں
اٹھایا جس نے سوتوں کو جگا کر ۔۔۔ بنایا جنگ آزادی کا رہبر
پسِ آزادی ملت کی حفاظت ۔۔۔ وہ کی احسان مند ہے ساری ملّت
پسِ آزادی ہر خطرہ میں پڑ کر ۔۔۔ بچائیں جانیں مظلوموں کی بڑھ کر
یہ ایک ہی کام وہ ہے کارنامہ ۔۔۔ کہ روشن ان کا ہے اعمال نامہ

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

ہیں رحماں کے عتیق عثمان جوہر حیاء و غیرت ملّی کے پیکر
بہ جوش لحن و لہجہ سب پہ غالب دلائل سے مدلل رائے صائب
باحوال زمانہ دور اندیش بہ حق ایں ادارہ خیر اندیش

مولانا حامد الانصاری غازیؒ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

وہ فاضل حامد انصاری و غازی بجامِ ہند صہبائے حجازی
سیاست میں نمایاں جوش با ہوش نزاع و جدل کے میداں میں خاموش
خطیبِ نغز گو شیریں ادائے بعنوانات برجستہ نوائے
قلم کی بادشاہی جس پہ نازاں فصاحت اور صحافت جس پہ حیراں
مدینہ کی صحافت کا تھا دعویٰ بارد و ''صاحبِ طرز'' اہلِ انشاء
یہ تھے سب جنگ آزادی کے شیدا جبین سے حریّت سب کے ہویدا

مولانا منت اللہ رحمانیؒ

امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

زہے ممتاز اقراں منت اللہ باسم بامسمّی منت اللہ
امیر شرع و منہاجِ شریعت بعدلش بر خصیماں ابرِ رحمت
برای صائب و سنجیدہ اخلاق باتفاق و بایقان و بارفاق
بطبع لیّن و با قلب ھیّن بعزم راسخ و باجزم بیّن
مشیخت برجنبش از اب و جد بیامد مثل بیضہ بر زبرجد
ز دارالعلوم دہین مستفید ست سپش در مجلس شوریٰ مفید ست

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن ابن مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ

رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

زہے مرغوب رحمٰن اور محبوب ہمہ دم طالبِ حق حق کے مطلوب
کہ بود از تابعین مشیت اللہ ضمیرِ صاف اور افہامِ اللہ

مولانا محمد زماں حسینی مسیحِ کلکتہ ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

زہے فخر زمانِ خود زماں جان — بعلم نافع واخلاقِ احسان
بذہنِ ثاقب وسنجیدہ تقریر — ہو جس سے حال و مستقبل کی تعمیر
بفنِّ طب یکے اُستاذ حاذق — بدور خود شدہ ممتاز وفائق
بکلکتہ مطب جاری وساری — ہیں سب یکساں غنی ہو یا بھکاری
زبس دستِ شفا بہرِ مریضاں — بفضلِ رب بتوفیقاتِ یزداں
وہ کی علامہ بلیاوی کی خدمت — کہ آج اس سے ہیں وہ خود فیض درجت

حضرت مولانا اشتیاق احمد دیوبندیؒ صدر کتابت دارالعلوم دیوبند

ازاں ہم اشتیاق احمد ستودہ — زشاگردانِ انور شاہ بودہ
مفکر در علوم شرع وحکمت — باحساں محسن ودارائے نسبت
بعلم دیں، بحال قلب صادق — باسرار ومعارف شیخ حاذق
بفنِّ خوشنویسی بود یکتا — بہ سعیش کاتباں گشتند صدہا
علوم دین کا کافی تھا ملکہ — مگر فنِّ کتابت کا تھا غلبہ
بدار العلم صدرِ کاتباں بود — بذوقش ایں صناعت کار افزود

احقر ناکارہ محمد طیب قاسمی، مہتمم سابع دارالعلوم دیوبند

یکے از احقر خدّامِ انور — کہ شد قدرے ز فیضانش منور
محمد طیب است از آلِ قاسم — بنام مہتمم ہے ایک خادم
تلمذ کردہ ہم بر شیخ محمود — سند یاب از مصنف بذل مجہود
سپش از خلق انور شہ منور — ازاں نورے کز و بودہ مطہّر
مربی پھر ہوئے صدیقِ مالیر — جو ہر صورت سے تھے سبّاق بالخیر
ز فیضِ اشرفی ہم مستفید است — بطبعِ قاسمی طبعش مطیع است
تہیدست ہے مگر نسبت ہے اُن سے — خدایا حشر بھی ہو ساتھ اُن کے

چند ممتاز فضلاء بیرونی ممالک

نہیں اک محورِ فیضاں ترا ہند   نہ اک یو پی بہار وسر حد وسند
نہ پاکستاں جو ہندوستاں تھا پہلے   کہ تیرے یہ علوم ان تک ہی پھیلے
عرب ہو یا عجم پھیلے ہیں یکساں   کہ پایا ہے اُنھوں نے تجھ سے فیضاں

حجاز

ز مکہ شیخ حبیب وہمزہ آمد   دگر عبد الغفور از مکہ آمد
ز بصرہ خالد بصری برآمد   صدیقِ ماشدہ وقتے کہ آمد

ترکی

ز ترکستان روسی حرمت اللہ   بدیبن آمدہ از برکت اللہ
محمد جان از قاذان آمد   ز دیبن علم دیں کردہ در آمد

شام

ز مسقط شیخ ابراہیم آمد   کہ نوع علم خاص ازوے برآمد
بذوقِ خاص و استنباط ماہر   زبد ذوقی بری بیزار خاطر

ایران

در ایراں زاہداں شد مرکزِ دین   بعلم دیوبند از بہرِ تلقین
ز سرباز آمدہ عبدالصمد ہم   خطیبِ زاہداں عبدالعزیز ہم

لنکا

زلنکا شیخِ برہاں ہم بیامد   نقوشِ پائے آدم برسر آمد

ماوراءالنہر

کمال الدین وثابت از بخارا   بخاری پڑھ کے پہونچے تابخارا

اخی عبدالغفور ہم از بخارا | بہ مسجد ہم امامت کرد مارا
بقوتِ انقلاب ہند رفتہ | مدینہ بہرِ وے موطن بگشتہ
بلخ ہو تاشقند ہو یا سمر قند | کہ ان سب میں گھلی ہے قندِ دیوبند
بنے عالم وہاں پھر اُن سے صدہا | ہوا دبین کا چرچا ان میں برپا

برما

چلے برما سے یوسف بہر دبین | کیا تحصیل علم دین بہ تن من

بنگلہ دیش

چلے عبدالوحید از سمت ڈھاکہ | زبہر علم اُنھوں نے تجھ کو تاکا
زہے اطہر علی شیخِ کشن گنج | اُٹھائے کتنے ہی اس راہ میں رنج
ہے بنگلہ دیش اِن سے علم کا گنج | بلاشک وشبہ اور بے شش وپنج

افریقہ

ہیں ڈربن میں عمر جی اور یوسف | کراں جن کا لقب بااسم یوسف
جو ہانس برگ میں حاجی محمد | جو اب جنت میں ہیں خالد مخلد
یہاں سے لیکے روح علم قرآں | ہوئے واپس وطن باجزم وایقان

امریکہ

ز فیجی جزوِ امریکہ محمد | شدہ ازعلم دیں ذاتش مجدّد

انگلستان

زانگلستان آمد جمعِ طلاب | شوند تا از بحارِ دین پایاب
بقیہ جتنے شرقی منطقے ہیں | مدرسہ کے افاضل سے بھرے ہیں
مثالاً تھے یہ گنتی کے چند افراد | وگرنہ ہے ہزاروں تک یہ تعداد

ہے جو بھی ان میں اصغر اور اکبر　ہے بحرِ دینِ حق کا اک شناور
یہ جمعِ راکعین وساجدین ہے　جو محوِ لا احب الآفلیں ہے
پھر اُن سے مستفیدوں کی ہے تعداد　شمار اُن کی ہے بالا تر زاعداد
تفاصیل ان کی ہیں تاریخ میں سب　مدوّن اور قرینہ سے مرتب

کتب مروجہ دارالعلوم دیوبند

یہ ہیں شخصیتیں لیکن کتابیں　ہیں اس خیمہ کی مستحکم طنابیں
کتابیں گر نہ ہوں تو علم رخصت　نہ ہوں شخصیتیں تو عشق رخصت
یہی ہے عالمِ عقبیٰ کی پہچان　ہوں علم وعشق دونوں اس میں پنہاں
زباں ہو اور ہم رشتہ قلم ہو　کتاب وشخصیت اُس میں بہم ہو
تو اے دارالعلوم اے چشمۂ فیض　تجھے دونوں سے حاصل ہیں یہ فیض
کہ تجھ میں علم بھی ہے عشق بھی ہے　ہے تجھ میں قول بھی اور صدق بھی ہے
ہے تجھ میں شمع بھی اور انجمن بھی　ہے گلرو بھی تو ساتھ اُس کے چمن بھی
کتابیں بھی ہیں اور شخصیتیں بھی　ہیں تعلیمیں بھی اور تربیتیں بھی
یہاں اسلام میں احساں ہے مخلوط　یہاں ہے روشنی گرمی سے مربوط
کتابیں کچھ ہیں فنی کچھ نصابی　ملی جن سے تجھے عزت مآبی
کتاب اللہ تری لوحِ جبیں ہے　ترے حق میں یہی نورِ مبیں ہے
یہی تبیان بھی برہان بھی ہے　یہی ایمان کا سامان بھی ہے
ہر اک آیت میں بطن اور ظہر دونوں　عشاء بھی فجر بھی ہیں جمع دونوں
ہے پابندِ سلف تفسیر تیری　مربی خلف تمرین تیری
کسی آیت میں تیرا قلت کہنا　ہے علمناہ علماً من لدنا
بیاں اس کا نبی کی سنتیں ہیں　انہی کی پاک طینت خصلتیں ہیں
حدیثِ پاک قولی ہو کہ فعلی　سکوتی یا اثر غیر اجتہادی
یہ ساری نوعیں قرآں کا بیاں ہیں　مرادیں حق کی اُن سے ہی عیاں ہیں

اصح تر ہیں روایاتِ بخاری
کہ ان کی شرطیں ہیں سخت اور بھاری

صحیح تر بعدِ قرآن ہے بخاری
اسی پر جمع ہے امت یہ ساری

پھر اس کے بعد ہیں صدہا ذخیرے
حدیثوں کی کتب میں جو ہیں پھیلے

یہ سب ہیں اولیں تفسیرِ قرآں
بیان ان کا ہے اس کے حق میں برہاں

ہیں یہ سارے صحیفے تیرے مخدوم
مرادِ حق انہی سے کل ہے مفہوم

حدیثی علم کے ہیں سب یہ مخزن
ترے حق میں معارف کے ہیں مدن

ترا سینہ بخاری کا خزینہ
ترا مسلم سے روشن آبگینہ

نسائی ابن ماجہ اور طحاوی
ملے ہیں تجھ کو یہ تحفے سماوی

مؤطا سے امام ترمذی تک
ترا رشتہ جڑا ہے بیہقی تک

ابوداؤد ہے اک لحنِ داؤد
ہے قال کے ترنم میں بھرا سود

بخاری تری انوار محمود
ابوداؤد میں ہے بذل مجہود

نظر کی تو نے جس دم سوئے مسلم
ہوئی الہام تجھ کو فتح ملہم

ترے پیش نظر گر ترمذی ہے
کمک پر اس کے العرف الشذی ہے

ترے دل کی ہے قوت گر مؤطا
کھڑا ہے پشت پر اس کی مصفی

تو مشکوٰۃ المصابیح سعادت
تو مرقاۃ المفاتیح کرامت

ہے علم قسطلانی قسط اور عدل
کہ جس میں ہے رچا احساں اور فضل

فتوحات وفصوص اور فتح باری
اور عینی عین دیں شرح بخاری

ذخیرہ ہیں احادیثِ نبی کا
ہے اُن پر اعتماد ہر امتی کا

حدیثوں کی جو کی تشریح تو نے
تو کی ذوقِ سلف کے رنگ وبو سے

کتابیں کیں مدون فن کی رو سے
جو خالی ہیں قرارِ ما و تو سے

ہیں الہامی بنور وحی قرآں
نہ ذہنی کاوشوں کا عشق پیچاں

پھر ہیں فنی کتب ان کے مبادی
کہ علم وعشق کے ہیں یہ آبادی

اصولِ علم تفسیری میں دیکھو
ملی فوز کبیر انعام تجھ کو

کتاب اللہ ہے جب تیرا منشور
مضامیں کیوں نہوں پھر درمنشور

اٹھائی صرف کی میزاں جو تو نے تو پھر تلنے لگے لاکھوں نمونے
ہدایت نحو کی تجھ کو ملی ہے کہ کافی کافیہ کی تو نے پی ہے
فصولِ اکبری کی چند فصلیں ہیں ان سے منشعب علمی یہ نسلیں
ماتہ عامل کے یہ سارے عوامل تو ہے ترکیب سے اُن سب کا عامل
تری صغریٰ کی اور کبریٰ کی آواز نتائج اخذ کرنے میں ہیں دمساز
خطائی الفکر سے بچنے کی ترغیب تجھے دیتی ہے ہر دم شرح تہذیب
ہیں حمد اللہ کی آوازیں مبارک کہ جن سے تو بنا قاضی مبارک
تجھے ملا حسن سے میبذی سے تجھے قطبی سے شرح چغمنی سے
علومِ آلیہ کی خاص دولت ملی ہے ان کتابوں کی بدولت
تجھے ملا جلال ومیر زاہد سکھائیں کیوں نہ منطق کے قواعد
وہ شمس بازغہ صدرا کی لہریں پرانے فلسفہ کی خاص نہریں
اصول وکلیات اُن میں ہیں پنہاں کہ جن سے ہوتی ہے تشحیذ اذہاں
زباں پر آج کا یہی فلسفہ ہے جو تاحدِّ مبادی مدرسہ ہے
کلامی فن نہ ہو کیوں تیرا رخشاں امور عامہ ہو جب کہ عنواں
ترے ذہنِ رسا کا ہے یہ رتبہ کہ سرتاپا ہے تو ہی شرحِ نخبہ
ادب میں ہے تکلم کا تجھے حق ہے تیرے بر زباں سبع معلق
فتاویٰ میں دکھائی تو نے چستی تجھے حاصل ہے علم رسمِ مفتی
جو نفحات عرب ہیں اور یمن ہیں معطر تیرے اُن سے جان وتن ہیں
فرائض کو ادا کرکے ہے ناجی کہ ہے تدریس میں تیرے سراجی
ادب میں تو مقاماتِ حریری بدرس فقہ دین فتح القدیری
ہَدایا میں ملے تجھ کو ہدایہ رعایہ اور سعایہ اور نقایہ
قدوری اور منیہ شرح نامی ادہر شرح وقایہ اور شامی
تو ہے کنز دقائق بحر رائق حقائق کی مصفی نہر فائق
عقود دریہ ہے ہار تیرا درّ مختار ہے موتی کا گہنا

ترا زیور ہے اشباہ ونظائر — گلے میں ہیں یواقیت وجواہر
علومِ عالیہ تیرے مسلم — علومِ آلیہ میں تو ہے سلم
اصولِ فقہ کے روشن ہیں اسرار — کہ تیرے ہاتھ میں ہے نور الانوار
خطابت میں ضرورت پر نظر ہے — مطوّل بھی بیاں میں مختصر ہے
کھلی ہے حکمتوں میں تیری تصریح — تری تشریح ہے توضیح وتلویح
نمایاں ہے جبیں پر نورِ ایضاح — زباں پر ہے رواں تلخیصِ مفتاح
رشیدیہ کے دیکھے جب مناظر — تو تو اُس سے بنا جید مناظر
نظر آئیں تجھے کیونکر نہ اسرار — لگا ہے چشمۂ تنویر ابصار
کلامی معرکوں میں تو ہے قائد — ترے ہاتھوں میں ہے شرح عقائد
وہ تیری حفظِ ایمان وبراہین — حقیقت سے ہیں پر ان کے مضامین
سمجھنا ہو نبی کی زندگی کو — تو پی آبِ حیاتِ قاسمی کو
نماز باحقیقت کل ادا ہو — جو تیرے ہاتھ میں قبلہ نما ہو
معاً کھل جائے گی شرعی سیاست — ہوگر زیرِ نظر فطری حکومت
نہ کیوں ہو وضع وقطع میں تنبہ — جو تیرے ہاتھ میں ہو التشبہ
تصوف میں نہیں کچھ ریب تجھ کو — کہ ازبر ہے فتوح الغیب تجھ کو
نہیں ہے درس میں خالی خیالی — کہ شامل ہیں جلالین وجلالی
نصابی مظہری تفسیر کا جز — حقائق کا ہے کل اس کا ہر اک جز
تجھے تھی ملت بیضا سے الفت — تو پائی تونے بیضاوی سے نسبت
مدارک میں نہاں تیرے مدارک — بیان اس کا ہے خالی از معارک
تیرے سینے میں ہیں انوار لمعات — نہ کیوں روشن ہوں تیرے ان سے دن رات
غزالی سے ملی تجھ کو سعادت — زاحیاء العلوم اندازِ حکمت
معارف کا نہ کیوں واضح بیان ہو — زباں پر جب تری روح البیاں ہو
بیاں قرآن کا اشرف بیاں ہے — جو ایمان اور عرفاں کی زباں ہے
تری لوح جبیں پر صاف تحریر — عماد الدین اور رازی کی تفسیر

تو ہے تفسیر کے میداں کا غازی تو اپنے وقت کا ہے فخر رازی
کھلیں کیونکر نہ اسرار ومعارف مطالعہ میں ہو جب تیرے عوارف
تفقہ کا نہ ہو کیوں تجھ کو دعویٰ مدد پر جب ہو امداد الفتاویٰ
ہے تجھ میں تقویت ایماں کی یکسر بہشتی ہے تیرا ہر ایک زیور
وثیقہ ہے حیات المسلمین کا کہ جس سے ولولہ پیدا ہو دیں کا
ترا ذہن رساوہ نابغہ ہے تو خود حجۃ اللہ بالغہ ہے
تو اسرارِ عقائد سے ہے واقف کہ ہے عقدہ کشا شرحِ مواقف
طریقِ تربیت سے تیرے ظاہر کہ تو ہے تربیت سالک کا ماہر
کہاں تک رہ سکے گا کوئی عجمی ہے قائم جب کہ تجھ میں صفِّ عربی
ترے اقدام سوئے دین وملت ترے اقدام ہر لحہ بہ جنت

دارالعلوم کا مسلک جامع

سفینے اور یہ سینے مبارک یہ علم و عشق کے چشمے مبارک
یہ مسلک معتدل با استقامت ہوا تجھ میں باذن اللہ ودیعت
کتاب و شخصیت ہو جبکہ ممزوج تو ہے افراط وتفریط اس میں مفلوج
ہے نصب العین تیرا قسط اور عدل جو تجھ پر ہے خدا کا اک بڑا فضل
ترا پیغام بھی ہے عدل کی روح کہ جس سے روح ودل ہوتے ہیں مفتوح
خلاصہ ہے یہی اسلام و دیں کا تقاضا ہے یہی شرع متیں کا
ہے جیسے اعدل الادیان اسلام شریعت بھی ہے اُس کی اعدل وتام
شریعت کے ہیں نیچے کچھ مذاہب تفقہ کی ہیں روحیں جن میں غالب
مذاہب میں ہے عدل فقہ حنفی ہے جامع اور نقائص اوس سے منفی
ہیں اس مذہب کے نیچے کچھ مسالک جو راہ تربیت ہیں بہر سالک
ہے جامع تر ولی اللّٰہی مسلک نہیں ذرہ برابر جس میں گنجلک
ہے جس میں امتزاج دین و دنیا دیانت اور سیاست کا سراپا

پھر اس مسلک کے اندر ہیں مشارب — جو فکر و ذوق کے ہیں کچھ مراتب
اور اس فکرِ وسط کا خاص مشرب — رشیدی قاسمی سے ہے ملقب
بزیرِ سایۂ علم شریعت — توسط اعتدال از نور سنت
سلف کا پھر تعامل باصد عظمت — بہ شخصیات قدسیہ عقیدت
تعلّم ہے ز کاغذ بل بہ صحبت — ز اہل دل بہ تکثیر معیت
ادب توقیرِ اسلاف و اکابر — دلوں میں جاگزیں ان کے مآثر
تورع نور تقویٰ اور بصیرت — رسوخ دین اور دینی حمیت
عبادت اور عبودیت کی نسبت — منور جلوت اور باخیر خلوت
تفقہ فہم اسرار و معانی — یمانی حکمت و ایماں یمانی
یہی ہے دیوبندی فکر اور ذوق — شریعت کا اُبھرتا جس سے ہے شوق
خلاصہ یہ ہے باعنوان ملت — شریعت اور طریقت اور حقیقت
خلاصہ ہے ترے پیغام کا صاف — ہے توحید اتحاد اور ذوق اسلاف
ہے مسلک کی یہی وہ جامعیت — کہ جس نے تجھ کو بخشی عالمیت
ترا پیغام دنیا بھر میں گونجا — جو ہے اجلاس صد سالہ کا ثمرہ
یہ اجلاس اپنی نوعیت کا تھا واحد — ہیں ماضی حال سب ہی اس کے شاہد
نہ ماضی میں ہوا ایسا نہ فی الحال — ہیں علم حق میں مستقبل کے احوال
یہ عالمگیر آفاقی تھا اجلاس — کہ لاکھوں نے بجھائی اس سے ہے پیاس
ممالک کے عوام اور دولتوں نے — حکوماتی وفود اور افسروں نے
حجاز و یثرب و مکہ مدینہ — ہو جدہ جو ہے بحر و بر کا زینہ
یمن ہو یا عرب یا مصر اور شام — ہو عمان یا عراق اور روس و بلگام
ہو افریقہ کہ امریکہ کہ فیجی — کہ ان تک میں تری آواز گونجی
ہو بنگالہ کہ کیرالہ کہ آسام — ہو یاغستاں کہ ترکستانِ گلفام
بلوچستاں ہو یا ہو سندھ سرنام — دکن گجرات یا پنجاب شہ گام
ہو پاکستان و ایراں یا امارات — ہو ہندوستاں کے اضلاع و ریاسات

اجلاس کی طرف رجوعِ عام اور اجتماعِ عظیم

جب اُن سب نے تھا تجھ سے فیض پایا ملا تھا سب کو کچھ درجہ بہ درجہ
تو ان کا تھا رجوع اک امر فطری کہ پہنچیں تجھ تک باجذب طبعی
سو جوں ہی دعوتِ اجلاس پہنچی وہیں لبیک سب کے برزباں تھی
ہوا میں شوق سے اُڑ اُڑ کے آئے زمین کیا؟ تھے فضاؤں پر بھی چھائے
ائربس اور ہوائی کشتیاں تک سکوٹر اور گھوڑا گاڑیاں تک
بسیں، ریلیں، مکانات اُن سے بھرپور جگہ تل تک کے رکھنے کی تھی کافور
اُمنگوں سے بھرے تھے سب کے اوقات امنڈتے آرہے تھے مثل بارات
تھی میلوں میں بسی خیموں کی بستی جگہ پانے کی تھی ہر اک میں چستی
دو رُویہ ڈیرے خیمے شامیانے دو ڈھائی میل تک تھے آشیانے
تھے صوبہ دار کیمپ اور اُن کے حلقے قطار اندر قطار اُن کے تھے خیمے
بنے تھے کیمپ خوشتر مثل عرفات نظر کو دیتی تھی دعوت ہر اک گھات
بنا پنڈال مثل شہر خوباں محبت کے تھے تارے جس میں رُخشاں
یہ تیری تھی کرامت اور عظمت تھی تیرے بانیوں کی نیک نیت

اجلاس کی کیفیت

تھا لاکھوں کا ہجوم اور پُر امن تھا نہ جھگڑا تھا نہ کوئی مکر و فن تھا
یہ مجمع تیس پینتیس لاکھ کا تھا ادارہ کی نمایاں ساکھ کا تھا
زحامِ بے پنہ اور پُرسکوں تھا کہ شیطانوں کا لشکر سرنگوں تھا
نہ دنگا تھا نہ ٹنٹا تھا نہ آزار گلوں کے تھے محافظ گر تھے کچھ خار
محبت کی تھیں زنجیریں گلوں میں تھے شامل خار بھی رنگیں گلوں میں
سکینت اور بشاشت تھی کچھ ایسی کہ جیسے اہل جنت کی ہو بستی
بہشت آں جا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

سکون و امن تھا دار و رسن آج
مسرت اور خوشی تھی شاہِ بے تاج
اٹھائیں کلفتیں اور پھر بھی سب خوش
بدن خوش روح خوش اور سارے سرخوش
بہر سو دینِ حقانی کے نغمے
فضا میں چار سو بکھرے ہوئے تھے
ممالک مشرقی اور مغربی سب
اخوت کے نشے میں مست تھے سب
متاعِ نور تھی کچھ ایسی سستی
کہ جیسے ہو بسی سورج میں بستی
اِدھر ظاہر میں بستی بُقعۂ نور
اُدھر باطن میں ٹھنڈک اس کے مستور
عجب بَرد و سلاماً کا تھا منظر
کہ تھی برق تپاں با آبِ کوثر
اسی اضداد کے جھرمٹ میں سارے
اٹھا کر کلفتیں بھی خوش تھے سارے
بہر صورت ہوا اجلاس ایسا
ہوا ہوگا نہ اس دنیا میں ویسا
یہ دارالعلوم کی تھی ایک آواز
جو معنیً تھی خلیل اللّٰہی آواز
عرب ہوں یا عجم، تھے محوِ پرواز
عجب تھا والہانہ اُن کا انداز
تھے جمع تیس پینتیس لاکھ افراد
کہ سب شاداں تھے کوئی تھا نہ ناشاد
یہ تھی محبوبیت از بس خداداد
جو تیرے حق میں تھی مالک کی اک داد
تری ہی مرکزیت سب نے مانی
تو ہی تنہا تھا اس وحدت کا بانی
ترا اجلاس ربطِ عالمی تھا
کہ تو خود ہی ادارہ عالمی تھا

اسماءِ منتظمین اجلاس اور اُن کی خدمات

یہ سب تھے تیرے حق میں غیبی تحفے
عطیات خداوندی کے تمغے
مگر اس کی عطا کے ہیں وسائل
جو اس دنیا میں ہیں وجہ فضائل
ہے امرِ حق کہ شکر اُن کا بھی ہے حق
کہ جیسے شکرِ حق واجب ہے اور حق
تھے اس اجلاس کے بھی کچھ وسائل
کہ اُن سے ہی ہوا یہ نظم کامل
ہے ناشکری اگر اُن کا نہ ہو ذکر
جنہیں تھیں رات دن اجلاس کی فکر
بحکم مجلس شوریٰ تھے اسلم
عمید و ناظم اعلیٰ مسلّم
کریں اجلاس کا تا نظم محکم
سلیقہ سے بپا ہو کارِ پیہم

کئے ناظم نے خود ہی منتخب چند
معین اپنے جو ہمت تھے وہ چند
یہ چیدہ منتخب تھے بارہ افراد
ہوا اجلاس جن سے خانہ آباد
ظفیر و ازہر و محمود و خورشید
نعیم و سالم و بدر اور جاوید
وحید و اظہر و قمر و سلیم ہم
کہ اینہاں جملہ پیوستند باہم
یہ تھے تمثالِ بارہ ماہِ یک سال
ہوئے ایام اجلاس ان سے بہرحال
یہ تھے بارہ کواکب نور افشاں
سماء محنت و ہمت پہ رخشاں
یہ تھے اثنا عشر اسباط کی مثل
نقیب اثنا عشر تھے اُن میں بادِل
مؤثر تھی ہر اک کی ہمتِ کار
خصوصاً ناظمِ اعلیٰ کا کردار
کئے تقسیم کام ان پر باوقات
بنائے ذمہ دار اربابِ خدمات
معاون تھے ادارہ کے سب استاد
دفاتر کے ہمہ تن سارے افراد
جنہوں نے لگ کے دن رات ایک کر کے
جمائے نظم کے خاکے پہ خاکے
زمین ہموار کی خطّے نکھارے
نظام جلسہ کے گیسو سنوارے
ہر اک نے کی وہ خدمت بہ ترتیب
کہ جیسے اُس کے گھر کی ہے یہ تقریب
کیا بعضوں نے سرمایہ فراہم
کیا بعضوں نے دفتر کو منظّم
کیا بعضوں نے لگ کر کیمپ کا نظم
سجائی بعض نے خوراک کی بزم
کیا بعض نے تعمیرات کا کام
بہ تزئین و بہ ترمیمات خوش فام
ہمہ دم نظم کا تھا ان کو احساس
ہوا پایاب جس سے نظمِ اجلاس

شکریہ منتظمین ومعاونین

ہے ترحیب ان کی زیب حق شناسی
نہ ہوگی گر تو ہوگی ناسپاسی
یہ سارے مستحق تبریک کے ہیں
سب ہی حق دار یہ تحسین کے ہیں
جزا دے حق تعالیٰ ان سبھوں کو
عطا ہوں برکتیں ان ورکروں کو
فجازاھم جزاء الخیر فضلاً
و نجاھم من المکروہ عفوا
مبارک ہو اُنہیں محنت کا ثمرہ
مبارک یہ عظیم الشان جلسہ

اہل شہر کا تعاون

ہے اہل شہر کا بھی شکر لازم
جو اس خدمت میں تھے لازم ملازم
عمائد شہر کے سارے ہی تھے ساتھ
رہا ان محنتوں میں ان کا بھی ہاتھ
نہ اک مسلم گھرانوں کا تھا ایثار
تھے شامل ہندوؤں کے بھی رضا کار
بلا تخصیص مذہب اور ملت
سب مصروف تھے با صد عزیمت
یہ اک تاریخی خدمت کا ہے شہ کار
رہے گا یادگار اُن کا یہ کردار

حکومت ہند کا شکریہ

حکومت کا تعاون بھی تھا بھرپور
ہیں سب ہم اس کے ممنون و مشکور
ٹکٹ اجلاس کے اُس نے چلائے
نشان جلسہ کی شہرت کے جمائے
چلائے اسپیشل صوبوں سے ہر گام
کہ پہنچیں جلسہ گاہ تک سب بآرام
پئے اجلاس اسٹیشن بنایا
کہ مہماں پر نہ ہو کلفت کا سایا
ہزاروں غیر ملکی بھی تھے مہمان
پڑا ویزوں میں ان کے کچھ نہ خلجان
انہیں ویزوں میں دی اتنی ہی وسعت
کہ جتنی آنے والوں میں تھی ہمت
کیا سب نے بدل اجلاس کا کام
دعا ہے سب یہ پائیں حسنِ انجام
جو ہیں اسلام پر وہ ہیں باسلام
نہ ہوں جو اُن کو بھی مل جائے اسلام

امدادِ غیبی

نگاہِ غور سے دیکھو تو یہ کام
ہوا امدادِ غیبی سے سر انجام
زحام بے پنہ اور نظم بے بس
محض فضلِ خداوندی تھا بس
کہ جلسہ کامیاب اور کامراں تھا
کہ اُس پر لطفِ ربی حکمراں تھا
نہیں اسبابِ ظاہرہ کا یہ ثمرہ
ہے الطافِ خفیہ کا نتیجہ
ہوا مقبولیت پر اس کا انجام
بامن عام سب پورے ہوئے کام
تجھ ہی میں لگ رہے تھے تیرے خدام
بقدر وسع تھے مشغول ہر گام

وہ تھے حفظ خداوندی سے سرشار غنی از نکتہ چینانِ خطاکار
مبارک تو بھی ہے اور تیرے خادم مگر اپنی خطاؤں پر ہیں نادم
خطا وار و خطا کار و گنہ گار مگر ہیں شرمسار اور تو ہے غفار
تجھ ہی سے مغفرت کی ہے توقع تجھ ہی سے التجا ہے بے تصنع
کہ آثِرہنا وَلاَ تُوْثِر عَلَیْنَا وَ اکرمنا بعَفْوِكَ لاَ تُهِنَّا

اجلاس کی کامیابی پر تبریک وتہنیت

ہوا جلسہ تری برکت سے قائم وگر نہ ہمتیں تھیں اپنی نائم
پس اے دارالعلوم اے دین پرور تو ہے محفوظِ حق اور حق کا یاور
تری مقبولیت پہلے تو تھی تام اور اس اجلاس سے وہ ہوگئی عام
قبول عام کا یہ غیبی تحفہ جو ہے اجلاس صد سالہ کا ثمرہ
مبارک ہو تجھے دارالعلوم آج ترا اجلاس ہے جلسوں کا سرتاج (۱۱۲)

مابعد اجلاس

رہے مابعد جلسہ کے مقاصد ادارہ جن کا تھا سوجان سے قاصد
وہ تعلیمی تھے پر بارنگِ تنظیم ادارہ نے کیا تھا جن کو تسلیم

مسلک کی اشاعت

ہے سب سے پہلے مسلک کی اشاعت کہ مضمر ہے اسی میں عالمیت
مقاصد میں ہے یہ ام المقاصد کہ اہل علم ہوں سب اُس کے قاصد
ہمہ گیر اس کو کرنا ہے ترا کام یہی اجلاس کا ہے خاص پیغام
ہیں اس پیغام کے کچھ اوراجزا کہ جن کا لازمی ہونا ہے اجرا

علوم اکابر کی اشاعت اور دعوت الی اللہ

اکابر کے معارف کی اشاعت عمومی دعوت حق کی عزیمت

فضلاءِ دیوبند کی خدمات کی ہمہ گیری

عظیم الشان خدمات افاضل جو ہیں آج انفرادی رنگ کی حامل
ہوا ان میں اجتماعی رنگ پیدا وہ ہوں اک مرکزیت سے ہویدا
افاضل کی ہو تا آفاقی شہرت کہ پائے عالمیت ان کی خدمت
قوی ہو عالم اسلام تجھ سے اخوت کی جڑیں ہوں جام تجھ سے
ہوئی بہرِ نظام کار تسلیم بنامِ رابطہ اِک عام تنظیم
یہ تعلیمی مقاصد کی ہے تنظیم کیا اجلاس نے بھی جس کو تسلیم

وفاق مدارس

مدارس کا وفاق اور ان کی خدمت بڑھے تا خدمتوں میں اون کی قوت
اداروں میں ہو باہم ربط اور ضبط تشتت کی جڑیں مرجھا کے ہوں حبط
نصابوں میں ہو یکسانی کی صورت جو تعلیمی روابط کی ہے زینت
جوامع میں سند کا ہو تعادل سند سے طالبوں کا ہو تبادل
سند اونچے اداروں میں ہو حجت اور اُس پر ثبت ہو مرکز کی نسبت
ادارے عالمی ہوں تجھ سے مربوط ہو تعلیم عام اور تہذیب مضبوط

وفاق مدارس ادارہ ہی کرسکتا ہے

ترا ہی کام ہے ربطِ مدارس کہ اصلاً تو ہی ہے ام المدارس
ہے تنظیم جوامع تیرا ہی فرض ترے ہی ذمہ ہے ملکوں کا یہ قرض
مدارس کی ہیں رونق تیرے فاضل تجھ ہی سے پھیلتے ہیں سب فواضل
مدارس جمع ہوں گے تو تجھ پر نہ ہرکس پر نہ تم پر اور نہ مجھ پر
مدارس ہیں بہت لیکن یہ دیبن بزرگوں کی بزرگی کا ہے موطن
یہاں کا ایک مسئلہ ہفت مسلہ یہاں کا ایک قطرہ ہفت دریا
اس میں تھا کشش کا سب یہ سامان کہ تجھ سے ربط کا تھا سب میں ارمان

تری آواز ہی پر ملک دوڑے چلے تیزی سے اپنے گھر کو چھوڑے
ہوا کے دوش پر بھی اُڑ کے آئے محبت کی ہوائیں ساتھ لائے
وگرنہ یہ رجوع تجھ پر ہی کیوں تھا کسی نے کیوں نہ خود سے کر دکھایا
یہ رسمیات کی قوت نہیں ہے کہ رسموں میں یہ ہمت ہی نہیں ہے

تنظیم ابنائے مدارس علمی کشش ہی سے ممکن ہے

یہ علمی قوتوں کی اک کشش تھی نہ رسمیات کی کوئی دوش تھی
خدا سازی سے ہے یہ عالمیت نہ خود سازی سے جو ہے نفی قوت
دلوں کو جوڑتی ہے نسبتِ حق نہ لفاظی نہ صورت سازی دلق
تو ہے مقبولیت کا آج محور تو ہی محبوبیت کا آج ہے گھر
تجھی میں جمع ساری نسبتیں ہیں بزرگوں نے جو تجھ میں ثبت کی ہیں
ہیں ایک اک اینٹ میں تری آثار کہ جن کی برکتوں سے تو ہے سرشار
خصوصاتِ مواقع بھی ہیں کچھ چیز کہ جن سے چیز ہوجاتی ہے صد چیز
مثال اس کی حرم کی ہیں عبادات کہ اک نیکی پہ ہے اک لاکھ سوغات
کسی غیر حرم کی یہ نہیں ساکھ کہ اس کی ایک ہی طاعت ہو ایک لاکھ
مزیت یہ مقام پاک کی ہے یہ تقدیس اس کے خاکِ پاک کی ہے
ہے تو بھی اک حرم ہندوستان میں مگر تعلیم وحکمت کے جہاں میں
تری تاسیس کارِ اولیا تھی تری تقویم علم انبیاء تھی
ہزاروں نسبتیں تھیں کار فرما ہوئی جن سے حقیقت تیری برپا
ہو جب تعلیم صد الوان نسبت مسائل ہوں گے صد آلاف حکمت
ترا مسئلہ ہے یوں اک لاکھ مسئلہ حرم کی ہے شباہت کا یہ نقشہ
ترے حق میں تھا عربوں کا مقولہ کہ تھا اجلاس تیرا حج کا نقشہ
وہ قبلہ ہے عبادت اور حج کا تو قبلہ علم میں ہے اُس کی دہج کا

وہاں شدّ رحالِ کلّ عالم — یہاں ہر ملک کے ہیں طالب العلم
ترا جو فرد پختہ مولوی ہے — وہی کچھ مولویِّ معنوی ہے
ہے ظہر وبطنِ قرآنی سے واقف — ہے اس بارہ میں خود شرحِ مواقف
تجھی پر جمع ہوں گے سب مدارس — کہ تجھ سے ہی بنیں اُن کی فہارس

تنظیم ابناء ادارہ ہی کا کام ہے

اگر اجلاس ہے تیرا مبارک — تو منصوبے بھی ہیں تیرے مبارک
جمائی تونے تھی تعیم تعلیم — تو ہی پھیلا سکے گا اس کی تنظیم
تجھی پر جمع ہوں گے تیرے فاضل — تجھی سے جب ملے ان کو فضائل
ہے تنظیم افاضل تیرا ہی کام — یہ ''فاضل'' تیری ہی نسبت کا ہے نام
تری نسبت ہی سے فاضل بنے وہ — تری محنت ہی سے قابل بنے وہ
کئے تونے ہی صرف ان پر سن وسال — لٹایا تونے ہی اُن پر زر ومال
فضیلت کی سند بھی تونے ہی دی — تجھی نے دی فضیلت کی بھی پگڑی
تو پھر تیرے سوا ہے کون حق دار — کہ تنظیم افاضل کا ہو مختار
اگر ہے مادرِ علمی ترا نام — تو بچوں کا یہ نظم ہے ماں کا ہی کام
کہ جوڑے علم کے رشتوں سے اُن کو — پلائے وحدتوں کا دودھ ان کو
ترا ہے کام مثبت اور اصلی — نہ ہنگامی نہ وقتی اور نہ نقلی
ترا ہے کام اپنے کام سے کام — نہ جھگڑا اور نہ مقصد شہرت ونام
اسی پر غیب سے آئے گی امداد — تری نسبت ہے گہری اور خداداد
جو ہوں مربوط نسبت ہوگی مضبوط — نہ ہو مربوط رہ جائے گی مخبوط
تجھے کیا خوف جب تیری ہے یہ اصل — ہزار اُٹھے کہیں سے وغل اور فصل
بہت اُٹھے یہاں تخریب کے شغل — نہیں بجھ پائی پھونکوں سے یہ مشعل
یونہی ہیں آج کے تخریبی اشغال — وہ خود ہو جائیں گے پھونکوں سے پامال
اٹھے گی گر گھٹا کالی کہیں سے — تو چھٹ جائیں گے بادل بھی وہی سے

رہے گا یہ ادارہ یونہی قائم ۔۔۔ ہے جب تک عمر باقی یونہی دائم
چلے گی اور چلتی ہی رہے گی ۔۔۔ براقی کار ہے بڑھتی رہے گی
کریں جو رخنہ اندازی وہ جانیں ۔۔۔ وہ تیرے کام کو مانیں نہ مانیں
وہ ہوں گے آخرش از خود ہی نادم ۔۔۔ تو ہوگا کامراں اور تیرے خادم
بحمد اللہ ترا اجلاس ہوا تام ۔۔۔ مبارک ہو تجھے یہ حسنِ انجام
تجھے مقبولیت ہو یہ مبارک ۔۔۔ یہ لاکھوں کی ہو جمعیت مبارک
ہجومِ عاشقاں تجھ کو مبارک ۔۔۔ محبوں کی یہ بڑھتی شان مبارک
تجھے اجلاس صد سالہ مبارک ۔۔۔ یہ پینتیس لاکھ کا جلسہ مبارک
یہ نورِ پستی وبالا مبارک ۔۔۔ قمر ہے تو تو یہ ہالہ مبارک
ترا فیضان عالم کو مبارک ۔۔۔ اور ہر اک مردِ مومن کو مبارک
تو آفاقی ادارہ ہے مبارک ۔۔۔ ظہورِ عالمیت ہو مبارک
تو ہے اے مہر عالم خود مبارک ۔۔۔ مبارک در مبارک در مبارک
یہ مسلک کی ہمہ گیری مبارک ۔۔۔ دلوں کی فتح وگیرائی مبارک
یہ مسلک معتدل بااستقامت ۔۔۔ جو تجھ میں ہے باذن اللہ ودیعت
یہی عدل و توسط کی نشانی ۔۔۔ ہے تیرے حق میں وجہ قدر دانی
موافق اور مخالف سب ہوئے رام ۔۔۔ مُقر تھے تیری عظمت کے بہ ہرگام
یہ طیب ابن احمد کی دعا ہے ۔۔۔ خدائے وحدہ سے التجا ہے
یہی ہے التجا اس کی شب وروز ۔۔۔ کہ تیری روشنی ہو عالم افروز
جہانوں میں تیرا یہ نور پھیلے ۔۔۔ حرا کا نور ہے تا طور پھیلے
ترا کلمہ بلند ہو اور عالی ۔۔۔ جسے مانیں ادانی اور عالی
ترا علمی مقام ہو اور اونچا ۔۔۔ مخالف کا تیرے کلمہ ہو نیچا
دیانت عالمی ہو تیری اور تام ۔۔۔ علومِ انبیا ہوں تجھ سے سرنام
تجھے تقویٰ کی زینت ہو میسر ۔۔۔ ترا ہر اک فرد ہو اس کا محور
یہ ذوق معتدل ہو تیرا سر نام ۔۔۔ کہ جس کا عالمیت ہی ہے انجام

ترا سایہ رہے دنیا پہ قائم — ترا ظل ہمایوں ہم پہ دائم
تری ہو مرکزیت اور پختہ — ترا ہر مرحلہ شُستہ سے شُستہ
مبارک باش در ہجری سنِ نو — ضیا افشاں شوی مثلِ مہ نو
تو ہی تھا چودھویں ہجری کا مصلح — تجھی سے ہوگی پندرھویں بھی صالح
ہے یہ تیرا زمانہ زائد از صد سال — ترا ہر سال آئندہ ہو صد سال
ترا ہو فیض دائم تا قیامت — قیامت سے بھی آگے تا بہ جنت
ترے خدام ہوں بافوز ہر حال — ترے دشمن رہیں پاؤں میں پامال
رہے قرآن ہمیشہ تیرا دستور — نبی کی سنتیں ہوں تیرا منشور
ہمیشہ تو پھلے پھولے جہان میں — شریعت کے زمین وآسمان میں
خدا کی حمد ہے اول اور آخر — نبی کی نعت ہے تا یوم آخر
بدایت اپنی وردِ فاتحہ ہو — نہایت اپنی حسنِ خاتمہ ہو

والحمد للّٰہ الذی بنعمته تتم الصّٰلحٰت

(تمام شد حصہ اول)

محمد طیب: رئیس جامع اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

۲۳؍مارچ ۱۹۸۰ء

اولادواحفاد کا شاعرانہ ذوق

شاعرانہ ذوق کا یہ سلسلہ آپ کی اولادواحفاد میں بھی پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند نمونے پیش خدمت ہیں۔ مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ کی شاعری کا نمونہ اس نعتیہ کلام میں ملاحظہ فرمائیے:

اے خدائے پاک تیری حمد ہے وردِ زباں — تیرا جلوہ ذرّے ذرے میں ہے مستور ونہاں
تو ہی آقا تو ہی مالک تو ہی خلاّق جہاں — تیری قدرت کا کرشمہ ہیں زمین و آسماں
بے کراں رحمت سے تیری ہے اس عالم کو ثبات — تیرے حکمِ غیب سے پیدا زمین و آسماں
عزت و ذلت کی ہے تقسیم بس در سے ترے — آسرا تیرا ہے جو بگڑی بناتا ہے یہاں
فقر و دولت ہے اشارہ تیری ذات پاک کا — ہر کوئی تیرا بھکاری صرف تو روزی رساں

فرش تا عرشِ بریں ظاہر ترا قدس و جلال تیری ہستی کی تجلی اوج و پستی میں نہاں
بندۂ عاجز یہ رمزؔی غرقِ عصیاں و گناہ طالبِ عفو و کرم ہے تجھ سے ربِّ دو جہاں (۱۱۱)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کو بھی نظم پر دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ تفنن طبع کے طور پر چند قطعات کہیں کہیں مل جاتے ہیں۔

ذیل میں چند اشعار پیش خدمت ہیں:

نذرِ امیر علمائے ہند

حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

آفتاب دین حق کی ہے ضیاء علم وفن حق نے بخشا ہے تجھے اسلاف کا ذوق سخن
شاہدِ عدل ہیں اس پر یہ زمین و یہ زمن کلمہ طیب سے سرنگوں باطل رہا
زندہ رکھا ذوق حق ملت میں تونے عمر بھر اس کے پشتیباں کتنے ہی ہے گنگ وجمن
حق رسا ہے تیرے نغموں کی صدائے دلنشیں داد کا طالب نہیں ہے تیرا ذوق فکر وفن
کردیا تیرے معارف نے دلوں کو حق شناس جن کی پر تاثیری نے گویا کردیا سب کو مگن
شعر کو صرف حسن معنی ہی سے ملتا ہے دوام حسن لفظی لاش ہے جس میں نہیں روح سخن
دردِ دل سے نغمۂ بیتاب بن جاتا ہے شعر یہ نہ ہو تو شعر رہ جاتا ہے ایک بے جان تن
تھی رفیق زندگی، توفیق حق گوئی تری تجھ پر قرباں تا کہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن

رحمت رب سے رہے روشن رہے سدا تربت تری
یہ دعا دیتاہے تجھ کو سالؔم مخلص کا من

بسا اوقات حضرت خطیب الاسلامؒ فارسی میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک نمونہ اُس کا بھی ملاحظہ فرمائیں:

بیا اے گوہرِ تابانِ ملت خوشا اے حاصلِ ارمانِ ملت
بیا اے طوطیٔ بزم معانی سرا، تا دل ز سینہا ستانی
بیا اے درد مند نوع انساں خوشا اے نازشِ ارباب ایماں
بیا اے نورِ راہِ رہ روایاں خوشا اے مرجع ما بے نوایاں
بیا اے زبدۂ سحرِ فصاحت خوشا اے قدوہ اہل سیاست

بیا اے چارہ گر نباضِ فطرت — خوشا غوّاصِ بحرِ علم و حکمت
بیا اے صاحبِ افکارِ عالی — خوشا اے واقفِ اسرارِ عالی
زورہائے عزائم پردہ وا کُن — من افتادہ را، رہِ نما کُن
ز پروازِ بلندت آشنا کُن — نگاہِ مشفقانہ سوئے ما کُن
بفرما چیست کردار معظم — چگونہ ہست افکارِ مکرم
یمے بودم ولے پایاب گشتم — دُرے بودم ولے نایاب گشتم
چساں آیم بسطح آبِ حیواں — چگوں بستم سر انساں بہ یزداں
کدامم لغزشے برگشتِ دوران — بگو تا کے رَوَمُ افتاں و خیزاں
چہ شد اے محترم خیر الامم را — کجا یابیم اربابِ ہمم را
کہ بُرد از دستِ من عالی علم را — چرا بشکستہ شد دست و قلم را
مرا شغلے بجز تزئینِ تن نیست — یقیں دارم کہ ایں تقدیرِ من نیست
مباہا تم بماضی ہیچ فن نیست — پئے این نعش گویا ہم کفن نیست

اسی طرح آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہٗ بعض اوقات بہت اچھے اشعار کہہ لیتے ہیں، جن سے اُن کے ادبی ذوق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اشعار کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

روح اگر حفصہ میں ہے تو جان میری عائشہ — بے بہا ان نعمتوں پر شکر ہے بہر خدا
دادا دادی کی تمناؤں کا مرکز اور محور ہیں یہی — عمر اور اقبال میں ہوں برکتیں ان کو عطاء
دین اور دنیا کی نعمتیں ان کو ملیں — قابل صد فخر ہو ان کا نصیب باصفاء
بندۂ ناچیز کی کرلے دعائیں تو قبول — ماں کی شفقت باپ کا سایہ رہے قائم سدا
حفصہ و عائشہ کو تو زندگانی دے طویل — کامرانی جادۂ منزل میں ہر اک مرحلہ
رہرو راہ محبت کی نہیں یہ آشنا — فطرتوں میں صبح کی پاکیزگی ہو عطاء
اس طرح قائل ہوا سفیاںؔ دعاء سحر کا — دیکھ کر معصوم فطرت پر تبسم کی ضیاء

خانوادۂ انوری کے چشم و چراغ عزیزم میاں حمدان احمد شاہ ابن حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے حفظ قرآن کریم کے موقعہ پر کہے گئے فی البدیہہ اشعار:

ہدیۂ تبریک پہلے پیش در قلب نہاں ہے سعادت در سعادت دولت حفظ قرآں
اس متاع بے بہا کا کوئی بھی ثانی نہیں شاہ انور اور انظر کی دعائیں بیکراں
خانوائے انوری کا یہ نیا چشم و چراغ احمد مرسل کی امت کا ہے یہ پاسباں
صادق المصدوق کے اقوال آبائی ہنر فکر وفن کے دوسرے گوشے حدیث دیگراں
فکر ہی وسعت ہو عطاء اور قلم ہو شورش بپا حاسدین دین حق ہر دم رہیں لرزہ کناں
قادیانوں کے پلیدی فکر کا ہو چاک ساز عقدۂ ختم نبوت کا بنے یہ راز داں
زندگی کے مرحلوں میں کامیابی ہو عطاء استقامت دین پر ہو حوصلے ہر دم جواں
آباء و اجداد کی تدریس کا ہو یہ امین ورثۂ تعزیر میں بھی ہو عطاء زور بیاں
حفظ کی برکات وہ جلوہ فگن سایہ فگن جادۂ منزل کا ہو یہ رہنمائے کارواں
بارگاہ ایزدی میں ہے دعا سفیان کی سایہ فگن فضل حق ہو علم مثل کہکشاں

عیدقرباں کے موقع پر اراکین دارالعلوم وقف دیوبند کو بھیجا گیا منظوم دعوت نامہ جو شہ پارۂ ادب کا ایک نمونہ ہے:

دعوت نامہ

ہم نشینانِ چمن ذی مرتبت عالی مقام

سب سے پہلے پیش کرتا ہوں میں خدمت میں سلام زحمت کام و دہن ہے مدعاء حاصل کلام
عید قرباں نام ہے ملنے ملانے ہی کا نام اس لئے ہے میں نے رکھی گھر پہ اک دعوتِ طعام
ہے کبابِ سیخ کا بہتر سے بہتر انتظام اور تمہاری گر نہ ہو، ہوگی یہ دعوت ناتمام
ہے جمعے کا دن مبارک نیک اس کی ساعتیں منفرد ہفتے میں ہے اپنا ہی اس کا اِک مقام
بارہویں ذی الحجہ ہے اور رات کا پہلا پہر سات بج کر دس منٹ ہوگا، شروع یہ اہتمام
آستانۂ قاسمی تو آپ کو معلوم ہے ہے پتہ معروف سب کو خاص ہو وہ یا کہ عام
آپ کی آمد کا ہوں وقتِ مقرر منتظر رہ گئیں ہیں جو بھی باتیں ہوں گی وہ بعداز طعام

............❖............

چندواقعات
اوران سے مفید نتائج کا استنباط

ذیل کے واقعات بہت سوں کو یاد ہوں گے اور بہت سے حضرات اپنی تقریر وتحریر میں ان واقعات کو اپنے طریقہ سے استعمال کرتے اور برتتے ہوں گے مگران واقعات کو جس سہل، سادہ، درس آموز اور حکمت افروز اسلوب میں حکیم الاسلامؒ بیان فرماتے ہیں وہ ایک دوسری چیز ہے جو دوسروں کے لئے قابل تقلید تو ہوسکتی ہے لیکن ہو بہواس کی نقل مشکل ہی نہیں بہت مشکل بھی ہے۔

فرمایا : ''حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ مولسری کے احاطہ میں جو کنواں ہے اس کی من پر حضور ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ دودھ لینے والوں میں سے بعض کے ہاتھ میں گھڑا ہے، بعض کے ہاتھ میں لوٹا ہے اور کسی کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے وہ ہاتھ پھیلا کر چلّو ہی سے پی لیتا ہے۔ حضرت جب بیدار ہوئے تو مراقبہ فرمایا کہ آخر یہ کیا چیز ہے؟ کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دودھ صورت مثالی علم کی ہے اور قاسم العلوم نبی اکرم ﷺ ہیں۔ آپ علم تقسیم فرما رہے ہیں اور طلباء فرق مراتب کے ساتھ علم حاصل کررہے ہیں۔

اس واقعہ کا علم لوگوں کو اس طرح ہوا کہ ایک بار شاہ رفیع الدین صاحبؒ احاطۂ مولسری میں کھڑے تھے، ایک طالب علم شوربے کا پیالہ لے کر آپ کے سامنے آیا اور اسے پھینک کر کہنے لگا کہ اس میں گھی ہے اور نہ مصالحہ ہے اور شاید مفتی صاحب اس سے وضو کے جواز کا فتویٰ بھی دیدیں، یہ ہے آپ کا اہتمام۔ جب وہ طالب علم چلا گیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا مدرسہ ہی کا طالب علم ہے اور مطبخ سے اسے کھانا ہے؟ اور مطبخ کے رجسٹر میں اس کا نام درج ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں معلوم ہوتا، تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی کے نام کا ایک دوسرا طالب علم ہے، اصل میں کھانا اس کا تھا، لیکن نام میں اشتراک کی بنا پر غلطی سے ٹکٹ اسے مل گیا تھا۔ طلبہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضرت بات تو وہی ہوئی جو آپ نے

فرمایا تھا، مگر آپ کو معلوم کیسے ہوا؟ اس پر آپ نے دودھ والا واقعہ بیان فرمایا اور اس کے بعد جو عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ جب شوال میں طلباء داخل ہوتے ہیں تو ایک ایک کو دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا، یا نہیں تھا۔ اس طالب علم پر میں نے تین مرتبہ نیچے سے اوپر تک نگاہ ڈالی تو مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں شریک نہیں تھا۔‘‘

یہ چمن یوں ہی رہے گا

فرمایا : دارالعلوم پر ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ مہتمم سے لے کر دربان تک سب ہی اہل نسبت تھے۔ حاجی عبداللہ صاحبؒ دربان تھے، نوشت وخواند کچھ نہ تھی لیکن صاحب نسبت بزرگ تھے، صبح صادق پر جو دارالعلوم میں گھنٹہ بجتا ہے اس کے بجانے کا کام انہیں کے سپرد تھا، یہ ضرب لگاتے تو زبان پر سبحان اللہ ہوتا، دوسری پر الحمد للہ اور تیسری پر اللہ اکبر کے ایک نعرہ کے ساتھ، پھر یہ شعر زبان پر عجیب کیفیت سے لاتے۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں ☆ اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

یہ منظر کچھ ایسا ہوتا کہ جو سنتا بے اختیار اس پر بکاء طاری ہو جاتا۔

فرمایا : ’’حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ مرض وفات میں ہیں، ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر دیا ہے کہ آپ مطالعہ نہ فرمایا کیجئے مگر جب ڈاکٹر چلے جاتے تو آپ فوراً مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو فرماتے کہ بھائی کیا کروں؟ یہ مرض مطالعہ کا بالکل لاعلاج مرض لگا ہے، چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ چند ساعت ہی ترک مطالعہ کرتے تھے، ان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی دلالت اولیٰ مطالعہ ہی پر تھی۔ حضرت کو زیادت فی العلم کی ایک دھن لگی ہوئی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حافظہ اتنا قوی دیا تھا کہ جو چیز ایک بار دیکھ لیتے تو عمر بھر کے لئے کافی ہو جاتی، خود ایک بار درس میں فرمایا کہ جو چیز نظر سے گذر جاتی ہے پھر فراموش نہیں ہوتی۔ درس میں معروف ومشہور کتب تو درکنار، غیر متعارف قلمی نادر کتب کا حوالہ بقید صفحات سطور مطبع بے تکلف اس طرح دیتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید گذشتہ رات ہی حضرت نے ان کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے لیکن اس قدر قوت حفظ کے باوجود بھی حضرت نے تیرہ بار فتح الباری کا از اول تا آخر مطالعہ کیا تھا، بتائیے کہ جس کے ایک بار کتاب دیکھ لینے کے بعد یہ عالم ہو کہ سالہا سال کے بعد بھی مستحضر، تو تیرہ بار فتح الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا عالم ہوگا؟ آپ کے یہاں حدیث کا درس ہوتا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ سارے ہی فنون کا درس ہوتا تھا۔ افسوس کہ آپ کی

بتائی باتیں اور تقاریر محفوظ نہ رکھ سکا، مگر یقین ہے کہ اگر حضرت کے جملے ہی محفوظ رہتے تو بھی ان سے مستقل علوم نکلتے اور جو جملے یاد رہ گئے ہیں آج ان سے علوم کے دفتر نکلتے ہیں۔''

ارسطو حکیم

ارسطو مشہور حکیم اور فلسفی گذرا ہے، رات دن جڑی بوٹیوں کی تلاش میں رہتا اور ان کا امتحان لیا کرتا تھا، وہ اپنے کام میں اتنا مشغول رہتا کہ اسے نہ دن کی خبر ہوتی اور نہ رات کی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سارے دن کا تھکا ماندہ جنگل سے آیا، دوکان میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں آنکھ لگ گئی، اتفاق سے اسی دن بادشاہ کی سواری نکلی ہوئی تھی، آگے آگے نقیب و چوب دار ہٹو بچو، ہٹو بچو کی صدائیں لگاتے آرہے تھے، مگر وہ نیند میں اس طرح مست کہ اسے کچھ بھی خبر نہیں، پڑا سوتا رہا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کا اس کے پاس سے گذر ہوا، بادشاہ اسے اس طرح سوتا ہوا دیکھ کر سواری سے اترا اور اسے ٹھوکر مار کر کہنے لگا کہ گستاخ! تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ ارسطو نے جواب دیتے ہوئے کہا، غالباً آپ جنگل کے درندے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہی ٹھوکر مارتے ہوئے چلا کرتے ہیں۔ بادشاہ کو اس کے اس گستاخانہ کلام کو سن کر اور بھی غصہ آیا، اس نے کہا: بدتمیز! میرے پاس خزانہ ہے، فوجیں ہیں، قلعہ ہے، تخت و تاج ہے، پھر بھی تو مجھ سے یہ گستاخانہ انداز اختیار کئے ہوئے ہے۔ ارسطو نے کہا کہ یہ ساری چیزیں تو تیرے باہر کی ہیں، تیرے اندر میں کون سی چیز، کون سی خوبی اور کون سا کمال ہے تو یقین رکھ کہ جس دن تیرے اوپر سے یہ قبا شاہی اتر جائے گی تو ذلیل ہو جائے گا، تیرا کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ آدمی کو فخر اپنے اندر کی چیز پر کرنا چاہئے، جب تیرے اندر کوئی کمال نہیں ہے تو تو کپڑوں اور تخت و تاج سے باکمال نہیں بن جائے گا، یہ قباءِ شاہی چھوڑ اور ایک لنگی باندھ پھر ہم دونوں دریا میں کودیں، جب معلوم ہوگا کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں، تیرے اندر کیا کمال ہے اور میرے اندر کیا کمال ہے۔

واقعات کی بات ختم ہوگئی، انداز آپ نے دیکھ لیا، کیسا رسیلا اور کتنا میٹھا، گویا کہ لفظ لفظ پر شہد ٹپکا رہے ہیں۔ سبحان اللہ، اب آگے ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ طالبانِ علوم کے لئے حکیم الاسلامؒ اپنے نہاں خانۂ دل میں کیا کیا خواہشیں اور تمنائیں رکھتے ہیں اور فضلائے دارالعلوم سے کیسی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں جو پوری ہو رہی ہیں یا نہیں، خدا معلوم۔ اس سلسلہ میں ہم اور آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

قدیم روایت

فرمایا : ''ایک بات آپ حضرات سے اور کہہ دوں کہ جس طرح آپ علم حاصل کرنے کے لئے

محنت کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں، تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اسی طرح آپ کو عملی اخلاقی قوت پیدا کرنے کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہے جب تک آپ کی عملی اور اخلاقی قوت مضبوط نہیں ہوگی، علم کام نہیں دے گا، ایک عالم میں اگر کبر ہو، حسد ہو، بغض ہو، کینہ ہو، طمع ہو، حرص ہو تو وہ خود بھی ذلیل ہوگا اور علم کو بھی ذلیل کرے گا۔''

اسلاف جب علم سیکھ لیتے تھے تو اس کے بعد مستقل طور پر عمل بھی سیکھتے تھے خود دارالعلوم پر نصف صدی ایسی گذری تاوقتیکہ شیخ کامل کی اجازت نہ ہوتی، دارالعلوم اپنی علمی سند نہ دیتا گویا کہ علم و عمل کی تکمیل کا نام سند تھا۔ میں نے جو آپ کے سامنے حدیث پڑھی تھی کہ **منهومان لا يشبعان منهوم في العلم و منهوم في الدنيا** یعنی نہ تو کوئی طالب دنیا کبھی سیر اور نہ طالب علم سیر ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی طالب مال کو کسی حد پر قناعت ہوتی ہے اور نہ طالب علم کو بلکہ حرص بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں تو وہ دوسو کی خواہش میں لگا ہوا ہے اور اگر دوسو ہیں تو چار سو کی خواہش میں، اسی طرح کسی عالم کو اگر سو مسئلے معلوم ہوئے تو دوسو معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا اور اگر دوسو معلوم ہو جاتے ہیں تو چار سو معلوم کرنے کی جدو جہد کرتا ہے۔

جب علم کی طلب اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو علم خود ہی عمل کو دعوت دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے **اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء** جس قدر علم بڑھتا جائے گا، خشیت بڑھتی جائے گی اور جب خشیت بڑھے گی تو آپ یقیناً طاعت کی جانب مائل ہوں گے، اس لئے کہ علم کے لوازم میں عمل ہے اور ایسے ہی زیادت فی العلم کے لوازم میں سے ہے زیادت فی العمل۔''

احساس مسئولیت

فرمایا : ''ابھی تو آپ حضرات کا طالب علمی کا زمانہ ہے، ابھی آپ دوسروں کی نگرانی میں رہتے ہیں اور یہاں رہ کر آپ صالح بن رہے ہیں مگر یہاں سے جانے کے بعد آپ خود نگراں بنیں گے اور آپ کو مصلح بننا ہوگا، پھر آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل آئیں گے اور اس کے مطابق آپ کو تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی، آپ کے سامنے ملک و قوم کے حالات ہوں گے اور آپ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت قوم میں کون سی بیماریاں ہیں، کیا کوتاہیاں ہیں، ان کے اسباب کیا ہیں اور ازالہ کی تدابیر کیا ہوں گی؟ ایسے ہی یہاں سے نکلنے کے بعد آپ کے سامنے شرک و بدعت کا میدان ہوگا اور عیسائیت و یہودیت سے بھی آپ کا

مقابلہ رہے گا، اگر آپ نے ان کاموں کے لئے ابھی سے تیاری نہ کی اور محنت و مشقت کر کے میدان کو ہموار نہ کرلیا تو آگے چل کر آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ظاہر ہے۔‘‘

فرمایا : ’’میری خواہش ہے کہ آپ یہاں صرف عالم اور صالح ہی بن کر نہ نکلیں بلکہ معلم اور مصلح بن کر نکلنے کی کوشش کریں، اس لئے قوم منتظر ہے کہ ہمارے نونہال دارالعلوم میں پڑھنے گئے ہیں، وہ آئیں گے، ہماری اصلاح کریں گے، ہمیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگائیں گے اور ہماری پریشانیوں کا حل ہوگا، لہٰذا آپ ان چیزوں کے سلسلے میں خود بھی سوچیں، اس کا حل نکالیں، اپنے اساتذہ سے سوالات کریں، پھر نہ آپ کو ایسا وقت ملے گا اور نہ ایسے اساتذہ ملیں گے۔‘‘

ذرۂ آفتاب تابانیم

شاید ہم نے کئی ایک جگہ لکھا ہے کہ حکیم الاسلامؒ انکساری اور تواضع کا پیکر تھے، اب ذرا انہی کے الفاظ میں ملاحظہ بھی کیجئے:

فرمایا : ’’میں کیا ہوں کچھ بھی تو نہیں، بس ایک نام اور ایک نسبت لگ گئی ہے ان بزرگوں کے ساتھ جن کے طفیل ہم اور آپ یہاں موجود ہیں، غالبؔ نے کہا ہے ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ہمارا تو جو کچھ بھی ہے انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہے، ہمیں تو روٹیاں بھی مل رہی ہیں تو ان ہی بزرگوں کے طفیل میں، سپاس نامے اور تعارف میں تو اکثر مبالغے ہی سے کام لیا جاتا ہے اور اس میں ایران، توران کی باتیں کہی جاتی ہیں، آپ لوگوں کی جانب سے جو سپاس نامہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی مجھے ہر طرح سے اچھا اور لائق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے مگر کیا عجب ہے کہ جب اتنے لائق لوگ ایک نالائق کو لائق کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اتنے لائقوں کی لاج رکھ لیں اور یہی میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

اخلاق فاضلہ ہر انسان میں

اخلاق فاضلہ کس چیز کا نام ہے؟ ذرا ہلکی سی تعریف وتعارف اگر ذہن میں رہے تو ہم اس ملکۂ ربانی کو محسوس کرسکیں گے۔ اس سلسلہ میں حکیم الاسلامؒ کی یہ عبارت دیکھئے:

فرمایا : ’’اس دنیا میں برائی اصل ہے، اس کو بروئے کار لانے کے لئے کسی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، نہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، ورنہ نہ تعلیم گاہیں ہوتیں نہ خانقاہیں اور نہ اس طرح کے تبلیغی

اجتماعات ہوتے، تعلیم کی حاجت ہونا یہ دلالت ہے کہ آدمی اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ نہیں بلکہ اس کو گھڑ گھڑا کر انسان بنایا جاتا ہے، آدمی پیدا ہوتا ہے مگر آدمیت بنائی جاتی ہے، آدمی کی صورت کا نام انسان نہیں بلکہ وہ تو سیرت اور اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

گر بصورت آدمی انساں بودے احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اگر آدمی کی صورت ہی کا نام انسان ہوتا تو نبی کریم ﷺ اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا، صورت تو دونوں کی یکساں ہی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل آتی ہے سیرت سے، اخلاق سے، اگر صورت اچھی ہوئی لیکن باطن خراب ہے یا ظاہر درست ہے لیکن اندر ناقص اور نکما تو اس سے کوئی بات پیدا نہ ہوگی، بلکہ یہ صورت حال عیب ہے، ہنر نہیں اور اسی طرح باطن کے خراب رہتے ہوئے ظاہر کو بنانے اور سنوارنے کی جدوجہد بالکل ایسی ہے جیسا کہ نجاست کے اوپر چاندی کا ورق لگا دیا جائے، اس طرح نجاست کا پاک ہونا تو درکنار ورق بھی ناپاک اور ناقابل استعمال ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بہترین لباس پہن لے مگر دل میں گندگی بھری ہو تو لباس کی وجہ سے وہ نہ تو واجب الاحترام ہوگا اور نہ اس کے کمال میں کسی طرح کا اضافہ ہوگا۔‘‘

............❖............

احسان وسلوک

اصلاحِ نفس کا بہترین اصول

نفس کی اصلاح کیسے ہو؟ زیادہ ذہن پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں، دماغ کو الجھانے کی قطعاً حاجت نہیں، ذرا حکیم الاسلامؒ کی اس زریں نصیحت کو توجہ سے پڑھیئے، ذہن میں محفوظ کیجئے۔

فرمایا: ''اگر کسی شخص کو اتفاق سے شیخ میسر نہ آئے اور وہ کہے کہ میری بستی میں نہ تو کوئی شیخ ہے نہ کوئی عالم، پھر میرے نفس کے اصلاح کی کیا صورت ہوگی؟ ایسے شخص کے متعلق امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اسے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بستی میں اس کا کوئی دوست تو ہوگا ہی اور اگر نہ ہو تو ایک دو آدمیوں سے دوستی کر کے آپس میں سمجھوتہ کر لینا چاہئے کہ اگر میں کوئی برائی کروں تو تم میرا ہاتھ پکڑ کر روک دو، تم کروگے تو میں روک دوں گا، تم سے کوئی کوتاہی ہوگی تو زیادہ نہیں چالیس دن کے اندر سینکڑوں برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

تو اگر کوئی شیخ نہیں ملتا، کوئی عالم نہیں ملتا تو اس طرح اپنے نفس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسے مواخات فی اللہ کہتے ہیں۔

''لیکن اگر کوئی کہے کہ میرا تو کوئی دوست ہی نہیں تو پھر اس کے لئے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے ذریعہ اپنی اصلاح کرے، ایسا تو شاید ہی کوئی ہوگا کہ آج کے دور میں جس کا کوئی دشمن نہ ہو، آپ کے دشمن چھانٹ چھانٹ کر آپ کے عیوب اور برائیاں نکالتے اور پھیلاتے رہیں گے اور اس طرح آپ اپنے نفس کی برائیوں پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ اب آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ کے اندر جو برائیاں ہیں انہیں چھوڑتے چلے جایئے۔ اگر اس طرح آپ ایک چلّے، دو چلّے بھی گزار لیں گے تو بڑی حد تک آپ کی برائیاں ختم ہو جائیں گی اور آپ صالح بن جائیں گے۔''

''اور اگر کوئی کہے کہ میں پہاڑ کی کھوہ میں رہتا ہوں، مجھے نہ کسی شیخ کی صحبت میسر ہے اور نہ میرا کوئی دوست ہے، نہ دشمن ہے، پھر میرے لئے اصلاح کا کیا طریقہ ہوگا۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس کو بھی مایوس

نہ ہونا چاہئے۔ اس کے لئے چوتھا طریقہ محاسبۂ نفس کا ہے۔ روزانہ سوتے وقت کم از کم پندرہ منٹ مراقبہ کرے اور سوچے کہ آج میں نے کتنی بھلائیاں کیں اور کتنے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے، جو بھلائیاں کی ہوں ان پر شکر ادا کرے، اس لئے کہ شکریہ ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ زیادتی کی توفیق دیں گے اور جو گناہ سرزد ہوئے ہوں ان پر سچے دل سے توبہ کرے، جب صدق دل سے توبہ کرلے تو سارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

ذکر اللہ روح عالم ہے

حدیث میں آیا ہے **لا تقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ** یعنی کہ جب تک روئے زمین پر اللہ کا نام لیا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ قیامت کو اللہ کا ذکر تھامے ہوئے ہے، جہاں ذکر بند ہوا قیامت آئی۔ اس مضمون کو حکیم الاسلامؒ کی زبان سے بھی سنئے، کتنا پیارا اور کیسا دل نشیں انداز ہے۔ آپ کوئی فرق محسوس نہیں کریں گے۔

فرمایا: ''کائنات عالم کی روح جس سے وہ زندہ اور برقرار ہے ذکر اللہ اور یادِ حق ہے۔ اگر یہ روح اس میں سے نکل جائے تو پھر یہ عالم برقرار نہیں رہ سکتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک زمین میں اللہ، اللہ کہا جا رہا ہے'' یعنی جب تک ذکر اللہ کی گونج اس جہان میں قائم ہے جب تک یہ جہان قائم ہے، جس دن اس میں یادِ الٰہی باقی نہ رہے گی اسی دن اس عالم کی موت آجائے گی، جس کا نام قیامت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم کی روح ذکر الٰہی ہے جس کے گم ہوتے ہی اس کی زندگی ختم ہوجائے گی۔''

''پھر نہ صرف مجموعہ عالم بلکہ اجزائے عالم کی زندگی بھی یادِ الٰہی سے قائم ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔'' اور فرمایا کہ ''ہر چیز نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔'' حدیث میں ہے کہ ماءِ جاری اللہ کی تسبیح کرتا ہے یعنی جب اس کی روانی رک جاتی ہے تو تسبیح بند ہوجاتی ہے اور وہی اس پانی کی موت کی ساعت ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''سرسبز ٹہنی اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔'' (یعنی جوں ہی وہ اپنی اصل سے جدا ہوتی ہے اس کی تسبیح بند ہوجاتی ہے اور یہی اس کے مرجھانے اور مرنے کی گھڑی ہوتی ہے) اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''سفید کپڑا اللہ کی تسبیح کرتا ہے'' (پس جوں ہی وہ میلا ہوتا ہے اس کی تسبیح بند ہوجاتی ہے اور یہی اس کی معنویت کی موت کا وقت ہوتا ہے۔ غرض ہر چیز کی زندگی ذکر اللہ سے ہے اور موت غفلت عن اللہ سے ہے۔

کائنات کا اہم جزو انسان ہے۔ انسان کی حقیقی زندگی بھی ذکر الٰہی سے ہی ہے، اس کی معنویت کی روح بھی یہی ذکر اللہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’’جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان کی مثالیں زندہ اور مردہ کی سی ہیں۔‘‘ یعنی ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ اس سے واضح ہے کہ انسان کی روحانی اور قلبی زندگی کی روح بھی ذکر اللہ ہے جس سے اس کا دل زندہ ہے کہ اصل زندگی دل ہی کی زندگی ہے۔‘‘

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ذکر اللہ ہی عمل صالح کی بھی روح ہے

پھر اسی مضمون بالا کو ایک نئی طرح سے اور ایک نئے اسلوب سے ایک دوسرے مفہوم میں اس طرح ادا فرماتے ہیں:

فرمایا: ’’پھر اسی طرح انسان کے عمل کی روح بھی ذکر اللہ ہی ہے جس سے وہ عمل قبول اور پائیدار ہوتا ہے۔ اگر انسانی عمل کا ڈھانچہ ذکر اللہ سے خالی ہو اور اس میں یہ روح نہ ہو وہ عمل ہی مردہ ہے جس پر نہ آخرت میں کوئی پھل آئے گا نہ دنیا میں اس کی قدر و قیمت ہوگی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’ذکر اللہ کرنے والے کی مثال ایک سرسبز درخت کی سی ہے، درختوں کے مجموعہ میں‘‘ یعنی جیسے سرسبز درخت ہی پھل و پھول لاسکتا ہے نہ کہ خشک جھاڑ، ایسے ہی ذکر اللہ کی تازگی رکھنے والا عمل باثمر ہوسکتا ہے نہ کہ غفلت آمیز اور ریاکارانہ عمل۔

ظاہر ہے کہ جب ذکر اللہ روح عالم، روح کائنات، روح قلب و جان اور روح اعمال وافعال ہے تو ذکر اللہ ہی تمام اعمال میں افضل ترین عمل بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے حدیث نبوی میں ذکر اللہ کو ’’خیر الاعمال‘‘ بہترین، پاکیزہ ترین عمل، بلند پایہ عمل، چاندی سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ اونچا عمل، جہاد فی سبیل اللہ سے بھی اعلیٰ ترین عمل فرمایا گیا ہے۔‘‘

ذکر اللہ کے فوائد و برکات

ذکر اللہ کے تکوینی اور کائناتی فوائد تو سامنے آئے، اب کچھ تشریعی اور اخروی فوائد پر بھی توجہ فرمایئے۔

فرمایا: ’’اسی لئے یہ ذکر اللہ کمال قرب الٰہی اور معیت حق کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ میری یاد کرتا ہے۔ اگر وہ دل میں اور

اپنےنفس میں مجھے یاد کرتا ہےتو میں بھی اسے اپنےنفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہےتو میں اسے اس سے بہتر مجمع (یعنی جماعت ملائکہ) میں یاد کرتا ہوں۔

عالم میں سب سے بڑے ذاکر جناب رسول اللہ ﷺ تھے، آپ کی شان حدیث شریف میں فرمائی گئی ہے کہ آپ کی کوئی گھڑی ذکر اللہ سے خالی نہ ہوتی تھی اور مختلف اندازوں سے آپ ہر ہر آن ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ **کان یذکر اللّٰہ علی کل احیانہٖ** (آپ اپنے تمام اوقات میں اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے) حدیث شریف میں ذکر اللہ کی مجلسیں جنت کے باغات بتائی گئی ہیں گویا حضور ﷺ دنیا میں رہ کر بھی ہمہ وقت جنت ہی کے باغوں میں سیر فرماتے رہتے تھے۔''

ذکر اللہ کے آثار

اب ایک سوال باقی رہا کہ ذکر اللہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی برکتوں اور فائدوں کا انسانی طبائع پر ظہور کیسے ہو؟ اور کیسے پتہ چلتا ہے یہ فوائد واقعی مرتب ہوئے ہیں۔اس سوال کا جواب ذیل میں:

فرمایا : ''ذکر اللہ ہی سے قلب میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور سخت دلی کافور ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ذکر اللہ کے بغیر کلام بہت مت کیا کرو۔ کیوں کہ کثرت کلام بلا ذکر الٰہی کے قساوت قلب اور سخت دلی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعید تر آدمی وہی ہے جس کا دل سخت ہو، نیز پاکیزگی نفس اور صفائی اخلاق بھی ذکر اللہ ہی سے ممکن ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو قوم بھی کسی مجلس سے اٹھتی ہے کہ اس میں یاد الٰہی نہ کی گئی ہو تو وہ ایسے اٹھتے ہیں جیسے کسی گدھے کی مردہ لاش پر سے اٹھے ہوں اور ان پر حسرت و ہلاکت پڑی ہوئی ہو۔

پھر ذکر اللہ ہی سے نفس میں شیطانی اثرات زائل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ آدمی کے قلب کو شیطان چمٹا رہتا ہے، جیسے ہی اس نے یاد الٰہی کی اور ذکر اللہ میں مشغول ہوا ویسے ہی شیطان کھسک جاتا ہے اور جیسے ہی آدمی ذکر اللہ سے غافل ہوا ویسے ہی وہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔

پھر عذاب الٰہی سے بچاؤ کا بھی سب سے بڑھ کر موثر ذریعہ یہی ذکر اللہ ہے۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ ''ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل بھی عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا نہیں''۔

ساتھ ہی قلب کے زنگ دور کرنے، اس پر نور کی پالش کرنے والی چیز بھی ذکر اللہ ہی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک صیقل ہے (جس سے اس پر چمک آتی ہے، جیسے تانبے کے لئے قلعی اور لوہے و لکڑی کے لئے پالش) اور قلوب کا صیقل ذکر اللہ ہے، اس لئے اگر ایک مرد مومن چاہتا ہے کہ اس کے قلب میں نور

اور صیقل پیدا ہو، دل میں نرمی اور رحمت پیدا ہو، عذابِ الٰہی سے نجات پا جائے، شیطانی اثرات سے محفوظ رہے اور اُسے قربِ الٰہی نصیب ہو تو وہ ذکر اللہ کی کثرت کرے اور ہمہ وقت اپنی زبان کو یادِ الٰہی سے تر رکھے۔''

ذکر اللہ کی عظمت

اب تین سطری خلاصہ ذکر اللہ کی عظمت کے سلسلہ میں کچھ یوں ہے:

فرمایا : ''حق تعالیٰ نے جو صیغہ خود اپنی بڑائی بیان کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے وہی صیغہ اپنے ذکر کی عظمت و بڑائی کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے اپنے لئے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی اللہ ہر چیز سے بڑا ہے اور ذکر اللہ کے لئے فرمایا:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر اور اللہ کا ذکر ہر چیز سے بڑا ہے۔''

ذکر اللہ کے واجب ہونے کی دلیل

اس سلسلہ کی ایک آخری کڑی کہ یہ ذکر اللہ واجب کہاں سے ہوا؟ کس آیت سے، کس حدیث سے اور کس صیغہ سے؟ ملاحظہ فرمایئے:

فرمایا : ''اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ذکر اللہ کرنے کا حکم فرمایا اور بصیغہ اَمر اُسے واجب ٹھہرایا۔

ارشادِ ربانی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْرًا.

ترجمہ : اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔

آیت بالا سے مطلقاً ذکر اللہ کی ضرورت اور احادیث مذکورہ سے مطلق ذکر اللہ کی عمومی فضیلت و منقبت واضح ہوگئی۔ ارشادِ ربانی اور عرض کردہ فضائل ذکر کے پیشِ نظر اشد ضرورت ہے کہ ہم مسلمان ذکر اللہ کی قوت وعظمت کو پہچانیں اور اپنی تمام دینی و دنیوی مصائب کا علاج اس میں تلاش کریں۔

چوں کہ مطلق ذکر کی ادائیگی بغیر کسی مخصوص صیغہ اور خاص کلام کے نہیں ہوسکتی، اس لئے ہم سہولت عمل کے لئے ذکر اللہ کے اقسام اور ان کی خصوصی حقیقت ونوعیت اور ان کے ورد کا طریقہ و وقعت ان چند سطروں میں مختصراً پیش کرتے ہیں تا کہ طالبین ذکر کے لئے ان اذکار کا اپنا دائمی ورد اور معمول بنا لینے میں آسانی ہو۔

اذکارِ عشرہ

اب ذرا عارفانہ رنگ میں ''اذکارِ عشرہ'' کے عنوان سے شب و روز کے کچھ اذکار و اوراد ملاحظہ فرمایئے:

فرمایا: ''شریعت اسلام کے عرف میں ذکر اللہ کے دس کلمے منتخب اور معروف ہیں جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر نوع کے ذکر پر حاوی ہیں اور اسی لئے خصوصی طور پر ان کے ورد کی تاکید اور فضیلت آئی ہے اور جن میں سے ہر ایک کلمہ بجائے خود ایک مستقل ذخیرۂ دین، عمدہ ترین خزانۂ اجر و ثواب اور میزان عمل میں ثقیل ترین وزن دار جنس ہے اور اسی لئے ہر دور میں اہل اللہ اور مشائخ نے ان کلمات طیبات کی تلقین بھی فرمائی ہے اور خود بھی انہیں اپنا معمول بنائے رکھا ہے، وہ دس کلمے یہ ہیں۔''

(۱) کلمۂ تکبیر یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ'' ہے

(۲) کلمۂ تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' ہے۔

(۳) کلمۂ تحمید یعنی اللہ کی صفت بیان کرنے کا کلمہ اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے۔

(۴) کلمۂ توحید یعنی اللہ کی ذات وصفات کی یکتائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔

(۵) کلمۂ توبہ یعنی اللہ سے گناہوں کی معافی مانگنے کا کلمہ اور وہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ ہے، جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ.

(۶) کلمۂ تعوذ یعنی آفات ومصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگانے کا کلمہ اور وہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ فرمایا گیا ہے۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ ما خَلَقَ

(۷) کلمہ بَسْمَلَہ یعنی اللہ کے نام سے اوقات اور افعال کو شروع کرنے کا کلمہ اور وہ بِسْمِ اللّٰہِ ہے جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

(۸) کلمہ حوقلہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو تمام قوتوں کا سرچشمہ ماننے کا کلمہ اور وہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے۔

(۹) کلمہ حَسْبَنَہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے اور اپنے ہر کام کے لئے کافی وافی سمجھنے کا کلمہ اور وہ حَسْبُنَا اللّٰہُ ہے جس کے لئے قرآن کریم نے یہ دو جامع صیغے ارشاد فرمائے ہیں:

۱- حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ.

۲- وَ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.

(۱۰) کلمہ تَصْلِیَہْ یعنی اللہ تعالیٰ سے حضرت ﷺ کے لئے رحمت مانگنے کا کلمہ اور وہ درود شریف ہے

جس کا جامع اور مختصر صیغہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا محَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ.

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

کلمات عشرہ کا قرآن سے ثبوت اور وجوب

اب ان اذکار کا قرآن وحدیث سے ثبوت بھی ملاحظہ ہو:

فرمایا: ''ان دسوں کلموں کا مآخذ قرآن حکیم میں ہے جس میں ان کے ورد رکھنے و پڑھتے رہنے کا امر فرمایا گیا ہے:

(۱) ذکر تسبیح کے بارے میں ارشاد ہے وَ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی آپ اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ سواپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے۔

(۲) ذکر تحمید کے بارے میں حکم دیا گیا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ کے لئے ہی ثابت ہیں جو عنقریب اپنی نشانیاں دکھلا دے گا ور تم ان کو پہچانو گے۔

(۳) ذکر توحید کے بارے میں ارشاد ہے فاعلم انہٗ لا الٰہ الا اللّٰہ جان رکھ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ۔

(۴) ذکر تکبیر کے بارے میں ارشاد ہے وَ کَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ اور اپنے رب کی سو بڑائی کر۔

(۵) ذکر توبہ واستغفار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔

ایک جگہ ارشاد ہے وَ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

ایک جگہ ارشاد ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْن اور مغفرت چاہو اے پیغمبر اپنی خطا کے لئے اور مؤمنین کے لئے۔

(۶) ذکر تعوذ واستعاذہ کے بارے میں حکم ربانی ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ آپ کہئے کہ میں لوگوں کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔

(۷) ذکر بَسْمَلَه کے بارے میں ارشاد باری ہے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ اے پیغمبر آپ قرآن اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔

(۸) ذکر حوقلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا وَلَوْ لاَ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ لاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ حدیث میں اس پر لاَ حَوْلَ کا مزید اضافہ ہے۔ اس لئے مجموعی کلمہ لاَ حَوْلَ وَ لاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ ہو جاتا ہے۔

(۹) ذکر حَسْبَنَه کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے، اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے اور فرمایا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل اور کہا انہوں نے ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہ ہی سب کام سونپ دینے کے لئے اچھا ہے۔

(۱۰) ذکر تَصْلِيَه کے بارے میں ارشاد حق ہے يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اے ایمان والو! تم نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔

بہرحال ان دس کلمات طیبات کے لئے قرآن نے مستقل باب قائم کر دیئے ہیں اور ان کی نہ صرف ترغیب ہی دی بلکہ حکم اور امر کیا ہے کہ انسان انہیں اپنا ورد وظیفہ بنائے۔''

ذکر اسماءِ حسنیٰ

اسمائے حسنیٰ کو مشائخ نے بہت بابرکت اور بافیض بتایا، آخر کیوں نہ ہوں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پیارے نام ہیں۔ حکیم الاسلامؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''پھر اس دعاء پکار میں اعلیٰ ترین دعاء و پکار وہ ہے جو اسماءِ حسنیٰ کے ذریعہ سے ہو جس کے بارے میں امر الٰہی ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اور اللہ کے نام ہیں، ان کے ذریعہ اللہ کو پکارو) پس اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ یاد کرنا اور ان اسماء حسنیٰ کے ساتھ اس سے دعائیں مانگنا بھی مطلوب ہے جس کے لئے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو حدیثوں میں آئے ہیں یاد کر لئے جائیں اور

بچوں کو یاد کرا دیئے جائیں اور روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار پڑھ لئے جاویں، چوں کہ ذکر اسماء حسنیٰ اور ذکر دعا و سوال اور ذکر تلاوۃ متعین اور مخصوص کلمہ نہ تھا، اس لئے ہم نے ان تین اذکار کا تذکرہ اذکار عشرہ میں نہیں کیا لیکن عملاً ان کو لازم کر لینا چاہئے‘‘۔

شجرۂ مشائخ

بزرگانِ طریقت ہمیشہ اپنے شجرۂ طریقت کو مناجات کی صورت میں نظم کرتے رہے ہیں۔ حکیم الاسلامؒ نے بھی اپنا شجرۂ طریقت مناجات کی صورت میں نظم فرمایا ہے، آگے ملاحظہ کیجئے:

فرمایا: ’’جس طرح فیضانِ الٰہی ہم تک جناب رسول اللہ ﷺ کے طفیل اور توسل سے پہنچا ہے اور اسی لئے آپ تمام عالم بشریہ کے محسن اعظم و مربی اکبر ہیں اور اسی احسان عظیم کو پہچاننے اور ماننے کے لئے درود شریف رکھا گیا جس سے حضورؐ کے ذکر مبارک کے علاوہ بارگاہ خداوندی میں توسل اور قرب و قبول بھی مقصود ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر دعاء کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کا حکم اور اس سے دعاء کی مقبولیت کا وعدہ احادیث میں دیا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح فیضان نبوت ہم تک نائبانِ نبوت اور وارثانِ رسالت کے واسطہ اور وسیلہ سے پہنچا ہے۔ بالخصوص فیضانِ اخلاق و کمالات باطن کے پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ مشائخ طریقت کے سوا دوسرا نہیں، جو ان کمالات میں خلفائے نبوی اور نبوت کے بعد آپ کے سچے وارث ہیں۔ بنابریں حضور اکرم علیہ السلام کے بعد بھی یہ حضرات امت کے محسن اور مربی مانے گئے ہیں، اس لئے اس احسان کو پہچاننے اور ماننے نیز قرب خداوندی اور نسبت نبوی ڈھونڈنے کے لئے ان کا تذکرہ بھی شامل طاعت اور ذکر اللہ ہی شمار کیا گیا ہے کہ یہی لوگ حدیث نبوی اذا ذکر اللّٰہ ذکروا، و إذا ذکروا ذکر اللّٰہ. (جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کا ذکر بھی زبان پر آتا ہے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کا ذکر زبان پر آتا ہے) کے سچے مصداق ہیں، گویا

خاصانِ خدا خدا نہ باشند لیکن ز خدا جدا نباشند

اور اس ذکر کی صورت مشائخ نے شجرہ پڑھ لینا تجویز کی ہے جو اکابر طریق کا معمول رہا ہے۔ بنابریں شجرۂ چشتیہ مؤلفہ حضرت شیخ المشائخ قطب طریق مرشدنا و مولانا حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کا پڑھنا بھی معمول بنا لیا جائے، خواہ روزانہ یا حسب ذوق و شوق دوسرے تیسرے دن۔

شجرۂ طیبہ

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِى السَّمَاءِ.

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کے واسطے — اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
اور سب اصحاب و آلِ مصطفیٰ کے واسطے — رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
حضرت طیبؒ شہ علم و ہدیٰ کے واسطے — حضرت محمودؒ و اشرفؒ ذوالعلا کے واسطے
حاجی امداداللہؒ ذوالعطاء کے واسطے — حضرت نورؒ محمد پر ضیاء کے واسطے
حاجی عبدالرحیمؒ اہل غزا کے واسطے — شیخ عبدالباریؒ شہ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادیؒ پیر ہدیٰ کے واسطے — شاہ عضدالدینؒ عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمدؒ اور محمدیؒ اتقیا کے واسطے — شہ محبّ اللہؒ شیخ باصفا کے واسطے
بو سعیدؒ اسعد اہلِ وراء کے واسطے — شہ نظامِ الدینؒ بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدینؒ جلیل اصفیا کے واسطے — عبد قدوسؒ شہ قدس و صفا کے واسطے
اے خدا شیخ محمدؒ رہنما کے واسطے — شیخ احمدؒ عارف صاحب عطا کے واسطے
احمد عبدالحقؒ شہ ملک بقا کے واسطے — شہ جلال الدینؒ کبیر الاولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدینؒ ترکِ باصفا کے واسطے — شیخ علاء الدینؒ صابر بارضا کے واسطے
شہ فریدالدینؒ شکر گنج بقا کے واسطے — خواجہ قطبؒ الدین مقبول ولا کے واسطے
شہ معین الدینؒ حبیب کبریا کے واسطے — خواجہ عثمانؒ با شرم و حیا کے واسطے
شہ شریفؒ زندانی با اتقیاء کے واسطے — خواجۂ مودودؒ چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسفؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے — بو محمدؒ محترم شاہِ ولا کے واسطے
احمدؒ ابدالِ چشتی باسخا کے واسطے — شیخ ابواسحاقؒ شامی خوش ادا کے واسطے
خواجہ ممشادؒ علوی بوالعلاء کے واسطے — بوہبیرہؒ شاہ بصری کے پیشوا کے واسطے
شیخ حذیفہؒ مرعشیؒ شاہ صفا کے واسطے — شیخ ابراہیمؒ ادہمؒ بادشاہ کے واسطے
شہ فضیلؒ ابن عیاض اہل دعا کے واسطے — خواجہ عبدالواحدؒ بن زید شاہ کے واسطے
شیخ حسن بصریؒ امام الاولیاء کے واسطے — ہادیٔ عالم علیؒ شیرِ خدا کے واسطے

سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے ۔۔۔ یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
آخرت میں کر شفاعت کا وسیلہ ان کو تو ۔۔۔ مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کے واسطے
کردوئی کو دور اور پرنور وحدت سے مجھے ۔۔۔ تاہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے
سرورِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے ۔۔۔ یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
آخرت میں کر شفاعت کا وسیلہ ان کو تو ۔۔۔ مجھ ذلیل و خوار مسکین و گدا کے واسطے
کردوئی کو دور اور پرنور وحدت سے مجھے ۔۔۔ تاہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے
کر ذرا اس ہوش سے بیہوش و مستانہ مجھے ۔۔۔ باحق اپنے عاشقانِ باوفا کے واسطے
دیکھ مت میرا عمل کر لطف پر اپنے نگاہ ۔۔۔ یا رب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے
چار سو ہے فوجِ غم کر جلد اب مجھ پر کرم ۔۔۔ کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے
تیرے در کو چھوڑ کر تو ہی بتا جاؤں کہاں ۔۔۔ کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے ۔۔۔ اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
سجدۂ طاعت سہارا ساجدوں کے واسطے ۔۔۔ ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے
نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب ۔۔۔ دردِ دل پر چاہیئے مجھ کو خدا کے واسطے
نعمتیں دنیا کی سب دیں تو نے اے پروردگار ۔۔۔ بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے
کوئی بھی تحفہ نہیں لائق ترے دربار کے ۔۔۔ جان و دل لایا ہو بس تجھ پر خدا کے واسطے
کر میری امداد اللہ وقت ہے امداد کا ۔۔۔ اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے

جس نے یہ شجرہ دیا ہو، جس نے یہ شجرہ پڑھا
بخش دیجئے سب کو ان اہل صفا کے واسطے (۱۱۳)

............❖............

سپاس نامے

ترے تفکر میں قرنِ اوّل کی عظمتوں کا نشاں ملے گا
تری خطابت میں عبرتوں کا تصور جاوداں ملے گا

کسی بلند پایہ دینی شخصیت کی مجالس اوراس کے علمی وروحانی افاضات سے بہرمند اور مستفیض ہونے پراس کی شخصیت کے بارے میں علمی شغل اور دینی مزاج رکھنے والے انسان کے تاثرات و جذبات کیا ہوتے ہیں، یہ اگر بیانِ محاسن اوراظہارِ تشکر کے اسلوب میں الفاظ کی ہیئت اختیار کرلیں تو شاید ''سپاس نامہ'' کہلائیں بایں ہمہ سپاس نامہ کی تعریف میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے مگر تعریفات کے الٹ پھیر کے باوجود منشا ایک ہی رہتا ہے اور وہ ہے اعترافِ عظمت۔

عباراتنا شتی و حسنك واحد
كل الی ذالك الجمال يشير

حکیم الاسلامؒ کو علمی دنیا نے اتنے ''سپاس نامے'' پیش کئے کہ اگران سب کا احاطہ کیا جائے تو کتابوں کی کتابیں وجود میں آجائیں، مگر ہم یہاں بطورنمونہ چندایک سپاس ناموں پراکتفا کریں گے، آخر میں حکیم الاسلامؒ کے خامہ عنبر شمامہ سے نکلے ہوئے وہ سپاس نامے بھی افادۂ قارئین کے لئے شامل کئے گئے ہیں جوآپ نے اپنے اہتمام کے عہد زریں میں دارالعلوم دیوبند میں آنے والے بعض عمائدین حکومت جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، شاہ افغانستان اور ہمایوں کبیر وغیرہ کوازخود پیش فرمائے ہیں۔

حکیم الاسلامؒ کے تحریرفرمودہ یہ سپاس نامے جہاں آپ کے علم وفضل کے غماز ہیں، وہیں سیاسی، ملّی اور انتظامی امور میں بصیرت کے بھی شاہد عدل ہیں۔

............❖............

سپاس نامہ *

عالی مرتبت! ہمارے قلوب شاداں وفرحاں ہیں کہ آج ہمیں سرزمین ہند و پاک کی جلیل القدر ہستی اور عالم اسلام کے ایک عظیم المرتبت مفکر کوخوش آمدید کہنے کی سعادت نصیب ہورہی ہے، ہمارے قلوب کی گہرائیوں سے نکلنے والی مخلصانہ صدائیں بےاختیار ملتِ اسلامیہ کے زعیم باوقار کواس ورودِ مسعود پر نذرانۂ عقیدت پیش کررہی ہیں ع

اے آمدنت باعث خوش بختیٔ ما

زعیم ملت! عالم اسلام کی نظر میں جامعہ عالیہ دارالعلوم دیو بند کی دینی وعلمی کاوشوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اظہرمن الشّمس ہے، آج دنیا کے گوشے گوشے میں اس مادر علمی کے فیوض و برکات سے خلق خدا مستفید ہورہی ہے۔ براعظم ایشیا میں واقع اس عظیم اسلامی یونیورسٹی کی برق رفتار ترقی کے پس منظر میں جہاں اس کے بانیوں کی نیک نیتی اور خلوص کارفرما ہے وہیں آپ کی نصف صدی کی خدماتِ جلیلہ اور مخلصانہ وجاں نثارانہ محنتوں کونمایاں مقام حاصل ہے۔

مفکر اسلام! آج اس ملک کی سنگلاخ زمین علم واخلاق کے اس آفتاب تاباں کی ضیا بار کرنوں کو جذب کررہی ہے جسے دنیا دارالعلوم کے نام سے جانتی ہے، بہ ایں ہمہ یہ سرزمین ایک اور خدمت کی متقاضی تھی اور وہ ہے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن کا اولین مصداق یعنی حفظِ قرآن، جناب کے سامنے اس اظہارِ حقیقت پر ہمیں ناز ہے کہ ملک بھر میں اپنی نوعیت کی یہی واحد درسگاہ ہے جو اس گراں مایہ خدمت کو بلا کسی احتیاج کے محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے انجام دے رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آں جناب کی توجہات عالیہ ادارہ کو بامِ عروج پر پہنچانے میں مدو معاون ثابت ہوں گی اور جب کبھی اس ملک کی دینی خدمات کا تذکرہ ہوگا آں جناب اس ادارہ کو فراموش نہیں فرمائیں گے۔

ضیف محترم! ہمارا آپ کی خدمت میں ہدیۂ سپاس پیش کرنا محض رسمیات میں سے نہیں ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ کا ورودِ مسعود غیروں میں نہیں اپنوں میں ہوا ہے۔ یقین فرمایئے کہ ع

اتحادے ست میاں من وتو
من وتو نیست میان من وتو

* یہ سپاس نامہ جو کسی قدر ترمیم وتلخیص کے بعد درج کیا گیا ۱۹۵۷ء میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت اقدس میں رنگون (برما) میں پیش کیا گیا۔

سپاس نامہ *

حضرتِ اقدس! آج مسرت اور خوشی کے جن جذبات سے ہم سرشار ہیں اُن کا بیان الفاظ اور تعبیرات سے ممکن نہیں بلکہ اُس کے لئے اُن نگاہوں کی ضرورت ہے جو دلوں کی کیفیات کو دیکھ سکیں اور ایسے شعور کی ضرورت ہے جو قلبی جذبات کا ادراک کر سکے۔

ہمیں اطمینان ہے کہ یہ جذبات جس ذات کی محبت اور عقیدت نے پیدا کئے ہیں وہ دل کی اُن آنکھوں اور ادراک کی اُس قوت سے بہرہ ور ہے جو ہمارے قلوب کی کیفیات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ حضرت والا اپنی روحانی بصیرت سے ہمارے اخلاص کی گہرائی اور ہماری والہانہ عقیدت و محبت کا بخوبی اندازہ لگا کر ان الفاظ کی صداقت پر گواہ ہوں گے۔

حضرت اقدس! ہم دیوانگی سرور کی اُس منزل پر ہیں کہ آں جناب کو نظروں کے سامنے دیکھ کر بھی اب تک کبھی کبھی ہمیں اس حقیقت پر خواب کا سا گمان ہوتا ہے کیوں کہ جب ہم اپنی برسوں کی بے چینی اور مدتوں کے اشتیاقِ زیارت کا تصور کرتے ہوئے رے یونین کے اس دور دراز اور الگ تھلگ جزیرے پر نظر کرتے ہیں اور دوسری طرف ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں آپ کی ہمہ وقت مصروفیات اور علمی، تبلیغی اور اصلاحی مشغولیات کا خیال کرتے ہیں تو اس دور افتادہ جزیرے میں آں جناب کی تشریف آوری کو ایک مسرت خیز حقیقت کے بجائے محض ایک دل خوش کن خواب کی طرح سمجھتے ہیں مگر جب بار بار حضرتِ اقدس کے منور چہرے پر نظر ڈالتے ہیں تو بے اختیار اپنے بخت کی سعادت اور نصیبے کی یاوری پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت والا! آں جناب کو علم ہے کہ ہم مسلمانانِ جزیرہ رے یونین ایک طویل عرصہ سے حضرت والا کی یہاں تشریف آوری اور زیارت کے لئے بے چین تھے مگر قانونی دشواریوں کے علاوہ حضرت اقدس کی بے شمار مشغولیات ہمیشہ ہماری آرزو کی تکمیل میں مانع رہیں۔

گزشتہ سال ہمارے سینٹ پیر کے محترم بزرگ جناب حاجی پٹیل صاحب کے صاحبزادے جناب احمد پٹیل صاحب جب حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حسن اتفاق اور ہماری یاوری بخت

* یہ سپاس نامہ جو اصلاً فرانسیسی زبان میں تھا جزیرۂ رے یونین مشرقی (افریقہ) میں عالی جناب جاورت صاحب صدر مسلمانانِ رے یونین نے مورخہ ۲۴ رجولائی ۱۹۵۹ء کو سینٹ ڈینس (دارالحکومت جزیرہ رے یونین) میں تمام مسلمانانِ رے یونین کی جانب سے اُن کی موجودگی میں بصد عقیدت واحترام حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

سے حضرت والا بھی حج کے ارادے سے وہاں پہنچے اور محترم پٹیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں پٹیل صاحب نے مسلمانانِ رے یونین کے بڑھتے ہوئے اشتیاق اور زبردست شوقِ زیارت کا حال حضرتِ والا کے گوش گذار کر کے ایک بار پھر بڑے شد و مد اور اصرار کے ساتھ دیرینہ درخواست پیش کی۔ یہ اُس مقام مکرم کا فیض ہے کہ اس دفعہ حضرت اقدس نے درخواست فوراً قبول فرما کر محترم پٹیل صاحب کی حج سے واپسی پر ہمیں یہ مژدہ جانفزا ملا تو ہماری خوشیوں کا ٹھکانا نہ رہا اور مسرتِ زیارت، بے چینی انتظار میں بدل گئی۔ ہم ایک ایک لمحہ تکمیل آرزو کی دعاؤں میں گزارنے لگے اور آج رب العزت کے اس بے پایاں کرم پر ہمارے سر شکر و حمد سے جھکے ہوئے ہیں کہ اس نے بہت جلد یہ تمام قانونی مراحل طے فرما کر حضرت اقدس کے لئے اس جزیرہ تک کا تبلیغی سفر آسان فرما دیا۔ **فللّٰہ الحمد و الشکر**

حضرت اقدس! یہ جزیرہ رے یونین جنوب مشرقی افریقہ کا ایک بہت چھوٹا سا مگر نہایت خوبصورت، صحت افزا، شاداب و آباد جزیرہ ہے جو فرانس کی حکومت کے تحت ہے۔ اس جزیرہ کی کل آبادی تقریباً تیس لاکھ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار ہے، باقی تمام آبادی فرانسیسیوں پر مشتمل ہے اور فرانس ہی کی معاشرت اور تمدن یہاں رائج و برپا ہے۔ اس مختصر سے جزیرہ کا کل رقبہ تقریباً ستّر مربع میل ہے جس کے درمیان بلند اور برف پوش پہاڑ ہیں، یہ جزیرہ موریشس اور مڈغاسکر کے درمیان میں ہے اور ہوائی اور بحری راستوں سے، فرانس، آسٹریلیا اور یورپ و امریکہ کے ممالک سے اس جزیرہ میں تجارتی مال آتا ہے جس سے تجارت کو فروغ اور تمدن کو ارتقا حاصل ہے۔ اس جزیرہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے علاوہ تیسری کوئی قوم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہاں کی مسلم آبادی مالی حیثیت سے نہایت آسودہ حال اور مطمئن ہے۔ اکثر لوگ تجارت پیشہ ہیں اور اپنی محنت و جاں سوزی سے ایک مستحکم مالی حیثیت کے مالک ہیں، نیز مقام شکر ہے کہ ماحول کی اس رنگینی اور یورپین لوگوں کے ساتھ ہر وقت کے خلط ملط کے باوجود یہاں کے مسلمان اپنے شعائر اور اوامر دینی کے محافظ ہیں اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے ارکانِ دین پر اپنے علم و استطاعت کے مطابق پورے ذوق و شوق اور دلچسپی کے سات عمل پیرا ہیں۔ اس شہر سینٹ ڈینس میں جو اس جزیرہ کا دارالسلطنت ہے چوں کہ تمام جزیرے کے مسلمانوں کی آمد و رفت رہتی ہے اس لئے ہم لوگوں نے یہاں باہمی تعاون کے جذبے سے ایک مسافر خانہ قائم کیا ہوا ہے جس کے ساتھ مسجد بھی ہے اور یہیں ایک ابتدائی دینی مدرسہ کے قیام کا بھی عرصہ سے عزم تھا مگر اس ارادہ کی تکمیل حضرت والا کی آمد کے انتظار

میں رکی ہوئی تھی کیوں کہ ہم سب خدام کا یہ مشترکہ اور قلبی جذبہ تھا کہ اس مسجد و مدرسہ کی بنیاد حضرت والا کے بابرکت ہاتھوں سے رکھی جائے، خدا کے فضل وکرم سے اب اُس عزم کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کے دینی جذبات اور مذہبی شغف کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس جزیرہ کے تقریباً ہر ہر شہر میں ایک ایک خوشنما اور کشادہ مسجد موجود ہے جو پانچوں وقت مقامی مسلمانوں کی تکبیرات سے گونجتی ہیں۔

مگران تمام اطمینان بخش حقائق کے باوجود یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہمیں صحیح اور مخلصانہ دینی رہنمائی کی ضرورت تھی، موجودہ ماحول اور وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہمارے نوجوان بھی محفوظ نہیں۔ضرورت تھی کہ ایسا مربی اور شفیق عالم و رہنما یہاں آئے جس کے مواعظ ونصائح اور پند و ہدایت ہمارے قلب وجگر کو گرما دیں اور ہمیں ایسی ایمانی تازگی دے جائیں جو دنیا اور آخرت کے ہر گام پر ہماری معاون ودستگیر ہو۔خدائے قدوس کا بہ ہزار زبان شکر ہے کہ اُس نے ہماری ناکارہ دعائیں قبول فرمائیں اور ہماری رشد و ہدایت اور اصلاح کے لئے حضرتِ والا کی ہر دل عزیز وعظیم ذات کو منتخب فرمایا۔ ہماری آرزو ہے کہ حضرت والا کے اس جزیرہ میں مختصر سے قیام کے دوران ہم خدام زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں اور اپنی دنیا وآخرت کے صحیح راستے متعین کرسکیں۔

آج حضرت اقدس کے استقبال اور ذاتِ گرامی کو خوش آمدید کہنے کے لئے دارالحکومت سینٹ ڈینس میں پورے جزیرہ رے یونین کے تمام مسلمان جمع ہیں اور اپنے دیرینہ شوقِ زیارت کو پورا کر رہے ہیں۔ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ حضرت اقدس کے اس ماہ کے قیام میں جزیرہ کے ہر شہر کی مسجد میں حضرت کی وعظ و تقریر کا موقع فراہم ہوسکے اور ہر تقریر میں انشاء اللہ پورے جزیرہ کے لوگ شرکت کے لئے حاضر خدمت ہوا کریں گے۔

چوں کہ اصل داعی جناب پٹیل صاحب اور ان کا خاندان دارالحکومت سے تقریباً ساٹھ میل دور شہر سینٹ پیر میں مقیم ہے اس لئے حضرت والا کا اصل قیام وہیں رہے گا۔مختلف شہروں کے تبلیغی دورے وہیں سے ہوں گے اور ہر دورے سے مراجعت وہیں ہوا کرے گی۔اگر چہ ہم کوشش کریں گے کہ ہمارا کوئی پروگرام حضرت اقدس کے لئے باعث تعب وتکان نہ ہو مگر اس کے باوجود بھی اس مختصر قیام میں تمام مسلمانانِ جزیرہ کا شوق واشتیاق دیکھتے ہوئے ایک ماہ کا جو پروگرام ترتیب کیا ہے اس سے اگر تعب محسوس فرمائیں تو ہم خدمتِ گرامی میں بصد ندامت عفو کی درخواست کرتے ہوئے اس کی منظوری کے امیدوار ہیں کیوں کہ ایک طرف حضرتِ والا کی تکلیف وتنگی کا خیال ہے تو دوسری طرف ہمارا شوق استفادہ اتنا شدید

ہے کہ ہم اس خودغرضی کے لئے مجبور ہوئے ہیں۔

ساتھ ہی ہمیں اس نازآفریں حقیقت سے بھی حوصلہ ملتا ہے کہ حضرت اقدس کی پوری حیاتِ مبارکہ کی اشاعت واستواریٔ دین کے لئے ایک جہادِ مسلسل اور جہدِ پیہم سے عبارت ہے۔ ہم اس دور افتادہ جزیرہ میں بیٹھ کر بھی حضرتِ اقدس کی ان شب وروز کی دینی، علمی اور اصلاحی کوششوں سے واقف ہیں جن سے آج برصغیر ہندو پاک کے علاوہ پورے عالم اسلامی کو ایک جذبۂ تازہ مل رہا ہے۔ ہم مسلمانانِ جزیرہ حضرت والا کی اُن مساعی جمیلہ کا تذکرہ اپنی نجی مجالس میں کرکے ایک ناقابل بیان فخر وسرور محسوس کرتے تھے اور وہ حیات انگیز تذکرے ایک مبارک داستان کی طرح ہماری لوحِ قلب پر ثبت ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے تذکروں اور داستانوں کے اُس عظیم ومقدس ہیرو کو آج اپنی خیرہ نگاہوں کے سامنے اور اپنی مجلسوں کے درمیان پاکر سرور وانبساط کی جس کیفیت سے دوچار ہیں وہ جنون ودیوانگی کی وہ منزل ہے جہاں ہم خود اپنی نگاہوں پر بھی آسانی سے اطمینان نہیں کرسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی اور مجاہدانہ خدمات کو قبولیت عطا فرمائے اور عالم اسلام کو آپ کی ذاتِ بافیض سے اتنا مستفید فرمائے کہ اُن کی حیات وموت کے راستے ایک صحیح مسلمان کے راستے ہوجائیں۔ آمین

آخر میں ہم جملہ مسلمانانِ جزیرہ ایک بار پھر حضرت اقدس کی اس مسرت خیز تشریف آوری پر اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کرم فرمائی اور طویل رہ نوردی پر جذبات تشکر وعقیدت نذر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے پُر از افادہ اور بابرکت سائے کو ہم خدام کے سروں پر بصحت وسلامتی ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

سپاس نامہ *

حضرتِ محترم! ہم تمام مسلمانانِ جزیرہ موریشس انتہائی خلوص ومحبت کے ساتھ حضرت والا کی مبارک تشریف آوری پر خیر مقدم کرتے ہیں اور سپاس عقیدت ونیاز پیش کرتے ہیں۔ حضرت والا کی اس کرم

* یہ سپاسِ عقیدت تمام اہالیانِ جزیرہ موریشس کی جانب سے مورخہ ۲۴؍اگست ۱۹۵۹ء کو شہر ''پورٹ لوئس'' دارالحکومت موریشس مشرقی افریقہ کے مشہور پلازا تھیئٹر ہال میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ یہ عظیم اجتماع جزیرہ موریشس میں بسنے والے تمام فرقوں اور مذاہب کا نمائندہ اجتماع تھا، جس میں حضرتؒ نے مذہب اسلام کی عالمی حیثیت کے موضوع پر ایک بصیرت افروز اور تاریخی تقریر فرمائی جسکی تاثیر کے نتیجے میں حضرتؒ کے دوران قیام مختلف فرقوں کے لوگ حاضر ہوکر اظہار مسرت واعتراف کرتے رہے اور اس تقریر کے اقتباسات وہاں کے انگلش اور فرانسیسی زبانوں کے اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ اسی تاریخی اور اہم تقریر کے فوراً بعد موریشس ریڈیو نے حضرتؒ کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کرکے نشر کیا۔

نوازی اور احسان پر ہم دلی شکریہ پیش کرتے ہیں کہ جناب والا نے ہم مسلمانانِ جزیرہ کی مخلصانہ درخواست قبول فرما کر ہمیں زیارت وخدمت کا شرف عطا فرمایا۔ ہم اپنی اس خوش بختی پر نازاں ہیں کہ دنیائے اسلام کی ایک مسلمہ اور بزرگ ومشہور شخصیت سے ہمیں براہِ راست استفادہ کا موقع ملا، یہ نعمت ہماری پروازِ تخیل سے بہت زیادہ ہے اور اسی لئے احساسِ شکر کے جذبات بھی اتھاہ اور بے پایاں ہیں جن کے اظہار سے ہم زبان وقلم کو مجبور پاتے ہیں۔

حضرت اقدس! جناب والا کی ذاتِ بابرکات اور عالمِ اسلام کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند، دونوں کا ارتباط اور نسبت وتعلق باہمی کچھ اتنا گہرا ہے کہ آپ کی ذات کے تصور کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا تصور ابھرتا ہے اور دارالعلوم دیوبند کا تصور آپ کی عظیم ومبارک شخصیت کے ساتھ ملزوم رہتا ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اُس تاریخی درس گاہ کو جو کمال وعروج آں جناب کی مخلصانہ اور انتھک خدمات سے حاصل ہوا ہے اس کی مثال ادارہ کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ دارالعلوم دیوبند کے حلقۂ اثر اور مسلک کی اشاعت وتوسیع کے سلسلہ میں آپ کی دن رات کی محنتیں، طویل سفر اور فکری جدوجہد کا گہرا اور اعترافی نقش ہر مسلمان کے قلب پر مرتسم ہے اور مسلمانانِ عالم آں جناب کی اُن خدمات اور جہد مسلسل کے لئے آپ کو مبارکباد کے ساتھ ساتھ ہدیۂ عقیدت وتشکر پیش کرتے ہیں۔

بحر ہند میں واقع اس دور دراز اور چھوٹے سے جزیرے میں حضرتِ اقدس کی تشریف آوری کی اطلاع ہمارے لئے پیغام عید بن کر آئی۔ پڑوسی جزیرہ رے یونین میں آں جناب کی آمد اور مواعظ حسنہ اور مبارک مجلسوں کے ذریعہ فیض رسانی کی جو اطلاعات ہمیں ملتی رہتی تھیں انہیں سن سن کر جہاں ہم ایمانی تازگی محسوس کرتے تھے وہیں اشتیاقِ زیارت اور آرزوئے قدم بوسی میں بیتابی کی حد تک اضافہ ہوتا رہتا تھا، اگرچہ اس نعمت کے حصول میں اہل رے یونین ہم سے سبقت لے گئے مگر نعمت کی عظمت وشان کے پیش نظر ہم اسے بھی اپنے لئے باعث صد افتخار وناز سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی ضمناً حضرت والا کی فیض رسانی سے حصہ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے اس مختصر مگر انتہائی مبارک قیام کو ہمارے حق میں مسعود فرمائے اور ہمیں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت اقدس! یہ جزیرہ موریشس پڑوسی جزیرہ رے یونین سے کسی قدر رقبے اور آبادی میں بڑا ہے، اس کی آبادی تقریباً پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے اور یہ برطانوی حکومت کے زیر اقتدار ہے، یہاں کی کل آبادی میں عیسائی، ہندو اور مسلمان تین قومیں ہیں جن کی کثرت آبادی کی ترتیب بھی مذکورہ ترتیب کے مطابق ہے۔

یہ شہر ''پورٹ لوئس'' جہاں آج حضرت والا اس جلسے کی صدارت فرما رہے ہیں، اس جزیرے کا دارالحکومت ہے۔ اس جزیرے کا تمدن جیسا کہ آں جناب نے ملاحظہ فرمایا جزیرہ رے یونین کی طرح ہی نہایت اونچا اور مغربی طرز کا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان خوش حال اور مطمئن ہیں اور تجارت، صنعت اور ملازمت وغیرہ کے میدانوں میں اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ امر قابل اطمینان و مسرت ہے کہ مسلمانوں میں دینی جذبات بھی موجود ہیں اور وہ رفتار زمانہ کے ساتھ بہہ کر خدا اور رسول اور مذہب سے بیگانہ نہیں بن گئے۔ اکثر شہروں میں خوبصورت اور کشادہ مساجد موجود ہیں جن میں سے بعض میں ابتدائی دینی تعلیم کا بھی انتظام ہے جو مخلص اور دینی درد رکھنے والے مسلمانوں کی توجہ سے چل رہی ہے۔

ہم لوگوں کی آرزو تھی کہ حضرت اقدس کی پُراز سعادت ہم نشینی میسر آئے اور ہم آں جناب کے مواعظ، پند و نصائح اور علمی مذاکرات سے اپنے ذہن و فکر کو جلا دے سکیں۔

ری یونین سے حضرت اقدس کے پاس ہم نے جن امیدوں اور توقعات کے ساتھ دعوت نامہ دے کر اپنا وفد بھیجا تھا الحمد للہ کہ آں جناب کی ذرہ نوازی اور دینی دردمندی نے اس کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے ہمارے اس جزیرہ میں ایک ہفتہ کے قیام کا پروگرام منظور فرمایا۔ یہ حضرت اقدس کے اس فیاضانہ اور کرم گسترانہ جذبہ پر ہم تمام باشندگان موریشس آں جناب کے ممنون و مشکور ہیں جیسا کہ مطبوعہ پروگرام کے چارٹ سے آں جناب کے علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ اجتماع جو پلازا تھئیٹر ہال میں منعقد ہے موریشس کے ہر فرقے، ہر طبقے، ہر مذہب اور ہر ملت کی نمائندگی کر رہا ہے۔

عیسائی، مسلمان، ہندو، سکھ، افریقی، ایشیائی اور یورپین ملکوں کا یہ مشترک اجتماع حضرت والا کو خوش آمدید پیش کرتے ہوئے امید رکھتا ہے کہ آں جناب کا یہ مختصر قیام پُر آرام اور پُر مسرت گزرے گا، نیز ہم سب مشتاق ہیں کہ حضرت اقدس ہم تمام حاضرین جلسہ کو اپنے گراں قدر علمی خیالات و نظریات سے مستفید فرمائیں گے اور دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے ساتھ مذہب اسلام کی عالمی حیثیت پر جامع روشنی ڈالیں گے۔

ہم سب اہل جزیرہ ایک بار پھر دل کی گہرائیوں کے ساتھ آں جناب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس عنایت و کرم پر اظہارِ ممنونیت کرتے ہیں۔

سپاس نامہ *

حضرت والا! ہم اپنی سعادت اور خوش بختی پر بجا طور پر نازاں ہیں کہ آں جناب نے ہم اہل جزیرہ مڈغاسر کی دعوت قبول فرماتے ہوئے ہمیں ذاتِ گرامی سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جس کا ہم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور اسی لئے اس نعمت غیر مترقبہ پر ہم خدا کا ہزاروں ہزار شکرادا کرتے ہوئے آں جناب کو دل کی گہرائیوں اور انتہائی نیازمندی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ ع

اے آمدنت باعثِ خوش بختی ما

حضرت والا! مڈغاسکر کا یہ عظیم الشان جزیرہ بحر ہند میں واقع ہے اور فرانسیسی حکومت کے زیر اقتدار ہے۔ اس جزیرے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور اسی لئے یہاں ہماری کسی اجتماعی ہیئت کا فقدان نظر آتا ہے۔ دینی تعلیم اور مدارس کا کوئی انتظام نہیں ہے اور جو ہے وہ خوجہ فرقوں کا ہے کیوں کہ اس جزیرے میں اسی فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جزیرہ ہر لحاظ سے نہایت خوش حال اور سرسبز وشاداب ہے اور تمدنی ترقیات میں کافی آگے ہے۔ آں جناب کا قیام یہاں بہت مختصر ہے ورنہ ہم تفصیل سے آپ کو جزیرہ کے مختلف اور مرکزی مقامات دکھاتے۔

ہم اپنی اس خوش قسمتی پر دوبارہ اظہارِ مسرت کرتے ہوئے آپ کو خوش آمدید پیش کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اپنے پند ونصائح سے مستفید فرمائیں۔

سپاس نامہ **

کچاڈہ (ٹانگانیکا)

حضرت والا! اپنی اس سعادت پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ آں جناب نے کچاڈہ کی بستی کو اپنی گذرگاہ

* یہ سپاسِ عقیدت اہالیانِ تاتاردیو (دارالحکومت جزیرہ مڈغاسکر) نے مورخہ ۳۰؍اگست ۱۹۵۹ء بروز اتوار شہر کی جامع مسجد میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

** حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے ۱۹۵۹ء کے سفر افریقہ میں ساڑھے تین ماہ میں ایشیا وافریقہ کے دس ملکوں کینیا، رے یونین، موریشس، مڈغاسکر، ٹانگانیکا، زنجبار، حبش، اسمارا، مصر اور پاکستان کا دورہ کیا، ان ملکوں میں ہر جگہ خیر مقدمی اور تبلیغی جلسوں میں تحریراً یا استقبالیہ تقریروں کے ذریعہ ممدوح کو سپاس نامے پیش کئے گئے، جو مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ نے قلم بند کیے، یہ ان سپاس ناموں کی تلخیص پیش کی جارہی ہے، ۳۰؍ستمبر ۱۹۵۹ء بروز جمعرات حضرت ممدوح کے کینیا کے دارالحکومت نیروبی سے کینیا، ٹانگانیکا اور بخبار تین ملکوں کا ایک ہفتہ تک دورہ فرمایا جس میں کچاڈہ، موشی، اروشا، دارالسلام (دارالحکومت ٹانگانیکا) مومباسہ اور بخبار کا سفر کر کے ۱۲؍ستمبر ۱۹۵۹ء بروز شنبہ واپس نیروبی پہنچے، اس دورے میں جو سپاس نامے پیش کئے گئے ان کا ملخص ذیل کے سپاس ناموں میں پیش ہے۔

کے طور پر استعمال فرمایا اور ہمیں اس مختصر سے وقت میں خدمت واستفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔ آں جناب نے راہ میں یہاں قیام فرما کر جو ذرہ نوازی فرمائی ہے، ہم اس کے لئے آں جناب کو تہِ دل سے شکریہ پیش کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اس مختصر سے وقفے میں آپ کی ذات سے جو فیض حاصل ہوا ہے وہ ہمارے لئے فلاحِ آخرت کا موجب ثابت ہوگا۔

اروشا (ٹانگانیکا)

حضرت والا! اس چھوٹی سی بستی میں آں جناب کا ورودِ مسعود ہمارے لئے باعث عزت وصد افتخار ہے۔ آں جناب کی ذات سے جو فیض جاری ہے ہمیں مسرت ہے کہ ہم نے بھی اس میں حصہ دار ہونے کا شرف حاصل کرلیا، ہماری جانب سے نیاز وعقیدت کے مخلصانہ جذبات قبول فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا یہ سفر راحت وآرام اور کامیابی سے پورا فرمائے۔ آمین

موشی (ٹانگانیکا)

حضرتِ اقدس! آپ نے اس قصبے میں ایک شب کا قیام منظور فرما کر ہماری جو عزت افزائی فرمائی اس کے لئے ممنونیت وتشکر کے جذبات قبول فرمایئے، تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل ہم نے یہ پُر مسرت خبر سنی تھی کہ آں جناب براعظم افریقہ کے تین ماہ کے دورے پر نیروبی تشریف لائے ہیں اور سرِ دست ہزاروں میل آگے ایک ماہ کے قیام کے لئے جزیرہ رے یونین تشریف لے جارہے ہیں۔ ہم نے اسی وقت سے یہ عزم کرلیا تھا کہ اس موقع پر محرومی ہماری بدقسمتی ہوگی۔ اس لئے اس قصبے میں تشریف آوری کی دعوت دیں گے۔

آج ہم فخر ومسرت سے ہم کنار ہیں کہ آں جناب نے ہماری دعوت کو پذیرائی بخشی اور یہاں مختصر قیام منظور فرماتے ہوئے ہم خدام کو استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک وقفے میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم نیازمندی کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہوئے آپ کے اصلاحی دورے کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

مومباسہ (کینیا)

حضرت والا! سب سے پہلے ہم آں جناب کی اس کرم نوازی پر دلی تشکر وامتنان کے جذباتِ نذرِ خدمت کرتے ہیں کہ آں جناب نے اپنے اس دورۂ افریقہ میں مومباسہ جیسے اہم اور بندگارہ ہونے کی بناء

پر مرکزی مقام کو فراموش نہیں فرمایا بلکہ ہمیں استفادہ وخدمت کے لئے تین دن عنایت فرما کر نیاز مندوں میں ایک ممتاز مقام عنایت فرمایا۔

آں جناب کی ذات سے عرصہ سے جو فیض جاری ہے ہمیں خوشی ہے کہ اس میں براعظم افریقہ کو اس کا حصہ مل گیا اور یہاں کے عقیدت کیشوں کو زیارت وخدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کی خدمات سے یہاں کے لوگ پوری طرح واقف نہیں تھے لیکن اب آں جناب کے اس کامیاب دورے کے بعد ہمیں یقین ہے کہ اُس کے وابستگان کا حلقہ اس طرف کے ممالک میں بھی دوسری جگہوں سے کم نہیں ہوگا۔

دارالعلوم کے سرپرست و مہتمم اعلیٰ اور اپنی ذاتی صفات وخدمات کی بناء پر آپ کو مسلمانانِ عالم کے دلوں میں جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ آں جناب کو یہاں کے مختلف ممالک اور ان کے شہروں کے سفروں میں بخوبی ہو چکا ہوگا۔ خدا کرے آپ کے اس جذبہ اصلاح و تبلیغ میں برکت ہو اور ایک عالم آپ کی شمع علم وہدایت سے منور ہو۔ آمین

زنجبار

حضرتِ والا! اس جزیرے میں آں جناب کی تشریف آوری ہم سب مسلمانوں کے لئے باعث رحمت وسعادت ہے اور اس نعمت سے ہم کنار ہونے پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

افریقہ کے اس سفر کے دوران یہاں کے مسلمانوں کو آں جناب کی ذات سے زبردست اُنس پیدا ہو گیا ہے اور دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ عظیم خدمات سے واقفیت پیدا ہوئی ہے کہ آج وہ مسلمانوں اور اسلام کے لئے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قلعہ کی حفاظت فرمائے اور آپ جیسے محافظ کو اس کی سرپرستی وخدمت کے لئے تادیر قائم رکھے۔ آمین

دارالسلام (ٹانگانیکا)

حضرتِ والا! ٹانگانیکا کے دارالحکومت میں آپ کے قدوم میمنت لزوم پر ہمارے دلوں کی گہرائی سے ابھرنے والے جذبات تشکر و امتنان قبول فرمایئے۔ اس شہر کی مرکزی اہمیت کے پیش نظر یہاں جن جلسوں کا انتظام کیا گیا ہے امید ہے ان میں آپ کے مواعظِ حسنہ مسلمانوں کی رہنمائی اور رہبری کے لئے زبردست معاون ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس جذبہ کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو آپ کی ذات بابرکات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

سپاس نامہ *

حضرتِ اقدس! یہ ہماری انتہائی سعادت و خوش نصیبی ہے کہ اگرچہ بہت تھوڑے وقت کے لئے ہی مگر آپ جیسے بزرگ اور مشفق بزرگ کی زیارت و رفاقت میسر آئی۔ ہماری اس سعادت میں جہاں ہمارے جذبِ دل اور انتہائی عقیدت کو دخل ہے وہیں آں جناب کی شفقت اور کرم نوازی بھی شامل ہے جس پر ہم خلوصِ قلب کے ساتھ شکریہ عرض کرتے ہیں اور اس مختصر سی بزم میں آں جناب کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

جناب عالی! جیسا کہ آپ کو علم ہے یہ ملک حبشہ فدائیانِ رسول اور شیدائیانِ اسلام کی سب سے پہلی پناہ گاہ رہا ہے جہاں حضرت سرور کائنات رسول اکرم ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام نے پہلی اور دوسری ہجرت فرمائی، اس ملک کے نیک دل بادشاہ نجاشی نے ان جلیل القدر اصحاب رسول ؐ کو عرب کے اُن ریگستانوں سے پناہ دی جو اس وقت بھیڑیوں کی شکارگاہ بنے ہوئے تھے اور جہاں کلمۂ حق ادا کرنے والوں کو بڑے سے بڑے عذاب کا مستحق قرار جا رہا تھا۔ اس طرح اس ملک اور یہاں کے باشندوں کو اسلامی تاریخ میں ایک خاص اور محترم مقام حاصل ہے۔ اپنی شدت عقیدت اور تاریخ اسلام میں اس ملک کی اہمیت کے پیش نظر دل چاہتا تھا کہ آں جناب کچھ نہ کچھ وقت اس تاریخ ساز وطن کو عنایت فرمائیں جس نونہالانِ اسلام کو اپنا خونِ جگر پیش کیا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ آں جناب بھی ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں اپنے اس سفر کو مغتنم خیال فرما رہے ہوں گے۔

آخر میں مکرر شکریہ کے ساتھ ہم آپ کو خوش آمدید پیش کرتے ہیں۔

سپاس نامہ **

ہم سب دربارِ خداوندی میں باعجز وانکسار شکر گذار ہیں کہ ہمارے مدرسہ کے مختصر نمایاں دورحیات میں تیسرا موقعہ ہے کہ حضرتِ والا کے وجود گرامی کو ہم خدام اپنے درمیان باثمین و برکات موجود پا رہے ہیں۔

* یہ اظہار عقیدت ابی سینیا (اڈیس ابابا دارالحکومت ملک حبش) میں مورخہ ۱۹؍ستمبر کو حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سفر میں مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ آپ کے رفیق سفر تھے۔

** یہ سپاس نامہ ۲۲؍جون ۱۹۶۲ء کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (مغربی پاکستان) میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔

چندروز قبل جب کہ حضرت والا کی جانب سے تشریف آوری کی اطلاع ملی تو تمام متعلقین ومتوسلین اور اہالیانِ شہر خدا کا شکر بجالائے۔

صبا پیام رسانید وشادماں گشتم　　طلوعِ صبح سعادت درانتظار من است

اس مدرسہ کا ذرہ ذرہ اور خدام وارا کین اس نعمت غیر مترقبہ پر تحدیثاً بالنعمۃ جس قدر نازاں وشاداں ہوں وہ بجا ہے۔

مخدومِ محترم! آپ کے کمالات ومراتب اور خصائص وامتیازات چاردانگ عالم میں روشن ہیں جن پر روشنی ڈالنا تحصیل حاصل ہے۔

وما انتم ممن یھنی بمنصب ☆ ولکن بکم حقا تھنّی المناصبا

حضرت والا! اس مختصر مگر والہانہ خوش آمدید کے بعد اس حقیقت کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ اس مدرسہ کو حضرت والا اور دوسرے اکابر سے کس حد تک نسبت ہے۔ دراصل اس مدرسہ کی تاسیس حضرت اکابر دیوبند کی روحانی توجہات وکرامات کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ تھی جن حالات میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کی ایک مسجد میں اس دینی ادارہ کا آغاز کیا جو بلاشبہ آج اپنی عظیم خدمات اور فیوض وکرامات کے لحاظ سے پورے کرۂ ارض میں اسلامی اقدار ونظریات کا عظیم ترین مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے مشہور ہے، اسی قسم کے حالات میں اپنے بزرگوں کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر ان کی دعاؤں کے سہارے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر خدا تعالیٰ کے دین متین کی اشاعت وحفاظت کا یہ مضبوط ومستحکم قلعہ معرض وجود میں آیا۔ اپنی زندگی کے اس مختصر وقفے میں اس مدرسہ نے ملک وملت کی جو خدمات انجام دیں ان کا مختصر جائزہ سالانہ کارگزاری کی رپورٹ سے لیا جا سکتا ہے اور مقام شکر وامتنان ہے کہ ملک کے دور دراز حصوں میں بھی کوئی ایسا گوشہ نہ ہوگا جہاں اس درسگاہ کا فیض یافتہ اشاعت دین میں مصروف نہ ہو۔

باطل سے ٹکر لینے اور کفر ومعصیت کو پاش پاش کرنے کے لئے ہمارے اکابر دارالعلوم دیوبند جس عزمِ صمیم، جن مجاہدانہ ولولوں اور جس توکل واعتماد علی اللہ کی طاقتوں کو لے کر اٹھے آج ہمارے ملک کے گم کردہ راہ مسلمانوں کی اصلاح وہدایت کے لئے اسی جوش وخروش، ولولہ، مردانہ وار ہمت اور عمل وشغف کی ضرورت ہے۔ وقت کا اہم ترین فریضہ ہے کہ حاملانِ علوم نبوت اٹھیں اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنے مشن کو کامیاب بنائیں اور ایک تازہ اور جوان عزم کے ساتھ اٹھ کر ملت کی قیادت کی باگ ڈور سنبھال لیں۔

کیا عجب میری نواہائے سحر گاہی سے　　زندہ ہو جائے وہ آتش جو تری خاک میں ہے

مظہر انوارِ قاسمی! فتنوں کے اس نازک دور میں جب کہ اکابر ایک ایک کر کے اٹھتے جاتے ہیں دین کی قندیلیں گل ہو رہی ہیں، ہم خدام کی سرپرستی و رہنمائی اور مسلمانوں کی رشد و ہدایت کے لئے بلا ریب آپ کا وجود مسعود خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت و نعمت بے کراں ہے۔

ہماری دعاء ہے کہ خداوند قدوس قحط الرجال کے اس اندوہناک دور میں علوم و انوار قاسمی کے اس مینارۂ نور کو تا دیر تابندہ و درخشاں رکھے۔ زہے نصیب کہ انعامِ خداوندی سے آپ کی صحبت میسر آئی اور آں جناب کی سرپرستی میں یہ اجتماع ہوا۔ ہم اصاغر آپ جیسے اکابر ہی کے زیر سایہ ہیں اور آپ ہی کے خرمن عواطف کے خوشہ چیں ہیں۔

آخر میں ہم ایک بار پھر حضرت والا اور ان مشائخ اور اکابر ملک و ملت و اربابِ فکر و نظر اور زعماء و شرفاء قوم اور اپنے تمام معاونین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے موسم کی شدت کے باوجود تکلیف برداشت کر کے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور جلسہ کو کامیاب بنایا۔ اس توجہ اور شفقت کی بدولت ہم اپنی رگوں میں جوشِ عمل کی نئی حرارت محسوس کر رہے ہیں۔ خدا کرے یہ مواقع ہمیں جلد جلد اور بار بار حاصل ہوتے رہیں۔ آمین

سپاس نامہ*

عالی مرتبت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب والا! آج ہم سب جناب کے ہم وطن ہونے کی حیثیت سے اس امر پر جس قدر بھی اظہارِ مسرت کریں کم ہے کہ ہم جناب کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں، یوں تو اس شہر میں جناب کی تشریف آوری بارہا ہوئی ہے اور ہم سب کو ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے، مگر آج ہم لوگ جس حیثیت میں جناب والا کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں وہ انفرادی حیثیت کے بجائے اجتماعی اہمیت کا حامل ہے اور یہ سبق بھی ہم نے آپ کے گھرانے سے ہی سیکھا ہے کہ ایک مسلمان انفرادی زندگی بسر کرنے کے بجائے اجتماعی حیثیت سے اگر زندگی بسر کرے تو اس میں زیادہ خیر و برکت ہے۔

عالی جاہ! دیوبند کے وہ احباب جو اس شہر میں آباد ہیں گاہ بگاہ چند اقارب سے کسی شادی یا غمی کے موقع پر ہی مل سکتے تھے، ورنہ یہاں کی مصروف زندگی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ لوگ ایک دوسرے کے پاس جانے اور ملنے کا وقت نکالتے رہیں۔ اس کا نتیجہ چند سالوں میں یہ ہوا کہ ہم اپنے احباب و اقارب اور

*یہ سپاس نامہ حلقہ احباب دیوبند، کراچی کی طرف سے مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۳ء کو حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

قریب تر رشتہ داروں کی موجودہ نسل و پودے سے ہی ناواقف ہوتے جارہے ہیں۔ باشندگان دیوبند علیحدہ علیحدہ اور دور دراز بستیوں سے آباد ضرور ہیں مگر قلبی اطمینان اور روحانی سکون کسی کو بھی میسر نہیں ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری کوئی کالونی یا مشترکہ بستی نہیں ہے جس کے نتیجے میں ہماری خاندانی روایات اور اسلامی اخلاق و عادات روز بروز کمزور ہوتے جارہے ہیں اور جس معاشرہ میں یہ چیزیں کمزور ہوجائیں وہ بلاشبہ روحانی اذیت اور قلبی بے چینی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے چند نوجوانوں نے اس کمزوری کو بھانپ لیا اور انہوں نے گزشتہ سال اس حلقۂ احباب کی بنیاد ڈالی اور عیدین کی خوشیوں میں اس خوشی کا مزید اضافہ کرکے ہماری آنے والی نسلوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

عالی مرتبت! ابھی ہم ابتدائی مراحل سے گزر رہے ہیں مگر ہمیں امید ہے کہ ہم ان تمام مشکلات پر جلد از جلد قابو پالیں گے جو ہمارے اتحاد و اتفاق میں حائل ہیں، اس سلسلہ میں جناب سے ہماری درخواست ہے کہ جنابِ والا ہماری کامیابی کے لئے خصوصی اور مقبول اوقات میں دعا فرماتے رہیں گے تو ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم اپنے مقاصد کا افتتاح جناب کے مقدس ہاتھوں سے کرائیں گے۔ انشاء اللہ

سپاس نامہ *

گرامی قدر! آپ نے جس خلوص و محبت سے باوجود کثرت مشاغل و تنگیٔ اوقات کے اپنی تشریف آوری کی سعادت سے ہمارے مدرسہ کو نوازا ہے اس کے لئے ہم صمیم قلب سے جناب کے شکر گذار ہیں۔ خداوندِ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

مخدوم العلماء! آج کا دن ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے کہ آج ہم اپنے مایۂ ناز بزرگ اور ایک عالمگیر شہرت رکھنے والی مذہبی شخصیت کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پاس نہ وہ الفاظ ہیں اور نہ وہ زبان ہے کہ جس سے ہم آپ کے شایانِ شان خیر مقدم کرسکیں اور آپ کی اس ذرہ نوازی و شفقت کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رب العزت آپ کو اس احسان کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

مہمان معظم! خدا گواہ ہے کہ آج اس جامعہ کے تمام اراکین، اساتذہ و طلبہ و جملہ خدام و متعلقین کے قلوب آپ کو یہاں دیکھ کر فرطِ مسرت سے سرشار ہیں اور سرور و انبساط کی ایک ایسی کیفیت محسوس کررہے ہیں جس کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

* یہ سپاس نامہ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرف سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

سحبان الہند! آج سے تقریباً دس گیارہ سال قبل آپ صوبہ کی اس سب سے بڑی اور تاریخی مسجد میں تشریف لائے تھے، لیکن اُس وقت اس عظیم جامع مسجد کے فلک بوس مینار مسلمانوں کی مذہبی اور تعلیمی غفلت پر اشک بار اور اُن کی دین سے عدم دلچسپی پر شکوہ کناں تھے لیکن بحمد اللہ کچھ دردمند اور پُر جوش و متحرک حضرات کی مساعی جمیلہ رنگ لائیں اور ان کے نتیجے میں یہ ذہنی انقلاب اور عملی تحریک پیدا ہوئی کہ آج اس میں تین سو کے قریب طلباء حدیث و دیگر فنون علوم اسلامیہ کی تحصیل میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، نیز جامعہ کے طلباء و فضلاء کو صوبہ بھر میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر مذہبی حلقوں میں رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آسمانِ ہند کے خورشید! اللہ کا کرم و احسان ہے کہ اس صوبہ کے تقریباً تمام مدارسِ عربیہ اسلامیہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہیں اور یہاں کے تمام فضلاء و علماء اکابرین دارالعلوم کے فیض یافتہ ہیں، مشرب کے اعتبار سے سابق صوبہ سرحد کے تمام مدارس عربیہ میں صرف یہ جامعہ ہی ایک ایسی درسگاہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ذوق پر گامزن ہے جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے اور یہ حضرتؒ ہی کے روحانی فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ اتنے قلیل عرصہ میں جامعہ اشرفیہ نے ترقی کے وہ منازل طے کر لئے ہیں جو ہماری توقعات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک**

عالی جاہ! جامعہ کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر جگہ کی قلت کا مسئلہ عرصہ سے ہمارے سامنے اپنی پیچیدہ شکل میں موجود تھا لیکن یہ معلوم ہو کر آپ کو یقیناً مسرت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شہر کے مرکزی مقام شاہی باغ کے متصل دونہروں کے درمیان جامعہ کی نئی عمارت کی تعمیر کے لئے ۳۶ رکنال زمین حاصل ہوگئی ہے، جس کی تعمیر کا کام انشاء اللہ العزیز عنقریب شروع ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرتِ والا سے دعاؤں اور مفید مشوروں کے لئے التماس ہے۔ خداوند کریم آپ کو دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ علمی اداروں کی سرپرستی کے لئے عمرِ نوح عطا فرمائے۔

آخر میں ایک بار پھر ہم آپ کی تشریف آوری کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ملفوظاتِ عالیہ سے مستفید فرمائیں۔

سپاس نامہ *

عالی جاہ! ہم خدام تنظیم دیوبند اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہم مشتاقانِ زیارت کو

* یہ سپاس نامہ انجمن خدام دیوبند سرگودھا (مغربی پاکستان) کی طرف سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

نبیرہ قاسم العلوم والخیرات کی دوبارہ تشریف آوری سے نوازا، آپ جیسی واجب الاحترام شخصیت نے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہم خدام کو اپنی تشریف ارزانی سے معزز و مفتخر فرمایا، ہم آپ کی اس ذرہ نوازی پر اپنی محبت اور مخلصانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب والا! ہم اس مرکزِ علم وحکمت اور از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے خوشہ چیں ہیں جس کے آپ مدبر شہیر اور مہتمم ذی وقار ہیں اور جو اس الحاد و بے دینی کے دور میں بھی طالبان علوم نبویہ کے لئے مرکز اور جوئندگانِ حق وصداقت کا منتہائے نظر ہے، انشاء اللہ اس مشعل رشد و ہدایت کی علمی کرنیں رہتی دنیا تک ضوافشاں رہیں گی۔

حضرت والا! دارالعلوم دیوبند سے ملکی تقسیم کے باعث بظاہر ہم کٹے ہوئے ہیں اور یہ قدرت کا وہ ناگزیر فیصلہ ہے جس کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں ہے مگر ہم ان ظاہری پردوں کے باوجود قدرتاً اپنے دلوں میں علمی وروحانی رشتے کو پہلے سے زیادہ مضبوط و مستحکم پاتے ہیں۔ ملت اسلامیہ پر دارالعلوم اور اس کے اکابر بالخصوص قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا جو احسان عظیم ہے اس کو ملتِ اسلام کبھی فرموش نہیں کرسکی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ایک طرف انگریز اپنی دسیسہ کاریوں سے ملحدانہ نظام تعلیم، مغربی تہذیب کے نفاذ کی تدابیر اور عیسائیت کی تبلیغ میں منہمک تھا، آریہ سماج اور شدھی سنگھٹن جیسے فتنے سر اٹھا رہے تھے، دوسری طرف یہ مردِ حق کی بربادیوں کا منظر دیکھ کر مسلم قوم کو اس کے زہریلے اثرات سے بچانے کے لئے دین محمدؐ کا ایک مضبوط قلعہ تیار کر رہا تھا۔ اسی آغوش تربیت سے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اسیر مالٹا، محدثِ اعظم حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسے مجاہد اور متبحر علماء پیدا کئے جن کی علمی قابلیت، علمی صلاحیت اور سیاسی بصیرت کے سامنے ناموران عالم کی گردنیں جھکے بغیر نہ رہ سکیں۔

اے نور نگاہِ قاسم! تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، تمام امت مسلمہ بالخصوص ملت اسلامیہ پاکستان آج پھر انہیں عظیم فتنوں کے طوفانوں میں گھری ہوئی ہے، سیلاب والحاد وارتداد کے تھپیڑے ایمان واسلام کے قلعہ سے ٹکرا رہے ہیں، عیسائیت ومرزائیت کے عفریت امت مرحومہ کو لقمۂ تر سمجھ کر نگلے چلے جا رہے ہیں۔ خسرو پرویز کے یہ پیرو پیام ونامۂ مصطفویؐ کو آج پھر پارہ پارہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جس شمع نور و ہدایت کو کفر و باطل کی تیز وتند آندھیوں سے قاسمؒ ورشیدؒ نے بجھنے نہ دیا تھا، اے پاسبانِ ملت! آج اسی شمع

فروزاں کو بجھانے پر تمام طاغوتی طاقتیں کمر بستہ ہیں، ارتدادی فتنوں کے ان امنڈتے ہوئے سیلابوں سے خود ہماری حکومت مضطرب و حیران ہے، بتایئے آج کس قاسمؒ کو پکاریں، کس رشیدؒ کو بلائیں اور کہاں سے لائیں محمود الحسنؒ اسیر مالٹا کو، اس قافلہ رفتہ کی حدی خواہاں کو اٹھ اٹھ کر ہماری نگاہیں تلاش کر رہی ہیں مگر وہ قافلہ جاچکا، اب ہم اسکو تو نہیں پاسکتے لیکن ؎

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تلک اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تلک

آپ باقیات الصالحات میں سے ہیں اور اس وقت تبلیغ و ہدایت کا مرکز و مرجع ہیں۔

حکیم الاسلامؒ! آپ کی تشریف آوری ہم مضطرب الحال لوگوں کے لئے باعث صد طمانینت اور وجہ سکون ہے۔ آپ کی زندگی کے زریں لمحات امت کے اس درد و کرب کے علاج و اندمال میں بسر ہو رہے ہیں۔ خدارا ہمارے درد کا مداوا فرمایئے اور ہمیں قرآن و سنت کے وہ مواعظ سنا جایئے جو ہمارے ایمانوں کو تازگی اور ہمارے یقین کو ثبات بخشیں، نیز اپنی مستجاب دعاؤں میں ہم نحیف و نزار خدام کو ہمیشہ یاد فرماتے رہا کریں۔

آخر میں ہم صمیم قلب سے ایک بار پھر حضرت والا کے دیدار پر اپنی بے پایاں مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس زحمت فرمائی پر آں جناب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ذات بابرکات کو ہمارے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

سپاس نامہ *

جناب صدر اور معزز حاضرین!

آپ کا اس مدرسہ میں قدم رنجہ فرمانا نہ صرف علماء اور طلباء کے لئے ہی باعث خیر و برکت ہے بلکہ اس شہر کے عوام الناس کے لئے بھی باعث فخر و مباہات ہے، جس طرح جناب کی عظیم الشان درسگاہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح آپ کی ذات بابرکات کو بھی علماء اور منتظمین مدارس کی قیادت حاصل ہے اور ہم لوگوں میں جو آپ کی عظیم درسگاہ کے منتسبین ہیں آپ کی ذاتِ والا صفات کو وہ مرجعیت حاصل ہے جو کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہے۔

جناب والا! آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں وہ فتنہ و فساد کا دور ہے اور ہر طرف الحاد و زندقہ کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں، بیرونی فتنوں سے مبلغین عیسائیت کا منظّم فتنہ ہمارے لئے سب سے زیادہ سوہانِ

* یہ سپاس نامہ حضرت حکیم الاسلامؒ کو خیر المدارس ملتان (مغربی پاکستان) میں پیش کیا گیا۔

روح ہے اور اندرونی فتنوں میں مرزائیت اور منکرین حدیث اور منکرین حیات النبی ﷺ کے فتنے سب سے زیادہ ملت مرحومہ کی راہزنی کا کام کر رہے ہیں لیکن ہر طرف سے مصائب ونوائب میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود ہم نے جی نہیں چھوڑا ہے بلکہ حتی الوسع ہمت واستقلال کے ساتھ ہم ان فتنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود ہم جناب کی ہدایات وارشادات کو مشعل راہ بنانے کے لئے ہمہ وقت مستعد ومنتظر ہیں۔

عالی مرتبت! آپ موجودہ زمانہ میں اہل علم اور اہل دین کے لئے ایک عظیم راہنما اور ایک زبردست مربی ہیں، جب کبھی کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو اُس اعتماد کی بنیاد پر جو آپ کی ذات کو عوام وخواص میں حاصل ہے لوگوں کے رخ آپ کی طرف پھر جاتے ہیں اور وہ فتنہ وفساد کے استیصال کے لئے جناب والا کی طرف سے کسی مفید لائحہ عمل کے متوقع اور منتظر ہو جاتے ہیں۔

جنابِ محترم! اس تکلیف فرمائی کے لئے ہم سب آپ کے ممنون ومتشکر ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے ہم لوگوں کے لئے بھی کچھ وقت عنایت فرمایا اور ہمیں اپنے ملفوظات عالیہ سے مستفید ہونے کا گراں قدر موقع عنایت فرمایا۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آں جناب کو محفوظ و مامون رکھے اور آپ سے ملت کو زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔

ترجمہ از پشتو*

جناب مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ بانی دارالعلوم کے پوتے رجب کے مہینے میں کابل تشریف لائے۔

والاحضرت اشرف صدر اعظم صاحب (وزیر اعظم) اور جناب وزیر معارف کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ جناب مہتمم صاحب رحمہ اللہ قرآن کریم کے حافظ، دانش مند اور علوم اسلامیہ کے جامع عالم ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کی تقریب پر کابل کی انجمن ادبی اور افغانستان کی جمعیۃ العلماء اور مرکز کے بانی اہل فضل نے آپ کے اکرام واعزاز میں دعوتیں دیں۔ جناب مہتمم صاحب رحمہ اللہ جو ایک بہت ہی لائق اور فصیح ادیب ہیں اپنے داماد مولانا حامد الانصاری غازی مدیر الجمعیۃ دہلی کے ساتھ جو ایک لائق اور فاضل نوجوان ہیں تشریف لائے تھے۔

* یہ تہنیتی کلمات حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ پر افغانستان کے ایک اخبار ''انیس'' نے اپنی ۲۳ ر رمضان ۱۳۵۸ھ کی اشاعت میں سپرد قلم کیا۔ حضرت رحمہ اللہ کا یہ دورۂ افغانستان رجب ۱۳۵۸ھ میں پشتو زبان میں شائع ہوا تھا جن کو اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا محمد طیب ریکٹر دارالعلوم دیو بند*

ہندوستان سے تشریف لانے والے تیرسٹھ سالہ مہمان جن کا مرتبہ دنیائے اسلام میں پوپ کے برابر سمجھا جاتا ہے شہر پریٹوریا میں گزشتہ کل ایک دن کا دورہ فرمایا۔

آج تک جنوبی افریقہ میں جتنے علماء اسلام آچکے ہیں ان میں حضرت حکیم الاسلامؒ سب سے زیادہ شہرت یافتہ عالم ہیں۔ آپ نے مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید کا سفر کیا ہے اور اکثر ملکوں میں تقریریں فرمائی ہیں، آپ کے قلم سے اب تک سو سے زائد تصانیف ظہور پذیر ہو چکی ہیں، جن کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو رہا ہے۔

مولانا طیبؒ کمیونزم کے شدید مخالف ہیں اور دنیائے اسلام کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیو بند کے مہتمم ہیں۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ بغیر جنگ و جدل کے مغرب کس طرح کمیونزم کو شکست دے سکتا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا:

''کمیونزم جہل، بھوک اور ظلم کی گود میں جنم لیتی ہے، ان تمام کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے اللہ پر ایمان کی ضرورت ہے۔ ان ہی کمزوریوں کی وجہ سے ہندوستان میں کمیونزم آہستہ آہستہ سرایت کر رہا ہے اور افلاس اور جہالت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔''

آپ سمجھتے ہیں کہ بیرونی ملکوں کی امداد سے ہندوستان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن جو امداد مل رہی ہے وہ ناکافی ہے۔

پریٹوریا میں آپ کو دعوت دینے والی انجمن ''یونیورسل ٹروتھ موومنٹ'' جس کے ایک رکن جناب یوسف ایچ، ایس ابراہیم ہیں اور جو ہندوستان میں ایک بااثر آدمی سمجھے جاتے ہیں۔

خیر مقدمی کلمات**

اپنے معزز مہمان اور ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کے ورودِ مسعود پر ہم اُن کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کی آمد مقامی ہندوستانیوں کی تاریخ کے سب سے زیادہ نازک

*یہ خیر مقدمی نوٹ جنوبی افریقہ کے مشہور اخبار ''پریٹوریا نیوز'' نے اپنی ۲؍جولائی ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے شہر پریٹوریا کے ایک روزہ دورہ کے وقت شائع کیا اور حضرتؒ کو حکمراں ڈچ قوم کی طرف سے خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

**ڈربن (جنوبی افریقہ) کے مشہور پندرہ روزہ اخبار ''دی ویوز'' The Views نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے دورۂ جنوبی افریقہ کے دوران ڈربن پہنچنے پر مورخہ ۸؍جولائی ۱۹۶۳ء کو ادارہ میں حضرت والا کے خیر مقدم میں تحریر کیا۔

موڑ پر ہورہی ہے جب کہ وہ یہاں کے نسلی امتیاز کے قانون کی بناء پر نہایت سخت مشکلات میں مبتلا ہیں۔

صوبہ ٹرانسوال کی مسلم اکثریت تجارت پیشہ ہے جن کی تجارتیں برسوں کے بعد استحکام کو پہنچی ہیں۔ اس زمانے میں جب ملک میں تجارتی منڈیاں ناپید تھیں اور جب اپنے شہر اور گاؤں سے دور دوسری بستیوں میں جا کر تجارت کرنا موت سے ہم آغوش ہونے کے مرادف سمجھا جاتا تھا، بڑی محنت اور تکلیف سے گذر کر یہ مسلمان شہر سے دور اپنی تجارت قائم کرتے تھے، اس زمانے میں نہ سڑکیں تھیں اور نہ آمدورفت کے وسائل، بسا اوقات موت اور زندگی کے موڑ سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس حالت میں پورے عزم واستقلال کے ساتھ یہ مسلمان وہاں آباد ہوئے اور حیرت انگیز رفتار سے ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ اب یہاں کی قومیت پرست حکومت قانون کے بل پر نسلی امتیازات کے قانون کو عملی جامہ پہنانے کی لئے پوری طاقت کے ساتھ کوشاں ہے، جس کے ذریعے ان بہادر لوگوں کو بے گھر کر دیا جائے گا اور کسبِ معاش کے مسائل ان کے لئے پھر سے پیدا کر دیئے جائیں گے۔ ایسے مصائب کے وقت ہمارے مہمانوں کا ورود ہورہا ہے، جس سے ہمیں امید ہے کہ ہمارے حوصلوں اور عزائم میں ترقی واستقلال پیدا ہوگا اور ہم ان مشکلات کے مقابلے میں جم سکیں گے۔ ہماری آرزو ہے کہ آپؒ کے پر حکمت الفاظ ہمارے زخموں پر مرہم کا کام دیں گے اور ہمیں اپنی جدوجہد میں قوت ملے۔

نیز ہم قابل احترام مولانا اور ان کے صاحبزادے کا استقبال کرتے ہیں، وہ ایک ایسے وقت میں ہمارے ساحلوں پر تشریف لائے ہیں جب مسلمانوں نے اسلام کے زریں اصولوں کو چھوڑ رکھا ہے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں میں الجھ کر وہ آپسی تفرقہ کا شکار ہورہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ حضرت مولاناؒ اپنے مختصر سے قیام کے دوران مسلمانوں میں بھائی چارہ اور اتحاد کی فضا پیدا فرمائیں گے اور اس مفاہمت اور اتحاد کے قیام کے لئے وہ صرف مسلمانوں کے درمیان ہی جدوجہد نہیں فرمائیں گے بلکہ بلاتخصیص رنگ ونسل وہ ہر فرقہ اور ہر قوم کے ساتھ ''آشتی'' کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

سپاس نامہ *

سیدنا المحترم! مسلسل تین چار ماہ سے ہم خدام جناب والا جیسی شفیق وعظیم اور ہمہ گیر شخصیت کی دید سے محروم تھے، قدرت نے آپ میں علم وفضل، زہد وتقویٰ، عزم واستقلال، خلوص ومحبت، رفق ومروت اور

* یہ سپاس نامہ ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ کو مرکزی جمعیۃ الطلباء دارالعلوم دیوبند کی طرف سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں سفر افریقہ ومشرق وسطیٰ سے مراجعت پر پیش کیا گیا۔

دوسرے اوصاف و کمالات اس فیاضی سے جمع کر دیئے ہیں کہ بلاشبہ آپ ہمارے لئے مرجع و مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں اور اہم ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی جدائی نے ہم میں سے ہر ایک کو بے چین کئے رکھا۔

للہ الحمد کہ حضرت والا اس طویل سفر سے بصحت و سلامتی واپس تشریف لائے۔ اس موقع پر ہم جس قدر بھی مسرت و انبساط محسوس کریں کم ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہر شخص بے حد خوش ہے اور اس کی دلی دعا ہے کہ رب العالمین حضرت اقدس کا سایۂ عاطفت تادیر ہم سب پر قائم رکھے۔

مرکزِ علوم! آپ کی اس طویل مفارقت سے جس طرح ہم سب بے چین اور بسا اوقات محزون و دل گیر رہے یقیناً حضرت والا نے بھی اس دوری سے تکلیف محسوس کی ہوگی مگر چوں کہ یہ سفر تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کے عظیم و اہم مقصد کے لئے اختیار فرمایا گیا تھا، اس لئے دور دراز کے سفر کی صعوبتیں باعثِ طمانینت و سکون تھیں۔

پیکرِ خلوص! اگر چہ یہ ادارہ ایک طویل مدت سے اپنے فیوض و برکات سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو سیراب کر رہا ہے اور بلاشبہ اس کی علمی و روحانی خدمات نے اس صدی میں دنیا کو جو سہارا دیا ہے وہ بس اُسی کا حصہ ہے مگر پھر بھی ضرورت تھی کہ اس سائنسی اور ترقی یافتہ دنیا میں اس ادارہ کی خدمات کی ایک جیتی جاگتی تصویر چل پھر کر دنیا کو حق و صداقت اور ایمان و ایقان کا پیغام پہنچائے اور اس کی مثالی شخصیت زبانِ حال سے دنیا کو بتلائے کہ یہ عظیم ادارہ کس قسم کے افراد تیار کر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حضرتِ والا کو قریب سے دیکھ کر دنیا نے محسوس کیا ہوگا کہ یہ درسگاہ اپنے فرزندوں کو علم و فن اور فضل و کمال کے ساتھ روحانی کمالات، خدا ترسی، فرض شناسی اور حکمت و دانائی کی دولت سے بھی بہرہ ور کر رہی ہے۔

سپاس نامہ *

حضرت والا! جذبات شکر و سپاس کے حامل الفاظ کا مشاہدہ اور سماعت آپ کی ذات کے لئے کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے لیکن اسرار کی زبان میں گفتگو کی اجازت ہو تو دیوبند کی جامع مسجد میں اہالیانِ دیوبند کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کئے جانے والے الفاظ کے یہ خوبصورت پھول ایک جہانِ معنی اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کے صدر دروازہ سے لے کر دور بحر اٹلانٹک کے ساحل تک آپ کی عظمت عالمگیر کے سامنے خلوص اور اعتراف عظمت کے کتنے ہی الفاظ سجدہ ریز ہوئے ہوں گے، کتنی ہی

* یہ سپاس نامہ ۱۴؍۱۱؍اکتوبر ۱۹۶۳ء کو اہالیانِ دیوبند کی طرف سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

گردنیں آپ کی بزرگی وعظمت کے سامنے جھک گئی ہوں گی، سپاس اور سپاس ناموں کی لامحدود قطاروں نے آپ کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف واحسان کومحبت اور خلوص کی خوشبوؤں سے بسے ہوئے الفاظ کے ذریعہ ادا کیا ہوگا۔ اس لئے ہم اس سپاس نامہ کی ظاہری قدر وقیمت کے معاملہ میں ترزبانی کا اعتراف اور عجز بیانی کا اظہار کرتے ہیں۔

زعیم ملت! اظہار شکر وسپاس اور مقام عجز ونیاز لباس واحوال کے اختلاف کے باوجود اپنے مقام عروج پر متحد اور ایک رنگ ہوجاتے ہیں۔ اول مقام وہ ہے جہاں احساس شکر وسپاس جذبات کے وفور سے بوجھل ہوکر زبان کو گنگ اور گلوگیر کردیتا ہے۔ جذبات کا سیلاب وسیلوں اور واسطوں کی حدود کو توڑ کر بہہ نکلتا ہے، ایسی حالت میں خاموشی سب سے بڑا اعتراف اور ترزبانی سب سے بڑا اظہار بن جاتی ہے اور جب احساس واظہار مجسم ہوجائیں تو ذہن وزبان کے لئے سب سے بہتر چارہ کار یہی ہے کہ وہ دل کی دھڑکنوں کے راستے سے ہٹ جائیں۔

ایسا ہی کچھ ہمارا حال ہے۔ اس مختصر سے اظہار عقیدت میں الفاظ کے خوبصورت پھول نہیں ہیں۔ رسمیت کے تزئین وآرائش نہیں ہیں، کند جذبات کا ملمع نہیں ہے، کھوکھلے احساس کی پردہ داری نہیں ہے، یہ ایک مختصر سا مجہول سا، نامکمل سا اعتراف ہے جو دیوبند کے لوگ اپنے ایک ہم وطن اپنے ایک بزرگ، اپنے ایک زعیم، اپنے ایک عالم، اپنے ایک رہنما اور اپنے ایک درویش کی خدمت میں پیش کررہے ہیں، اس کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ وہ ایک وطن والے کو اہل وطن کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے۔

حضرت والا! آپ ایک ایسے تاریخی سفر سے مراجعت فرما ہوئے ہیں جس کی صحیح قدر وقیمت تو مستقبل کا مورخ ہی متعین کرسکے گا لیکن اس وقت بھی بظاہر اس کے جو اثرات ہندوستان اور ساری دنیا پر مرتب ہوئے ہیں انہوں نے آپ کا، دارالعلوم کا اور دیوبند والوں کا نام ساری دنیا میں روشن اور تابناک کردیا ہے۔

آپؒ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے ایک پاک مقدس اور شیریں ندی کے بجائے ایک گونجتے، گرجتے اور ملکوں ملکوں کی سرحدوں کو چھوتے ہوئے سمندر کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اس کی شہرت، اس کی عظمت، اس کے اثرات اب ایک یونیورسٹی، ایک درسگاہ یا ایک تعلیمی ادارہ کے اثرات نہیں رہے بلکہ اب دارالعلوم ساری دنیا میں ایک طرز فکر، اسلام کا ایک علمی ورثہ، مسلمانوں کی ایک مقدس اور محترم امانت، ایک مسلک، ایک طریقہ اور ایک قلعہ بن گیا ہے۔

آپؒ کی مسلسل پیہم، انتھک اور دشنام وتعریف سے بے نیاز جدوجہد اور کوشش نے مسلمانوں کی علمی تاریخ کا ایک نیا اور روشن باب تحریر کیا ہے، دین کے تحفظ کی کوششوں میں ایک یادگار اضافہ کیا ہے۔ آپؒ کی عصر ساز شخصیت نے تنہا وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو موجودہ دنیا کے دانشوروں میں پوری ایک جماعت، پورے ایک گروہ اور پورے ایک ادارے کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔

دنیا کے نقشہ میں دیوبند ایک نظر نہ آنے والا نقطہ ہے، لیکن آپؒ کی شخصیت، آپ کی جدوجہد اور آپ کی کوششوں کے طفیل، یہ نظر نہ آنے والا نقطہ، علمی اور دینی آسمان پر آج آفتاب نصف النہار کی شکل میں جگمگا اٹھا ہے۔ ہم آپ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اس نو پیدا اہمیت پر آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

آپؒ نے اس سرزمین پر جہاں مغربی عریانیت وفحاشی کی یلغار اور نسلی منافرت کے حیوانی جذبات سے ہانپتے ہوئے عفریت کا منحوس سایہ ہے، تہذیب کی ایک مشعل روشن کی، دین کا چراغ جلایا، تقدس کا مینارۂ نور تعمیر کیا، انگریزی زبان سے ناواقفیت، اجنبی رسوم ومعاشرت سے مغائرت کے باوجود عصر حاضر کے سرکش اور متمرد سامریوں کی زبان سے دارالعلوم کے لئے، دیوبند کے لئے، دیوبند والوں کے لئے اعتراف وتحسین کا خراج حاصل کیا۔ ایک موہوم سی شہرت کو ایک جیتے جاگتے اور زندہ مسئلہ کی حیثیت دی اور اس حیثیت کو منوا بھی لیا۔ اس عظیم کارنامہ پر ہم آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

رجل عظیم! دیوبند کی اس جامع مسجد سے دارالعلوم کا فاصلہ بمشکل چند فرلانگ ہوگا لیکن دارالعلوم کی عمارت سے لے کر بحر اوقیانوس کے ساحل تک ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ ہزاروں میل کے اس فاصلے کے ایک ایک اہم جادہ پر آپ کی عظمت وبزرگی اور جلالت علمی سے متعلق اعتراف واقرار کے نشانات مرتسم ہیں۔ آپ کے پیش رو بزرگوں اور اکابرین کے سامنے بھی دیوبند کے باہر گردنوں کے خم اور استحسان کے بول منتظر رہتے تھے لیکن اعتراف وتسلیم کے معاملہ میں آپ کی ذاتِ اقدس کے علاوہ کسی بھی شخصیت کے متعلق دیوبند کے لوگوں کے اعتراف واحسان کے الفاظ ادا نہیں ہوئے۔ اس لحاظ سے چند فرلانگ کا یہ فاصلہ صدیوں کی مسافت بنا رہا۔ اس اظہارِ عقیدت کی اہمیت بس اتنی ہی ہے کہ آج اعتراف واقرار، فضل و احسان نے اس مسافت کو ختم کر دیا ہے۔

جامع مسجد، جہاں دارالعلوم کی کشتی چھوٹی سی ایک آب جو میں ڈالی گئی، جامع مسجد، جہاں ایک وسیع و عریض اور گرجتے ہوئے سمندر کے درمیان عزم، اطمینان اور استقلال کے ساتھ چلتے ہوئے دارالعلوم کے ایک عظیم الشان جہاز کے ناخدا کی حیثیت سے ہم آپ کی خدمت میں اظہار شکر وسپاس کر رہے ہیں۔

آخر میں ہم خداوند عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کی جلیل شخصیت تادیر ہمارے سروں پر شرف و افتخار کا سایہ قائم رکھے اور آپ قاسم العلوم کے ورثۂ علمی کے وارث کی حیثیت سے دارالعلوم اور دیوبند کے اقبال واعزاز کا پرچم فضاؤں میں لہراتے رہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سپاس نامہ *

مخدوم محترم! آج ہم مسلمانانِ باندہ کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ سیرتِ پاک کے اس مبارک اجتماع میں ہم اپنے مخدوم ومحترم عہد حاضر کے مایۂ ناز عالم، فخر اسلام اور ایشیا کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم کے قدوم میمنت لزوم پر بہ صمیم قلب ہدیۂ تشکر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت والا! ہمارے ضلع باندہ کو اکابر دارالعلوم سے ایک روحانی تعلق ہے، اگر ایک طرف اکابر دارالعلوم سلسلۂ ولی اللّٰہی کے درخشاں ستارے تھے تو دوسری طرف ہمارے ضلع باندہ کے والی نواب ذوالفقار الدولہ بہادر خاندان ولی اللّٰہی کے آبدار موتی اور حضرت شاہ اسحاق صاحب مہاجر مکیؒ سے فیض یافتگان میں سے تھے، جس طرح اکابر دارالعلوم دیوبند نے ملک کے اندر علم دین اور آزادیٔ وطن کا علم بلند کیا اسی طرح یہ صفات ہمارے نواب صاحب کی ذات میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے قبل یہ شہر علم کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ نواب صاحب کے مدرسہ میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی لکھنوی، فقیہ ہند حضرت مولانا خرم علی صاحب بلہوری مترجم درمختار رحمہم اللہ جیسے اکابر علماء وفضلاء درس دیتے تھے اور صدہا تشنگانِ علوم اس چشمہ سے سیراب ہوتے تھے۔ باندہ میں خاندان سادات کے قیام کے باعث نواب صاحب ہی تھے۔

آخر کار ۱۸۵۷ء کا انقلابی اور نہ بھولنے والا دور آیا۔ ہمارے نواب صاحب نے بھی اکابر دارالعلوم کی طرح دین وملت کے تحفظ اور تحصیل آزادی کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں، لیکن حالات نے موافقت نہ کی اور انہیں سلطنت کو خیرباد کہہ کر یہاں سے اندور چلا جانا پڑا مگر ہمارے لئے جامع مسجد اور دیگر آثارِ عبرت چھوڑ گئے جو ہم کو برابر درس دے رہے ہیں۔ کاش ہم اہل باندہ کی آواز سن لیں اور اپنے مشفق ومہربان والی کی

* یہ سپاس نامہ حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ نے مدرسہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ کی طرف سے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

یادتازہ کریں۔ خدا کرے ہمارے دن پھریں اور ہمارا شہر پھر سے اپنی کھوئی ہوئی علمی مرکزیت حاصل کرلے، ہمارے یہاں پھر علماء ربانی کا مجمع ہواور ہم اپنے والی کی طرح دین کے واسطے جان و مال کی بازی لگائیں۔

مصلح ملت! آپ کی تشریف آوری ہم فالِ نیک تصور کرتے ہیں، ہم اس وقت اپنی خوش طالعی پر بجا طور پر ناز کررہے ہیں کہ اللہ پاک نے ہمارے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو پھر ایک لڑی میں ملا دیا اور ہم کو پھر اپنے والی کی طرح دارالعلوم کے اکابر کی سرپرستی حاصل ہوئی۔

حضرت محترم! اب تک ہم غافل تھے، اب ہم نے اپنے والی کے اُن آثار کی صدا سن لی، ہم نے خدا پر بھروسہ کرکے یہ طے کرلیا کہ اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کردیں۔ اللہ پاک اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب پاکؐ کے طفیل سے ہماری یہ آرزو پوری کردے۔ اس بارے میں ہم آں جناب سے دعا کے طالب ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اگر آپ جیسے مجاہد جلیل کی سرکردگی اور سرپرستی حاصل رہی تو انشاءاللہ ہم عہد ماضی کی یادتازہ کردیں گے۔

مجاہد جلیل! ہم ناکارہ خدام حضرت والا کی شایانِ شان مدارات سے تہی دامن ہیں جس پر سوائے اعتراف تقصیر اور کیا عرض کرسکتے ہیں۔

حضرت والا شان! ہم کو آں جناب کی مصروفیت کا بخوبی علم ہے، ایسی حالت میں اور اس شدت کی گرمی میں دور دراز کا سفر کرکے ہم دور افتادگان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشنا اس کے لئے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ ہم اور تمام باشندگانِ ملک کو جناب کا پرشفقت سایہ تادیر حاصل رہے اور ہمارا مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند حضرت والا کی سربراہی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

سپاس نامہ *

مخدومِ محترم! آج کی شام ہم طلباء آفتاب بالخصوص اور اہل یونیورسٹی عموماً دنیائے اسلام کے ایک فاضل علمبردار اور مادرِ وطن کے ایک مایۂ ناز فرزند کو خوش آمدید کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ عرصہ سے خواہش تھی کہ آپ ہماری مادرِ درس گاہ کو شرفِ مہماں نوازی بخشیں۔ ہم تہہ دل سے آپ کے ممنون و مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر ہم کو موقع عنایت فرمایا کہ ہم آپ کی

*یہ سپاس نامہ مورخہ ۱۵؍ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۶۷ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا۔

زبانی آیاتِ ربانی اور تعلیماتِ محبوب سبحانی سے مستفیض ہوں۔ ہم متمنی ہیں کہ آں جناب آج اپنے مخصوص انداز میں ہم کو رحمت عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات سے وہ روشنی عطا فرمائیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہو۔

مکرمی! آپ نے ملک اور بیرون ملک میں اسلامی دنیا کی جو خدمات کی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں، مسلمانانِ ہند کو خصوصاً آپ کی دعوت نے نہ صرف بیدار کیا بلکہ ان کی روح کو تازگی بخشی۔ آپ کی بصیرت افروز اور جامع تقاریر نے قرآن اور پیغمبر اسلام سے متعارف کر کے انسانی زندگی کو اسوۂ حسنہ کے ذریعہ پروردگارِ عالم نے جو لائحہ عمل دیا ہے اس کو ہندوستانی ذہنوں میں اتارنے کے لئے آپ نے اپنے زبان وقلم کو متحرک کر رکھا ہے، جس پر آپ کو مبارکباد عرض ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ آپ طلبائے آفتاب ہال کے حق میں دعا فرمائیں، وہ دعائیں جو خالق ومالک نے اپنے کلام پاک میں اپنے بندوں کو خود ہی تعلیم فرمائی ہیں۔

آخر میں ہم ایک بار پھر آپ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں اور آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

سپاس نامہ *

بعزِ نگاہ، رفیع المرتبت، منبع المرتبت، حارسِ مضمار مآثر وفضائل، حارثِ بستاں، مکارم وجلائل، غارسِ اشجار وحکم، دارس آثار بدعت، حامیٔ دین متین وکتاب مبین، ماحی نقوش الکفر والزندقۃ والشرک المہین، جامع الدرایہ والروایہ، قامع الضلالۃ والغوایۃ، حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

عزیز القلوب! ہمارے لئے اس مسرت کا اظہار الفاظ میں نہایت دشوار ہے جو ہم آں محترم کے بلدۂ حیدرآباد فرخندہ اساس کے ورودِ سعادت آمود پر محسوس کر رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہماری اس انجمن لجنۃ الفضلاء کی تجدید عین اُن ایام میں عمل میں آتی ہے جب کہ کرۂ ارض کے اس حصہ کو آں محترم کے اقدامِ میمنت التیام سے اکتساب سعادات کا ندرت مآب موقع میسر آتا ہے اور اس طرح ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ آں محترم سے اجتماعی شکل میں عزتِ تعارف وشرفِ مجالست حاصل کر سکیں۔ اگر اس امر واقعہ کو ہم طائر روضات الجنات قاسم العلوم والخیرات (طاب ثراہ) کے قرۃ العین وسکینۃ القلب اور ثمرۃ الفواد کے ورودِ مسعود کی فرخندہ فرجامی کا ایک پرتوِ لطیف قرار دیں تو غالباً اربابِ نظر کے نزدیک اسے افراطِ حسنِ ظن سے تعبیر نہ کیا جائے گا۔

* یہ سپاس نامہ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۶۰ھ کو لجنۂ فضلائے دکن کی جانب سے حیدرآباد میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

معارف مآب! آپ کے خاندانی خصائص اور قاسمی افاضات وافادات کا ذکر ان تنگ دامن سطور میں کسی عنوان ممکن نہیں جن کی ایک جیتی جاگتی تصویر (جو یوماً فیوماً اپنی افادتِ ملی کے دامن کو تمام اقطارِ عالم تک وسیع کرتی جارہی ہے اور جس آفتاب معارف کی چشم جہل والحاد کو خیرہ کردینے والی ضیاء پاشیاں ہندوسندھ سے گزر کر تمام دنیائے اسلام کا اپنی روشنی سے احاطہ کئے ہوئے ہیں، دارالعلوم دیوبند کی شکل میں موجود ہے، اس مغتنم لیکن بغایت مختصر صحبت میں ہم ان خدمات دارالعلوم کا تذکرہ بھی خارج از حیطۂ قدرت سمجھتے ہیں جو زمامِ اہتمام ہاتھ میں آنے کے بعد سے آں محترم نے شخصاً انجام دی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم جیسی عظیم الشان درسگاہ کے داخلی نظم ونسق کی ذمہ داریوں سے بہ حسن اسلوب عہدہ برآ ہونا، اس کی توسیع و ارتقاء کے دل پذیر خاکوں میں رنگ بھرنا اور پھر یہاں کی شبانہ روز مصروفیات سے کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر ہندو بیرون ہند کے دوروں کے ذریعہ سے اربابِ خیر کی توجہ کو دارالعلوم کی طرف منجذب کر کے اُن کی علمی اعانت سے اس کی مالی پوزیشن کو جنس دین و مذہب کی ہیچ میرزی کے اس پُر آشوب اور معمورِ فتن دور میں مستحکم کرنا کوئی ایسا معمولی کام نہیں ہے جس سے صرفِ نظر ممکن ہو۔ اس سلسلہ میں حکومت خداداد افغانستان سے پچاس ہزار کی گراں قدر رقم کا حصول اور اس سے بھی زیادہ والی افغانستان کی توجہ کا اس طرف مبذول کرانا آں محترم کے اس علم وانتظام، فکر وتدبر اور فراست واصابت رائے کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے جس کے بغیر کسی ایسی مذہبی وعلمی درسگاہ کے سفینۂ اہتمام، بقاء وقیام کا ساحل مراد تک پہنچنا محالِ عادی کہا جاسکتا ہے۔

مکرمت پناہ! ہم متوسلین دارالعلوم اگر چہ جسماً اپنی مادر علمی سے ایک ہزار میل سے بھی زیادہ دور ہیں اور قاسم ارزاق نے ہمارے وسائل حیات ومعاش کو اس سرزمین سے وابستہ کر کے ہمیں اپنی محبوب درسگاہ اور ہمارے ذہن وفکر کے مربیوں سے تابدیر مہجور رہنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن ہم آپ کو صدق نیت اور خلوصِ فکر وطویت کے ساتھ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے مضطرب دل اور ہماری بے قرار روحیں کبھی ان دونوں کو فراموش نہیں کرسکتیں اور نہ کبھی ہمارے اذہان وافکار اپنی پیاری درسگاہ کے سود و بہبود سے غافل اور اس کے شیون ارتقاء واستحکام سے بے تعلق ہوسکتے ہیں۔

ثریا اعتلاء! ہم اگر چہ اپنے جذبات میں سے یکے از ہزار کا بھی اظہار نہیں کر سکے لیکن ان سطور کی کوتاہ دامانی ہمیں کفِ لسان قلم پر مجبور کرتی ہے، اس لئے ہم بادل ناخواستہ ایسے اجمال سے کام لیتے ہوئے جسے شاید بخل کہا جاسکتا ہے ایک دوضروری امور کی طرف آں محترم کی توجہ گرامی مبذول کراتے ہوئے اپنی اس گذارش مضطرب کو ختم کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

فضیلت پڑھوہا! ہمیں دلی اندوہ وملال کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا ہمیشہ اعتراف رہا ہے کہ دارالعلوم جیسی درسگاہ جس نے ملت اسلامیہ کے ہزاروں افراد کو فضیلت نثار وفضیلت پناہ بنا دیا آج تک نہ جانے کیوں اپنے متوسلین ومنتسبین کی ایک جامع تنظیم وارتباط کی ضرورت کو جو ہزاروں ہزار سعادات وبرکات پر منتج ہوسکتی ہے نا قابل اعتناء سمجھتی رہی ہے۔ سنا گیا تھا کہ خاص اسی مقصد کیلئے کوئی شعبہ مستقلاً قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ دکن کو اس کے دائرہ عطوفت واعتناء سے کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ تنظیم وارتباط کے لوائح عمل اور دائرہ کار کو محیط الکل بنالیا جائے۔ ضروریات حالات سے غض بصر روا نہ رکھتے ہوئے بعجلت ممکنہ اس کام کی تکمیل ہوجائے اور ایک شخص بھی متخرجین ومنتسبین دارالعلوم میں سے خواہ وہ کہیں کیوں نہ ہو، ایسا نہ رہ جائے جس کے نام اور ضروری حالات سے دارالعلوم باخبر نہ ہو۔

و دمتم یا سیدنا بالخیر والسلامة والهناء و آخر دعوانا ان الحمد للّٰه الذی لا یجری سواه الحمد والثناء.

سپاس نامہ *

ضیفنا المکرّم! خداوند ذوالجلال والاکرام کا فضل واحسان ہے کہ آں جناب اس چھوٹے سے اور دور افتادہ قصبہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ اللہ رب العزت کے اس احسانِ عظیم اور اپنی سعادت وخوش نصیبی پر ہم بے حد مسرور ومحظوظ ہیں اور اس زحمت فرمائی پر آں جناب کی خدمت میں سپاس عقیدت پیش کرتے ہیں۔

آج حالت یہ ہے کہ ہر طرف الحادوزندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں، دہریت وخدا ناشناسی کا سیلاب امنڈ رہا ہے، اخلاق وروحانیت پر ہر طرف سے حملے ہورہے ہیں۔ ایمان وایقان کے بجائے جہل واوہام اور شکوک وظنون کا دور دورہ ہے۔ غرض آج مسلمانانِ عالم جس نازک اور پرآشوب دور سے گذر رہے ہیں اس کی نظیر اسلام کی صدیوں کی تاریخ میں شاید نہ مل سکے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا جس میں ہمارے دور سے زیادہ تغیرات واقع ہوئے ہوں اور مادہ پرستی اپنے اس عروج پر پہنچی ہو کہ ہر طرف دین ودینی معتقدات کے ساتھ تضحیک واستہزاء کا بازار گرم ہو، ایسے نازک اور پرشور دور میں سفینۂ اسلام کی ناخدائی صرف آپ جیسے علماءِ حق کا ہی حصہ ہے۔

حضرت والا! ایک ایسے ادارہ کے مہتمم اعلیٰ ہیں جو دنیائے اسلام کی عظیم الشان اور مایۂ ناز دینی درسگاہ

* یہ سپاس نامہ منتظمین اجلاس سیرت مدرسہ عالیہ اسلامیہ میل وشارم کی طرف سے مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۵۷ء کو حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

ہے اور جس کے بانی محترم آں جناب کے جد امجد قاسم العلوم والخیرات، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ہیں، اسی آفتاب علم وعرفان اور روحانیت کی شعاعیں آج دنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ کو روشن ومنور کررہی ہیں، آج عالم اسلام میں عموماً اور ہندو پاکستان میں خصوصاً جو کچھ دین داری نظر آرہی ہے یہ اسی ادارہ کا علمی اور روحانی فیضان ہے جن اسلاف واکابر نے اس شجرہ طیبہ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا، جناب والا ان ہی اسلاف کی حقیقی یادگار ہیں اور یہی وجہ ہے تبلیغ دین اور اصلاح کی جدوجہد میں حضرت والا کا مقام انفرادی اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت والا! آپ سپہر علم وحکمت کے نیر درخشاں اور راہ معرفت وصداقت کے روشن ستارے ہیں، آں محترم کے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین وشارم رشکِ جناں بنی ہوئی ہے۔ ہمارے قلوب مسرور و شاداں ہیں کہ ہم خدام کو حضرت والا کی زیارت نصیب ہوئی ؏

آمدن آں یارے کہ مامی خواستیم

اے واعظ رنگیں بیاں خوش آمدید! جناب والا کی ہستی مسلمانانِ عالم کے لئے بالعموم اور مسلمانانِ ہند کے لئے بالخصوص سرمایۂ فخر ومباہات ہے۔ خدا کا شکر واحسان ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں حضرت والا کی ذات بابرکات ہم گناہگاروں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے میسر ہے جس سے ہزار ہا تشنگان علم ومعرفت سیراب ہورہے ہیں اور ایک عالم آپ کی دینی وعلمی اور روحانی خدمات کا ثنا خواں ہے۔ حقیقت میں سرور کائنات نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالی **العلماء و رثة الانبياء** کا صحیح مصداق اس پر آشوب دور میں آں جناب کی ذات ہے۔

تحدیث نعمت کے طور پر یہ چند کلمات خدمت اقدس میں عرض کرنے کی جرأت کی گئی، ورنہ ہمارے الفاظ وتعبیرات کا ذخیرہ کیفیت مسرت کے اظہار سے بھی تہی ہے اور حضرت والا کے اوصاف حمیدہ کے اظہار سے بھی ؏

داماں نگہہ تنگ وگل حسن تو بسیار

اے شیخ باصفا! ہم ایک بار پھر صمیم قلب سے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں، آپ کی تشریف آوری اہل وشارم کے لئے عموماً اور منتظمین اجلاس سیرت مدرسہ عالیہ کے لئے خصوصاً باعث صد عزت وسعادت اور موجب خیر وبرکت ہے۔ جناب نے ہماری حقیر دعوت قبول فرما کر ہم پر بڑا احسان فرمایا۔ ہم بارگاہ مجیب الدعوات میں بہ ہزار عجز وانکسار دعا کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور قوم وملت کو آپ کے فیوض سے بیش از بیش مستفید وبہرہ ور فرمائے۔ آمین

سپاس نامہ*

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی. امابعد!

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آج دارالعلوم سبیل الرشاد میں ہمارے درمیان عالم اسلامی کی ایک برگزیدہ شخصیت جلوہ افروز ہے، جس کی روحانیت سے ہمارے قلوب سرور واطمینان کی کیفیت محسوس کررہے ہیں۔ تعبیر والفاظ سے قطع نظر ہم اس کرم بے پایاں کے لئے حضرت والا کے شکر وسپاس گذار ہیں کہ آپ نے اپنے بیش قیمت لمحات دارالعلوم سبیل الرشاد کے لئے عنایت فرمائے۔ ہمارے مدرسہ میں حضرت والا کی تشریف آوری پہلی مرتبہ نہیں ہے بلکہ حضرت والا کا معمول ہے کہ جب جنوبی ہند میں آپ کا دورہ ہوتا ہے تو دارالعلوم سبیل الرشاد میں تشریف لاکر اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمیں ضرور نوازتے ہیں۔ الحمدللہ گزشتہ سال ہماری دعوت پر دارالعلوم کی زیرتعمیر درسگاہوں کی عمارت کا سنگ بنیاد حضرت والا نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ بلاشبہ ہمارے پاس الفاظ کا وہ ذخیرہ نہیں ہے جس کی وساطت سے ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں پائی جانے والی مسرت وخوشی کا اظہار کرسکیں۔

جانشین قاسم العلوم والخیرات! حق جل شانہٗ نے آپ کی ذات والا صفات کو یوں تو اپنے فضل عمیم سے بہرنوع نوازا ہے جس کی بنا پر آپ کی شخصیت دورحاضر کے علماء وصلحاء میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے لیکن اگر آپ کی ذات میں ودیعت کئے گئے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا جائے تو قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی جانشینی ایک ایسا وصف ہے جس کو سرفہرست جگہ دی جائے گی اور اگر الولدُ سرٌّ لابیہ کا مصداق متعین کیا جائے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے روحانی وعلمی اثاثہ سے حضرت والا کو وراثت آبائی کے طریق حظِ وافر عنایت کیا گیا ہے اور آج دیوبند کی سرزمین علم وفن کی آبیاری، آپ کے بے پایاں خلوص، آپ کی شبانہ روز کی محنت شاقہ اور آپ کے بے کراں علوم قاسمی کی رہین منت ہے۔ اگر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے کارناموں کو اصطلاحی زبان میں بیان کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف نے اپنی مختصر مگر گراں قدر حیات طیبہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں تصوف وسلوک، تصنیف وتالیف، خطاب و تقریر اور مناظرہ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کا وجود سب سے وسیع کارنامہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے طرزِ فکر

*یہ سپاس نامہ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۵ء کو حضرت مولانا ابوالسعود صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں مدرسہ کی جانب سے پیش کیا۔

اور علم ونظر کے حاملین نے ان راہوں پر اپنی کوششیں صرف کیں اور دورِ حاضر میں جب اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو صرف آپ کی ذات گرامی ان اوصاف کی حامل اور جامع نظر آتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی خدمت اور علمی چمن کی آبیاری سے جو نتائج آپ کی زندگی میں رونما ہوئے ان کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس مرکز علوم شرعیہ کو آفتاب نصف النہار بنادیا اور آج دارالعلوم دیوبند بلاشبہ ایشیا کا سب سے بڑا دینی وعلمی سرچشمہ ہے جہاں تشنہ کامان علمِ دین اقطارِ عالم سے حاضر ہوکر بقدر ظرف سیرابی حاصل کرتے ہیں اور ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں فرزندانِ دارالعلوم، آسمان علم ومعرفت پرآفتاب وماہتاب بن کر چمک رہے ہیں، سچ پوچھئے تو ان کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔

اسی طرح حضرت نانوتویؒ کے علمی وروحانی سلسلہ میں آپ نے ہر ہر پہلو سے وہ عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ دورحاضر میں آپ کے علاوہ کسی نے اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی، تصوف وسلوک اور معرفت کی سڑکوں کو عبور کرنے کے ساتھ گم کردگانِ منزل کی ہدایت آپ کا شب وروز کا مشغلہ ہے۔ اس دور قحط الرجال میں بہت کم ایسے بلند پایہ افراد ملتے ہیں جنہیں اسلاف کی صحیح جانشینی کا فخر حاصل ہو۔ سچ ہے کہ دورحاضر میں حضرت نانوتویؒ کے باطنی علوم کو سننے اور دیکھنے کے لئے گوش برآواز اور چشم براہ تھا، آپ نے اس زاویہ حیات کو رعنائی ویکتائی اور حسن وجمال عطا فرمایا۔

یادگار اکابر! حضرت نانوتویؒ کی ذات گرامی سے اپنی کسی مناسبت کے بعد مزید کسی گذارش کی ضرورت نہیں، تاہم جن اوصاف حمیدہ نے آپ کی ذات والاشان کو بین الاقوامی شخصیت بنایا ہے، ان میں آپ کے علم وفضل، تقویٰ ومعرفت الٰہی کے ساتھ حسن اخلاق کو بڑا دخل ہے۔ زبان کی حلاوت، دعوت الی الخیر میں مناسب اسلوب اور مواعظ حسنہ کا بہترین طریق ایک ایسا وصف ہے جس نے آپ کی ذات کو عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر مرجع ومرکز کی حیثیت عطا کی ہے اور اس وقت پورا عالم اسلام آپ کی قیادت ورہنمائی کا محتاج ہے۔ امت مسلمہ آپ کی نگاہ حقیقت شناس کو اپنے لاینحل مسائل کے لئے علاج تصور کرتی ہے۔

ہم بارگاہِ ایزدی میں بصد عجز ونیاز دعا کرتے ہیں کہ خداوند قدوس آپ کے عزائم میں رسوخ وبلندی، کوششوں میں قوت وکامیابی، عمر واقبال اور مراتب ومناصب میں ترقی عطا فرمائے اور دیر تک امت مسلمہ پر آپ کا سایہ باقی رکھے۔ آمین

آخر میں پھر ہم آپ کی تشریف آوری کے لئے ہمہ تن سپاس گزار ہیں۔ امید ہے کہ آپ اپنے قیمتی لمحات کا کچھ حصہ ہماری رہنمائی میں صرف فرمائیں گے۔ (۱۱۴)

............❖............

سپاس نامے واستقبالیہ خطبات

تحریر فرمودہ:

حضرت حکیم الاسلامؒ

حکام، امراء اور سلاطین اگر علماء کے دربار میں آجائیں تو ان کی خوش نصیبی، علماء کرام ان معزز مہمانوں کی پذیرائی اور ضیافت، کام ودہن کی لذتوں سے اپنے احوال کے مطابق کر سکتے ہیں، ورنہ تکلف کی صورت میں سراسر تکلیف اور زحمت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر زبان وقلم سے ان کی شکر گزاری میں ان کی شان کو پیش نظر رکھنا لازمۂ اخلاق اور خاصۂ تہذیب وشائستگی ہے۔ خود حدیث میں بھی اس کی تاکید ہے **السلطان ظل اللہ ومن اھانہٗ اھانہ اللہ** ہمارے اسلاف نے سلاطین کے چوکھٹوں پر کبھی جبہا سائی کو گوارا نہیں کیا، خود سلاطین ان کی خدمت میں چل کر آئے اور ہمارے اسلاف نے سنت نبویؐ کے مطابق ان کا استقبال واحترام بھی کیا، کلماتِ تحسین بھی پیش کئے اور شریعت کی حدود وقیود میں رہتے ہوئے ادب واحترام کے باب میں جو کچھ بن پایا کیا۔

حکیم الاسلامؒ کے عہد اہتمام میں دارالعلوم دیوبند میں شاہِ افغان ظاہر شاہ، مولانا ابوالکلام آزاد اور عرب دنیا کے مشاہیر علماء، امراء کی آمد ہوئی تو حکیم الاسلامؒ نے ان کے شایانِ شان پذیرائی فرمائی۔ استقبالیہ جلسوں میں ان کی آمد کے شکریہ میں اپنے گوہر بار قلم سے کلماتِ سپاس بھی پیش فرمائے۔

ذیل میں اہل علم کے ذوقِ علمی کی ضیافت کے لئے حکیم الاسلامؒ کے قلم سے تحریر فرمودہ فصیح وبلیغ سپاس نامے پیش کئے جارہے ہیں:

بہ پیش گاہ خسروی اعلیٰ حضرت ہمایونی المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ

بادشاہ دولت مستقلۂ افغانستان خلد اللہ ملکہٗ ودولتہٗ

بعد از آدابِ شاہانہ وتحیات نیازمندانہ ودعاہائے مخلصانہ

اعلیٰ حضرت معظم! امروز ما ہمہ خدام دارالعلوم مرکزی دیوبند خیلے خوش بختیم کہ دریں مرکز علمی بحفلۂ علماء امت وصلحائے ملت بتقریب قدوم ذات شاہانہ ہمایونی برائے خیر مقدم شان موفق شدیم، بلاشبہ ایں روز

برائے ایں موسسہ عرفانی روزِ سعید و یوم عید است و ما بصمیم بر قلب برقدوم اعلیٰ حضرت ظل سبحانی فریضۂ تشکر و ترحیب بجامی آریم قدمتَ خیر قدوم و نزلت خیر مقام.

اعلیٰ حضرت! روابطِ اسلاف و اکابر دارالعلوم بذات ملوکانۂ ہمایونی و بدودمان شاہی و بملت نجیبۂ افغانستان قدیم العہد و تاریخی اند نہ از کہنگیٔ زمان کہنہ شدند و نہ از مرور ایام متاثر، چناں کہ بودند ہستند بلکہ از پیشتر پیشتر وہمیں است کہ افغانستان بدلہائے ایں نیاز کیشان مثل دیوبند چناں جا گرفتہ نظر می آید کہ شمّۂ از اجنبیت ندارد۔

چنانچہ اوّلین جذبات اجتماعیہ کہ برائے استخلاص ملّت و وطن از استبداد فرنگ بجولان گاہِ ذہن بزرگانِ دیوبند سر افراشتند امید گاہ شان افغانستان بود، پس تحریکات ملیہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کہ رخِ شان نیز بافغانستان بود و رودِ رفیق خاص سیاسیٔ حضرت شیخ و امین خط ریشمینش مولانا منصور انصاری و داعیٔ اجتماعی شیخ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہما اللہ بایمائے گرامیٔ شان بخاک پاک افغانستان کہ بسے خدماتِ جلیلۂ ملتِ ہندیہ و افغانیہ بانجام رسانیدند یک اضافہ بیش قیمت بر روابط مابنی بود کہ از ان تاریخ مودت ایں معہد دینی و افغانستان تازگیہا گرفت و قوتہائے بیکران یافت، ہمیں بود کہ چون تختِ خوش بخت افغانستان بعد از مساعی مجاہدانہ غازیٔ اعظم شہید معظم اعلیٰ حضرت سردار محمد نادر خاں مرحوم از تشویشات داخلی و خارجی پاک شدہ بدولتِ استقلال سرفراز شدہ بذات شاہانۂ ہمایونی عزت یافت و از بدو جلوس اعلیٰ حضرت شان در تمامی شعب مملکت پیش رفتہائے محسوس رخ دادہ و دولت افغانستان توانستہ کہ تحت رہنماہائے ذاتِ شاہانہ قدمہائے موثری برائے ترقیات علمی و تمدنی و سیاسی و بلند بردن سطح زندگی مردم برادر و ہمہ اقوام ملک بلاتفریق مذہب و ملت زیر سایۂ عدلِ گستریہائے شاہانہ بامن و مساواۃ گذر بسر کنند۔ مجلس شوریٰ دارالعلوم ایں نیاز مند قدیم را بسلسلۂ ابراز مکنونات انبساط و مسرت بخاک پاک افغانستان فرستاد تا کلمۂ تہنیہ و تبریک و پیغام نیاز مندیہائے نیاز کیشان بسمع ہمایونی تقدیم کردہ برائے استحکام روابط قدیم و قیام یک نظام ہم آہنگ، عرفانی خالص اقداماتِ خوش بختانہ رہنمایم، ثمرۂ عظیمے کہ براین اقدام مخلصانہ برائے این ہم آہنگی، حکومت اعلیٰ حضرت معظم ابراز نمودہ احسانِ عظیم برگردن ملت نہاد نقل ترجمۂ قرآن کریم از حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ و تفسیرات حکیمانہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ است کہ از اردو بہ فارسی منتقل کردہ و بغایت پاکیزگی انصرامِ طباعتش نمودہ تخم ریزیہائے علوم سلسلہ ولی اللہٰ و مکتب فکر قاسمی کہ اساسِ دیوبندیت است بہ قلوب ملت نجیبۂ افغانستان یکسانی و یکجہتی پیدا آمد و علاقہ ہائے عرفانی اساسِ علم و نظر گرفتہ چناں زندۂ و

پائندہ شدند کہ آثارش نسلاً بعد نسلٍ متوارث شدہ می روند و خواہند رفت۔

اعلیٰ حضرت معظم! ازیں حقیقت کسے انکار کردہ نتواند کہ اگر یک طرف تعاون رجال فعال ملت و حکومت افغانستان معین کار ایں موسسہ اسلامی شدہ دگر طرف مساعئ عرفانی ایں دار الفنون بسا رجالِ ملت افغانیہ را بعلم و اخلاق تربیت نمودہ بافغانستان فرستاد کہ بخدماتِ جلیلہ تعلیم و تدریس و پند و خطابت وغیرہ مصروف بکار اند و برائے ما دعا گویان لائق صد شکر و نازش است کہ مجلس ملیہ علمی جمیعۃ علماء افغانستان کہ بامور مملکت اثر و رسوخ دارد ہم یک عددِ کافی فضلاء دیو بند بدامنش فرا گرفتہ کہ اعلاء کلمۂ حق شعار شان می باشد، نیز علم ایں حقیقت برخودِ اعلیٰ حضرت معظم از ہمہ زیادہ است کہ خاندان مبارکہ شاہی را علاقہ برقوائے ظاہری و مادی و شرافتِ خاندانی خود از توجہات روحانی و ادعیۂ مستجاب و مقبول بزرگان دیو بند ہم امداد کا ملے رسیدہ است، بہ علت این اتحاد علمی و عرفانی و تعاون طرفین ہر ہر فرد قاسمی ترقیات خاندانِ اعلیٰ حضرت معظم و ملت نجیبۂ افغانی را عیناً ترقئ خویش اعتقاد می کند۔

کشش ہمیں علاقہ ہائے قدیم و جدید و روابط خصوصی و عمومی ذات شاہانۂ ہمایونی را بما غریبان دریں مرکز علمی جمع ساخت و کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسانید تا آنکہ اساسے کہ تخم بود امروز شجرۂ طیبہ گشت کہ **اصلها ثابتٌ و فرعها فی السماء. فللّٰہ الحمد و المنة.**

اعلیٰ حضرت معظم! بعد از برگشتگئ طالع ملتِ اسلامیہ ہندیہ در سنہ یک ہزار و ہشت صد و ہفت و پنجاہ میلادی موسس ایں مرکز دینی کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ باشند اولاً مقابلۂ استبداد فرنگ بشمشیر و سنان آغاز نہادند و پس بقوت فکریۂ عرفانی در سنہ یک ہزار صد و ہفت شصت برائے احیائے علوم اسلامی و حفظ جذباتِ حریت و استخلاص و مدافعتِ فتنۂ فرنگ ابن معہد علمی را بر اصول ہشت گانۂ الہامی خویش تاسیس نمودند و با خلاصے و ایثارے کہ در اساس ایں موسسہ بزرگ پیوستہ شدہ است ایں ادارہ یوماً فیوماً بشاہراہِ ترقی گامزن شدہ می رود کہ از حیثیت یک مکتب خیلے خورد کہ بیک تلمیذ و یک استاذ آغاز نہانی و ترقی دیدہ امروز یک دار الفنون مذہبی خیلے بزرگ و کلاں شدہ کہ از صیتِ فضل و فیضش چپّہ چپّہ عالم اسلامی سیراب است و نفوس لاتعداد مذہبی آسیا و افریقہ را در مسلک یک نظام اجتماعی و دینی فرا گرفت۔

فیضِ گستریہائے این موسسہ عرفان پناہے در مرنود و چہار سالۂ خویش با قدامات علمیہ متنوع الاصناف عظمت بے مثال جلب نمودہ و چناں خدمت حیرت آوری نمودہ است کہ ہمہ ادارہ ہائے مذہبی ہند یکجا شدہ ہم نظیر آن را پیش کردہ نمی توانند ہزاران ہزار علماء و فضلاء مصنفین و خطباء، مدرسین و مناظرین، مفتیان و قضاۃ

ارباب وعظ وتربیت واصحاب بیعت وارشاد وغیرہ پیدا نمود کہ با اطراف ممالک اسلامیہ کہ یکے ازان ہم افغانستان است منتشر شدہ بخدمات ملّی ودینی مصروف بکارند۔

اعلیٰ حضرت! کار ایں معہد علمی برجاگیر ہا وسرمایہ ہائے تجارت وخزانہ ہائے دولتی نیست بلکہ عموماً بعطایائے عامہ مسلمین اتمام می یابد وبسا از ہند وبیرونِ ہند ارباب اقتدار وامراء وملوک دریں اعانت ہم حصہ وافر احراز نمایند مثل خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان وسلطان محمد رشاد خامس والی ٹرکی وجلالۃ الملک سلطان سعود ولی نجد وحجاز وعزت مآب سید انور السادات وزیر معارف مصر وعالی جناب اونو وزیر اعظم برما وعالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریۂ ہندوستان وغیرہ، قوم خطیرہ وہدایائے عرفانی باوقات مختلفہ ابلاغ نمودہ بتقویت این مرکز دینی پرداختند وازان جملہ عطیۂ مبارکۂ ذات شاہانہ ہمایونی یک یادگار تاریخی است کہ ازان صدر دروازۂ دار جدید بنام ''باب الظاہر بنایافت کہ ہمہ وقت سرِ خود بلند داشتہ یادِ ذاتِ ملوکانہ ہمایونی را بچشم ودل تازہ می دارد۔

اعلیٰ حضرت معظم! نظام کار ہائے جلیلہ اش مانند نظام یک دولت منظّم می باشد کہ برقلوب حکمرانی دارد، رجوع ہمہ کارہائے انتظام وتعلیمش بسوئے یک مجلس شورائے است کہ بنام مجلس اعلیٰ موسوم است، مجلس اعلیٰ برائے انتظامات عمومی ادارہ وتنفیذ تجاویز خویش یک دفتر عمومیٔ مرکز بنام ادارۂ اہتمام ترتیب داد کہ تقریباً بروصد کا تبہائے وارباب خدمات بست شعبہ ہائے انقسامی دست ضبط وتصرف دارد کہ ہر یکے ازان برنگ یک مدیریہ مستقل می باشد، اندرین شعبہ جات شعبۂ خیلے بزرگ ومہم شعبۂ تعلیمی است کہ روحِ این ادارہ است وبرائے این شعبہ یک مجلس مستقل بنام مجلسِ علمی می باشد کہ ذمہ بردار تمام تشکیلات تعلیمی است، صدر نشین ایں مجلس حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ صدر المدرسین دارالعلوم بودند کہ عرصۂ سہ ماہ گزشتہ کہ این مجاہد جلیل وبطل حریت وجامع علم وعمل ما را داغ مفارقت دادہ رہ گزائے عالم جاودانی شد اگر ذاتِ گرامی شان دریں حفلۂ قدسی بودے رنگِ مجلس دگر بودے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ امثالہم۔

وبودوجہ (سالیسانہ) اش امروز تاشش لکھ روپیہ می باشد اندازہ مصارف عمارات دارالعلوم تا دہ ملیون افغانی می رسد، عدد اساتذہ کہ بتفاوت مراتب خویش علماء درجہ اوّل شمردہ می آیند تا بچہل می رسد در ہر سال تعلیمی اوسطاً تعداد طلبہ قریب بیک ہزار وپنج صد می باشد کہ ہر سال ازاں یک صد وپنجاہ تا دوصد تکمیل علوم نمودہ دارائے شہادت نامۂ فضیلت می گردند شاخہائے علمی اش در ہند وبیرون ہند تا بہ ہزاران می رسند، فضلائش چناں کہ بہ میدان علم ودیانت می دوند ہم چنیں براہ خدماتِ ملی ووطنی ہم می پویند وبلا تامل گفتہ می

توانم کہ در ہندوستان علم آزادی اولاً ہمیں جماعت عرفانی بلند نمود و بآخر کار دوش بدوش اقوام ہند رفتہ قربانیہا پیش نمود د و بمنزل آزادی نارل شد دائرۂ خدمات شان از ہند بیرون گذشتہ بہمہ منطقہ ہائے اسلامی وسیع شد، شکر خدائے بزرگ و برتر کہ ایں موسسۂ عرفانی باایں ہمہ وسعت پذیری و ہمہ گیریٔ خود امروز برای نعمت خاص خداوندی بفخر و ناز سر بفلک می کند کہ اعلیٰ حضرت ہمایونی بغیر باء نوازی خاندانی خویش و ذوق تحفظ ارتباط قدیم رابروئے کار آوردہ خدام ایں معہد علمی و جمیع اساتذہ و طلبہ را بتفضلات شاہانہ بےکراں نواختند و بقدوم میمنت لزوم سرادارہ را سر بلند یہا اور انمی داشتند کہ علم از مکنت سلاطین پاک نہاد بلند و بالا روداداز فرش تا بہ عرش پیماید، و امراء بخانہ غرباء بایں تواضع درونی از بلند یہا بہ بلند یہا بلند تر می شوند ''نعم الامیر علی باب الفقیر'' ما ایں قدوم میمنت لزوم را یک اثر عظیم آن علم پروری و عرفان پناہ می بینیم کہ بزرگانِ سر برآوردہ خاندانِ شاہی با مؤسسین و اکابر دارالعلوم براہِ راست علاقۂ مخصوصے می دارند و بر ین نعمتِ خداوندی کلمۂ پاک الحمدللہ گفتہ تشکرات لائقہ بارگاہِ خسروی تقدیم می نمائیم۔ ''اے آمدنت باعث آبادیٔ ما''

اعلیٰ حضرت معظم! از یں عطوفات شاہانہ و روابطِ قدیمانہ و نظر بر نیات نیک اعلی حضرت ہمایونی ما اگر آرزو داریم و طمعہا کہ بدل می بندیم بجز اعتلاء مملکت افغانستان و اعلاء کلمہ اسلام دگر نیست و باللہ التوفیق مع ہذا وقت حاضریٔ این نیازمند قدیم با فغانستان در سنہ یک ہزار و پنجاہ و ہشت ہجری والا حضرت سردار محمد ہاشم خاں مرحوم صدرِ اعظم افغانستان حسب درخواست این نیازمند داخلۂ یک عدد طلبائے دارالعلوم بہ یونیورسٹی ہاء کابل برائے تعلیم السنہ یورپ منظور فرمودند لیکن جنگِ عظیم یورپ و آثار پراگندگی اش بمعمورۂ دنیا عمل این منصوبہ را معطل ساخت حالے وقت تبدیل شد و ہندوستان آزاد شدہ با فغانستان رابطۂ دوستی و خیر سگالی مستحکم می دارد کاش این منصوبہ جامعۂ عمل بپوشد و روابط قدیم عرفانی مابین این موسسۂ مرکزی دیوبند و مؤسساتِ علمی افغانستان مستحکم و مضبوط تر شوند۔

اعلیٰ حضرت معظم! ما غریبان از وسائل مدارات شایانے کہ لائقِ ذاتِ شاہانہ ہمایونی باشد تہی دامنیم بجز اعتراف تقصیر و خواست گاریہائے معافی ہیچ متاعے نہ داریم کہ تقدیم نمائیم۔ گرہمی تہی دستی را دستِ کریمانۂ شاہی قبول نماید زہے عز و شرف۔

تشکر مزید براں می نمائیم کہ اعلیٰ حضرت معظم بکرم خیلے فیاضانہ ذات عرفان پناہ موقع سپاس گذاری و تقدیم نمودن نذر عقیدت و اخلاص مرحمت فرمودند **اعز اللّٰہ الامیر و ادام دولتہٗ و شوکتہٗ و نفع بہ المسلمین اجمعین آمین**

اوقاتِ گرامی شاہانہ را کافی مشغول نمودیم زیادہ جرأت نداریم و براین کلمات چند مسک ختام می کنیم کہ قدوم مبارک ذات ملوکانۂ ہمایونی بایں موسسۂ عرفانی یک باب تابناک تاریخ دارالعلوم و یک اضافۂ پیش قیمت ایں تاریخ است کہ دارالعلوم برآن دواماً فخر و ناز خواہد کرد و برائے ہمہ کار و رجال کار این معہدِ دینی فال نیکو خواہد ماند۔

زندہ باد اعلیٰ حضرت ہمایونی بادشاہ افغانستان و پائندہ باد دولتِ مستقلۂ خداداد افغانستان۔ واللّٰہ المعین.

ترجمہ : اعلیٰ حضرت معظم! آج خدام دارالعلوم کی انتہائی خوش بختی ہے کہ علمائے امت اور صلحائے ملت کے اس بابرکت اجتماع میں ہم ذات شاہانۂ ہمایونی کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ آج کا دن مرکز عرفانی کے حق میں روزِ سعید اور یوم عید سے کم نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت ظل سبحانی کے قدوم میمنت لزوم پر بصمیم قلب ہم جذبات تشکر و امتنان پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت معظم! اسلاف واکابر دارالعلوم دیوبند کے تاریخی اور قدیم ترمخلصانہ روابط جو ذات ملوکانۂ ہمایونی، خاندانِ شاہی اور ملت نجیبۂ افغانستان سے قائم ہیں جن پر کسی بھی وقت میں زمانے کی انقلاب آفرینی موثر نہیں ہوئی اور یہ ہمیشہ مائل بہ ترقی رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نیاز مندوں کے قلوب میں دولت افغانستان کسی بھی لحاظ سے اجنبی نہیں ہے۔

چنانچہ حریت پسندی اور استخلاص وطن کا جو جذبۂ اولین بزرگانِ دیوبند کے ذہن رسا نے پیدا کیا اس کی سب سے پہلی امیدگاہ بھی افغانستان ہی بنا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کی اجتماعی تحریکات کا مرکزی نقطہ بھی افغانستان ہی بنا، جس کی عملی کارگزاری کے لئے حضرت شیخ کے خاص رفیق سیاسی اور ''مکتوب ریشمی'' کے امین ''مولانا منصور انصاری'' اور ''مولانا عبیداللہ سندھی رحمہما اللہ'' خود حضرت شیخ کے ایماء گرامی سے خاک پاک افغانستان پر ملت ہندیہ اور ملت افغانیہ کی عظیم الشان اجتماعی خدمات ایک طویل عرصہ تک انجام دیتی رہے، ان کی جدوجہد اس معہد دینی اور افغانستان کے درمیان مخلصانہ روابط قائم کرنے میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی روابط تھے کہ جب افغانستان کے تحت خوش بخت کو غازی اعظم شہید معظم اعلیٰ حضرت سردار محمد نادر خاں مرحوم کی مجاہدانہ مساعی نے خارجی اور داخلی انتشار انگیزیوں سے پاک اور دولت استقلال سے سرفراز کیا اور پھر ذاتِ شاہانۂ ہمایونی کی جلوہ افروزی کی عزت مندی اور مدبرانہ رہنمائی سے مملکت افغانستان ہر شعبۂ حیات میں ترقی پذیر ہوئی۔ نیز علمی، تمدنی اور سیاسی لحاظ سے

عوام کا معیارِ زندگی بلند تر اور ذات شاہانہ کی انصاف آگینی سے بلا تفریق مذہب وملت ہر ہر فرد بہرہ مند ہوا، تو مجلس شورائے دارالعلوم نے اس نیاز مند قدیم کو عازم خاکِ پاک افغانستان کیا تا کہ میں ان مخلصین کی تہنیت وتبریک کا جماعتی فریضہ ادا کرتے ہوئے روابطِ قدیم کا استحکام اور عرفانی تعلقات کی تجدید کروں۔

اعلیٰ حضرت کی حکومت کا حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ترجمۂ قرآن کریم اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیرات کو اردو سے فارسی میں منتقل کرنا نہ صرف ایک تاریخی نقش ہے بلکہ توثیق روابط کے ساتھ ملتِ اسلامیہ پر ایک عظیم احسان بھی ہے اور سلسلہ ولی اللّٰہی اور مکتبِ فکر قاسمی جو دیو بندی مکتبِ فکر کی اساس ہے ملتِ نجیبۂ افغانستان کے قلوب تک پہنچا کر ہند وافغانستان کے مابین ایک فکری یکسانیت اور علاقۂ عرفانی قائم کیا، یہ وہ زندہ وتابندہ خدمت ہے جو نسلاً بعد نسلٍ اپنے مبارک آثار کے ساتھ ہمیشہ صفحاتِ تاریخ پر ثبت رہے گی۔

اعلیٰ حضرت معظم! یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر ایک جانب حکومت افغانستان کے اربابِ کار کا تعاون اس دارالفنون کو حاصل رہا ہے تو دوسری جانب یہ مرکزِ علم بھی ملتِ افغانیہ کے بہترین افراد کی اعلیٰ اور اخلاقی تربیت کرتا رہا جو تعلیم وتدریس اور وعظ وخطابت وغیرہ کی خدمات جلیلہ کی انجام دہی میں آج بھی مصروف ہیں اور ہم خیر اندیشان ذات شاہانہ کے لئے یہ بات لائق صد شکر اور قابل افتخار ہے کہ ''جمعیۃ علماء افغانستان'' میں جو فکری لحاظ سے امورِ مملکت میں گہرا اثر رکھتی ہے ایک معتد بہ تعداد اسی دارالعلوم دیو بند کے ان قابل قدر فضلاء کی ہے جو اعلاء کلمۂ حق کو اپنا شعار سمجھتے ہیں، نیز یہ حقیقت ہم سے زیادہ اعلیٰ حضرت معظم پر روشن ہے کہ خانوادۂ شاہی کی سطوت وجلالت جہاں خاندانی شرافت اور مادی شوکت وقوت کی رہین منت ہے، وہیں اس کو بزرگان دیو بند کی روحانی توجہات اور مقبول ومستجاب دعائیں بھی حاصل رہی ہیں۔ اس اعلیٰ اور عرفانی اتحاد اور باہمی تعاون نے اعلیٰ حضرت معظم کے خاندان اور ملت افغانیہ کی ترقیات کو ہر ہر فرد قاسمی کے لئے خود اپنی ترقی کا مرادف بنا دیا ہے۔

یہ قدیم وجدید وہ تاریخی روابط ہیں کہ جنہوں نے ذاتِ شاہانہ ہمایونی کو اس مرکز علم میں ہم غریبوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور ہم بجا طور پر ؏ ''کلاہِ گوشہ مایاں بآفتاب رسید'' کہہ کر پختگیٔ تعلق پر اظہار مسرت کر سکتے ہیں۔ **فللّٰہ الحمد**۔

اعلیٰ حضرت معظم! ملتِ اسلامیہ ہندیہ جب گردش ایام کا شکار ہوئی تو ۱۸۵۷ء میں اس مرکز دینی کے بانی محترم حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سرگرم عمل ہوئے اور فرنگی غارت گری کا اولاً نیزہ وشمشیر

سے مقابلہ کیا اور اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں علوم اسلامی اور جذبات حریت کی حفاظت کے لئے اس معہد علمی کی آٹھ الہامی اصولوں پر بنیاد قائم کی اور اس جذبۂ ایثار نے جو اس مرکز کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا، اس کو شاہراہ ترقی پر گامزن کر دیا۔ چنانچہ صرف ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہونے والا مکتب وہی آج ایک عظیم مذہبی دارالفنون کی حیثیت سے اہل فکر ونظر کے سامنے ہے جس کے فیضان نے عالم اسلامی کے چپہ چپہ کو سیراب کیا اور ایشیا اور فریقہ کے لاتعداد دیندار افراد کو ایک فکری نظام کا پابند بنا دیا اور اپنی چورانوے سالہ عمر میں ہمہ گیر علمی خدمات انجام دے کر وہ بے مثال عظمت حاصل کی کہ ہندوستان کے تمام مذہبی ادارے بحیثیتِ مجموعی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں علماء، فضلاء، مصنفین ومقررین، مناظرین ومدرسین، مفتی، قاضی، ناصح ومربی اور ارباب بیعت وارشاد پیدا کئے کہ جو تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل کر جن میں افغانستان بھی شامل ہے۔ ملّی ودینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت معظم! اس معہد علمی کا نظام عمل جاگیروں، تجارتی سرمایوں اور حکومتی امدادوں کا مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کی بابرکت عطایا پر ہی یہ اپنے نظام کو دائر رکھتا ہے جس میں متعدد ہند اور بیرون ہند کے اربابِ اقتدار، امراء اور بادشاہوں نے بھی گراں قدر حصہ لے کر اکتسابِ سعادت کیا ہے جیسے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خاں اور سلطان محمد رشاد خامس والی ٹرکی اور جلالۃ الملک سلطان سعود والی نجد وحجاز اور عزت مآب سید انور السادات وزیر تعلیم حکومت مصر اور عالی جناب اونو دوزیر اعظم برما اور عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریۂ ہند وغیرہ نے گراں بہا رقموں اور علمی ہدایا سے مختلف اوقات میں اس مرکز دینی کو تقویت بہم پہنچائی ہے۔ ان میں ذاتِ شاہانۂ ہمایونی کا عطیہ گرامی بھی تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ جس سے صدر دروازہ دار جدید ''باب الظاہر'' کے نام سے تعمیر کیا گیا، جو ہمہ وقت اپنی عظمتوں کے ساتھ ذات ملوکانۂ ہمایونی کی یاد کو ہمارے دلوں میں زندہ رکھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت معظم! اس مرکز دینی کا نظام کار ایک بانظم حکومت کے نظام کے مشابہ ہے جس کی حکمرانی قالبوں پر نہیں بلکہ قلوب میں ہے، اس کے تمام تر تعلیمی اور انتظامی امور کا آخری مرکز ایک مجلسِ شوریٰ ہے جو مجلسِ اعلیٰ کے نام سے موسوم ہے۔ اسی مجلسِ اعلیٰ کے تحت ادارے کے عمومی انتظامات اور قراردادوں کی تنفیذ واجرا کے لئے ایک عمومی ادارہ بنام ''ادارۂ اہتمام'' قائم ہے جو دوسو کے قریب اربابِ خدمات اور بیس انتظامی شعبوں پر بااختیار نگراں ہے اور ہر شعبہ ایک مستقل ناظم کے ماتحت مصروف کار ہے۔ ان تمام شعبہ جات میں سب سے زیادہ اہم شعبہ ''تعلیمات'' ہے جو اس ادارہ کا روح رواں اور اس کی تمام تعلیمی مہمات ایک مجلس علمی

انجام دیتی ہے۔ اس مجلس علمی کے صدر نشین حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند تھے۔ صد ہزار افسوس کہ اس مجاہد جلیل اور جامع علم وعمل نے آج سے تین ماہ قبل ہمیں داغِ مفارقت دیدیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کی ذاتِ گرامی اس اجتماع مسرت میں رونق افروز ہوتی تو رنگِ مجلس کچھ اور ہوتا۔ **رزقنا اللہ تعالیٰ امثالھم**.

اس مرکز کا سالانہ میزانیہ چھ لاکھ روپیہ ہوتا ہے اور عمارات دارالعلوم کا مجموعی اندازہ ایک کروڑ روپیہ افغانی ہے۔ اس کے اساتذہ کی تعداد چالیس ہے جو اپنے مختلف مراتب علمی کے لحاظ سے صف اوّل کے علماء شمار کئے جاتے ہیں اور ہر تعلیمی سال میں ڈیڑھ ہزار کے قریب طلباء اکتساب علم کرتے ہیں جن میں سے ہر سال ڈیڑھ سو سے دو سو تک تکمیل علوم کر کے سند فضیلت حاصل کرتے ہیں، نیز ہندو بیرون ہند میں اس مرکز کی علمی شاخیں ہزاروں سے متجاوز ہیں اور جس طرح اس کے فضلاء علمی اور دینی خدمات انجام دیتے ہیں، اسی طرح سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں بھی پیچھے نہیں ہیں اور میں اس حقیقت کے اظہار میں یقیناً حق بجانب ہوں کہ اسی جماعت نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم آزادی بلند کیا اور ہندوستان کی دوسری اقوام کے دوش بدوش راہ آزادی میں بے مثال قربانیاں پیش کیں اور ان کا دائرہ خدمت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کو محیط ہے۔ حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ یہ مرکز عرفانی اپنی ہمہ گیر خدمات کے طفیل آج اس پر سر افتخار بلند کئے ہوئے ہے کہ اعلیٰ حضرت ہمایونی اپنی خاندانی غرباء نوازی اور قدیم تعلقات کا پاس فرماتے ہوئے اس مرکز کے خدام اور اساتذہ اور طلباء کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نواز رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ہمایونی کا قدوم میمنت لزوم اس ادارہ کے لئے ایک تاریخی عزت ہے اور حقیقتاً سلاطین پاک نہاد کی پشت پناہی سے ہی علم سر بلندیوں سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اگر ہم اس ''نعم الامیر علیٰ باب الفقیر'' کی علمی تشریح کو علم پروری اور عرفان پناہی سے تعبیر کریں جو معزز ین خاندان شاہی کے اکابر دارالعلوم دیو بند کے ساتھ اخلاص مندانہ تعلق پر ایک تاریخی دلیل ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا جس پر ہم حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بارگاہِ خسروی میں ہدیہ تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں۔

''اے آمدنت باعث آبادئ ما''

اعلیٰ حضرت معظم! ذات ملوکانۂ ہمایونی کی توجہات تاریخی تعلقات اور اعلیٰ حضرت کی نیات صالحہ کے پیش نظر ہم صرف یہی آرزو رکھتے ہیں کہ مملکت خداداد افغانستان سر بلند اور اعلاء کلمۂ اسلام کے لئے توفیق یاب ہو۔ ان ہی مراسم کے واسطے سے ۱۳۵۸ھ میں اس نیاز مند کی افغانستان حاضری کے موقع پر والا حضرت

سردار محمد ہاشم خاں مرحوم نے راقم الحروف کی درخواست پر دارالعلوم دیو بند کے طلبہ کی ایک محدود تعداد کو مغربی زبانوں کی تعلیم کی سہولتیں دینا منظور فرمایا تھا، لیکن یورپ کی جنگ عظیم اور عالمی پراگندگی نے اس منصوبے کو عمل سے ہم کنار نہ ہونے دیا۔ کاش آج جب کہ وہ دور ختم ہو چکا ہے اور آزاد ہندوستان آزاد افغانستان سے دوستی اور خیر سگالی کا مستحکم رشتہ قائم کئے ہوئے یہ منصوبہ جامۂ عمل پہن سکتا ہے اور اس دارالعلوم مرکزی اور افغانستان کے مراکز علمی کے درمیان پھر یہ عرفانی ربط تجدید پذیر ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت معظم! ہم غرباء ذات شاہانۂ ہمایونی کے شایانِ شان مدارات سے تہی دامن ہیں۔ جس پر ہم سوائے اعتراف تقصیر اور معافی طلبی کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں؟ اگر یہی تہی دستی بارگاہِ خسروی میں شرف قبول حاصل کرے تو زہے عزت وز ہے نصیب۔

نیز ہم اعلیٰ حضرت معظم کے اس فیاضانہ کرم پر شکریۂ مزید پیش کرتے ہیں کہ ہمیں سپاس نامہ پیش کرنے کا موقع مرحمت فرمایا گیا۔ **اعز اللّٰہ الامیر و ادام دولتهٗ و شوکتهٗ و نفع به المسلمین اجمعین. آمین**

ہم نے نیاز مندانہ جرأت کے ساتھ ذات شاہانۂ ہمایونی کا بہت کافی وقت لیا اور اب ان کلمات پر اس عرض عقیدت کو ختم کرتے ہیں کہ ''اعلیٰ حضرت ہمایونی کا ورود مسعود دارالعلوم دیو بند کی تاریخ میں ایک تابناک باب اور بیش قیمت اضافہ ہے جس پر دارالعلوم کو ہمیشہ ہمیشہ فخر و ناز رہے گا اور ذاتِ شاہانہ کی یہ تشریف ارزانی اس معہد دینی کے خدام کے لئے دواماً فال نیک رہے گی۔

زندہ باد اعلیٰ حضرت ہمایونی بادشاہ افغانستان پائندہ باد دولت مستقلہ خداداد افغانستان۔

محمد طیب

مدیر عمومی دارالعلوم دیو بند

و جمیع اراکین مجلس شوریٰ

۵ر شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵ر فروری ۱۹۵۸ء

یہ سپاس نامہ ایک خوبصورت صندوقچی میں رکھ کر بذریعہ ایک ٹرے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، ٹرے پر دارالعلوم کی عظیم الشان عمارت دارالحدیث کا رنگین مرقع بنایا ہوا تھا۔

............❖............

مولانا ابوالکلام آزادؒ

سپاس نامہ منجانب دارالعلوم دیوبند

بہ پیش گاہ عالی مرتبت، جمع الفضائل صاحب المجد والشرف والاحضرت آنریبل مولانا ابوالکلام آزاد، وزیرتعلیمات حکومت ہند دامت معالیہم۔

جناب والا! میرا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ ہے کہ میں پوری جماعت دارالعلوم دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے جناب والا کا خیر مقدم کروں اور دنیائے اسلام کے اس مسلمہ مذہبی مرکز میں جناب والا کی اس پرخلوص تشریف آوری اور ہماری ناچیز درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اس مبارک قدوم پرخوش آمدید کہنے کے ساتھ فریضۂ تشکر وامتنان بجالاؤں۔

اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما

جناب والا! ہم اپنے جلیل القدر مہمان کی ذاتی اور منصبی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے **کیف نشکر و کیف لا نشکر** کے ذہنی عقدوحل میں تھے اور اپنے ممدوح کے حقوق مدح کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے میں متفکر تھے لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ ہمارے مقتدر مہمان صرف حکومت ہندوستان کے ایک اعلیٰ ذمہ دار رکن اور جلیل القدر عہدہ دار ہی نہیں بلکہ اُس سے زیادہ ہماری قوم کے ایک دردمند، زعیم اور ملت کے ایک ممتاز قومی کارکن بھی ہیں اور اس سے بھی زیادہ بوریہ نشین علماء وطلباء کی جماعت کے ایک روشن دماغ فرد اور مفکر عالم بھی ہیں جن کا اصلی جذبہ سادگی، بے تکلفی اور رسوم سے بے نیازی کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا، ہم نے سپاس گذاری کے سلسلہ میں اپنی بے بضاعتی کے پیش نظر اسی سادگی اور بے تکلفی سے رسمی طرز تشکر کے ترک کردینے ہی کو حسب حال اور اپنے مقتدر مہمان کے شایانِ شان سمجھا۔

لا خيل عندك تهديها ولا مال فليسعد النطق ان لم يسعد الحال

جناب والا! دیوبند کی یہ چھوٹی سی بستی جس میں دارالعلوم کی یہ وسیع عمارت کھڑی ہوئی ہے ایک نہایت قدیم بستی ہے، اس بستی کی خصوصیت بجز قدامتِ سن وسال یا محل وقوع دارالعلوم ہونے کے اور کچھ نہیں، یہ بستی برادرانِ وطن کی ایک بڑی تیرتھ گاہ تھی، آج بھی یہاں ایک مورتی بنام ''دیوی'' جس کے نام پر یہ قصبہ

’’دیبی بن‘‘ سے موسوم ہوا اور کثرت استعمال سے دیوبند ہوگیا‘‘ موجود ہے جس پر سالانہ میلہ لگتا ہے۔
تقریباً چھٹی صدی ہجری سے اس میں آثار اسلام نمودار ہوئے اور تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں اس بستی کے ظلماتی افق پر علومِ الٰہی اور کمالاتِ ولی اللّٰہی کا آفتاب چمکا یعنی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ رُست وخیز کا ہمارے لئے ہندوستان میں اگر معنی خیز نتیجہ نکلا تو وہ دیوبند میں اس علمی درسگاہ کا قیام ہے جس کو مدارِ جماعت قطب عصر فرید دہر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ نے بالہام الٰہی قائم فرمایا، وقت کے تمام اہل اللہ کے الہامات وبشارات اور غیبی تائیدات کی اجماعی قوت امن کے ساتھ کارفرما تھی۔

یہ دارالعلوم جو اپنی ابتداء میں ایک ضعیف کونپل تھا اور آج ایک تناور درخت ہے، درحقیقت حضرت بانیؒ کے اس خواب کی تعبیر تھا کہ ’’وہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہوئے ہیں اور اُن کے ہاتھ پیروں کی تمام انگلیوں سے پانی کی نہریں اطراف عالم میں جاری ہیں‘‘ اور دارالعلوم کے مہتمم اول حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ اجل خلفاء حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی قدس سرہٗ کے اس رویا کی تاویل تھا کہ ’’علوم کی کنجی میرے ہاتھ میں دیدی گئی ہے‘‘ اور حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ کے اس مکاشفہ کی تصدیق تھا کہ ’’مجھے یہاں سے علم نبوت کی بو آرہی ہے‘‘ (جبکہ وہ جہاد پنجاب پر جاتے ہوئے دیوبند کے اس مقام سے گذرے جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس مقولہ کی تفسیر تھا کہ ’’مجھے یہاں علم نبوت کے آثار محسوس ہورہے ہیں‘‘ (جب کہ وہ ادھر سے گذرے) اور حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ شیخ الشیخ حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس الہام کی محسوس تصویر تھا کہ فقیر نے ایسی ہانڈ پکائی جو نہ سو برس پہلے پکی ہے نہ سو برس بعد میں پکے گی۔ بہرحال اس معہد دینی کی تاسیس عام مروجہ طریقہ کے فکری یا خیالاتی مشوروں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اشارات غیب کے ماتحت ایک حقیقت ثابتہ کا ظہور تھی۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب کہ داخلی اور خارجی فتنے اپنے تمام ہتھیاروں سے مسلح ہوکر اُس قوم کے مقابلہ پر صف آرا تھے جس کے سر سے چھپر اتر چکا تھا اور پیر کے تلے سے زمین بھی نکل چکی تھی، وقت کے نبض شناسوں نے اپنی فراستِ ایمانی سے محسوس کرلیا تھا کہ آج کی یہ علمی بے مائیگی، اخلاقی تنگ دستی اور اجتماعی بے بسی بغیر ایک ایسے جامع تربیتی ادارہ کے قیام کے رفع نہیں ہوسکتی جس میں علم، اخلاق اور اجتماعیت سے مخلوط پروگرام سے قوم کے نونہالوں کو تربیت دی جائے اور ان کے دل ودماغ کو ایک ایسی جامعیت پر اٹھا دیا جائے کہ نہ وہ کسی ایک جانب کے غلو میں گرفتار ہوں اور نہ کسی سمت سے خلو کے شکار ہوں، جدید حالات میں افرنجیت سے گھائل ہوں اور نہ وقت کے جدید تقاضوں سے بے خبر اور غافل ہوں،

اُن میں جرأت وحق گوئی کا بلند پایہ جذبہ بھی ہو اور ساتھ ہی تواضع للہ اور ادب واحترام کا جوہر بھی ہو، اُن کی زندگی اگر ایک طرف بوریہ نشینی کے ساتھ درس کتاب وسنت اور خلوت نشینی کے ساتھ ذکر اللہ اور تزکیۂ نفس میں گزرے تو دوسری طرف سرفروشی اور جاں بازی کے ساتھ قومی جدوجہد کا اسٹیج بھی ان سے خالی نہ رہے، چنانچہ ان ہی بنیادوں پر یہ ادارہ تعمیر ہوا اور اُس کے آغاز ہی سے ان مقاصد کا بھی عملی آغاز ہو گیا، حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں جہاں اُس کے احاطہ سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں وہیں خود بانی نے اسی صحن دارالعلوم میں جہاں ہمارے مہمان عزیز تشریف فرما ہیں طلبہ کو فن سپہ گری کی عملی مشق بھی شروع کرائی اور ساتھ ہی ملت کے جذبۂ خود استقلالی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک محکمۂ قضا بھی قائم فرمایا جس کے قاضی اسی دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بنائے گئے، اسی تربیت گاہ کے احاطوں میں ملک کی آزادی کے جذبات وافکار کے تذکرے بھی ان بانیوں کی زبانوں پر رہتے تھے، آزادی وطن کی پیشین گوئیاں بھی انتہائی آرزو کے ساتھ کی جاتی تھیں، یہیں ان کے مذکور الصدر صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے آج سے تقریباً ۹۰/برس پیشتر پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ہندوستان میں پرامن طریقہ پر انقلاب آئے گا، لوگ سوئیں گے انگریزوں کی حکومت میں اور صبح کریں گے دوسری حکومت میں۔ گویا انقلاب کی گھڑیاں شب کی ساعتیں ہوں گی، عجیب بات ہے کہ انقلاب نے رات ہی کے وقت جنم لیا اور ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ۱۹۴۷ء کے اگست کی پندرہویں شب میں آزاد الہلال کی تحریک، ترک موالات، گاندھی جی کی تحریک عدم تشدد اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادئ ہند کی صورت میں برآمد ہوا اور جو لوگ انگریزی اقتدار میں شب کو سوئے تھے، وہ اُس کے زوال پر صبح کو جاگے۔

اسی لئے یہ تربیت گاہ جہاں علم واخلاق کے مربیوں کا گہوارہ بنی ہیں وہ اس ملک کی سیاسی زندگی میں رضا کارانِ حریت واستقلال کا ایک مضبوط قلعہ بھی ثابت ہوئی، جو درحقیقت بانیوں کے جامع فکر وعمل کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ جہاد آزادی کے سلسلہ میں یہ اسلاف کرام، قوتِ علم واخلاق اور جذبۂ آزادی واستخلاص کا بیک وقت مجموعہ تھے اور بوریہ نشینی کے ساتھ ساتھ زیب میدان بھی ہوئے، تلواریں بھی اٹھائیں، قلم سے بھی کام لیا، اُس پر قید وبند کی سزائیں بھی بھگتیں، جلاوطنی کی مصیبتیں بھی مول لیں اور وہ سب کچھ قبول کیا جو ایک سرفروش کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہجرت فرمائی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے چھ ماہ کی جیل بھگتی، حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتوی قدس سرہٗ وارنٹوں کی کثرت سے ایک عرصہ تک روپوش رہے، اُن کے تلمیذ خاص حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے پانچ برس مالٹا کی نظر بندی میں بسر کئے، شیخ الہند کے تلمیذ خاص حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے برگزیدہ استاذ کی معیت میں پانچ برس اسیر مالٹا رہے، پھر اسی جذبۂ آزادی کے جرم میں دو برس کراچی جیل میں رہے، دو برس مراد آباد جیل میں بسر کئے اور اس کے علاوہ بھی کئی کئی بار اسیریٔ فرنگ سے دوچار ہوتے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے جاں باز تلمیذ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی دام مجدہٗ دو مرتبہ ملتان جیل میں رکھے گئے، پھر کتنے ہی فضلاء دیو بند نے جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر قید و بند کی سزائیں بھگتیں مگر قومی خودداری اور ملکی خود اختیاری کے جذبات کی بے آبروئی گوارہ نہیں کی۔

ان اسلاف واخلاف نے اُس وقت بھی آزادی کے تصورات کو دماغوں سے محو نہیں ہونے دیا، بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد وفاداریوں کے بڑھتے ہوئے جذبات کے ہجوم میں قرآن کریم کی بہت سی گرم جوش آیات کو مصحف سے نکال ڈالنے کے مسوّدے پیش کئے جارہے تھے، البتہ جہاں تک اس تعلیم گاہ کے احاطہ کا تعلق ہے اس میں امور تعلیمیہ کے غلبہ کو ہمیشہ اور ہمہ وقت ضروری سمجھا گیا اور اُس کی سیاسی پالیسی میں بھی اعتدال اور غیر جانبداری قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے اس احاطہ کی قومی خدمات، سیاسی گرہ بندیوں اور پولٹیکل کشمکش سے الگ رہ کر اپنے ہی جادۂ اعتدال پر قائم رہیں اور ملک کی عام سیاسی پارٹیوں اور جماعتوں کو اُس سے ہمدردی قائم رکھنے میں کوئی خاص مانع پیش نہیں آیا۔

جناب والا! دارالعلوم کے اس علمی اور اجتماعی مسلک کو بروئے کار لانے کے لئے اُس کا وسیع نظام بیس شعبوں تعلیم، تبلیغ، افتاء، نشر و اشاعت (رسالہ) کتب خانہ، محاسبی، اوقاف، تعمیرات، تنظیم ابنائے قدیم، مالیات، مطبخ، صفائی، ورزش، صنعت وحرفت، احتساب و دارالاقامہ، خوش خطی، محافظ خانہ، طب، جمعیۃ الطلبہ، بجلی اور مرکزی دفتر ادارۂ اہتمام پر مشتمل ہے، جس میں دو سو سے زائد کا عملہ کام کرتا ہے، ہر سال ہزار ڈیڑھ ہزار طلبہ کا اجتماع ہندو بیرون ہند سے ہوتا ہے، اُن کے لئے چالیس قابل اساتذہ کار تعلیم انجام دیتے ہیں، اس کے مالیہ کا میزانیہ تین ساڑھے تین لاکھ تک ہوتا ہے اور اس کے زیر اثر فروعی مدارس جو اسی کے نقش قدم پر چلتے ہیں ہندو بیرون ہند میں کثیر تعداد میں قائم ہیں جن میں فضلاء دیو بند عموماً علمی اور اصلاحی کام کرتے ہیں، اس کے مستخرج بہت بڑی تعداد میں میدان صحافت، افتاء، تبلیغ اور دوسرے دینی، سیاسی شعبوں میں کام کررہے ہیں، اس علمی سلسلہ میں بھی اس کے امام وقدوہ وہی اکابر ہیں جو اس کے اجتماعی

سلسلہ کے ائمہ ہیں۔ اندازِ فکر ونظر ولی اللہی ہے، انداز استدلال و بیان قاسمی ہے اور انداز سعی وعمل رشیدی ہے۔ اولین سر چشمہ علم واجتماع شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہیں۔ اداری دور میں ادارہ کے اولین امام حضرت قاسمؒ و رشیدؒ ہیں اور ان دونوں بزرگوں کے مذاق اور علم واجتماع کا نقطۂ اجتماع حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ ہیں۔ یہ سارا انظام حسب وصیت بانی عام چندوں اور غرباء ومتوسطین کے عطیات پر چل رہا ہے۔ امراء، جاگیرداروں، نوابوں اور حکمرانوں کی طرف کوئی خاص عنان توجہ منعطف نہیں کی گئی، گویا آج سے ۹۰ ربرس پیشتر بانی کی فراست ایمانی نے رابطۂ عوام کے اصول کو اس ادارہ کی اساس بنادیا تھا، جس کی آج کے دستوری دور میں پوری دنیا نے ضرورت محسوس کر لی ہے۔

جناب والا! ہمیں خوشی ہے کہ آج ہم اس علمی واجتماعی ادارہ میں اُس ذات گرامی کو دیکھ رہے ہیں جن کی خود اپنی علمی، ادبی، سیاسی اور اجتماعی خدمات بھی ایک مجموعی ادارہ کی خدمات سے کم نہیں ہیں اور دنیا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ جناب والا کی ادبی خدمات نے ادبی دنیا میں علمی خدمات نے علم میں اور سیاسی خدمات نے دنیائے سیاست میں نمایاں انقلاب پیدا کیا ہے۔ علمی مقالات نے بیش بہا قیمت، علمی جواہر پاروں کا سفینوں اور سفینوں سے سینوں میں اضافہ کیا ہے اور سیاسی رہنمائی اور خدمات نے انتہائی صبر آزما اور کٹھن منزلوں سے گذر کر ہندوستانی ملت کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ الہلال اور البلاغ کی آواز نے سوتی ہوئی ملت کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا ہے اور اب مرکزی وزارت تعلیم کے منصب جلیل پر فائز ہونے کے بعد ملک و ملت کی جو سنہری خدمات انجام دی ہیں انہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

جناب والا! ذات گرامی کا تعلق اس دارالعلوم سے اور جماعت دارالعلوم کا رابطہ ذات والا سے نیا نہیں بلکہ روایتی ہے۔ ہمیں وہ وقت یاد ہے کہ ۱۹۱۲ء میں جب کہ الہلال کی صدائے آزادئ ملک وملت فضاء ہند میں گونج رہی تھی اور اس کی روح رفتہ رفتہ مردہ اجسام میں سرایت کر رہی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اُس کے پرچوں کو ذوق وشوق سے بھری مجلس میں پڑھواتے اور سنتے اور سنواتے تھے۔ ہم طلبہ اس طرز عمل سے متاثر ہو کر ان پرچوں کو جمع کرتے اور اُن کے رنگ و بو سے فکر وعمل کو معطر کرنے کی سعی کرتے تھے اور اس طرح الہلال مستفیدین کے اندر گھس کر اس کے فاضل مدیر کے ساتھ ایک باطنی اور غیر محسوس رشتہ جوڑ رہا تھا۔ یہ ایک رشتہ تھا جو آج سے چالیس پینتالیس برس پیشتر ہمارے اور ہمارے مقتدر مہمان کے درمیان میں قائم ہوا۔ پھر تحریک خلافت کے اشتراک عمل نے اسے مضبوط کیا اور بالآخر جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اس نے ایک مضبوط، رسمی صورت بھی اختیار کر لی، جس کی بدولت آج تک سے قومی اوراق باہم مربوط ہیں۔

پھر یہ تعلق سیاسی حد تک ہی نہیں رہا، بلکہ ہمیں صمیمانہ اعتراف ہے کہ اُس نے وقتاً فوقتاً مختلف اندازوں سے دارالعلوم کی اعانتوں اور خدمتوں کی صورت بھی اختیار کی ہے۔صوبۂ یوپی کے علمی نصاب کی تدوین وترتیب کے سلسلہ میں جناب والا نے ذمہ داران دارالعلوم کو شرکت اور خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ ریاست حیدرآباد دکن کی امداد کی بقاء کے سلسلہ میں دارالعلوم کی پوری اعانت و ہمدردی فرمائی۔ پاکستان کی طرف سے آنے والے طلبہ کے لئے پرمٹ کی سہولت دیئے جانے کے بارے میں دارالعلوم کی تحریک کو کامیاب بنایا وغیرہ۔ ان قدیم وجدید تعلقات کی بناء پر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے مقتدر مہمان اپنوں میں آئے ہیں اور اپنے گھر آئے ہیں۔ بیا بیا وفرود کہ خانہ خانۂ تست۔

اور اسی بنا پر ہم یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مستقبل میں جناب والا دارالعلوم کو اپنا اور خالص اپنا سمجھیں اور اسی اتحاد بینی کے سلسلہ میں ذات گرامی کی آمد و رفت ضابطوں سے بھی بے نیاز ہوجائے، ان ہی مراسم اخلاص کے ماتحت ہم امید کرتے ہیں کہ ماضی کی ان اخلاقی اعانتوں کی طرح جناب والا مستقبل میں بھی اس مرکز کی بقاء وترقی سے مخصوص دلچسپی لیتے رہیں گے۔ آج متعدد مدرسین دارالعلوم پاکستان میں رُکے ہوئے ہیں جن کی افادیت محدود ہوکر رہ گئی ہے، ان کے آنے اور سال بہ سال تعطیلات میں وطن جانے کا مسئلہ گورنمنٹ کی اخلاقی اعانت کا محتاج ہے۔ دارالعلوم کو حکومت کی تسلیم کردہ یونیورسٹی بنانے اور حیثیات ومعاملات میں اُس کے ساتھ مسلمہ یونیورسٹیوں جیسا برتاؤ کرنے کا مسئلہ اٹھا ہوا ہے۔ دارالعلوم کی سند فراغ کو بی اے، ایم اے کی ڈگریوں کے برابر سمجھے جانے، منظور کرنے اور متعلقہ حقوق عطا کئے جانے کا مسئلہ بھی حکومت میں پیش شدہ ہے۔ دارالعلوم کے شعبہ طب کو خصوصیت سے منظور کئے جانے اور اُس سے فارغ شدہ مستند اطباء کو سرکاری طور پر مجاز مطب کئے جانے کا مسئلہ بھی اٹھا ہوا ہے اور چل رہا ہے۔ دارالعلوم میں ایک خیراتی اسپتال کھولے جانے، مفت علاج کئے جانے کے بارے میں گورنمنٹ کی موجودہ اعانتوں کا مطالبہ کا غذات میں آیا ہوا ہے۔ اگر یہ تمام مسائل حل ہوجائیں تو دارالعلوم کی افادیت میں ایک بیش قیمت اضافہ ہوجائے گا یہ اور اسی قسم کے اور مسائل جو آئندہ پیش آئیں جہاں گورنمنٹ کی اخلاقی اعانت کے محتاج ہیں وہیں بحیثیت ایک تعلیم گاہ کے مسائل ہونے کے جناب والا کی منصبی توجہات کے خصوصیت سے محتاج ہیں۔

دارالعلوم کی امتیازی خصوصیات عرض کرنے اور ذات والا کی امتیازی خدمات کے اعتراف کرنے کے بعد اب میں جناب والا کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا اور اس عرض داشت کو جو بطور سپاس نامہ پیش کی

جارہی ہے مکرر شکریہ قدوم اوراس اعتراف پرختم کرتا ہوں کہ ہم غرباء ذات گرامی کے شایانِ شان نہ حق میزبانی ادا کرسکے ہیں اور نہ احترامات کے وظائف واجبہ ہی پورے کرسکتے ہیں۔اس سلسلہ میں ہمارا سب سے بڑا وظیفہ یہ دعاء ہے کہ حق تعالیٰ ذات گرامی کو بایں عز و وقار قائم رکھ کرقوم کے لئے بھرپور نافع اور مفتاح خیر بنائے اور ذات والا کا حسن تدبر وقت کی گتھیوں کوسلجھانے اور ملک کی عام بے چینیوں کورفع کرنے میں مؤثر ثابت ہو۔

ایں دعاازمن واز جملہ جہاں آمین باد!

میں آپ کا مخلص

محمد طیب غفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۹؍ربیع الاول ۱۳۷۰ھ، یوم دوشنبہ

ڈاکٹر راجندر پرساد

سپاس نامہ منجانب دارالعلوم دیوبند

بہ عالی خدمت گرامی مرتبت والاشان عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب

صدر جمہوریہ ہند بالقابہ العالیہ

جناب والا! دارالعلوم دیوبند میں قدم رنجہ فرمائی کا یہ نیک دن جماعت دارالعلوم کی سرزمین تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے، مسرت وانبساط کے ان لمحات میں پوری ''جماعت دارالعلوم دیوبند'' کی جانب سے میں ایک خوشگوارترین فریضہ ادا کرتے ہوئے جناب والا کو خوش آمدید کہہ رہا ہوں۔ ''اے آمدنت باعثِ خوش وقتی ما''

جناب والا! ہم حیران ہیں کہ صدر وطن کی شاندار اور باوقار منصبی خصوصیات کے خیر مقدم کے لئے کن وسیع اور وقیع الفاظ میں سپاس گذار ہوں، لیکن یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے مقتدر اور محترم مہمان صرف حکومت ہند کی منصبی عظمتوں ہی کے حامل نہیں بلکہ قوم وملت کے ایک دردمند لیڈر اور بااخلاص ممتاز قومی کارکن بھی ہیں جن کی زندگی ملک وقوم کے لئے ایثار، قربانی اور جفاکشی کی زندہ تاریخ اور سبق آموز مثال ہے۔

جنابِ محترم! آپ کی سادگی، بے تکلفی اور رسمی تکلفات سے بے نیازی کی شاندار ماضی ہمیں حوصلہ دلا رہی ہے کہ ہم رسمی طرز تشکر کو ترک کر کے حقیقی اخلاص ومحبت کے ساتھ اپنے جلیل القدر مہمان کا بے تکلف استقبال کریں، اس لئے ہم نہایت خلوص کے ساتھ جناب والا کی خدمت میں اپنی نیک آرزوؤں اور جذبات مسرت وانبساط کا ہدیہ اخلاص پیش کررہے ہیں۔

گر قبول افتدز ہے عز وشرف

قصبہ دیوبند

جناب والا! دیوبند کی مختصر سی بستی بہت ہی قدیم ہے، دوہزار سال سے بھی پہلے تک اس کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، یہاں برادرانِ وطن کی ایک قدیم تیرتھ گاہ ''سندری دیوی'' کا مندر بھی ہے جس پر ہر سال چیت

کے مہینہ میں ایک شاندار میلہ لگتا ہے، آج اس بستی کی سب سے بڑی خصوصیت جس نے اسے عالمگیر شہرت وعظمت دے رکھی ہے یہ ''دارالعلوم دیوبند'' ہے جس میں اس وقت آپ جیسی ہندوستان کی ایک عظیم وجلیل ہستی تشریف فرما ہیں۔

دارالعلوم اور جذبۂ آزادی

جناب والا! جس ادارہ میں اس وقت جنابِ محترم رونق افروز ہیں اس کا قیام آج سے نوّے برس قبل ۱۸۶۸ء/۱۲۸۳ھ میں ایک چھوٹی سی درسگاہ کی صورت میں عمل میں آیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرنگی اقتدار کو زیروزبر کرنے کی خونیں جدوجہد میں بزرگانِ دارالعلوم کی پیش روی آزادیٔ ملت اور استخلاص وطن کی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ شاملی ضلع مظفرنگر میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ اکابر دارالعلوم ہی کے زیرسرکردگی لڑی گئی۔ اگرچہ یہ خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا لیکن حریت واستقلال وطن کے اس جذبۂ بے پناہ کو دلوں میں زندہ وتابندہ رکھنے کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے بزرگوں اور اپنے ساتھیوں کے تعاون سے یہ عظیم مرکز ۱۸۶۶ء میں قائم کیا جس نے اپنی ۹۱ ویں سالگرہ کی شاندار علمی واخلاقی ماضی میں حریت ملّی اور وطن دوستی کے مقدس جذبہ کو تاریخ کے ہر موڑ پر جان کی بازی لگا کر باقی رکھا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی تو اس مرکز کے بزرگوں نے اس کی حمایت و تائید میں فتویٰ صادر کیا، پھر ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب آزادی کی مشترک جدوجہد شروع ہوئی تو دارالعلوم کی جماعت بھی اسی اشتراک اور تعاون کے راستہ، آزادی اور استخلاص وطن کی جدوجہد میں مصروف ہوگئی اور دارالعلوم کے سربرآوردہ بزرگ جواب تک جہاد آزادی کے دوسرے راستوں پر چل کر قید و بند اور جلاوطنی کی مصیبتیں اٹھارہے تھے بیک طرف انہوں نے علماء ہند کے اشتراک وتعاون سے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی اور دوسری جانب کانگریس کے قومی پلیٹ فارم پر پہنچ کر جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی وہ تعبیر ہے جس کا خواب بانیانِ دارالعلوم بہت پہلے دیکھ چکے تھے اور جس کے لئے قربانیوں کا سلسلہ اس سے بھی پہلے سے جاری تھا۔

جناب والا! جنگ آزادی کی تاریخ سے واقف کوئی شخص اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ اس طویل اور صبرآزما جدوجہد میں علمائے دارالعلوم کا ایک خاص امتیازی مقام ہے ''دارورسن'' پر جاں سپاری، قید و بند کی بے کسی اور جلاوطنی کی المناک صعوبتوں کو محض استخلاص ملک وملت کے لئے اس جماعت نے لبیک کہا ہے۔ حافظ محمد ضامن صاحب مرحوم کی شہادت، حضرت حاجی امداد اللہؒ کی ہجرت، حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ کی قید و بند، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری اور برداشت مصائب، مولانا منصور انصاریؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی جلاوطنی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مالٹا میں نظر بندی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی اسارت مالٹا کراچی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم سابق صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا احمد سعیدؒ کی اسارت ملتان، مولانا حفظ الرحمٰن ناظمِ اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کی طویل اسارت اور اس دور کے سینکڑوں سے متجاوز فضلاء دارالعلوم دیوبند کی قید و بند گونا گوں مصائب اور قربانیوں کے عظیم واقعات کو تاریخ نظر انداز نہیں کرسکتی جو دارالعلوم کے بانیوں اور اس کے اساتذہ ہی کی تعلیم و تربیت کے روشن نشانات ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مقاصد اور اس کی خصوصیات

جناب والا! آپ ایک فاضل تاریخ داں اور سیاسی مفکر کی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی تمام ناکامیوں اور ہولناک مصیبتوں کے بعد بھی محبان وطن اور فدایانِ ملک و ملّت کے حوصلے پست نہیں ہوئے، ان ناامیدیوں میں بھی امید کی کرن سامنے تھی اور کشت زار غور و فکر میں ایک تعمیری شعور جنم لے رہا تھا۔ دارالعلوم کے بانی ان ہی باہمت بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے چٹان بن کر اس طوفان کا مقابلہ کیا اور جیسے ہی یہ سیلاب پایاب ہوا انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر طے کیا کہ ملک کی ناکامیوں کا رخ بدلنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک روح کی حفاظت، دوسرے تعمیری رجحان، اس لئے کہ جو قوم روحانیت پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی روح بیدار رکھ سکتی ہے وہ خدا کی مدد سے اپنے حالات میں ایک تعمیری انقلاب لاسکتی ہے۔ یہ دارالعلوم اسی تعمیری انقلاب کا نمونہ ہے۔ اس عظیم ادارے کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے وہ مختصر سے مختصر الفاظ میں یہ ہیں:

(۱) ایک قوم کے لئے سب سے پہلی چیز خدا پر بھروسہ (توکل علی اللہ) ہے، ہر بڑے نصب العین کے لئے یہی ایک بڑا سرمایہ ہے۔ دارالعلوم کا پہلا بجٹ نوے سال پہلے چار سو روپئے پر مشتمل تھا، آج ساڑھے پانچ لاکھ ہے، یہ سب اسی توکل علی اللہ کا نتیجہ ہے۔

(۲) تعلیم اور تعمیر جیسے نصب العین کے لئے اجتماعی جدوجہد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، عوام کی مشترک محنت سے جو کام کیا جائے گا اس میں خیر و برکت بھی ہوگی اور قبول عام بھی حاصل ہوگا، یہ دارالعلوم اجتماعی جدوجہد کا پہلا نمونہ ہے۔

(۳) تعلیم انگریزی ہو یا عربی، دنیاوی ہو یا دینی، مادری زبان میں دی جائے، دارالعلوم نے اس

اصول کو نوّے سال پہلے تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا اور کامیاب ہوا اور نہ صرف یہ کہ اس تجربے کی بدولت اردو بولنے والے طلباء کی بہت سی مشکلیں آسان ہوگئیں بلکہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اردو براعظم ایشیا اور افریقہ وغیرہ کے ان تمام ممالک میں پہنچ گئی جو اس دارالعلوم سے علمی اور روحانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تیسرے سال کی بات ہے جب ہمارے ملک کے وزیراعظم پنڈت نہرو روس کا دورہ کرتے ہوئے تاشقند پہنچے تو وہاں اُن کو سپاس نامہ اردو میں پیش کیا گیا اور اردو میں ہی پنڈت جی نے اس کا جواب دیا، یہ سپاس نامہ پیش کرنے والے اسی دارالعلوم کے فاضل ایک تاجیک عالم تھے، غالبًا اسی سال چینی حجاج کا وفد ہندوستان آیا، اس کا خیر مقدم مسلمانوں سے زیادہ آپ کی وسیع المشرب حکومت نے کیا، ہندوستانیوں کے سامنے ہندوستانی زبان میں ان کا تعارف کرانے والے اسی وفد کے ایک رکن مولانا حامد احمد چینی تھے جو بیس سال پہلے اسی دارالعلوم میں تعلیم پارہے تھے۔

(۴) تعلیم کو آزاد ہونا چاہئے، یہ ہے وہ اصول جس کی بنا پر دارالعلوم ایک آزاد تعلیمی ادارے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، یہ ادارہ دارالعلوم اس وقت بھی آزاد تھا جب ملک غلام تھا، ملک کی آزادی کے لئے اس دارالعلوم کی تاریخی خدمات اسی عظیم اصول کا نتیجہ ہیں، جس پر دنیا کے تعلیمی ماہرین آج پہنچ رہے ہیں۔

(۵) استاذ کو شاگرد سے بہت قریب اور اس کے دکھ درد کا شریک رہنا چاہئے، تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی رہے اور طلباء کی شخصیت اس سانچے میں ڈھل سکے جو اس تعلیم کا مقصد ہو، یہ ہے دارالعلوم کا وہ پرانا اصول جس کی برتری، بہتری اور کامیابی کے اعتراف پر آج کے ماہرین تعلیم جدید مجبور ہو رہے ہیں۔

(۵) تعلیم بے قیمت اور فری ہونی چاہئے، غالبًا یہ دارالعلوم دنیا کی واحد درسگاہ ہے جو ایک سو نوے سال سے تمام طلباء کو فری تعلیم دے رہا ہے اور ان کے جملہ اخراجات حتی کہ کورس کی کتابوں کا خرچہ بھی برداشت کر رہا ہے۔

(۷) سادگی، صفائی، جفاکشی اور محنت پسندی یہ وہ اصول ہیں جو اس دارالعلوم کے بزرگوں کے خاص شعار ہیں، یہاں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب نہیں بلکہ ایک تہذیبی خوبی ہے، اسی اصول کی برکت سے کم سے کم اخراجات کے نتیجے میں بہتر سے بہتر علماء قومی اور ملی خدمت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے چکے اور دے رہے ہیں۔

(۸) علم خود ایک مقصد ہے، اس کو اگر واسطہ بنایا جاسکتا ہے تو صرف تکمیل روح اور تعمیر انسانیت کا، کسی مادی مقصد کے لئے اس کو واسطہ بنانا علم کی توہین ہے، یہ دارالعلوم کا وہ مقدس اصول ہے جس کی بنا پر

اس نے کبھی پسند نہیں کیا کہ اس کی سند سرکاری ملازمتوں کا ذریعہ بنائی جائے۔

(۹) علم ایک دریا ہے جس کی فطرت بخل کو برداشت نہیں کرسکتی، دارالعلوم کا یہی مسلک ہے جس کی بنا پر نہ صرف مسلمان بلکہ علم دوست برادرانِ وطن کی ہمدردیاں بھی اس ادارے کے ساتھ وابستہ رہی ہیں، انتہا یہ ہے کہ جب تک فارسی نے اپنی پرانی دلچسپی اور مقبولیت ختم نہیں کی تھی تو مسلمان بچوں کے ساتھ ہندو بچے بھی اس کے درجات فارسی سے فیضیاب ہوتے تھے۔

جناب والا! دارالعلوم کے یہی مقاصد ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام مادّی ذرائع اور وسائل کے فقدان کے باوجود ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے قدم بڑھاتا رہا، یہاں تک کہ صرف ایک استاذ اور ایک شاگرد سے وجود پذیر ہونے والا مکتب آج یہ عظیم الشان جامعہ ہے جس میں ہندو پاکستان کے علاوہ ایران، افغانستان، تبت، چینی ترکستان، روسی ترکستان، کنکیانگ، برما، انڈونیشیا، سیلون اور افریقہ وغیرہ کے طلبا بھی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور دارالعلوم ان طلبا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ایک بین الاقوامی بستی بنا ہوا ہے۔ **فللّٰہ الحمد**

تعداد طلبہ اور مختلف شعبہ جات

جناب والا! دارالعلوم اپنے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آج ڈیڑھ ہزار طلبہ، چالیس سے زائد اساتذہ اور ڈیڑھ سو سے زائد اسٹاف پر مشتمل ہے، اس کا نظم اٹھارہ انتظامی شعبوں، تعلیم، افتاء، نشر و اشاعت، صنعت و حرفت، طب، کتابت، محافظ خانہ، دارالاقامہ، تنظیم، اوقاف، کتب خانہ، تعمیرات، مطبخ، صفائی روشنی، محاسبی اور مرکزی ادارہ، ادارۂ اہتمام پر مشتمل ہے۔ دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ساڑھے پانچ لاکھ روپئے ہے جو عام قومی چندوں سے پورا ہوتا ہے، طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی اور تمام طلبہ کو بلاتخصیص کتابیں اور دارالاقامہ میں رہنے کی جگہ اور طبی امداد مفت مہیا کی جاتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور آزاد جمہوریہ ہند

جناب والا! انقلاب ۴۷ء کے بعد سے لے کر آج تک حکومتِ ہند نے ہمیشہ دارالعلوم کے معاملات سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور گورنمنٹ کا اخلاقی تعاون ہمیشہ دارالعلوم کو حاصل رہا ہے، ہمیں توقع ہے کہ حکومت ہند اور اس قومی ادارے کے درمیان جس نے حکومت کی تاسیس میں اہم پارٹ ادا کیا ہے یہ خوش اعتمادی اور معاونت باہمی ترقی پذیر رہے گی۔

چند مسائل

جناب والا! جب دارالعلوم دیوبند جمہوریۂ ہند کا ایک جز ہے تو قدرتی طور پر ایسے مسائل سے بھی واسطہ پڑتا رہے گا جو حکومت کے تعاون کے بغیر حل نہیں ہو سکتے، آج بھی اس قسم کے چند امور پیش ہیں، مثلاً پاکستان سے دارالعلوم میں بغرض تعلیم آنے والے طلبہ کی آمد ورفت اور قیام میں خاص سہولت کا مسئلہ وہاں سے طلبہ اساتذہ کا بہ سلسلہ درس وتدریس جہاں قیام پاکستان برما وغیرہ ممالک سے حاصل شدہ امدادوں کی ہندوستان میں منتقلی، دارالعلوم کے دائرۂ طب کے فضلاء کا سرکاری طور پر مجاز مطب قرار دیا جانا، دارالعلوم کے فاضلوں کا علوم مشرقیہ کی ریسرچ اور علمی تجربات کے لئے بیرون ہند جانے آنے اور سفر کی سہولتیں بہم پہنچانے کا مرحلہ، دارالعلوم میں ہسپتال اور ایک عظیم لائبریری کی تعمیر کا منصوبہ، حفظانِ صحت اور صفائی کے سلسلہ میں پانی کے بہاؤ کا مناسب راستہ وغیرہ وغیرہ، یہ مسائل ہیں کہ جناب والا کی ترقی پذیر حکومت کی تعمیر پسند پالیسی کے تحت بآسانی حل ہو سکتے ہیں اور ہم پرامید ہیں کہ جس طرح اب تک سہولتیں، ہمدردیاں اور اخلاقی امدادیں حاصل ہوتی رہی ہیں ہم آئندہ بھی ان سہولتوں اور اخلاقی امدادوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے رہیں گے۔

جناب والا! ہم تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مزید شکرگذار ہیں کہ جناب نے وقت کی فیاضی فرما کر ہمیں سپاس گذار ہونے کا موقع دیا، اب اس سے زیادہ وقت لینا جرأتِ بے باکانہ ہے۔ مزید شکریہ ادا کرتے ہوئے اس حقیقت کے اظہار کی اجازت چاہتا ہوں کہ جناب والا کی یہ قدم رنجہ فرمائی دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک نقش ہے جس پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

سپاس گذار

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

از جانب ارکانِ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۳؍جولائی ۱۹۵۷ء

............❖............

سپاس نامہ

پروفیسر ہمایوں کبیر

بخدمت عالی قدر محترم مسٹر ہمایوں کبیر صاحب

وزیر ثقافتی امور و سائنسی تحقیقات ہند یونین

عالی قدر محترم! ہماری آرزوؤں میں بہترین آرزو یہ تھی کہ برعظیم ایشیا کے اس تاریخی اور تعلیمی مرکز میں جناب والا تشریف لائیں اور ان کاموں اور کارناموں کو دیکھیں جو اس سائنسی دنیا کی ہنگامہ خیز جدوجہد سے الگ تھلگ خالص علمی اور روحانی ماحول میں انجام پارہی ہیں۔

ہم خوشی سے بھرپور قلوب کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے بزرگ اساتذہ، کارکن، طلبہ وارکانِ شوریٰ کے لئے آپ کی تشریف آوری تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ تاریخ، انسانی تہذیب، ہندوستانی کلچر، سائنس اور پولیٹیکل سائنس کے ایک زبردست محقق اور عالم ہیں، آپ نے اپنی تقریروں میں مسلمانانِ ہند کے تاریخی اور تہذیبی رشتوں، ہندستان کے عالمی تعلقات اور عرب و ہند کے رابطوں کے اُستوار کرنے میں جس علم و تحقیق سے کام لیا ہے اس سے ہندوستان کی تہذیبی وراثت میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ آپ ہندوستان کی تعمیر وترقی کے ایک ممتاز رہنما اور امام الہند مولانا آزاد کے قریبی رفیق کار رہے ہیں۔ مولانا مرحوم ایک عظیم، ملّی رہنما، بلند نظر عالم اور جدید ہندستان کے اولین معماروں میں سے تھے، اس دارالعلوم سے ان کا رابطہ بے حد مخلصانہ، بے حد گہرا اور گراں قدر تھا، اس قریبی رشتے کی بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ اپنے ادارے میں اپنوں کے مہمان ہیں اور اپنی ہی علمی برادری میں تشریف فرما ہیں۔

جناب والا! دارالعلوم دیوبند ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کی یادگار ہے، یہ دارالعلوم آج سے سو سال پہلے اسلامی اور عربی علوم کی ترقی کے لئے قائم کیا گیا تھا، اس کے بانی اعظم شمس العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفیق کار قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے، ان اکابر کے جانشین

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اسلام کی سر بلندی، وطن عزیز کی آزادی اور قومی یکجہتی کے اولین داعی تھے۔ یہ بزرگ جہاں علم وفضل کا بلند نشان، دینی تعلیم وتربیت کا روشن مینار اور حقیقی معنی میں خدا پرستی کا مخزن تھے وہیں سچے محبّ وطن اور انسانی معاشرے کے زبردست خیر خواہ بھی تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ انسانیت پر ان کے گراں قدر احسانات ہیں۔

جناب والا! یہ دارالعلوم جس کے احاطہ میں اس وقت جناب والا رونق افروز ہیں آج ان ہی اکابر کی یادگار اور ان ہی کے نقشِ قدم پر گامزن ہے، اس کے سامنے قدیم روحانی ورثہ ہے اور اسے نئے دور کے تقاضوں کا احساس ہے۔ ۱۸۵۷ء کا انقلاب صرف ہندوستان کا سیاسی انقلاب نہ تھا بلکہ اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا بھی انقلاب تھا۔ برطانوی تعلیمی پالیسی کے تحت قدیم اسلامی مدارس روبزوال تھے، قدیم تہذیب موت کے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی اور قدیم علوم کی حامل بہت سی شخصیتیں فنا کے گھاٹ اتاردی گئی تھیں، یا جلا وطن ہو چکی تھیں، اندریں حالات ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون اور تہذیب و ثقافت کے بقاء کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ایک ایسی درسگاہ قائم کی جائے جو اپنی مخصوص تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اسلامی روح کو بھی مضمحل نہ ہونے دے اور وقت کے لحاظ سے گرتی ہوئی قوم کو بھی سنبھالے، قوم کے نبض شناسوں نے انہی مقاصد کے لئے اس درسگاہ کی بنیاد رکھی، حکومت سے امداد لینے کے بجائے محض خدا پر بھروسہ اور عوام کے چندوں پر اس ادارے کو قائم کیا، جس میں تعلیم مفت اور آزاد رکھی گئی، طلبہ سے فیس لینے کے بجائے ان کے لئے ماہانہ وظائف جاری کئے گئے تاکہ اس تعلیم سے غریب و امیر سب یکساں طور پر منتفع ہوں اور کسی بھی غریب و نادار کے لئے تعلیم کا دروازہ بند نہ رہے، یہ تجزیہ نہایت کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوا اور آگے چل کر بہت سے اداروں کے لئے مشعلِ راہ بنا۔ اس تعلیمی لائن سے دارالعلوم نے سیاسی غلامی کی فضا میں ذہنی آزادی کو اپنے طلبہ اور متوسلوں میں برقرار رکھا۔

جناب محترم! دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ہندو بیرون ہند کے تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ دینی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، چالیس سے اوپر اساتذہ ان کی تعلیم پر مامور ہیں اور پونے دوسو کے قریب افراد کا عملہ دفتری خدمات انجام دے رہا ہے۔

دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ساٹھ لاکھ روپے کے قریب ہے جو حیرت ناک طریقہ پر عوامی چندوں سے پورا ہوتا ہے اور قوم کے نونہالوں پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ قوم کا وہ طبقہ جس پر تعلیمی اخراجات کی گراں باری

نے علم کے دروازے بند کردیئے تھے، اس درسگاہ کی آغوش میں ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ہمیشہ کھلی رہی ہے، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند ہی وہ تعلیمی درسگاہ ہے جس نے موجودہ دور کے نعرے ''فری ایجوکیشن'' کو ملک میں سب سے پہلے عملی جامہ پہنا کر آج سے سو سال قبل مثال قائم کردی تھی۔

دارالعلوم دیوبند اور جذبۂ آزادی

جناب والا! دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں نے تعلیم و تربیت اور علم و فضل کے نمایاں اور غیر معمولی کارناموں کے ساتھ ملک اور قوم کی آزادی کے جذبہ کو تاریخ کے ہر موڑ پر اپنی جان کی بازی لگا کر باقی رکھا ہے جس کے لئے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں، اس سلسلہ میں قومی یکجہتی اور علیحدگی پسندی سے دوری کے جو جذبات اس کے ۱۹۴۷ء سے قبل تھے وہی آج تک بھی ہیں، اس نے عمل صالح اور صحیح رہنمائی سے کسی وقت بھی قدم پیچھے نہیں ہٹایا، دین و علم کے ساتھ ساتھ اس ملک کے ساتھ ہمیشہ حب الوطنی کا رشتہ قائم رکھا ہے جو آج تک قائم ہے، اس کا جذبہ یہ ہے کہ اس کے فضلاء جہاں قدم قدم پر اپنی آخرت کو یاد رکھیں وہیں اس ملک کے لئے ایک سچے خداترس اور روشن ضمیر شہری بھی ثابت ہوں اور ہم یقین کی قوت سے کہہ سکتے ہیں کہ بانی دارالعلوم سے لے کر شیخ الہند تک اور شیخ الہندؒ سے لے کر ان کے شاگردوں اور شاگردانِ شاگرد تک ان ہی دو باتوں کو اپنے دلوں کا جوہر بنائے ہوئے ہیں جو اُن بانیوں کے کاز کی مضبوطی اور نصب العین کے استحکام کی روشن دلیل ہے۔

ہم آخر میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اس یقین کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دارالعلوم پچھلے سو سال کی طرح آنے والے سو سال میں بھی اسلامی علوم کی سربلندی، وطن عزیز کی تعمیر و ترقی، قومی یکجہتی اور انسانیت کی عام بہتری اور خیر خواہی کے لئے سرگرمی سے کام کرتا رہے گا، اوّل و آخر ہمارا سرمایہ اللہ کا نام ہے اور ہم آئندہ کامیابیوں کے لئے بھی اسی نام سے برکت حاصل کرتے رہیں گے۔ (۱۱۵)

ہم ہیں آپ کے مخلص
محمد طیب مہتمم
وارکان مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

............❖............

حیات طیب......ایک مختصر خاکہ

۞...... ۱۳۱۵ھ جمادی الثانی، پیدائش، (تاریخ نام مظفرالدین اور اصلی نام محمد طیب رکھا گیا)

۞......۱۳۲۲ھ رسم بسم اللہ (اس مجلس میں تمام اکابر علماء جمع تھے خصوصاً مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (والد محترم شیخ الہندؒ)، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (والد حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ) مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ اور دیگر اساتذہ دارالعلوم دیوبند)

۞...... ۱۳۲۶ھ شعبان: حفظ قرآن بالتجوید (مولانا قاری عبدالواحد خاں الہ آبادیؒ آپ کے استاذ تھے)

۞...... ۱۳۲۷ھ درجہ فارسی میں داخلہ (فارسی کی تمام کتابیں مولانا یٰسین صاحبؒ (والد ماجد مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ سے پڑھیں)۔

۞...... ۱۳۲۹ھ تکمیل نصاب فارسی (اس کے ساتھ ریاضی، حساب، جیومیٹری وغیرہ بھی پڑھ لیں)۔

۞...... ۱۳۳۰ھ درجہ عربی میں داخلہ (کتب عربی میں مندرجہ ذیل اساتذہ کرام سے استفادہ کیا)۔

۞...... صغری، کبری مکمل مرقات ابتدائی حصہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بقیہ مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، ملاحسن شرح سلم العلوم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حمداللہ قاضی مبارکؒ، حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کافیہ حضرت شیخ الہندؒ، بقیہ کافیہ، شرح جامی حضرت مولانا نبیہ الدین صاحبؒ، شرح وقایہ: حضرت مولانا گل محمد صاحبؒ، ہدایہ اولین، شرح عقائد نسفی، عروض المفتاح، میبذی: حضرت مولانا غلام رسول خان صاحبؒ، ہدایہ آخرین: حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندیؒ، مسلم شریف و مشکوۃ شریف: حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، سنن ابی داؤد: حضرت مولانا میاں محمد اصغر صاحبؒ، نسائی شریف: حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحبؒ، ابن ماجہ: حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ، بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ، طحاوی، جلالین، موطا امام مالک، موطا امام محمد: حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، فن سپہ گری: جناب امیر شاہ خان صاحبؒ (حضرت نانوتویؒ کے متوسلین میں سے تھے) خوشنویسی، جلد بندی: منشی محبوب علی صاحب میرٹھیؒ (محبوب رقم) محمد علی میرٹھیؒ (بالترتیب) خصوصی اجازت حدیث: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا عبداللہ انبھٹویؒ نے عطا فرمائی۔

۞...... ۱۳۳۷ھ تکمیل درس نظامی (سات سال میں ہوئی)

۞...... ۱۳۳۹ھ بیعت حضرت شیخ الہند (م ۱۳۳۹ھ) یہ تعلق صرف چھ ماہ تک رہا۔

۞...... ۱۳۳۴ھ نکاح (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے پڑھایا)

۞...... ۱۳۳۹ھ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ سے رجوع (آپ نے باضابطہ بیعت تو نہیں فرمایا مگر تعلیم دیتے رہے)

۞...... ۱۳۴۵ھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری اور بیعت

۞...... ۱۳۵۰ھ خرقہ خلافت از حضرت تھانویؒ۔

۞...... ۱۳۳۷ھ ابتدائے تدریس (جو ۱۳۴۳ھ تک جاری)

۞...... ۱۳۴۳ھ قائم مقام مہتمم (کی حیثیت سے ۵ سال مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے ساتھ کام کیا)

۞...... ۱۳۴۸ھ اہتمام دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد کردی گئیں۔

۞...... ۱۳۴۹ھ اہتمام میں سب سے پہلا کام تعمیر مسجد بالائی منزل وتوسیع صحن مسجد بجانب مشرق۔

۞...... ۵۱،۱۳۵۰ھ دورۂ تفسیر کا اجراء اور تفسیر بیضاوی مکمل اور تفسیر ابن کثیر کی نصاب میں شمولیت، شعبہ تجوید کا قیام۔

۞...... ۱۳۵۲ھ نودرے پر ایک عظیم الشان ہال (دارالحدیث فوقانی) کی تعمیر کا آغاز، قواعد داخلہ کی اصلاح وغیرہ۔

۞...... ۱۳۵۳ھ پہلا حج، واپسی پر مدرسین دارالعلوم کے لیے پینشن کا اجراء۔

۞...... ۱۳۵۴ھ زمانہ اہتمام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (بوجہ سفر حج حضرت مہتمم صاحبؒ)

۞...... ۱۳۵۵ھ دارالعلوم میں تین شعبوں کی منظوری (۱) شعبہ تنظیم وترقی (۲) شعبہ محافظ خانہ (۳) شعبہ ورزش۔

۞...... ۱۳۵۵ھ آمد وفد علماء جامعۃ الازہر از مصر۔

۱۳۵۶ھ تعمیر جدید عمارات (۱) یادگار سعدی (برائے درجہ فارسی) (۲) محافظ خانہ کی دومنزلہ عمارت (۳) دارالاقامہ (دارجدید) کی تعمیر ۵۲ کمروں پر مشتمل۔

۞...... ۱۳۵۷ھ حضرت مدنی کا سفر حج اور وہاں سے سلطان ابن سعود کا دارالعلوم کے لیے ہدیہ کتب۔

۞...... ۱۳۵۷ھ سفر افغانستان (حکومت افغانستان کی طرف سے دارالعلوم کو عطیہ)

۞...... ۱۳۵۸ھ دارالحدیث کی بالائی منزل پر تیس تیس مربع فٹ ہال کی درسگاہ ''دارالتفسیر'' کی تعمیر۔

۞...... ۱۳۵۹ھ ''باب الظاہر'' کی تعمیر (یہ تین منزلہ عمارت متعدد کمروں اور بڑی بڑی درسگاہوں پر مشتمل)

۞...... ۱۳۵۹ھ دورہ ریاست قلات برائے تدوین تعلیمی اسکیم۔

۞...... ۱۳۵۹ھ معائنہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (جہاں اسلام اور سائنس کے موضوع پر عالمانہ اور فلسفیانہ تقریر فرمائی)

۞...... ۱۳۶۰ھ دورہ مدراس اور کلکتہ، تکمیل دار الاقامہ (جس کی نچلی منزل ۱۰۹ کمروں پر مشتمل ہے)

۞...... ۱۳۶۰ھ ماہنامہ رسالہ ''دار العلوم'' کا اجراء (جس کی ادارت کے فرائض مولانا سید ازہر شاہ قیصر کو سونپے گئے)

۞...... ۱۳۶۱ھ حضرت مدنیؒ کی گرفتاری پر ایک احتجاجی جلسہ کی صدارت اور آپ کا صدارتی خطاب

۞...... ۱۳۶۲ھ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں دار العلوم کے ارباب حل وعقد میں شدید اختلاف۔

۞...... ۱۳۶۲ھ قیام پاکستان اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی شفیع صاحبؒ کا پاکستان منتقل ہو جانا۔

۞...... ۱۳۶۳ھ حضرت مدنیؒ کی رہائی پر دار العلوم میں عظیم الشان جلسہ کا انعقاد۔

۞...... ۱۳۶۴ھ دار العلوم میں شعبہ خوشخطی کا اجراء۔

۞...... ۱۳۶۵ھ دار الصنائع (شعبہ صنعت وحرفت کا قیام)

۞...... ۱۳۶۶ھ دار العلوم کی طرف سے بہار اور گڑھ مکتیشر کے فساد زدہ مسلمانوں کی امداد واعانت۔

۞...... ۱۳۶۶ھ پرائیویڈنٹ فنڈ کا اجراء۔

۞...... ۱۳۶۷ھ دار الافتاء کی جدید عمارت کی تعمیر اور دار الافتاء کی جدید عمارت میں منتقلی۔

۞...... ۱۳۶۸ھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے لیے علماء دیوبند کا انتخاب اور حضرت حکیم الاسلامؒ کا اس کی رکنیت کے لیے منتخب ہونا۔

۞...... ۱۳۶۹ھ حضرت مہتمم صاحبؒ کی درخواست پر پاکستانی طلبہ کے دار العلوم دیوبند میں داخلہ پر پابندی ہٹا دینا۔

۞...... ۱۳۶۸ھ آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے حکومت ہند کا بیرون ہند دار العلوم کا تعارف کرانا۔

۞...... ۱۳۶۹ھ سفیر افغانستان سردار نجیب اللہ خاں کی سرکاری حیثیت سے دار العلوم میں آمد۔

۞...... ۱۳۷۰ھ وزیر تعلیم حکومت ہند مولانا ابوالکلام آزاد کی دار العلوم میں آمد اور فصیح وبلیغ خطاب۔

۞...... ۱۳۷۱ھ اچاریہ ونوبا بھاوے کی اپنی بھومی دان کی تحریک کے سلسلہ میں دار العلوم میں آمد اور مہتمم صاحبؒ سے ملاقات۔

۞...... ۱۳۷۲ھ شعبہ طب اور دار الشفاء کا قیام۔

۞...... ۱۳۷۳،۷۴ھ حکومت حجاز (سعودیہ) کی طرف سے حضرت مہتمم صاحبؒ کو پیغام تبریک،

جلالۃ الملک کی ہندوستان آمد، دارالعلوم کے لیے خصوصی عطیہ فرمانا، نیز اسی سال جمہوریہ عربیہ مصر کے صدر انور السادات کا دارالعلوم تشریف لانا۔

۞......۱۳۷۵ھ دارالعلوم دیوبند کے جامعہ الازہر مصر سے روابط، جامعۃ الازہر سے دو جلیل القدر اساتذہ (۱) عبدالمنعم النمر (۲) عبدالعال العقباوی کا دو سال کے لیے دارالعلوم کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا، دارالعلوم میں جدید عربی انشاء وادب کے شعبہ کا قیام، دارالعلوم کی مسجد کی توسیع، فتاوی دارالعلوم دیوبند کی ترتیب وتدوین اور اشاعت۔

۞...... ۱۳۷۶ھ صدر جمہوریہ ہند کی دارالعلوم آمد۔

۞...... ۱۳۷۷ھ سفر برما، واپسی پر کتب خانہ دارالعلوم کے لیے ہال کی تعمیر، شاہ افغانستان محمد ظاہر شاہ کی دارالعلوم آمد۔

۞...... ۱۳۷۸ھ شعبہ تنظیم فضلاء دارالعلوم کا قیام۔

۞...... ۱۳۷۹ھ سفر افریقہ، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد کی جوبلی میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند) کی شرکت، حج بیت اللہ شریف کی سعادت جمہوریہ عربیہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی ہندوستان آمد اور دارالعلوم کی جانب سے ہدیہ کتب۔

۞...... ۱۳۸۰ھ جامعہ طبیہ کا اجراء اور دارالعلوم کے شمال میں جامعہ طبیہ کے لیے ایک وسیع عمارت کا قیام۔

۞...... ۱۳۸۱ھ حکومت ہند کے وزیر ثقافت وسائنس ہمایوں کبیر کی دارالعلوم میں آمد، حکومت مصر کی طرف سے قرآن مجید کی قراءت پر مشتمل ۴۴/کیسٹوں کا مکمل سیٹ دارالعلوم کو تحفہ بھیجنا۔

۞...... ۱۳۸۲ھ شام کے جلیل القدر عالم عبدالفتاح ابوغدہؒ کی دارالعلوم میں آمد، شعبہ تعمیرات کا اجراء۔

۞......۱۳۸۳ھ سفر جنوبی افریقہ، سفر مصر، ۱۹/شوال ۱۳۸۳ھ کو عالمی موتمر اسلامی قاہرہ میں شرکت، حج بیت اللہ۔

۞...... ۷۴-۱۳۷۵ھ عربی رسالہ ''دعوۃ الحق'' (زیر ادارت مولانا وحید الزمان صاحبؒ) کا اجراء، اترپردیش کے گورنر کی دارالعلوم میں آمد، حکومت ہند کی طرف سے دارالعلوم کے تعارف میں ایک کتابچہ شائع کرنا۔

۞...... ۸۷-۱۳۸۶ھ دارالعلوم کی عمارتوں میں کتب خانہ کی توسیع کے لیے ایک جدید ہال اور دو کمروں کا اضافہ۔

۞...... ۸۹-۱۳۸۸ھ عرب ممالک کے زائرین کا دارالعلوم میں تشریف لانا، مسجد چھتہ شمالی جانب حجرہ قدیم کی تعمیر نو۔

۞...... ۱۳۹۰ھ دارالعلوم کے نصاب میں چند تبدیلیاں، بیرون ممالک سے رابطہ کے لیے مختلف اوقات میں دورے۔

۞...... ۱۳۹۱ھ دارالاقامہ (موسوم بہ افریقی بلڈنگ) کی تعمیر (۱۱ کمروں پر مشتمل)، اسی سال یورپ، انگلستان، فرانس، مغربی جرمنی کا سفر، پھر عمرہ۔

۞...... ۱۳۹۲ھ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے حضرت مہتمم صاحب کا انتخاب۔

۞...... ۹۴-۱۳۹۳ھ سعودی عرب کے دو وفود کی دارالعلوم میں آمد (ایک وفد رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے اور دوسرے میں وزارت معارف کے ڈائریکٹر اور ادارہ مباحث علمیہ کے نمائندے شامل تھے، دارالقضاء کا قیام، جس میں مسلم پرسنل لاء اور قوانین شریعت کے تحفظ اور بقاء کے لیے عملی طور پر محکمہ قضا قائم کیا گیا)، سعادت حج بیت اللہ۔

۞...... ۱۳۹۵ھ سفر افریقہ وحجاز و یورپ، عمرہ کی ادائیگی اور مکہ مکرمہ میں بہت سی تقاریب سے خطاب، شیخ الازہر مصر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، وکیل الازہر شیخ عبدالرحمٰن بیطار، مفتی اعظم مصر محمد خاطر اور سابق شیخ الازہر (محمد الفحا) کی دارالعلوم میں آمد۔

۞...... ۱۳۹۶ھ صدر جمہوریہ ہند کی دارالعلوم میں آمد، ایک عظیم الشان جلسہ میں دارالعلوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا۔

۞...... ۱۳۹۶ھ حضرت مہتمم صاحبؒ کی پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانفرس میں شرکت اور سیرت کے موضوع پر زبردست تقریر، اختتامی اجلاس میں سیرت کمیٹی کی طرف سے آپ چاندی کے منقش خول میں ایک مخملی بکس کے اندر تھا ایک سپاس نامہ پیش کرنا۔

۞...... ۱۳۹۷ھ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے انعقاد کا اعلان اور متعدد ممالک کے دورے۔

۞...... ۱۳۹۸ھ دورہ پاکستان سلسلہ تعزیت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، (اس دورہ میں دارالعلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور، خیر المدارس ملتان، تعلیم القرآن راولپنڈی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور دوسرے شہروں میں اہم خطابات)

۞...... ۱۳۹۹ھ کئی ممالک کے دورے اور اجلاس صد سالہ کی انتظامی مصروفیات۔

۞...... ۱۴۰۰ھ دور اہتمام کا آخری سال، دارالعلوم کے اہتمام سے علیحدگی۔

۞...... ۱۴۰۳ھ ۶ رشوال، ۱۷ رجولائی ۱۹۸۳ء وفات حسرت آیات اور جماعت دیوبند کے اکابر و اصاغر کا یتیم ہو جانا۔

............❖............

تصنیفات وتالیفات

۱...... آفتاب نبوت کامل (دو حصے) محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل کراچی نمبر۱، صفحات: ۲۳۱، سن ندارد، (قرآن کریم کی صرف ایک آیت ''و داعیا إلیه بإذنه وسراجا منیرا'' کی قرآنی تمثیل سے نبوت محمدیہ کی تمام شانوں کا حکیمانہ استنباط)

۲...... آنکھ کی کہانی، یہ دوطویل نظموں پر مشتمل ہے جن کے اشعار کی تعداد سات سو کے قریب ہے، پہلی نظم جنوری ۱۹۶۳ء اور دوسری دسمبر ۱۹۶۴ء میں لکھی گئی۔

۳...... اردو کی شرعی حیثیت (حوالہ: تذکرہ طیبؒ، ص:۱۱۱)

۴...... ارمغان دارالعلوم (۷۰؍صفحات پر مشتمل اس نظم میں دارالعلوم کے مشاہیر اسلاف میں سے ۸۰؍شخصیات کی خصوصیات دارالعلوم کی مروجہ درسی کتب اور غیر درسی کتب میں سے ۱۸۶؍کتابوں کے اسماء و صفات دارالعلوم کے مسلک اعتدال کے امتیازات، اجلاس صد سالہ کے حالات و انتظامات، اس کے عالمگیر و دور رس اثرات، اس کے ذمہ دار منتظمین کے اسماء و خدمات اور ان کے حق میں دعا و تبریکات دارالعلوم کی ترقیات کی تمنیات اور مہمانوں کے حق میں نیک خواہشات پر روشنی ڈالی گئی ہے)

۵...... اسرائیل (کتاب وسنت کی روشنی میں) ادارہ اسلامیلات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول اگست ۱۹۷۸ء صفحات: ۶۷۔

۶...... اسلام اور مغربی تہذیب (حوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند ص: ۱۷۷)

۷...... اسلام اور فرقہ واریت (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳)

۸...... اسلام کا اخلاقی نظام، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، اشاعت اول جون ۱۹۷۸ء۔

۹...... اسلامی تہذیب وتمدن (یعنی التشبہ فی الاسلام) کامل، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات: ۳۱۸، باراول ۱۹۸۰ء۔ (غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کی مشابہت کی اصل حیثیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت اور اس کی بقاء قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور فقہاء امت کے عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں) نیز اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ابتداء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید

مرتضیٰ حسن صاحبؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے اکابر کی تقاریظ ثبت ہیں)

۱۰...... اسلامی مساوات (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص:۲۵۳)

۱۱...... اصول دعوتِ اسلام، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات ۳۱۸، باراول ۱۹۸۰ء، قرآن پاک کی آیت ''**ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن**'' کی روشنی میں اسلام کے تبلیغی نظام کی وضاحت، نیز دعوت ومدعووین کی اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲...... الکلم الطیب، (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متفرق واقعات جو اپنے بزرگوں سے سن کر اس رسالہ میں جمع کیے گئے ہیں) (حوالہ سوانح قاسمی از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مکتبہ لاہور، اردو بازار، لاہور)

۱۳...... انسانیت کا امتیاز، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات ۱۹۶، خاتمہ کتاب ۲۲/اکتوبر، ۱۹۵۸ء۔

۱۴...... ایک قرآن، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول ۱۹۶۹ء، صفحات: ۱۴۸/ایم ثناءاللہ خان اینڈ سنز ریلوے روڈ لاہور، ۱۹۶۹ء صفحات: ۱۴۸۔ پروفیسر غلام جیلانی برق کی کتاب دو قرآن کے جواب میں لکھی گئی۔

۱۵...... پچاس مثالی شخصیات، مرتبہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، صفحات ۱۹۰، محرم ۱۴۱۸ھ۔

۱۶...... تاریخ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی، اشاعت اول، صفحات: ۱۴۴، (دارالعلوم کی سوسالہ زندگی، اس کی تاسیس وجہ تاسیس، تعلیمی، تبلیغی، انتظامی اور عام افادی کوائف واحوال اور مشاہیر دارالعلوم کے حالات زندگی کا مختصر مگر جامع مرقع پیش لفظ تحریر کردہ ۱۵/محرم ۱۳۵۸ھ)

۱۷...... تصویر اسلام کے آئینہ میں، تذکرہ طیبؒ، ص:۱۱۱۔

۱۸...... تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، ولی پرنٹنگ پریس دہلی انڈیا، ۱۳۵۱ھ۔

۱۹...... تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، نگارشات میاں چیمبرز، ۳ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحات: ۲۵۱، (تاریخ اختتام ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ، نفیس اکیڈمی کراچی، مئی ۱۹۸۳ء ایڈیشن اول صفحات ۲۵۱)

۲۰...... جنون شباب (منظوم کلام کا مجموعہ) حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص:۲۵۴۔

۲۱...... جذبات الم (حوالہ مجالس حکیم الاسلامؒ، جلد اول) ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ص: ۵۰ تا

۵۴، (اہلیہ محترمہ کی وفات پر دکھ بھر جذبات سے لبریز ازدواجی زندگی کی کہانی)

۲۲...... حاشیہ عقیدۃ الطحاوی (حوالہ تذکرہ طیبؒ ۲۵۹)

۲۳...... حجیت حدیث (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۹)

۲۴...... حدیث رسول کا قرآنی معیار، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات ۳۱۸، باراول اپریل ۱۹۷۷ء، صفحات ۱۲۴، علم حدیث کی اہمیت وعظمت اوراس کی اقسام کا قرآن کریم سے محققانہ ثبوت۔

۲۵...... خاتم النبیین، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات: ۳۱۸، باراول اپریل ۱۹۷۷ء، صفحات ۸۵، (خاتمہ کتاب ۱۷رشعبان، ۱۳۷۷ھ، (اس کتاب میں سابقہ انبیاء کے مخصوص کمالات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں یک دم جمع ہونے کی بے مثال تفصیلات پیش فرمائی ہیں)

۲۶...... دارالعلوم کی سوسالہ زندگی، دارالعلوم دیوبند (حوالہ مآخذ ومراجع تاریخ دارالعلوم دیوبند ازسید محبوب رضوی)

۲۷...... دارالعلوم کے ایک فتوے کی حقیقت، ادارہ نشرواشاعت دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور، (حوالہ انکشافات، مرتبہ قاری عبدالحمید صاحب، مکتبہ تبلیغ اسلام حبیب بینک فلیمنگ روڈ لاہور، بار ششم اکتوبر ۱۹۷۰ء صفحات: ۱۷۰)

۲۸...... دینی دعوت کے قرآنی اصول، (حوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند، ازسید محبوب رضوی، ص: ۱۷۵)

۲۹...... ڈاڑھی کی شرعی حیثیت (مع رسالہ ڈاڑھی کا فلسفہ ازمولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) دارالاشاعت کراچی نمبر ۱ رجون ۱۹۷۴ء صفحات: ۱۲۷۔

۳۰...... سفرنامہ افغانستان، (حوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، ماہنامہ، الرشید ساہیوال مارچ، اپریل ۱۹۸۰ء، صفحات: ۱۷۸)

۳۱...... سفرنامہ برما، مرتبہ مولانا محمد سالم قاسمی، حوالہ بالا۔

۳۲...... سفرنامہ مقامات مقدسہ ومآثر سفر مصر، حوالہ بالا۔

۳۳...... سورہ فیل میں پرویزی تحریف (یہ رسالہ تفسیر سورۂ فیل کے نام سے بھی چھپ چکا ہے) حوالہ تذکرہ طیبؒ، صفحات: ۱۱۱۔

۳۴...... سیرت خاتم الانبیاء حوالہ تذکرہ طیبؒ، صفحات: ۲۵۹۔

۳۵...... سیرت قرآنی، حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۱۱۱۔

۳۶...... شان رسالت، کتب خانہ صدیقیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر، صفحات ۱۴۶، بارسوم،

سیرت پرایک جامع کتاب۔

۳۷...... شرعی پردہ، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، صفحات :۱۲۷، اسلام کا نظام عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت واہمیت کا قرآن وحدیث سے ثبوت اور پردہ پر کئے جانے والے اعتراضات کا شافی جواب۔

۳۸...... شہید کربلا اور یزید، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول اپریل ۱۹۷۶ء صفحات: ۲۰۹، خاتمہ کتاب ۲۰/رجب، ۱۳۷۹ھ (محمود احمد عباسی کی کتاب، ''خلافت معاویہ ویزید'' کا مفصل مدلل اور مسکت جواب، حادثہ کربلا کے اسباب ونتائج، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت، آپ کے موقف پر کئے گئے اعتراضات کا تحقیقی جواب، نیز افراط وتفریط سے ہٹ کر علمائے اہل سنت کے مسلک اعتدال کی تشریح)

۳۹...... عالم انسانیت کا مکمل قانون، کتب خانہ محمودیہ، دیوبند یوپی انڈیا۔

۴۰......علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج (آخری تصنیف) ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، باراول جولائی ۱۹۸۸ء، صفحات: ۱۹۶، کتاب کے شروع میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا پیش لفظ شامل ہے، (تاریخ اختتام کتاب یکم محرم، ۱۴۰۰ھ)

۴۱...... علم غیب (مع رسالہ مسئلہ علم غیب از مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی لاہور طبع دوم، مارچ، ۱۹۸۱ء، صفحات ۱۶۶، (مسئلہ علم غیب پر بے مثل تحقیق) خاتمہ کتاب ۱۳/ذیقعدہ، ۱۳۷۷ھ۔

۴۲...... عرفانِ عارف (اردو، فارسی اور عربی کلام کا مجموعہ) مرتبہ مولانا محمد اسلم رمزی (صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلامؒ) مکتبہ قاسمی دیوبند ۱۹۶۷ء۔

۴۳...... فطری حکومت (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳)

۴۴...... فلسفہ طہارت (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۷۶)

۴۵ -فلسفہ نعمت ومصیبت (کامل) ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول اگست ۱۹۸۱ء، صفحات: ۲۳۰

۴۶...... فہم قرآنی اور تعلیم مذہب کے دو بنیادی اصول (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۱۱۱)

۴۷- قرآنی دعوت کے ستر اصول (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۴۷)

۴۸ -قول فیصل (کلام طیب) ادارہ نشر واشاعت دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور (حوالہ انکشافات ص: ۱۸۱)

۴۹...... کلمات طیبات (بزرگان دیوبند کے احوال وسیر) حوالہ بزم اشرف کے چراغ، ص: ۶۷۔

۵۰...... کلمہ طیبہ مع رسالہ کلمات طیبات، ادارہ اسلامیات لاہور، باراول جون ۱۹۷۶ء صفحات: ۵۹

(تاریخ اختتام ۲۷ر شوال ۱۳۷۷ھ) (پہلے رسالے میں کلمہ طیبہ کا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثبوت اور اس کے دلائل بیان کیے گئے ہیں، دوسرے رسالہ میں ذکر اللہ کے دس اسلامی کلمات کے فضائل اور ان کے پڑھنے کا طریقہ مع شجرہ منظوم ذکر فرمایا ہے)

۵۱...... مسلک علمائے دیوبند، دار الاشاعت کراچی نمبر ا، جولائی ۱۹۷۶ء صفحات: ۹۳، (کتاب کے شروع میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا پیش لفظ موجود ہے) (اس میں نہایت عام فہم انداز میں مسلک علماء دیوبند کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جماعت علمائے دیوبند ہی اصل اہل سنت و الجماعت اور مسلک اعتدال پر قائم ہے، یہی کتاب ''علمائے دیوبند کے مسلک'' کے عنوان سے ادارہ الصدیق ملتان ۷ر ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ میں طبع ہوئی ہے)

۵۲...... مسئلہ تقدیر، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول ۱۹۷۸ء صفحات: ۱۵۹، (یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے کے ساتھ تین محقق علماء کرام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات پر مشتمل ہے)

۵۳...... مسئلہ، اردو زبان، ہندوستان میں (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳)

۵۴...... مشاہیر امت (نونیۃ الاحاد (عربی) مع ترجمہ، تشریح اردو) منظوم، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، صفحات: ۶۴ (اس کتاب میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے چند مشاہیر کو (جو علوم وفنون میں یکتا اور فرد تسلیم کیے گئے ہیں) عربی قصیدہ میں منظوم کیا ہے ۱۶۸، اشعار پر مشتمل ہے)

۵۵...... مقالات طیبہ، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول مئی ۱۹۷۸ء صفحات: ۱۷۶ (اس کتاب میں تین مقالات اور ایک تقریر شامل ہے۔ (۱) اسلام عالمی مذہب ہے۔ (۲) دار العلوم دیوبند کے اساسی اصول اور جنگ آزادی میں اس کا کردار (۳) دو علمی سوال اور ان کے جواب۔ (۴) تقریر علم وحکمت۔

۵۶...... میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت (حوالہ تذکرہ طیبؒ، صفحات: ۱۱۱)

۵۷...... نسب اور اسلام (حوالہ تذکرہ طیبؒ، صفحات: ۱۱۱)

۵۸...... نظریہ دو فرقوں پر ایک نظر (حوالہ تذکرہ طیبؒ، صفحات: ۲۵۴)

۵۹...... اسلام کے دو امتیازی پہلو (حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳)

............❖............

مقدمات وتقاریظ

۱...... مقدمۃ القرآن بعنوان ''کلامی معجزہ'' جو تفسیر کشف الرحمٰن (مولفہ مولانا احمد سعید) کی ابتداء میں شامل کیا گیا ہے، محمد مسلم بن برکت اللہ ٹھٹائی کمپاؤنڈ، بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۸ء تحریر کردہ ۲ / ربیع الثانی ۱۹۸۱ء۔

۲...... مقدمہ ''بیان اللسان'' (عربی اردو ڈکشنری مع لغات القرآن) مرتبہ قاضی زین العابدین، دارالاشاعت کراچی، نمبر ا، ص:۳-۱۱۔

۳...... مقدمہ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند (جلد اول) مرتبہ محبوب احمد رضوی، بعنوان ''الہامی مدرسہ اور اس کا الہامی مکتب فکر'' ادارہ اہتمام دارالعلوم دیوبند طبع اول ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء تحریر کردہ ۲۲ / رجب المرجب ۱۳۹۶ھ ص:۱۱ تا ۵۶۔

۴...... مقدمہ ''تمدن اسلام'' مصنفہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص:۳۶۰۔

۵...... مقدمہ ''سوانح قاسمی'' (جلد اول) مکتبہ رحمانیہ ۱۸/ اردو بازار لاہور تحریر کردہ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ، ص:۱ تا ۲۲۔

۶...... مقدمہ ''مودودی دستور وعقائد کی حقیقت'' مصنفہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مکتبہ عثمانیہ نزد مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم ہرنولی میاں والی، تحریر کردہ ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ، ص:۲۷ تا ۴۵۔

۷...... (۱) پیش لفظ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' (جلد دوم) مرتبہ محبوب احمد رضوی، ادارہ اہتمام دارالعلوم دیوبند، طبع اول ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء تحریر کردہ ص: ۹ تا ۱۱، ۵/ ربیع الاول، ۹۸ھ، (۲) پیش لفظ ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' (جلد اول) مکتبہ امدادیہ، ملتان، تحریر کردہ ۵/ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ ص: ۲۵ تا ۵۰۔ (۳) پیش لفظ ''لطائف علمیہ'' اردو ترجمہ ''کتاب الاذکیاء'' از علامہ بن الجوزیؒ ترجمہ مولانا اشتیاق احمد، دارالاشاعت کراچی نمبر ۲، ۱۴۱۳ھ، تحریر کردہ ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ، ص:۵ تا ۱۴۔

۱...... تصدیق ''احسن الکلامی فی ترک القراءۃ خلف الامام'' مصنفہ مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مکتبہ صفدریہ، نزد نصرت العلوم گوجرانوالہ، تحریر کردہ یکم ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ، ص:۱۰ تا ۱۷۔

۲...... تصدیق ''المنہاج الواضح'' المعروف ''راہ راست'' مصنفہ مولانا سرفراز خان صفدر، مکتبہ

صفدریہ، نزد نصرت العلوم گوجرانوالہ، ۹۵، تحریر کردہ ۲۱؍رجب ۱۳۷۷ھ ۶؍صفحات۔

۳...... تصدیق ''تسکین الصدور'' (فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور) مصنفہ مولانا سرفراز خان صفدر، مکتبہ صفدریہ، نزد نصر العلوم گوجرانوالہ، طباعت ششم، اگست ۹۵ء، ص: ۲۰۔

۱...... تقریظ ''اسلامی اخلاق وآداب'' (مہد سے لحد تک) مولفہ منشی عبدالرحمٰنؒ ادارہ اسلامیات لاہور باراول جولائی، ۱۹۸۸ء۔

۲...... تقریظ ''الانوار'' (سوانح حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ) مولفہ عبد الرحمٰن کوندو، دارالمصنفین دہلی، طبع دوم، فروری ۱۹۷۸ء تحریر کردہ ۲۴؍محرم ۱۳۹۸ھ ص س ع۔

۳...... تقریظ ''تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر'' المعروف ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' مولفہ مولانا سرفراز خان صفدر، مکتبہ صفدریہ، نزد مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، طبع شانزدہم ۱۴۱۶ھ اگست ۱۹۹۵ء تحریر کردہ، ۳۰؍ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ ص: ۹۔

۴...... تقریظ حیاۃ الصحابہ جلد سوم تالیف مولانا یوسف کاندھلویؒ اردو ترجمہ مولانا محمد عثمان فیض آبادی، تحریر کردہ ۲۳؍محرم ۱۳۸۷ھ، ص ۴ تا ۸۔

۵...... تقریظ ''دعوات حق'' جلد اول افادات مولانا عبدالحق صاحبؒ، ضبط وترتیب مولانا سمیع الحق صاحب، موتمر المصنفین دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور، طبع دوم تحریر کردہ ۲۶؍مارچ ۷۶ء، ص: ۳۔

۶...... تقریظ ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' تالیف مولانا قاری ابوالحسن اعظمی ادارہ اسلامیات لاہور، دسمبر ۸۹ء تحریر کردہ ۱۳؍ستمبر ۱۳۹۸ھ ص: ۵ تا ۸۔

۷...... تقریظ ''فیشن پرستی اور اس کا علاج'' مرتبہ سعد حسن، کتب خانہ مظہری کراچی، ص: ۱۳ تا ۱۴۔

۱...... تاثرات ''تحفہ علم وحکمت'' تالیف محمد اسحاق خان (حوالہ ہفت روزہ ''ترجمان الاسلام'' لاہور، جلد ۲۵، شمارہ ۵۲، ۳۱؍جنوری ۱۹۸۳ء۔

۲...... تاثرات ''تنبیہہ الغافلین'' ترجمہ وتلخیص مولانا محفوظ الرحمٰن سنبھلی مکتبہ رشیدیہ رائے ونڈ (تحریر کردہ ۱۶؍ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ، ص: ۱۳)

۳...... تأثرات ''شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق'' تالیف مولانا منظور احمد نعمانی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی نمبرا، (تحریر کردہ ۵؍ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ)

۴...... تأثرات ''فطرت اسلام'' مولفہ اخلاق احمد عثمان (موسوم بہ کلیم عثمانی) حوالہ کلام العارفین

ص:۲۱، تالیف مولف مذکور۔

۵...... تأثرات ''منہاج المتقین'' مولفہ اخلاق احمد عثمان (موسوم بہ کلیم عثمانی) حوالہ کلام العارفین ص۱۲۳ تالیف مولف مذکور، مطبوعہ ۱۳۹۸ھ (تحریر کردہ ۲ر مئی ۱۹۷۸ء)

۶...... نقوش و تاثرات ''نقش دوام'' سوانح حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ سید انظر شاہ مسعودیؒ، المکتبہ البنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ص:۱۱ تا ۱۴۔

۷...... تبصرہ ''اسلام اور عصر حاضر'' تالیف مولانا سمیع الحق صاحب موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک پشاور (تحریر کردہ ۱۵ر جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ)

۸...... تعارف ''تعلیمی چہل حدیث'' مرتبہ مولانا وحید الدین قاسمی پاک اکیڈمی بک سیلر دکان نمبر ۲۳، جامع مسجد بالب الاسلام آرام باغ کراچی نمبر ۱، تحریر کردہ ۴ر محرم ۱۲۹۶ھ، ص:۲ تا ۶۔

۹...... رائے گرامی قاموس القرآن ڈکشنری مرتبہ قاضی زین العابدین صاحب، دارالاشاعت کراچی، ص:۳، ۴، تحریر کردہ ۲۳ر محرم ۱۳۷۴ھ۔

۱۰...... رائے گرامی عبقات من باب الاستفسارات مرتبہ علامہ خالد محمود صاحب دار التصنیف و الاشاعت، ۱۴، بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

۱۱...... رائے گرامی ''بیس بڑے مسلمان'' مرتبہ عبدالرشید ارشد (مکتبہ رشیدیہ لاہور)

............❖............

مکتوبات

۱...... پرسکون زندگی (کراچی کے ایک صاحب اے جی یوود جس کے خط کا جواب) مکتبہ انوریہ کراچی، مکتبہ انوریہ رائے ونڈ، صفحات: ۱۵۔

۲...... حضرت مولانا نانوتویؒ کی ''آب حیات'' (مکتوب بنام احسان الحق قریشی پرنسپل گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ، مشمول ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور جلد ۶، شمارہ ۴۵، ۱۷/ مارچ، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۶ تا ۱۸۔

۳...... خطوط بنام مولانا محمد ظفیر الدین صاحب (۵/عدد خطوط جو مکتوب الیہ نے اپنے مضمون ''ایک جامع کمالات شخصیت''، مشمولہ تذکرۂ طیب مرتبہ محمد ابوبکر غازی پوری منشورہ المکتبہ الاشرفیہ، قاسمی منزل سیدواڑہ غازی پور انڈیا)

۴...... رائے عالی جناب مولانا محمد طیب صاحبؒ (متعلقہ تحریک مودودیت، تاریخ اور سنت کی روشنی میں) یہ مکتوب آپ نے مولانا عبدالجبار ابوہری کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا۔

۵...... عالم برزخ، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور، باراول اگست ۷۸ء صفحات ۶۸، تحریر کردہ ۲۴/صفر ۱۳۸۹ھ (مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی طرف سے عالم برزخ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الاسلامؒ نہایت اہم مکتوب)

۶...... حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط بنام حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (تحریر کردہ ۵/ جولائی ۱۹۶۲ء) مشمولہ سوانح حیات مولانا غلام اللہ خانؒ تالیف محمد عبدالمعبود، کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ راجہ بازار، راولپنڈی، ص: ۳۵۰ تا ۳۵۱۔

۷...... حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب گرامی (بنام وکیل احمد شیروانی) اس مکتوب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفائے کرام کے بارے میں صدیوں پہلے پیشین گوئیوں کا ذکر ہے، جو سنسکرت زبان کی ایک کتاب سے (جو حضرت حکیم الاسلامؒ نے ڈھاکہ میں دیکھی تھی) نقل کی گئی ہیں، مشمولہ ماہنامہ ''الحسن'' لاہور (حضرت تھانوی نمبر) ص: ۴۸۹ تا ۴۹۳، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء۔

۸...... مکاتیب حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ بنام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ۱۶؍خطوط، مشمولہ ماہنامہ البلاغ کراچی (مفتی اعظم نمبر) ص:۱۱۹۹تا۱۲۱۳، جلد نمبر۱۳، شمارہ نمبر۶ تا۸، جمادی الثانی، ۱۳۹۹ھ تا شعبان ۱۳۹۹ھ۔

۹...... مکاتیب فاضل اجل یادگار سلف حضرت حکیم الاسلامؒ ۱۵؍مکاتیب بنام منشی عبدالرحمٰن صاحب مشملہ ''انداز سخن''، مرتبہ منشی عبدالرحمٰن صاحب تخلیق مرکز ۳۳؍اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ص:۲۱۵ تا ۲۲۵۔

۱۰...... مکتوب حضرت حکیم الاسلامؒ بنام مولانا منظور احمد نعمانی صاحبؒ تحریر کردہ ۷؍جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ، مشمولہ ذکر طیب مرتبہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ادارہ اسلامیات لاہور، ص:۱۸۹تا۱۹۱۔

۱۱...... مکتوب طیب بنام شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، تحریر کردہ ۶؍۷؍۲۰۸؍مشمولہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی جولائی ۱۹۷۷ء جلد ۲۵؍شمارہ ۷۔

۱۲...... مکتوب گرامی اپنے ایک عزیز کے نام تحریر کردہ ۹؍ربیع الثانی، ۱۳۹۱ھ ناشر جناب قاری سراج احمد صاحب، ناظم دارالعلوم پرانی انارکلی، لاہور، ص:۴۰۔

۱۳...... نجوم ہدایت صحابہ کرام کے معیار حق ہونے سے متعلق بعض منتسبین دارالعلوم کے خط کا تفصیلی جواب، تحریر کردہ ۲۰؍جمادی الاول ۱۳۷۵ھ مکتبہ شیخ الاسلام، لغاری روڈ رحیم یار خاں، ص:۱۳تا۲۸۔

............❖............

مجالس وملفوظات

۱...... ''اخلاص'' کے بارے میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے ملفوظات، مشمولہ روحانی زندگی کے عناصر اربعہ مرتبہ اخلاق احمد عثمانی دبستان عثمانیہ گلشن اقبال کراچی نمبر ۴۷،ص:۳۸ تا۴۸۔

۲...... انٹرویو حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ، ضبط وترتیب مولانا سمیع الحق صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، بتاریخ ۲؍رجب ۱۳۸۸ھ مشمولہ، ماہنامہ الرشید لاہور، دارالعلوم دیوبند نمبر فروری، مارچ ۷۶ء۔

۳...... باتیں دارالعلوم کی اوراکابر کی مجلس میں (مجلس منعقدہ ۵؍مئی ۱۹۷۸ء بروز جمعہ بعداز عصر) ضبط وترتیب شفیق فاروقی، (اس مجلس میں حکیم الاسلام مولانا محمد طیب اور مولانا عبدالحق صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی گفتگو ہوئی جو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کرلی گئی) مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک جلد ۱۳؍شمارہ ۹؍ جون ۱۹۷۸ء ص:۲۳ تا ۳۵۔

۴...... روایات طیب (بزرگان دارالعلوم کے ایمان افروز واقعات) ادارہ اسلامیات لاہور، بار اول دسمبر ۱۹۷۸ء ص:۱۱۸، ادارہ عثمانیہ رجسٹرڈ ۳۲ مین بازار پرانی انارکلی لاہور، مئی ۱۹۶۲ء، ص:۱۲۰، تاریخ اختتام کتاب ۱۴؍ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ۔

۵...... علم کے بارے میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے ملفوظات، مشمولہ روحانی زندگی کے عناصر اربعہ، مرتبہ اخلاق احمد عثمانی، دبستان عثمانیہ، گلشن اقبال کراچی نمبر ۴۷، ص:۱۹ تا ۳۵۔

۶...... عمل کے بارے میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے ملفوظات، مشمولہ روحانی زندگی کے عناصر اربعہ، مرتبہ اخلاق احمد عثمانی، دبستان عثمانیہ، گلشن اقبال کراچی نمبر ۴۷، ص:۴۷ تا ۶۴۔

۷...... فکر آخرت کے بارے میں حضرت حکیم الاسلام کے ملفوظات، مشمولہ روحانی زندگی کے عناصر اربعہ، مرتبہ اخلاق احمد عثمانی، دبستان عثمانیہ، گلشن اقبال کراچی نمبر ۴۷، ص:۵۳ تا ۶۴۔

۸...... کلمات طیبات (انٹرویو حضرت حکیم الاسلامؒ متعلقہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ ۲۸؍جنوری ۱۹۷۵ء، بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور) مشمولہ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ محمد میاں صدیقی، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ لاہور طبع اول جولائی ۱۹۷۷ء۔

۹...... مجالس حکیم الاسلامؒ حصہ دوم ترتیب مولانا حبیب اللہ قاسمی، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان صفحات: ۲۴۴۔

۱۰...... مجالس حکیم الاسلامؒ (مع سوانح حیات) حصہ اول ترتیب مولانا حبیب اللہ قاسمی مقدمہ مولانا ظفیر الدین صاحبؒ ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، طبع اول، ربیع الاول ۱۴۰۷ھ صفحات: ۳۶۸۔

۱۱...... ملفوظات جامع شریعت وطریقت حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مشمولہ کلام العارفین مرتبہ اخلاق احمد قاسمی، دبستان عثمانیہ گلشن اقبال کراچی نمبر ۴۷۔

............❖............

کتابوں میں شامل تحریریں

۱...... تاثرات حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ در بارہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مشمولہ شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات مرتبہ ابوالحسن بارہ بنکوی مکتبہ رشیدیہ پاکستان چوک کراچی ۱۹۶۵ء۔

۲...... تبلیغ اصلاح نفس کی ایک جامع تحریک ہے، مشمولہ عالمی تبلیغی جماعت اکابر و مشاہیر کی نظر میں مرتبہ عبدالمجید دیلوری اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی، ص: ۲۹ تا ۴۸۔

۳...... رائے گرامی حضرت حکیم الاسلامؒ متعلقہ "تبلیغی جماعت"، مشمولہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ص ۷۹ تا ۸۲۔

۴...... سائنس اور اسلام، مشمولہ سائنس اور اسلام اردو ترجمہ رسالہ حمیدیہ مصنفہ علامہ سین آفندی مترجم سید محمد اسحٰق علی ادارہ اسلامیات لاہور، اکتوبر ۱۹۸۴ء ص: ۵۶۵ تا ۶۴۵۔

۵...... ضمیمہ اقتباس از تحریر حضرت حکیم الاسلامؒ، مشمولہ امداد المفتیین (جلد دوم) مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ص: ۹۱ تا ۹۸۔

۶...... سائنس اور مذہب کی حقیقت، مشمولہ مذہب اور سائنس، مرتبہ منشی عبدالرحمٰن طیب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، باراول اپریل ۱۹۸۲ء، ص: ۳۲ تا ۴۶۔

۷...... مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند مشمولہ بیس بڑے مسلمان مرتبہ عبدالرشید مکتبہ رشیدیہ ۱۳۲ے شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ص: ۲۴ تا ۹۷۔

۸...... مقام ادب (مقالہ) مشمولہ اسلامی اخلاق وآداب (مہد سے لحد تک) منشی عبدالرحمٰن، ادارہ اسلامیات لاہور، باراول جولائی ۱۹۸۸ء۔

۹...... نماز کی اہمیت وفضیلت مشمولہ اسلام کے بنیادی ستون مرتبہ منشی عبدالرحمٰن اشاعت اول ۱۹۹۳ء، ص: ۱۰۴ تا ۱۱۹۔

۱۰...... نورالانوار مقالہ متعلقہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مشمولہ الانور، سوانح مشمولہ الانور، سوانح حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ مرتبہ عبدالرحمٰن کوندو دارالمصنفین دہلی، طبع دوم ۱۹۷۸ء۔

۱۱...... مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم و معارف مرتبہ مولانا محمد اقبال قریشی، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی نمبرا، اشاعت اول جون ۱۹۸۰ء، ص: ۴۰ تا ۴۳۔

............❖............

رسائل میں مطبوعہ تحریریں

۱...... آہ! مولانا محمد یوسف (مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات پر تعزیتی بیان مشمولہ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور جلد ۱۱/شمارہ ۱۰/شوال ۱۴۱۶ھ، ص: ۳۳ تا ۳۵۔

۲...... اسلام میں عورت کے حقوق، مشمولہ ماہنامہ الفاروق کراچی جلد ۱۱، شمارہ ۱۰، شوال ۱۴۱۶ھ، ص: ۳۳ تا ۳۵۔

۳...... اسلام کا نظام اخوت و مساوات، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۳۴، شمارہ ۴۶، مئی ۸۹ء، ص: ۹ تا ۱۲۔

۴...... اسلام کی اساسی عبادتوں میں حج کا مقام دو قسطوں میں مشمولہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، جلد ۳۷، شمارہ ۱۲، مارچ ۱۹۷۰ء جلد ۳۸، شمارہ ۱۲، مارچ ۱۹۷۰ء، جلد ۳۸، شمارہ ۱، اپریل۔

۵...... افادات علم و حکمت حضرت حکیم الاسلامؒ کی تحریروں سے انتخاب، مرتبہ محمد ارشد خان ڈی آئی خان، مشمولہ ماہنامہ الخیر ملتان جلد ۴، شمارہ ۱۰، ۱۱/شوال ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ مارچ ۱۹۹۷ء ص: ۶۵ تا ۶۷۔

۶...... الہامی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے متعلق ایک تحریر، مشمولہ ماہنامہ الرشید لاہور (دارالعلوم دیوبند نمبر) جلد ۴، شمارہ ۲، ۳/فروری مارچ ۱۹۷۶ء، ص: ۱۳۷ تا ۱۴۱، ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی جلد ۹، ۱۰، ص: ۳۱ تا ۳۵ تحریر کردہ، ۲۳/جمادی الاول ۱۳۹ھ۔

۷...... پردہ (اسلام میں پردہ کی شرعی حیثیت) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۲۳، شمارہ ۱۹۱۸ء، ۱۸/۲۵/نومبر ۱۹۷۷ء، ص: ۲۹ تا ۴۴۔

۸...... تاریخ کا ایک ورق، مشمولہ ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ کراچی، جلد ۵، شمارہ ۵، جنوری/فروری، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۰۶ تا ۱۱۰۔

۹...... تکفیر اہل حق اور محترم مدیر (چٹان) کا حق پسندانہ دفاع، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۸، شمارہ ۲۸، نومبر ۶۲ء ص: ۱۱ تا ۱۶۔

۱۰...... حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تبلیغ کے اثرات، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۳۲،

شمارہ ۶-۷، ۲۹ راگست، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۸۔

۱۱...... حکایات اولیاء، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۳۱ شمارہ ۳۲، ۲۱ رفروری، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۸۔

۱۲...... دارالعلوم دیوبند (بنیادی اصول ومسلک) مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، پشاور، جلد ۱۵، شمارہ، ۵-۶۔

۱۳...... دارالعلوم دیوبند (علمی وتحقیقی مقالہ) یہ مقالہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی تحریرات سے ماخوذ و مستنبط ہے اکثر جگہ فقرے بھی تبرکا آپ ہی کے ہیں، مرتبہ پیرزادہ احمد حسن جامی، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کراچی، مشمولہ ماہنامہ الرشید لاہور، دارالعلوم دیوبند نمبر جلد ۴، شمارہ ۲، ۳ رفروری، مارچ ۱۹۷۶ء ص: ۳۲۹ تا ۳۴۹۔

۱۴...... دارالعلوم کا صد سالہ جشن، مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور جلد ۱۳، شمارہ ۲، نومبر ۱۹۷۷ء۔

۱۵...... دارالعلوم کے ترجمان (حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق حضرت حکیم الاسلامؒ کے تاثرات محترم جناب حافظ اکبر شاہ بخاری صاحبؒ نے آپ کی کتاب ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' اور آپ کے تعزیتی مکتوب کو ملا کر مربوط انداز میں مرتب کیا ہے، مشمولہ ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر جلد ۱۳، شمارہ ۶-۷-۸، جمادی الثانی تا شعبان ۱۳۹۹ھ، ص: ۲۹-۳۱۔

۱۶...... دو نعمتیں، مشمولہ ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی جلد ۳، شمارہ نمبر ۵ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ، ص: ۱۱۱ تا ۱۳۰۔

۱۷...... دین کے اصول ثلاثہ، شریعت، طریقت، سیاست، مشمولہ ماہ نامہ الحق اکوڑہ خٹک، پشاور، جلد ۳۲، شمارہ، ۳ ردسمبر ۱۹۹۶ء، ص: ۷ تا ۱۲۔

۱۸...... سید حسین احمد مدنیؒ، مشمولہ ہفت روزہ الجمعیۃ لاہور، جلد ۴، شمارہ ۱۱، ۱۹ رمارچ، ۱۹۳۹ء۔

۱۹...... سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول مشمولہ ماہنامہ نقوش (رسول نمبر جلد اول) شمارہ ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ادارہ فروغ اردو لاہور، ص: ۳۸ تا ۵۲۔

۲۰...... شانِ خلفائے راشدین، تلخیص از جناب محمد اقبال قریشی ہارون آبادی، مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور جلد ۱۳ شمارہ، ۸ رمئی ۱۹۷۸ء، ص: ۲۳ تا ۲۷۔

۲۱...... شانِ رسالت، تلخیص از جناب محمد اقبال قریشی ہارون آبادی، مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور صفر ۱۳۹۳ھ۔

۲۲...... شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑوی نظم مشمولہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور جلد ۱۷ شمارہ،

۱رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ، ص:۲۸۔

۲۳......صحابیت مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۲۸، شمارہ ۱۶، ۲۳/ اکتوبر ۱۹۸۲ء ص:۷-۸۔

۲۴......صحبت کا اثر مشمولہ ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ کراچی نمبر جلد ۵، شمارہ نمبر ۷، ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ، ص:۲۰ تا ۳۰۔

۲۵......صدی کا انقلاب (ایک تحریر بسلسلہ پندرہویں صدی ہجری) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، جلد ۲۶، شمارہ ۲۱، نومبر ۹۸ء، ص:۱۳ تا ۱۹۔

۲۶......علم غیب کی تشریح اور متعلقہ شبہات کا رد دو قسطوں میں، مشمولہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی جلد ۳۰ شمارہ، ۱۱/نومبر ۱۹۹۱ء ص:۱۳ تا ۲۰، شمارہ ۱۳، دسمبر ۱۹۹۱ء ص:۱۲ تا ۱۸۔

۲۷......قرآن کریم کی عملی تفسیر، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین، لاہور جلد ۲۵ شمارہ ۳۰، ۲۵/جنوری، ۱۹۸۰ء، (۲) ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور جلد ۲۲ شمارہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ، ص:۷ تا ۱۱۔

۲۸......قرآن کی سمجھ، مشمولہ ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ کراچی جلد ۴، شمارہ ۲ مئی ۱۹۸۸ء ص:۹۶ تا ۱۰۰۔

۲۹......مسلک علمائے دیوبند مشمولہ الصدیق ملتان، جلد ۱۵ شمارہ ۲-۳، جولائی اگست ۱۹۹۴ء ص:۲۵ تا ۹۷ (۵۵/صفحات)

۳۰......مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۸، شمارہ ۱۰، ۱۳/جولائی ۶۲ء ص:۶ تا ۱۶۔

۳۱......مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصالحت کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا وضاحتی بیان مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۸، شمارہ ۱۸، ۱۴/ستمبر ۱۹۶۲ء، ص:۸-۹۔

۳۲......موت و مابعد الموت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی رفیقہ حیات کی وفات پر ان کی تسلی کے لیے صدق جدید کے کئی نمبروں میں نکلتا رہا، حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص:۲۵۹۔

۳۳......نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مشمولہ ماہنامہ الخیر ملتان جلد ۱۴، شمارہ ۴، ستمبر ۱۹۹۶ء۔

............❖............

خطبات وتقاریر (کتابی شکل میں)

۱......اجتہاد اور تقلید (یہ انڈیا احناف کانفرس کا خطبہ صدارت ہے اس میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے مسئلہ اجتہاد وتقلید کی عقلی، فقہی اور تشریعی حیثیت، اجتہاد کی انواع، اجتہاد کی صحیح حدود اور عدم تقلید کے نقصانات کوکھولا ہے) ادارہ اسلامیات ۱۹۰/انارکلی لاہور اشاعت باراول جون ۷۸ءصفحات: ۱۲۵۔

۲......اخلاص فی الدین، اس تقریر میں نیت کی اہمیت اور دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی ضرورت اوراہمیت کومثالوں سے واضح کیا ہے۔ترتیب، تکمیل قاری عبدالکریم میلسی (وہاڑی) ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن، اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور، ۱۹۸۰ء۔

۳......ارشادات حکیم الاسلامؒ (اس میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی دو تقاریر شامل ہیں جوآپ نے دارالعلوم اکوڑا خٹک میں فرمائیں) ۱-معجزات انبیاء ۲-دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اوراس کا مقام۔ شعبہ تصنیف واشاعت دارالعلوم حقانیہ اکوڑ خٹک (پشاور) ربیع الاول ۱۳۸۲ھ، صفحات: ۶۴۔

۴......اسباب عروج وزوال قوم (خطبہ صدارت جمعیۃ علمائے ہند کانفرس) حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳۔

۵......اسلام میں تعلیم کی اہمیت (مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے تعلیم النساء کے شعبہ میں کی گئی اس تقریر میں علم کے تعلق سے اسلام کی امتیازی شان کو بیان کیا گیا ہے، بالخصوص مستورات کی تعلیم کی اہمیت کو کھولا گیا ہے) ترتیب وتکمیل قاری عبدالکریم میلسی ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور، یہی تقریر مرتبہ شیرمحمد سرحدی ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۸ شمارہ ۱۲، ۲۷/جولائی ۶۲ء، میں طبع ہوئی۔

۶......اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (خطبہ صدارت جمعیۃ علمائے بمبئی (ہند) حوالہ تذکرہ طیب، ص: ۲۵۳۔

۷- اقتباسات از خطبات حکیم الاسلامؒ مشمولہ ذکر طیبؒ مولفہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ادارہ اسلامیات ۱۹۰/انارکلی لاہور، ص: ۱۴۰ تا ۱۸۵۔

۸......الوہیت کا مقام (بخاری شریف کی آخری حدیث پر علوم ومعارف کے جواہر) ترتیب وتکمیل قاری عبدالکریم میلسی وہاڑی ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندورن شیرانوالہ گیٹ لاہور، ۱۹۸۰ء صفحات: ۶۴۔

۹......انسانی فضیلت کا راز (۱۳۸۷ھ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی دارالعلوم حقانیہ میں معرکۃ الآراء تقریر) شعبہ تصنیف واشاعت دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

۱۰......ایک تاریخی تقریر (بموقع سیرت کانگریس بمقام کراچی) بتاریخ ۲۰/مارچ ۷۶ء، حوالہ ذکرطیب، ص:۱۶۵-۱۶۶۔

۱۱...... ایمان افروز تقریریں، مرتبہ نثار احمد قاسمی سہارنپوری، کتب خانہ محمودیہ دیوبند یوپی (انڈیا)

۱۲...... پرانوں کے لیے طریقہ اصلاح اور تبلیغی جماعت (یہ تقریر حضرت حکیم الاسلامؒ نے عالمی اجتماع سہارنپور منعقدہ ۷/جون ۱۹۷۱ء کو بروز دوشنبہ بعد مغرب اسلامیہ انٹر کالج میں فرمائی) مکتبہ زکریا بالمقابل جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ لاہور، صفحات:۵۶۔

۱۳...... پیغام ربانی بنام عالم انسانی، کتب خانہ محمودیہ دیوبند (انڈیا)

۱۴......تبلیغی جماعت اور اصلاح (تبلیغی جماعت کے مختلف اجتماعات میں حضرت قاری صاحب کی تین تقاریر کا مجموعہ) (۱) تعلیم وتبلیغ (بمقام بھوپال اجتماع ۱۵/فروری ۱۹۶۷ء) (۲) تبلیغی جماعت اور اصلاح (بمقام سہارنپور اجتماع) (۳) جماعتی تبلیغ بمقام مسجد الحفائر مکہ مکرمہ بتاریخ ۱۶/نومبر ۱۹۷۸ء۔

۱۵......تقاریر مولانا محمد طیبؒ حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص:۲۵۳۔

۱۶......تقریر بھوپال اجتماع، ضبط وترتیب، مولوی محمد احسن ندوی، نشان منزل بھوپال (حوالہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اوران کے جوابات از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی رحمہ اللہ علیہ، ص:۸۰)

۱۷......تقریر ختم بخاری (یہ تقریر جامعہ مدنیہ لاہور کے جلسہ میں فارغ التحصیل طلباء کے سامنے فرمائی) ناشر قاری صابر علی اختر خطیب جامع مسجد صدیقی زبیری کالونی منگھوپیر روڈ، کراچی ۱۹۷۱ء ص:۳۸۔

۱۸......تقریر دلپذیر (حصہ اول) مرتبہ قاری عبدالکریم میلسی مدرسہ عربیہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون گیٹ شیرانوالہ، لاہور۔

۱۹......تقریر دلپذیر (حصہ دوم) مرتبہ قاری عبدالکریم میلسی مدرسہ عربیہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون گیٹ شیرانوالہ لاہور، صفحات:۴۷۔

۲۰......تقریر دلپذیر (کامل) ترتیب وتکمیل قاری عبدالکریم میلسی ادارہ مدرسہ عربیہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون گیٹ، شیرانوالہ، لاہور، صفحات:۱۲۸، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی تین تقاریر اور ایک درس قرآن شامل ہے (۱) بمقام جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ بموقع تقسیم اسناد بتاریخ ۲۸/اپریل ۱۹۶۲ء (۲) علم اور

زیادت علم بمقام دار العلوم کراچی ۱۹۷۵ء (۳) طریق حفظ ایمان (جو آپ نے ڈیرہ غازی خان میں اپنے اعزہ کے درمیان فرمائی اس کے مطالعے سے آدمی آج کل کے ملحدین کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے) (۴) درس قرآن۔

۲۱...... حدیث دین کے دو اہم رخ، مرتبہ مولوی محمد احسن علی ندوی ادارہ نشان منزل بھوپال (۱۵/ فروری ۱۹۶۷ء) (یہ تقریر آپ نے دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں فرمائی)

۲۲......حضرات صحابہ کرام کا مقام اہل سنت والجماعت کی نظر میں، یہ تاریخی تقریر مدرسہ معدن العلوم وانمباڑی ضلع شمالی آرکاٹ (صوبہ مدارس) کی جدید عمارت کی تقریب افتتاح و دستار بندی کے موقع پر مورخہ ۳/صفر ۱۴۰۰ھ، ۳۰/دسمبر ۱۹۷۹ء کو فرمائی، سعید اینڈ کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، کراچی صفحات: ۲۱۔

۲۳......حضرت حکیم الاسلامؒ کی منامی تقریر (خواتین سے حکیمانہ خطاب) مرتبہ مشمولہ دینی دستر خوان، ص: ۱۳۴۱ تا ۱۳۴۳۔

۲۴......حقیقت نکاح، (ایک نکاح کے موقع پر یہ تقریر ارشاد فرمائی) توکل اکیڈمی، جہانگیر روڈ ایسٹ کراچی نمبر ۵، صفحات: ۸۷۔

۲۵......خطبات حکیم الاسلامؒ (جلد اول) مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک (۲) مقام نبوت اور اس کے آثار و مقاصد (۳) کتاب خداوندی اور شخصیات مقدسہ (۴) معجزہ علمی (۵) جہلائے عرب سے مقام صحابیت تک (۶) قرآن حکیم کی عملی تفسیر (۷) حیاتِ طیبہ (۸) فلسفہ علم (۹) وعظ یوسفی۔

۲۶......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد دوم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۵۱۲، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) معارف القرآن (۲) رحمۃ للعالمین (۳) بیت اللہ الکریم (۴) عبادت وخلافت (۵) اخلاص فی الدین (۶) صحبت صالح (۷) راہ نجات (۸) راہ اعتدال (۹) مقصد حیات (۱۰) فلسفہ موت (۱۱) اسلام میں تصور آخرت (۱۲) فضیلت یوم الجمعہ (۱۳) سنت حضرت خلیل علیہ السلام (۱۴) حقیقت نکاح۔

۲۷......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد سوم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۲۲۸، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) ذکر اللہ

(۲) معرفت باری تعالیٰ (۳) رضائے الٰہی (۴) طریق اصلاح (۵) تعارف اہل حق (۶) تسکین فطرت (۷) ادب اور اختلاف رائے (۸) حقوق مالیہ (۹) خطبہ طیبہ۔

۲۸......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد چہارم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) مقصود بعثت (۲) یادِ حق (۳) نبوت وملوکیت (۴) ثمرات علم (۵) عمل صالح (۶) انسانی زندگی کا نصب العین (۷) پرسکون زندگی (۸) سیرت اور صورت (۹) شعب الایمان (۱۰) تعلیم، تبلیغ (۱۱) تبلیغی جماعت اور اصلاح (۱۲) جماعتی تبلیغ (۱۳) فضیلت النساء (۱۴) پیغام ہدایت (۱۵) فکر اسلامی کی تشکیل جدید (۱۶) اسلامی تمدن (۱۷) درس ختم بخاری (۱۸) اظہار تشکر۔

۲۹......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد پنجم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۴۷۹ اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) شان بعثت (۲) عناصر سیرت (۳) اسلام عالمی مذہب ہے (۴) انسانی فضیلت کا راز (۵) مقصد نعمت ومصیبت (۶) افادات بخاری (حصہ اول) (۷) افادات بخاری (حصہ دوم)۔

۳۰......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد ششم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۴۶۰، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) علمی معجزہ (۲) خلافت تجوید (۳) نجوم ہدایت (۴) آغاز بخاری (۵) تعلیم و تدریس (۶) تاثیر الاعمال (۷) آداب دعاء (۸) الہامی ادارہ اور اس کے فضلاء کی تنظیم (۹) سائنس اور اسلام۔

۳۱......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد ہفتم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۴۴۹، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) خطبہ استقبالیہ اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند (۲) اساس توحید (۳) حج بین الاقوامی عبادت (۴) اہمیت تزکیہ (۵) جواہر انسانیت (۶) ملت اسلامیہ کا المیہ اور اس کا علاج (۷) تعلیم نسواں (۸) افادات علم وحکمت۔

۳۲......خطبات حکیم الاسلامؒ جلد ہشتم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، صفحات: ۴۷۲، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں خطاب (۲) موتمر اسلامی قاہرہ میں خطاب (۳) عالمی موتمر اسلامی قاہرہ سے واپسی پر خطاب (۴) تقسیم فلسطین اور اسرائیل کے وجود پر مسلمانان ہندوستان کے دلی جذبات کا اظہار (۵) مذہب

اورسیاست (۶) مسلم پرسنل لاء (۷) اسلام اورآزادی (۸) عروج وزوال (۹) تیونس اورمراکش کی جدوجہد آزادی (۱۰) آئینہ خدمت جمعیۃ علمائے ہند (۱۱) نصاب تعلیم کی تدوین (۱۲) تصویرسازی کی مذہبی اورتمدنی حیثیت (۱۳) اشتراک مذہب (۱۴) دنیاوآخرت (۱۵) عالم اصغر (۱۶) افادات علم وحکمت۔

۳۳......خطبات حکیم الاسلامؒ جلدنہم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری، کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑگیٹ ملتان، صفحات: ۴۶۹، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) اساسی عبادات (۲) اہمیت نماز (۳) رمضان اوراس کے مقاصد وبرکات (۴) فضیلت تقوی (۵) اسلام میں عید کا تصور (۶) محبت ومعیت (۷) تعلیم جدید (۸) مرکز سعادت (۹) امتیاز دارالعلوم (۱۰) آزادی ہند کا خاموش رہنما (۱۱) اکابر دیوبند اورآزادی ہند (۱۲) حدیث پاکستان (۱۳) امارت شرعیہ (۱۴) الواعظ (۱۵) اظہار تعزیت (۱۶) جامع مذہب (۱۷) افادات علم وحکمت۔

۳۴......خطبات حکیم الاسلامؒ جلددہم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑگیٹ ملتان، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) راہنمائے انقلاب (۳) عظمت حفظ (۴) آل انڈیا احناف کانفرس سے خطاب (۵) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (۶) تکمیل انسانیت (۷) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ (۸) افادات علم وحکمت۔

۳۵......خطبات حکیم الاسلامؒ جلدیازدہم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑگیٹ ملتان، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) فلسفہ نماز (۲) تفسیر سورۃ ملک (۳) افادات علم وحکمت۔

۳۶......خطبات حکیم الاسلامؒ جلددوازدہم، مرتبہ مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری، کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑگیٹ ملتان، صفحات: ۴۴۹، اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) تفسیر سورۂ قلم (۲) آثار صحبت (۳) کتابیاتی جائزہ۔

۳۷......خطبات طیبؒ (حضرت حکیم الاسلامؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۲ر تقاریر کا مجموعہ، ترتیب قاری نثار احمد قاسمی، نظر ثانی مولانا سالم قاسمی ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑگیٹ ملتان، صفحات: ۳۸۱۔ اس مجموعہ میں درج ذیل خطبات شامل ہیں (۱) فضائل تقویٰ (۲) اخلاص و اصلاح (۳) قرآن کا اعجاز (۴) سیرت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم (۵) گنجینہ علوم ومعارف (۶) امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت (۷) مومنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ (۸) عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام (۹) پیغام ربانی کی ضرورت بنام عالم انسانی

(۱۰) مذاہب عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات (۱۱) تحفہ مومن (۱۲) منامی تقریر (نیند میں عورتوں سے حکیمانہ خطاب)۔

۳۸......خطبہ طیبہ مطبوعہ شاہ آباد (صفحات ۱۳۰) بحوالہ ذکر طیبؒ، ص: ۱۴۳، مولفہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ادارہ اسلامیات لاہور، جون ۱۹۸۴ء۔

۳۹......خطبہ استقبالیہ صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند ۱۴۰۰ھ، (اس تقریر میں دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سالہ دور کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے) حوالہ ذکر طیب، ص: ۱۱۵۔

۴۰......دارالعلوم کی روحانی عظمت اور اس کا مقام، شعبہ تصنیف و اشاعت دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (ربیع الاول ۱۳۸۲ھ)

۴۱......دین اور شعائر دین کا احترام، ترتیب و تکمیل قاری عبدالکریم میلسی، ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون شیرانوالہ لاہور، صفحات: ۴۸۔ (اس تقریر میں یہ بیان فرمایا گیا کہ شعائر دین کا تحفظ ادب کے بغیر ناممکن ہے)۔

۴۲......دین وسیاست (خطبہ صدارت جمیعۃ علمائے ہند، ضلع مرادآباد کانفرس) حوالہ تذکرہ طیبؒ، ص: ۲۵۳۔

۴۳......سائنس اور اسلام، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبرا، اشاعت اول، اپریل ۱۹۷۵ء، صفحات ۱۱۰، (یہ تقریر آپ نے اسلامی تاریخ وتمدن علی گڑھ میں فرمائی جس میں ''سائنس اور اسلام'' کا صحیح مفہوم اور حقیقت بیان فرمائی، نیز یہ ثابت کیا گیا کہ ارتقا پسند انسانی عقل اور ہدایات ربانی کا سنگم صرف اسلام ہے اس کتاب پر علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا اعزاز علی اور ڈاکٹر محمد ذکی الدین صاحب کی تقاریظ ثبت ہیں)۔

۴۴......سرکاری عربی مدارس کے نصاب کے ترتیب وتدوین (مولانا ابوکلام آزاد کی زیرصدارت کونسل ہاؤس لکھنؤ میں ۱۹۴۷ء میں یہ تقریر فرمائی جس پر مولانا آزاد جیسے خطیب بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے) حوالہ ذکر طیبؒ، ص: ۱۲۷۔

۴۵......طریقت شریعت اور سیاست مکتبہ مدینہ باغپورہ جدید گوجرانوالہ (اس کتابچہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی تقریر کے شروع میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط بھی شامل ہے جو آپ کو لکھا گیا)۔

۴۶......فضائل جمعۃ المبارک، مرتبہ صابر علی اختر مدرس مدرسہ یعقوبیہ بولٹن مارکیٹ کراچی، ۱۳۹۷ھ ص: ۴۶۔ (یہ حکیم الاسلامؒ کی ایک علمی تقریر ہے جس میں فضائل جمعہ کے موضوع پر علم ومنطق کے بحر ذخار

سے آپ کے حساس ذوق نے جواہرات کے انبار لگادیئے)۔

۴۷......فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ترتیب مولانا حسین احمد نجیب، ناشر محمد عثمان میمن لیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹، (یہ تقریر جامعہ طیبہ دہلی کے ''ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز'' میں ۲۶/دسمبر ۱۹۷۶ء کوفرمائی)صفحات:۴۸۔

۴۸......فلسفہ موت، مرتبہ قاری عبدالکریم میلسی، ادارہ کریمیہ اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور، ۱۹۷۹ء صفحات ۶۴۔ (یہ کتابچہ حضرت کی چند تقاریر پر مشتمل ہے جو آپ نے مئی ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم خیرالمدارس میں جلسہ دستار بندی کے موقع پر ارشادفرمائی تھی)۔

۴۹......فلسفہ نماز ادارہ اسلامیات لاہور طبع دوم ستمبر ۷۸ء صفحات:۱۶۰۔ (کتاب کے آخر میں امام غزالی کا ایک چھوٹا سا رسالہ آداب نماز بھی شامل کیا گیا ہے)۔

۵۰......فلسفلہ نماز وتبلیغ مرتبہ سید شبیر علی شاہ صاحب، ناشر دارالعلوم تعلیم القرآن متصل ڈنگی کھوئی راولپنڈی (یہ تقریر آپ نے کمپنی باغ راولپنڈی کے وسیع میدان میں ۲۸/اگست ۱۹۵۰ء کوایک عظیم اجتماع میں فرمائی)

۵۱......کیا تبلیغی کام ضروری ہے، (یہ کتاب تبلیغ سے متعلق حضرت حکیم الاسلامؒ کی کئی تقاریر کا مجموعہ ہے)صفحات:۲۴۔حوالہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اوران کے جوابات مولفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۲......مذاہب عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات (عقل ،نقل، استناد) کتب خانہ محمودیہ دیوبند، یوپی، انڈیا۔

۵۳......معجزات انبیاء مرتبہ قاری عبدالکریم میلسی ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور، ستمبر ۱۹۸۰ء۔ (یہ تقریر ۲۳/جون ۱۹۶۲ء کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے ارشادفرمائی)

۵۴......معجزہ کیا ہے؟ ادارہ اسلامیات ۱۹۰/انارکلی لاہور، باراول اگست ۷۸ء صفحات:۹۵۔ (اس تقریر میں انتہائی مربوط اوردلچسپ انداز میں معجزوں کی حقیقت، انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ان کے ظہور کے وجود پر ایک جامع اور مدلل بحث کی گئی ہے)۔

۵۵......معیت وصحبت کا اثر، ترتیب تکمیل قاری عبدالکریم میلسی ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون

شیرانوالہ گیٹ لاہور ستمبر ۱۹۸۰ء صفحات:۳۲۔

۵۶......ملک کے تعلیمی مسائل (۱۹۴۹ء لکھنؤ میں ایک کانفرس منعقد ہوئی جس میں تعلیم کے مسائل پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے زبردست تحسین فرمائی) حوالہ ذکر طیبؒ، ص:۱۲۹۔

۵۷......مومنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ، کتب خانہ محمودیہ دیوبند، یوپی، انڈیا۔

۵۸......نماز اسلام کی میزان کل ہے (حضرت حکیم الاسلامؒ کے ایک وعظ کی تلخیص بقلم مولانا محمد اقبال قریشی) صدیقی ٹرسٹ نسیم پلازہ کراچی ۵۔ جون ۱۹۷۷ء صفحات:۱۷۔

۵۹......وعظ یوسفی ترتیب تکمیل قاری عبدالکریم میلسی ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور ستمبر ۱۹۸۱ء صفحات:۲۸۔ (۱۳۷۸ھ میں جامعہ خیرالمدارس ملتان میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے یہ تقریر ارشاد فرمائی جس کا موضوع یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو وعظ ونصیحت تھا، درمیان میں خوابوں کے بارے میں عجیب وغریب تحقیق بھی ضمناً آ گئی ہے)۔

خطبات وتقاریر: رسائل میں طبع شدہ

۱......اسوہ حسنہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں وسعتیں (پیغام نبوت کے بنیادی اصول و عناصر) (یہ تقریر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کی شب اردو پارک دہلی کے جلسہ سیرت میں ارشاد فرمائی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۸ شمارہ ۲۶، اکتوبر ۱۹۶۲ء ص: ۱۰-۱۸۔

۲......الوہیت کی چار صفات، ضابط وسامع محمد یوسف خاں جامعہ اشرفیہ لاہور، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۲۴ شمارہ ۴۵، ۱۱؍مئی ۹۷ء ص: ۲۵-۲۸۔

۳......امام لاہور رحمۃ اللہ علیہ (۲۸؍اپریل ۱۹۶۲ء نماز عشاء کے بعد جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور میں دورۂ تفسیر کے کامیاب طلباء کے جلسہ تقسیم اسناد میں یہ تقریر فرمائی) مشمولہ خدام الدین حضرت لاہوری نمبر ص: ۴۹ تا ۱۷۱۔

۴......بیان القرآن (تلخیص تقریر حضرت حکیم الاسلامؒ از جناب عبدالرحمٰن لدھیانوی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۷ شمارہ ۴، جو ۶۱ء، ص: ۹ تا ۱۱۔

۵......تبلیغی جماعت اور اصلاح، افادات حضرت حکیم الاسلامؒ، مرتبہ محمد ارشد صاحب ڈی آئی خان تبلیغ سے متعلق حضرت قاری صاحب کی تین اہم تقاریر سے اقتباسات، مشمولہ ماہنامہ الخیر ملتان نومبر ۱۹۹۹ء جلد ۱۴ شمارہ ۶، ص: ۲۹ تا ۳۶۔

۶......تحفۃ المؤمن الموت، (یہ تقریر حضرت حکیم الاسلامؒ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی محمد حسن صاحب، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ کی وفات پر ۲۷؍اپریل ۱۹۶۲ء بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ سے پہلے جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور میں ارشاد فرمائی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۴؍مئی ۱۹۶۲ء ص: ۴ تا ۵۔

۷......تقریب ختم بخاری شریف میں حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کا خطاب، رپورٹ مولانا محمد اکرم کاشمیری (یہ تقریر ۱۱؍جولائی ۷۷ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ارشاد فرمائی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور سلسلہ مطبوعات ۱۶۱ ص: ۱۱ تا ۳۲۔

۸......تعزیتی خطاب بسلسلہ وفات مولانا خیر محمد جالندھری خیر المدارس ملتان مشمولہ ماہنامہ الرشید ساہیوال ستمبر ۸۳ء۔

۹......جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب میں حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر (۴/ قسطوں میں) قسط نمبرا ہفت روزہ خدام الدین جلد ۸ شمارہ ۵، ۸/ جون ۱۹۶۲ء قسط نمبر۲ ہفت روزہ خدام الدین جلد ۸ شمارہ ۶، ۲۵/ جون ۱۹۶۲ء۔

۱۰......جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کا خطاب مرتبہ الطاف الرحمٰن کاشمیری، مشمولہ ہفت روزہ ترجمان الاسلام لاہور جلد ۱۹، شمارہ ۱۶۔

۱۱- حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کا مختصر خطاب (مولانا عبید اللہ انور صاحب کے سپاس نامے کے جواب میں ارشاد فرمایا، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۵/ دسمبر ۷۵ء ص: ۱۱-۱۲-۳۱۔

۱۲......حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی تقریر (پیش کش عزیز الرحمٰن لدھیانوی) دو قسطوں میں، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور قسط ا، جلد ۳۹ شمارہ ۴۵، ۳/ نومبر ۱۹۹۵ء قسط ۲ جلد ۳۹ شمارہ ۴۶، ۱۷/ نومبر ۱۹۵۵ء۔

۱۳......خطاب طیبؒ (بمقام دار العلوم سرحد پشاور) مرتبہ پروفیسر محمد سراج صاحب مشمولہ ماہنامہ البیان پشاور جلد ۳ شمارہ، ۶ تا ۱۰ دسمبر ۸۵ء تا اپریل ۸۶ء ص: ۵۵ تا ۱۷۔

۱۴......روح اور جسم کی حقیقت مشمولہ ہفت روزہ اداکار لاہور، جنوری فروری ۷۵ء۔

۱۵......سائنس اور اسلام (حضرت حکیم الاسلامؒ علی گڑھ یونیوسٹی میں کی گئی فاضلانہ تقریر کی تلخیص) بقلم محمد سعید الرحمٰن علوی، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۲۱، شمارہ ۲۱، ۷، اکتوبر ۱۹۷۵ء، ۱۱/ شوال ۱۳۹۵ھ، ص: ۱۳ تا ۱۷۔

۱۶......طریق حفظ ایمان مشمولہ ماہنامہ الصدیق ملتان ربیع الاول ۸۰ھ اگست ۱۹۶۰ء۔

۱۷......عقیدہ اور عمل، مرتب جناب عمیر ہاشمی (یہ تقریر مدرسہ اسلامیہ لاہور میں ارشاد فرمائی) مشمولہ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور جلد ۱۸ شمارہ ۴۶، ۴۷، ۴۸ (۲۸/ نومبر ۴/ دسمبر ۷۵ء)۔

۱۸......علم اور زیادت علم، مرتبہ صبا دانش (یہ تقریر ۱۹۷۵ء میں دار العلوم کراچی کے اساتذہ اور طلبہ کے سامنے فرمائی) مشمولہ ماہنامہ البلاغ کراچی ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ ص: ۴۹ تا ۶۱۔

۱۹......فضلائے دیو بند سے خطاب، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں جلسہ عام کے علاوہ تنظیم فضلائے

دیوبند سے خطاب فرمایا، یہ جلسہ ۲۳،۲۴/جون ۶۲ء میں منعقد ہوا، مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، جلد ۸ شمارہ ۱۳-۳، اگست ۶۲ء ص: ۷تا۱۰تا۱۶۔

۲۰......قرآن اور درس قرآن (یہ تقریر آپ نے ڈیرہ غازی خان میں ارشاد فرمائی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۱۷/اگست ۶۲ء ص: ۱۰تا۱۳۔

۲۱......مدارس دینیہ اور وعدہ بقاء (جامعہ اسلامیہ بھٹکل (جنوبی ہند) کی دعوت پر ۳/ذی الحجہ ۹۶ھ، چوک بازار میں سنگ بنیاد مکتب جامعہ اسلامیہ کے موقع پر یہ خطاب فرمایا) مشمولہ ماہنامہ البلاغ کراچی جلد ۳۲ شمارہ ۱۰/فروری ۱۹۹۸ء شوال ۱۴۱۸ھ، ص: ۱۷تا۲۳۔

۲۲......مسئلہ قربانی پر ایک نظر (یہ تقریر حضرت حکیم الاسلامؒ نے ۵۵ء میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں ارشاد فرمائی) مشمولہ (۱) ماہنامہ انوار العلوم لاہور جلد ۴ شمارہ ۵، اگست ۱۹۵۵ء ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ ص: ۵۷ تا ۲۷۔ (۲) ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور جلد ۲۴ شمارہ ۴۱، ۴۲، (دوقسطوں میں) ۹/۱۶/اکتوبر ۸۱ء۔ (۳) ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۹، شمارہ ۴۸، ص: ۷تا۱۰، ۱۵تا۱۷۔

۲۳......مقاصد شریعت۔ ترتیب وتزئین مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور (۷/قسطوں میں) قسط نمبر ۱، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۵ شمارہ ۷/اپریل ۱۹۹۷ء ص: ۲۳ تا ۲۵، قسط نمبر ۲، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۵ شمارہ ۸/مئی ۱۹۹۷ء ص: ۱۳ تا ۲۲۔ قسط نمبر ۳، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۵ شمارہ ۹/جون ۱۹۹۷ء ص: ۱۴ تا ۲۱ - ۲۵، قسط نمبر ۴، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۵ شمارہ ۱۰/جولائی ۱۹۹۷ء ص: ۱۱ تا ۱۷۔ قسط نمبر ۵، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۵ شمارہ ۱۲/ستمبر ۱۹۹۷ء ص: ۱۷ تا ۲۴، قسط نمبر ۷، مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور جلد ۷ شمارہ ۲/نومبر ۱۹۹۷ء ص: ۸ تا ۱۳۔

۲۴......یادایام (یہ تقریر انڈیا ریڈیو پر نشر کی گئی) مشمولہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جلد ۳۴ شمارہ ۲۴، ۳۱/مارچ ۱۹۷۸ء۔

............❖............

کتابوں میں تذکرہ

۱......اکابر علمائے دیوبند حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ادارہ اسلامیات لاہور (تذکرہ حضرت قاری طیب صاحبؒ، ص: ۳۴۸ تا ۳۵۰)۔

۲......اکابر کے خطوط محمد شاہد سہارنپوری، مکتبہ زکریا بالمقابل جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ لاہور (تذکرۂ حضرت قاری صاحبؒ ص: ۱۷۰)۔

۳......بزم اشرف کے چراغ پروفیسر احمد سعید، مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ، ''التصویر'' ۶۲ رچیمبر لین روڈ، لاہور مئی ۷۵ (تذکرہ حضرت قاری صاحبؒ، ص: ۶۴ تا ۶۷) مصباح اکیڈمی جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور اگست ۹۲ء (تذکرہ قاری صاحبؒ، ص: ۱ ۷ تا ۷۴)

۴......بیس مردان حق (جلد دوم) عبدالرشید ارشد مکتبہ رشیدیہ لاہور بار اول جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ اکتوبر ۹۶ء (تذکرہ حضرت قاری صاحبؒ، بقلم احمد کامران ص: ۷۷۷ تا ۹۰۸)

۵......تاریخ دارالعلوم دیوبند مولانا قاری طیب صاحبؒ، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، اشاعت اول ستمبر ۷۲ء (تذکرہ حضرت قاری صاحبؒ، بقلم عزیز احمد قاسمی ص: ۴۷ تا ۷۶)

۶......تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی (تذکرہ حضرت قاری صاحبؒ، ص: ۴۷۳ تا ۵۰۲)۔

۷......پرانے چراغ (جلد دوم) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی۔

۸......تذکرہ طیبؒ محمد ابوبکر غازی پوری المکتبہ الاثریہ، قاسمی منزل سیدواڑہ غازی پور (انڈیا) ص: ۲۶، ۱۴۰۳ھ۔

۹......جہانِ دانش (جلد دوم) بحوالہ ماہنامہ الرشید (دارالعلوم دیوبند نمبر) ص ۴۹۷، جامعہ رشیدیہ ساہیوال ۱۹۷۶ء۔

۱۰......دارالعلوم کے ۱۱۷ رسال، شائع کردہ دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند پاکستان میں ادارہ اسلامیات لاہور، اشاعت اول مارچ ۱۹۸۱ء ص: ۶۲ حضرت حکیم الاسلامؒ کا تذکرہ بعنوان عہد حاضر اور

دارالعلوم ص: ۵۷ تا ۵۸۔

۱۱......ذکر طیبؒ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ادارہ اسلامیات لاہور ۱۴ر جون ۱۹۸۴ء ص: ۳۰۴۔

۱۲......روحانی زندگی کے عناصر اربعہ اخلاق احمد عثمانی موسوم بہ کلیم عثمانی دبستان عثمانیہ گلشن قبال کراچی (تذکرہ حضرت حکیم الاسلامؒ ص: ۵-۸)۔

۱۳......سیرت المصطفیٰ، جلد سوم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ عثمانیہ، بیت الحمد، واقع جامعہ اشرفیہ، لاہور، طبع دوم، جون ۱۹۸۳ء رمضان ۱۴۰۳ھ (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۳۹۲)

۱۴......شخصیات وتاثرات، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مکتبہ لدھیانوی، جامع مسجد فلاح فیڈرل بی ایریا، نصیر آباد، بلاک نمبر ۱۴، کراچی ۳۸، جون ۱۹۹۵ء، تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۲۱۴ تا ۲۱۷۔

۱۵......مشاہیر علمائے دیوبند (جلد اول) قاری فیوض الرحمٰن صاحب مکتبہ العزیزیہ ۱۴/۱۳ اردو بازار، لاہور بار اول ۱۹۷۶ء، ۱۳۹۶ھ (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۵۲۸ تا ۵۳۳)

۱۶......نقش دوام (سوانح مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ) سید انظر شاہ مسعودیؒ: المکتبۃ البنوریہ: علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۴۸ تا ۴۹)

۱۷......نقوش رفتگان: مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، ادارۃ المعارف، کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید جنوری ۱۹۹۴ء رجب ۱۴۱۴ھ، تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۱۸۹ تا ۱۹۴۔

۱۸......کاروان آخرت مولانا سمیع الحق، مرتب مولانا محمد ابراہیم فانی، موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۲۰۹ تا ۲۳۴)

۱۹......مقدمہ انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری (حصہ دوم) افادات مولانا انور شاہ صاحب کشمیری، مکتبہ ناشر العلوم بجنور طبع ثانی ۱۳۶۳ھ (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۲۵۵)

۲۰......الانوار (سوانح حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) مرتبہ عبدالرحمٰن کوندو، ندوۃ المصنفین دہلی طبع دوم فروری ۱۹۷۸ء (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۲۴۳ تا ۲۴۵)

۲۱......تاریخ دارالعلوم دیوبند سید محبوب احمد رضوی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال مارچ اپریل ۱۹۸۰ء (تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۳۱۸ تا ۳۱۹، زیر عنوان فضلائے دیوبند تذکرہ حکیم الاسلامؒ ص: ۲۴۹ تا ۲۵۰، زیر عنوان صدر مدرسین۔

............❖............

رسائل میں ذکر

١...... ماہنامہ البلاغ کراچی فروری ١٩٧٥ء رپورٹ دورۂ پاکستان حضرت حکیم الاسلامؒ۔

٢...... ماہنامہ البلاغ کراچی جلد نمبر ١٧، شمارہ ١١ ستمبر ١٩٨٣ء، ذیقعدہ ١٤٠٣ھ، (تذکرہ حکیم الاسلامؒ بقلم مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی، ص: ٣-٨)

٣...... ماہنامہ البیان پشاور جلد نمبر ١ شمارہ نمبر ٢، اگست ١٩٨٣ء، ذیقعدہ ١٤٠٣: (تذکرہ حکیم الاسلامؒ، بقلم مولانا محمد اشرف صاحب، ص: ٣ تا ١٣)

٤...... ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک جلد نمبر ١٨ شمارہ ١١، اگست، ذیقعدہ ١٤٠٣ھ (١) حکیم الاسلامؒ کی جدائی پر مولانا عبدالحق صاحب کے تاثرات، ص: ٩ تا ١٣۔ (٢) اشکہائے غم مرثیہ بروفات حضرت حکیم الاسلامؒ، حافظ محمد ابراہیم فانی ص: ٥٧۔

٥...... ماہنامہ الخیر ملتان جلد نمبر ١ شمارہ نمبر ٧ (تذکرہ حکیم الاسلامؒ، بقلم مولانا محمد ازہر شاہ صاحبؒ، ص: ٢٦ تا ٤٠)

٦...... ماہنامہ الرشید ساہیوال ستمبر ١٩٨٣ء نمبر ١١ شمارہ ٩۔

٧...... ماہنامہ الرشید ساہیوال (تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر) از سید محبوب رضوی جلد ٨ شمارہ ٤-٥، مارچ، اپریل ١٩٨٠ء جامعہ رشیدیہ ساہیوال حضرت حکیم الاسلامؒ کا تذکرہ بعنوان فضلائے دیوبند صدر مدرسین ص: ٢١٨-٢١٩-٢٥٠۔

٨...... ماہنامہ الرشید لاہور (دارالعلوم دیوبند نمبر) جلد ٤، شمارہ ٢-٣، فروری، مارچ ١٩٧٦ء، الف: مدح طیبؒ، نظم قاری عبدالعزیز شوقی ص: ١٦٥۔ ب: مرقع عقیدت بخدمت عالی جناب حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ۔ از قاری عبدالعزیز شوقی ص ٤٩٢۔ ج: تذکرہ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ بقلم حکیم انیس احمد صدیقی ص: ٥٨١ تا ٥٨٢۔

٩...... ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اگست ١٩٨٣ء جلد نمبر ٢١ شمارہ ٨ (تذکرہ حضرت حکیم الاسلامؒ بقلم ابواحمد سجاد بخاری، ص: ٢ تا ٤)۔

۱۰...... ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، جلد نمبر ۳۶، شمارہ ۲-۳ فروری، مارچ ۱۹۹۷ء (تذکرہ حضرت حکیم الاسلامؒ، ص: ۲۵-۲۶، بقلم میاں محمد الیاس)۔

۱۱...... ماہنامہ بینات کراچی جلد ۴۳، شمارہ ۵/ستمبر ۱۹۸۳ء ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ، الف: مولانا کا تذکرہ بقلم مولانا محمد یوسف لدھیانوی ص: ۲/۶۔ب: مولانا کا تذکرہ بقلم کلیم عثمانی ص: ۵۸ تا ۶۱۔

۱۲...... ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جلد ۶۲، شمارہ ۲، نومبر ۱۹۸۱ء، محرم ۱۴۰۲، مضمون قاری طیب صاحبؒ کی طویل ترین عظیم خدمات بقلم مولانا عبدالحق محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند۔

۱۳...... ہفت روزہ لولاک فیصل آباد جلد ۲۰ شمارہ ۱۸، ۲۶ اگست ۸۳ء ۱۶/ذیقعد ۱۴۰۳ھ، مضمون حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ، بقلم مولانا غلام مرتضیٰ صاحب جامعہ اشرفیہ شاہ کوٹ۔

۱۴...... ماہنامہ فاران کراچی جولائی ۸۳، جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۱۰ تذکرہ قاری صاحب، ص: ۴۹ تا ۵۱۔

۱۵...... ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۲۰/جولائی ۱۹۶۲ء ص ۱۹، جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۱۱، (نظم سید امین گیلانی بعنوان حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(بشکریہ: حافظ قاری بشیر حسین حامد صاحب، پاکستان)

............❖............

حوالہ جات

(۱)از: مولانا عطاء اللہ بخاریؒ، سواطع الالہام، ص: ۹۴۰

(۲) مولانا مناظر احسن گیلانی، ہندوستان کے دینی مدارس، ص: ۱۰۱

(۳) مولانا مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت ص: ۳۹۶/۳۹۷

(۴) رسالہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند

(۵) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، پچاس مثالی شخصیات، ص: ۳۷ تا ۴۲

(۶) روئیدار دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۳ھ؛ تعلیمی ریکارڈ حضرت حکیم الاسلامؒ، مفتی محمد الیاس گونڈوی، محرر دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

(۷) سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج: ۲، ص: ۳۴،

(۸) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، پچاس مثالی شخصیات، ص: ۷۸

(۹) مولانا زکریا صاحبؒ، آپ بیتی، ج: ۲، ص: ۱۶۷

(۱۰) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، پچاس مثالی شخصیات، ص: ۱۳۴ تا ۱۳۷

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً، ص: ۱۱۷

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً، ص: ۱۲۸

(۱۵) ایضاً۔

(۱۶) مولانا ازہر شاہ قیصر، حیات انورؒ، ص: ۳۸

(۱۷) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، پچاس مثالی شخصیات، ص: ۱۲۴ تا ۱۲۹

(۱۸) ماہنامہ البلاغ، کراچی، مفتی اعظم نمبر

(۱۹) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، پچاس مثالی شخصیات، ص: ۱۲۱ تا ۱۲۳

(۲۰) ایضاً، ص: ۱۳۹ تا ۱۵۱

(۲۱) ایضاً، ص: ۱۵۵

(۲۲) ایضاً،ص:۱۷۰

(۲۳) ماہ نامہ بینات کراچی، ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ،ص:۲۵

(۲۴) سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیو بند، ج ۲،ص:۱۳۵

(۲۵) ہفت روزہ لولاک، خصوصی شمارہ حکیم الاسلامؒ نمبر، فیصل آباد، پاکستان

(۲۶) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، جذبات الم،ص:۸تا۹

(۲۷) ایضاً،ص:۶ تا ۷

(۲۸) ایضاً،ص:۷

(۲۹) ایضاً،ص:۱۰

(۳۰) ایضاً،ص:۱۸تا۱۹

(۳۱) ماہنامہ الحق، اگست ۱۹۸۳ء اکوڑہ خٹک

(۳۲) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیو بند،ص:۲۷۸ تا ۳۷۸؛ رجسٹر تجاویز مجلس شوریٰ ۱۳۴۰ھ؛ روئیداد ۱۳۴۹ء- ۱۳۴۸ھ ص:۵؛ حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، سفرنامہ افغانستان؛ مولانا محمد سالم قاسمی، سفرنامہ برما؛ ماہنامہ دارالعلوم کا عالمی موتمر اسلامی قاہرہ نمبر،ص:۱۵، ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۳ھ؛ ماخوذ ہفت روزہ، افلاک، حکیم الاسلامؒ نمبر، لاہور؛ مختصر رپورٹ ماہنانہ دارالعلوم دیو بند ۱۹۷۶ء؛ ماہنامہ الرشید ساہیوال، ستمبر ۱۹۸۳ء؛ ماہنامہ الرشید، مئی ۱۹۷۸ء؛ حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، سیر کشمیر؛ خصوصی انٹرویو، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب۔

(۳۳) اخبار عزائم، لکھنؤ، ۱۴/نومبر ۱۹۷۲ء؛ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام،ص:۱۷-۱۶

(۳۴) روئیداد، دارالعلوم وقف دیو بند، ۱۹۸۳ء تا ۲۰۱۳ء

(۳۵) خصوصی شمارہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ، ندائے دارالعلوم ۱۹۸۵ء

(۳۶) ایضاً

(۳۷) مولانا نور عالم خلیل امینی، پس مرگ زندہ،ص:۱۱۲

(۳۸) خصوصی شمارہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ، ندائے دارالعلوم ۱۹۸۵ء

(۳۹) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، علمائے دیو بند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج،ص:۱۵،۱۴

(۴۰) ایضاً ص:۸۸

(۴۱) ایضاً ص:۱۱۳تا۱۱۴

(۴۲) ایضاً ص:۱۰۲

(۴۳) خصوصی شمارہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ، ندائے دارالعلوم ۱۹۸۵ء

(۴۴) خطبات ڈاکٹر ذاکر حسین، ص:۳۶

(۴۵) مولانا حامد الانصاری غازی، استاذ اکبر، ص:۲۵

(۴۶) مولانا فاروق قاسمی، معارف حکیم الاسلام، ص:۳۲۰ تا ۳۲۴

(۴۷) ماہنامہ البلاغ، خصوصی نمبر، دارالعلوم کراچی

(۴۸) خصوصی شمارہ، ماہنامہ ندائے دارالعلوم دیوبند، ۱۵ر جولائی تا یکم ستمبر، ۱۹۹۴

(۴۹) ماہنامہ البلاغ، خصوصی نمبر، دارالعلوم کراچی

(۵۰) مولانا نور عالم خلیل امینی، پس مرگ زندہ، ص:۱۴۵

(۵۱) مولانا ادریس صاحب ہوشیار پوری، خطبات حکیم الاسلام، ج ا، ص:۶۸

(۵۲) ایضاً: ج ا، ص:۱۱۳

(۵۳) ایضاً، ج ا، ص ۱۴۹

(۵۴) ایضاً، ج ۲، ص ۴۹

(۵۵) ایضاً، ج ۲، ص:۱۴۰

(۵۶) ایضاً، ج ا، ص:۸۳

(۵۷) ایضاً، ج ا، ص:۲۵۶

(۵۸) ایضاً، ج ا، ص:۳۳۹

(۵۹) ایضاً، ج ۲، ص:۵۶۶

(۶۰) ایضاً، ج ۲، ص:۱۵۴

(۶۱) ایضاً، ج ۲، ص:۲۰۵

(۶۲) ایضاً، ج ۲، ص:۲۴۳

(۶۳) ایضاً، ج ۲ر ص:۲۷۵

(۶۴) ایضاً، ج ۲، ص:۳۵

(۶۵) ایضاً، ج ۲، ص:۳۰۶

(۶۶) ایضاً، ج ۲، ص:۵۶۰

(۶۷) ایضاً، ج ۴، ص:۵۵۴

(۶۸) ایضاً، ج ۴، ص:۵۷

(۶۹) ایضاً، ج ۴، ص:۱۱۵

(۷۰)ایضاً، ج۴،ص:۱۹۲
(۷۱)ایضاً ج۴،ص:۲۲۵
(۷۲)ایضاً، ج۴،ص:۲۴۱
(۷۳)ایضاً، ج۴،ص:۳۲۰
(۷۴)ایضاً، ج۴،ص:۳۷۸
(۷۵)ایضاً، ج۴،ص:۳۹۹
(۷۶)ایضاً، ج۴،ص:۴۳۶
(۷۷)ایضاً ج۴،ص:۴۹۳
(۷۸)خصوصی شمارہ، سہ ماہی ندائے دارالعلوم دیوبند، ۱۵/جولائی تا یکم ستمبر۱۹۹۴ء
(۷۹)ایضاً
(۸۰)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، دینی دعوت کے قرآنی اصول،ص:۱۱۷
(۸۱)ایضاً،ص:۱۳۳
(۸۲)ایضاً،ص:۱۴۲
(۸۳)ایضاً،ص:۱۵۵
(۸۴)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،قربانی کی حقیقت،ص:۱۹۹
(۸۵)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، اردو زبان کی شرعی حیثیت،ص:۳۹۵
(۸۶)ایضاً،ص:۱۰۱
(۸۷)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، عالم انسانیت کا مکمل قانون،ص:۱۰۲
(۸۸)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، نکاح کی حقیقت ص:۵۸۹
(۸۹)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج،ص:۱۹۰
(۹۰)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،علم غیب،ص:۱۸
(۹۱)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، اجتہاد اور تقلید،ص:۳۸۳
(۹۲)ایضاً،ص:۴۰۹
(۹۳)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،نسب اور اسلام،ص:۳۸
(۹۴)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،شہید کربلا اور یزید،ص:۳۴۶
(۹۵)حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ،تشبہ فی الاسلام،ص:۱۹۶

(۹۶) ایضاً، ص: ۲۷۷
(۹۷) ایضاً ص: ۵۰۳
(۹۸) ایضاً، ص: ۵۳۸، ۵۳۹
(۹۹) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، فلسفۂ نماز، ص: ۵۸۲
(۱۰۰) ایضاً، ص: ۵۹۳
(۱۰۱) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، فطری حکومت، ص: ۲۹۰
(۱۰۲) ایضاً، ص: ۳۰۴، ۳۰۷
(۱۰۳) حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، علمائے دیو بند کا دینی رخ ص: ۵۶۱
(۱۰۴) انتخاب از مولانا حبیب اللہ قاسمی، مجالس حکیم الاسلام
(۱۰۵) اقتباسات از مولانا عبد البصیر، ملفوظات حکیم الاسلامؒ
(۱۰۶) ایضاً
(۱۰۷) اقتباسات از مولانا فاروق قاسمی، معارف حکیم الاسلام
(۱۰۸) اقتباسات از مولانا شفیق قاسمی، مکتوبات حکیم الاسلام
(۱۰۹) سید احتشام حسین، تنقیدی نظریے، ج ۲، ص: ۵۲
(۱۱۰) مولانا محمد اسلم قاسمی، عرفانِ عارف، ص: ۱۵
(۱۱۱) خصوصی شمارہ، سہ ماہی ندائے دار العلوم دیو بند ۱۵ / جولائی تا یکم ستمبر ۱۹۹۴ء
(۱۱۲) اجلاس صد سالہ کے موقع پر شائع ہونے والے منظوم کلام ''ارمغانِ صد سالہ'' سے ماخوذ
(۱۱۳) اانتخاب از حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، کلمات طیبات
(۱۱۴) انتخاب از مولانا محمد اسلم قاسمی، سپاس نامے
(۱۱۵) شاہِ افغانستان دار العلوم دیو بند میں؛ روئیدادِ خیر مقدم آنریبل مولانا ابو الکلام آزاد، وزیر تعلیم حکومت ہند؛ صدر جمہوریۂ ہند دار العلوم دیو بند میں؛ پروفیسر ہمایوں کبیر دار العلوم دیو بند میں۔

............❖............

حیاتِ طیب

- پیدائش
- تعلیم وتربیت
- اساتذہ ومشائخ
- دارالعلوم کی خدمات وترقیات
- اجلاس صدسالہ
- مسلم پرسنل لاء بورڈ
- مقدراتِ الٰہیہ
- قیام دارالعلوم وقف دیوبند
- وفات
- اولادواحفاد
- تعزیتی پیغامات
- اخلاق وعادات ــــ اوصاف وامتیازات
- علمی کمالات؛ تدریس وتعلیم ــــ تقریروخطابت
- تصنیف وتالیف
- مجالس
- شعروشاعری
- مجالس
- ملفوظات
- چندواقعات اوران سے مفید نتائج کا استنباط
- مکتوبات
- منثورومنظوم سپاسنامے

کچھ طبع جدید سے متعلق

حیاتِ طیب کے زیرنظرطبع ثانی میں جہاں ایک طرف تصحیحات پرتوجہات کو مرتکز کیا گیا وہیں اس کے علاوہ مفید اضافات نے کتاب کی اہمیت کومزید رونق بخشی ہے، طبع اول ہو کہ ثانی معارف کے تذکرے کی کلیدی حیثیت مسلم ہے البتہ زیرمطالعہ طبع ثانی مفید اضافات سے مزین ہے کیونکہ معارف کے باب میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا ذوقی ومزاجی اختصاص بیان حکمت کومحیط ہے اور علمی دوائر واجتماعیات اور اکابر شخصیات کی جانب سے ''حکیم الاسلام'' کا خطاب اسی صفت حمید کا مظہر ہے، لہٰذا اضافۂ معارف کے علی الرغم دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت وہمہ نوع مصروفیات اورادارتی حوالے سے کثرت اسفار کے درمیان تدریس کے لازمی تقاضوں پر ارتکاز کے تذکروں کے ساتھ اوصاف اکابر کی سنتِ شعروشاعری کے متوارث ذوق کے تذاکر جیسے مفید اضافات کے حوالے سے یقین ہے کہ ان شاء اللہ مذکورہ مفید اضافات زیرنظرطبع ثانی کی مزینہ صفات شمار کی جائیں گی، طبع ثانی میں ازسرنو مآخذ تک رسائی، بہ نظرغائر اصلاحات واضافات کے لیے قدیم کتب سے مراجعت جیسے وقت اور محنت طلب مراحل مقصدی طور پرجس قدرتوجہات کے متقاضی تھے اس کے لیے بلاشک وشبہ میرے رب نے وقت میں بیحد قیمتی برکات کی عطائے خاص سے سرفراز فرمایا ہے، تاہم تمام ترجہود ومساعی اور ارتکاز کے باوجود غلطی کے امکان کوکسی بھی مرحلے پر ہرگز مسترد نہیں کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس حوالے سے اہل علم قارئین کی خدمت میں درخواست گزارہوں، اس پہلو سے خبروآگہی اور نشاندہی راقم کے لیے موجب تشکر ہوگی۔

محمد شکیب قاسمی

ISBN 978-93-84775-22-3

9 789384 775223

إحياء تراث السلف
مجمع حجة الإسلام
ـ للبحث والتحقيق ـ

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband

Eidgah Road, P.O. Deoband-247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel : + 91-1336-222352, Mob: + 91-9897076726
Website: www.dud.edu.in, www.darululoomwaqf.com
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com